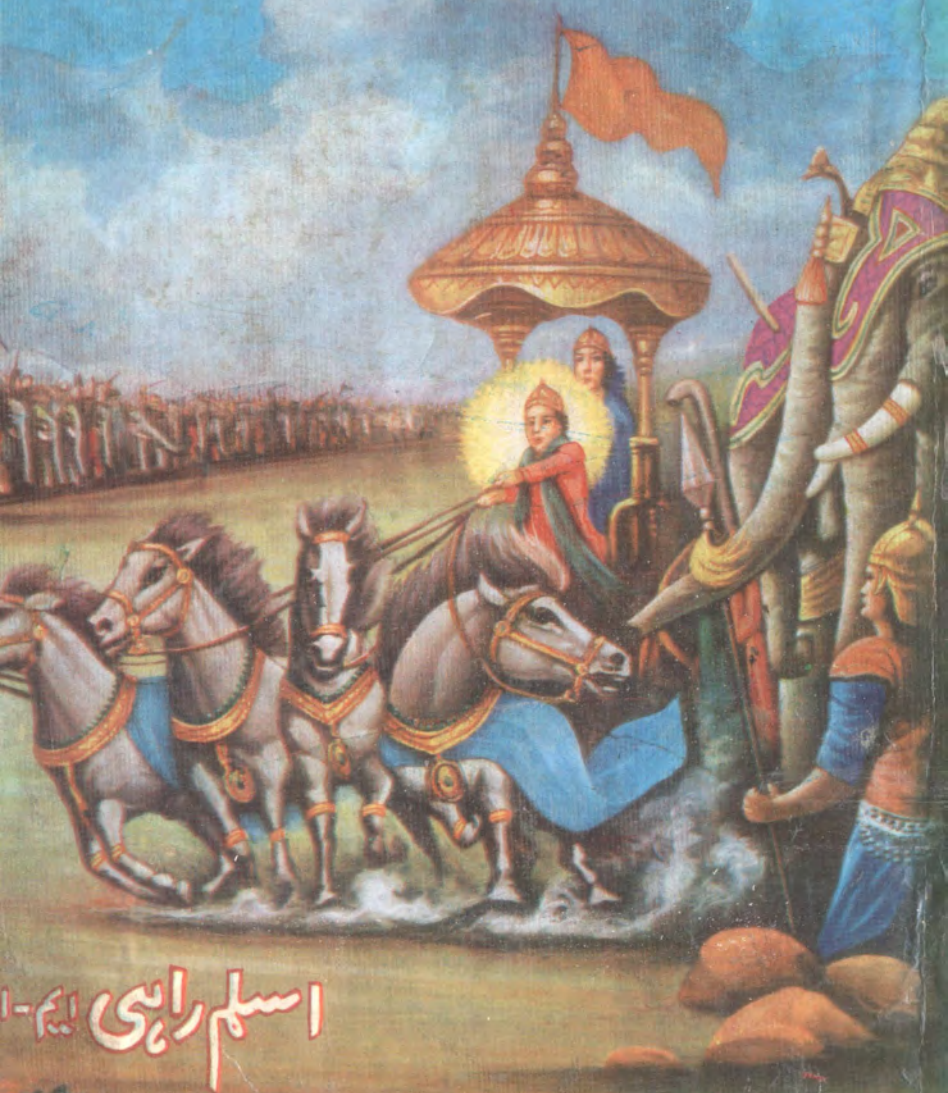


آخری حصار



چتر وشہر میں ریاست میواڑ کا راجہ رانا سنگا اپنے سُہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دائیں بائیں اس کے درباری اور جرنیل اپنے اپنے مراتب کے مطابق اپنی نشستیں منبھالے ہوئے تھے۔

رانا سنگا کے صحن سامنے فرش پر کچھی دبیز قالین پر سازندے بیٹھے ساز بجا رہے تھے اور وسط میں جوان، فوجیہ اور حسین ہندو لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ ساز لمبو بہ لمبو تیز ہوتے جا رہے تھے۔ اس پُر کیف و طرب خمیز فضا میں فوجیہ حسین جسم پُر جوش سازوں کی لے پر عریانی کی تصویریں بنے اپنی رعنائی و زیبائی کی پوری پوری تشبیہ کرتے ہوئے تھکر رہے تھے ان رقص کرتی نیم عریاں لڑکیوں کے پاؤں سرس کے فرش پر کچھی دبیز قالین پر رقصاں تھے۔ ان کی رگ رگ سے سینوں میں بدمی کے شعلے برپا کر دینے والی جنسیت کی لہریں چھوٹ رہی تھیں۔ ان کی نظر نظرتے شرم و حیا کو کھسم کرنے والی اور انسانی ضمیر پر کاک بُل دینے والی ہوس کی مستی ٹپک رہی تھی۔

ۛ اس کا اصل نام سکرام سنگھ تھا۔ رانا سنگا کے نام سے مشہور تھا۔

رانا سانگا اپنے تخت پر چنگیز خان و ملا کو کی تصویر بنا بیٹھا تھا اور اس کے سامنے نیم
عربان سیناؤں کا انبار محروس تھا۔ سانگے تانوں میں ڈھلے بکے ہلکے ہتھکڑے اٹھڑے تھے۔ ان
ناچتی نوخیز وحین لڑکیوں کی آنکھوں میں پوشیدہ مبہم پیغام تھے۔ ان کے سینوں کی محرابوں کی
حرکت میں شوق کی لے کو تیر کر دینے والی ایک برائیتی تھی۔ ایسا لگتا تھا ان کے جسم پر تنگی لباس
آنکھوں میں نشے کی لہریاؤں میں بدی کی لہریاں لغزش سے سینہ سونان میں انسانی ضمیر جل جلتے
گا اور نیکی کی رحیم چھتی ہوئی فتاؤں میں کھو جائیں گی۔

بدی کی لے پر یہ رقص اٹلیس کافی دیر تک جاری رہا۔ بیان تک کہ ساز بجنے بند ہو
گئے۔ رقص کرتی لڑکیوں نے پاؤں ترک گئے۔ یوں لگا گویا رقص کا علم کا کچھ کی مانند ٹوٹ گیا ہوا
مذہب کی وعظ کنوں پر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ طاری ہو۔

رقص کرتی لڑکیاں اور سازندے جب باہر نکل گئے تو کمرے میں رانا سانگا کا ایک
محافظ داخل ہوا اور سجدے کے انداز میں اس کے سامنے کئی بار جھکتے ہوئے اس نے کہا: "اے
یالک! مالوہ کا ایک مسلمان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید وہ فریادتی ہے اور آپ سے
کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

رقص دیکھنے کے بعد رانا سانگلے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنے
محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے اور اپنی نشست پر پہلو بدل کر کہا: "اے اندر بھجو۔"

وہ محافظ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد رانا سانگا کے اس طرف غلنے میں درمیانی عمر
کا ایک شخص داخل ہوا اور اس طرف غلنے میں درمیانی عمر کا ایک شخص داخل ہوا اور اس طرف
غلنے کے وسط میں رانا سانگلے کے سامنے اکھڑا ہوا۔ اس نے نہ ہی سجدے کے انداز میں جھک
کر رانا سانگا کو تعظیم دی اور نہ ہی ایسی کسی اور حرکت کا اظہار کیا۔

رانا سانگانے غصے میں کہا: "تمہیں کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ جس کے پاس فریادی بن
کر جاتے ہیں اسے کیسے اور کس طرح تعظیم دیتے ہیں۔"

اس اجنبی نے کہا: "اگر تعظیم سے آپ کا مطلب سجدے کے انداز میں کمر جھکانا ہے
تو میں مسلمان ہوں۔ مسلمان اپنے خدا کو سجدہ کرتا ہے اور جو شخص خدا کو سجدہ کرتا ہے وہ دوسرے

ہر سجدے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔"

رانا سانگانے غلے سا ہو کر کہا: "کہو تم کون ہو اور ہمارے پاس کس غرض سے آئے ہو؟"
اس اجنبی نے کہا: "اے راجہ! میرا نام سمریک ہے میں ترک مسلمان ہوں۔ مالوہ
کے نواح میں مالوہ کی ریاست کے حاکم سلطان محمود نے مجھے میری شجاعت و بہادری کے باعث
ایک جاگیر دے رکھی تھی جو سلطان محمود کے ہندو وزیر مدینی راؤ چندری نے مجھ سے چھین لی۔
اور اپنے ایک ہندو رشتہ دار کو وہ جاگیر سوچ دی ہے۔ مدینی راؤ صرت آپ کی بات مانتا ہے اور
آپ کے اشاروں پر کام کرتا ہے۔ میری آپ سے اتنا اس ہے کہ اس سے میری جاگیر واپس دلا
دیں۔ میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔"

رانا سانگانے برہم ہو کر کہا: "تم غلط جگہ فریاد لے کر آئے ہو۔ مدینی راؤ نے جو فیصلہ
کیا ہوگا درست ہی کیا ہوگا۔ اگر تم نے کسی اور جگہ مدینی راؤ کے خلاف اس امر کو آگے بڑھانا چاہا
تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔ مدینی راؤ کا یہ احسان کیا تم پر کم ہے کہ اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔
درد وہ تمہیں قتل بھی کرا سکتا تھا۔ اب تم جاؤ اور مالوہ جا کر ایک پُر امن انسان کی سی زندگی
بسر کرو۔ چھٹی ہوئی جاگیر کا حصول اب تمہاری فائز کے لیے خطرناک اور نقصان دہ ہوگا
جاؤ پہلے جاؤ۔"

ایک مایوس اور حسرت آمیز نگاہ سمریک نے رانا سانگا پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔
رانا سانگا کے محل کے باہر سمریک کی بیوی اس کا بھائی اور گھر کا ایک ملازم اپنے
چار ٹھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ سمریک آہستہ آہستہ اندھکی تھکی چال چلتا ان کے پاس

۱۰ سلطان محمود کا یہ وزیر نہایت چالاک اور عیار شخص تھا اور رانا سانگا کا آدمی تھا۔ سلطان محمود
اس کے ہاتھوں کئی کئی بن کر رہ گیا تھا۔ سلطان محمود نے حجرات کے مسلمان حاکم سے مدولے
کہا اپنے اس وزیر سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مدینی راؤ چندری نے رانا سانگلے
مدولے اس پر حملہ کرا دیا اور مالوہ میں ہندوؤں کے سامنے اس کی حالت ایک ایسی کی سی ہو
کر رہ گئی تھی۔

آیا۔ اس کی بیوی نے اپنی گود میں اٹھائے اپنے بچے کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا: کیا کام داجو نے؟

سمریک نے مایوسی میں کہا: اس نے دستکار کر نکال دیا ہے۔ وہ بدینی راؤ کے خلاف کچھ شے کا سدا رہا نہیں ہے۔ سمریک چند ثانیوں تک رکا پھرا اس نے اپنے چھوٹے اور جہاں سال بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اللہ ویردی! تم سیدام اور دونوں بچوں کو وادی فرغانہ چلے جاؤ۔ پھر سمریک نے اپنے ملازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ نصرت میرے ساتھ رہے گا۔

سمریک کے چھوٹے بھائی اللہ ویردی نے اپنے قریب کھڑی سمریک کی بیٹی اور اپنی بھینجی کو اپنے بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے کہا: اے میرے بھائی! ہم آپ کو یہاں تنہا چھوڑ کر کیسے وادی فرغانہ کی طرف چلے جائیں؟

اس بار سمریک کی بیوی سیدام نے بھی رو ہانسی آواز میں بولتے ہوئے کہا: اللہ ویردی! ٹھیک کرتا ہے ہم آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ کر کیسے اور کیونکر وادی فرغانہ چلے جائیں؟

سمریک نے اپنی بیوی کو سمجھانے کے انداز میں کہا: سیدام! سیدام! وادی فرغانہ تمہارے لیے کوئی اجنبی سرزمین تو نہیں۔ وہاں تمہارا باپ رہتا ہے وہ تمہیں خوش رکھے گا۔ یہیں یہاں سے سلطان ابراہیم لدگی کے پاس دہلی جاؤں گا اور اس سے دینی راؤ کی شکایت کروں گا۔ اگر اس نے میری مدد کی تو بہتر ورنہ میں گجرات کے سلطان حکمران سے مدد حاصل کرنے کی خاطر جنوبی ہند کی طرف چلا جاؤں۔ مجھے اُمید ہے وہ ضرور میری مدد کرے گا۔

سنو سیدام! جب حالات درست ہو گئے تو میں نصرت کو بھیج کر تم لوگوں کو منگواؤں گا۔ ان حالات میں تم لوگوں کا میرے ساتھ رہنا انتہائی خطرناک ہے۔ احمد دینی راؤ کو خبر ہو گئی کہ ہم اپنی جاگیر حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں تو وہ ضرور ہم پر ہاتھ ڈالے گا۔ ان حالات میں میرے لیے تم لوگوں کی حفاظت کرنا انتہائی دشوار ہو جائے گا جب کہ میں اور نصرت یہاں بہتر طور پر کام کر سکیں گے کیوں کہ میں کم از کم تمہاری طرف سے تو فکر مند نہ ہوں گا۔ سمریک رکا پھرا اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اگر

میری بات سے تمہیں اتفاق نہیں ہے تو کم از کم اپنے ان دونوں بچوں کے مستقبل کی خاطر ہی وادی فرغانہ چلے جاؤ کہ یہی دونوں ہی ہماری آخری پونجی اور سرمایہ حیات ہیں۔

سیدام نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا: کیا یہ آپ کا حکم؟

سمریک نے کہا: ایسا ہی سمجھ لو۔

سیدام نے بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے کہا: مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ آپ کا کہاؤں سکوں۔ میں یہیں سے اللہ ویردی اور دونوں بچوں کے ساتھ وادی فرغانہ روانہ ہو جاؤں گی۔ ہمارے بعد آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ جب آپ دیکھیں کہ جاگیر کا حصول مشکل ہے تو آپ فوراً نصرت کے ساتھ وادی فرغانہ آجائیں۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں ایسی جاگیر پر جس میں جان کا خطرہ ہو۔ میرے باپ کے پاس اتنا کچھ ہے کہ ہم وہاں باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ میرا باپ انتہائی فراخ دل انسان ہے۔ وہ بڑے کھلے دل اور خوشی سے ہمارا استقبال کر لے گا۔

سمریک نے آگے بڑھ کر اپنے بیٹے اور بیٹی کو پیار کیا پھر اس نے سہارا دے کر سیدام کو اس کے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ اللہ ویردی بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بچے کو اس نے اپنے آگے بٹھالیا۔ جب کہ بچہ سیدام کی گود میں تھا۔ پھر وہ اللہ حافظ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سمریک اور نصرت بھی دہلی جانے کے لیے وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



فضاؤں کے دروہام پر محیط رات کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ تارے ستر آسمان کی چپ اور سکوت کی طبعیت میں چھپنے لگے تھے۔ آسمان پر دو پہلے نیلے بادلوں کو چیرتا ہوا سورج مشرق سے طلوع ہو رہا تھا۔ خوابوں کے الحمرا پر اجالوں کی شبنم بکھرنے لگی تھی۔ لائٹ کے عناصر ترکیبی پر پھیلی اور کم کش اور تشہ لب الفاظ کی لوح خیالات کو نطق و گویائی کا شعور عطا ہونے لگا تھا۔ سورج کے طلوع ہونے سے فضا میں رنگ رنگ، ہوائیں جلتے رنگ اور سنگ سنگ صداؤں کے سکوت کو نغمگی ملنے لگی تھی۔ قدرت کا جمال و جلال تاروں کی زربکار کلیوں کی طرح ذہنوں کے برگد پر پھیلی تاریکی کو صاف اور روشن کرنے لگا تھا۔ پودوں پر پھیلی شبنم قطرہ قطرہ ہو کر زمین کے بدن میں گھسٹی جا رہی تھی۔

دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی اپنے ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ شکار کی غرض سے اگرہ کے نواح میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اس کے خیمے میں اس کا حاجب داخل ہوا اور کہا۔

”سلطان محترم! ایک شخص کسی انتہائی اہم کام کے سلسلہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام سمر بیک بتاتا ہے اور اس کا تعلق مالوہ سے ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ پہلے دہلی گیا تھا۔ وہاں جب اُسے خبر ہوئی کہ آپ شکار کی غرض سے اگرہ کے نواح میں ہیں تو وہ ادھر چلا آیا۔“

ابراہیم لودھی نے اپنے بستر کے نرم و گداز گدے پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”اسے اندر بھیجو! میں دیکھوں کون ہے؟“

حاجب ایک بار تعظیم کو کھجکا پھر وہ مڑا اور ابراہیم لودھی کے خیمے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سمر بیک ابراہیم لودھی کے اس خیمے میں داخل ہوا ابراہیم لودھی نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

سمر بیک نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ”سلطان محترم! میرا نام سمر بیک ہے اور میرا تعلق مالوہ کی ریاست سے ہے۔ وہاں میں ایک جاگیر کا مالک تھا جو وہاں کے ہندو وزیر مدینی راؤ نے مجھ سے چھین کر اپنے ایک ہندو رشتہ دار کو دے دی ہے۔ ابراہیم لودھی نے کہا۔ ”اگر تم یہ فرماوے کہ میرے پاس آئے ہو تو تم نے حماقت کی ہے یہ شکایت تمہیں حسن محمد سے کرنی چاہیے تھی جو ریاست مالوہ کا حکمران ہے۔“

سمر بیک نے پرجوش انداز میں کہا۔ ”سلطان محترم! مالوہ کا اصل حکمران مدینی راؤ ہی ہے اور وہ میواڑ کے رانا ساککا کا آدمی ہے اور اس کے اشاروں پر کام کرتا ہے جس کو اس کے ہاتھوں کٹھ چلی بنا ہوا ہے۔ سلطان محترم! پوری ریاست کا حال انتہائی تیر ہے۔ ریاست میں ہندو بھوتوں کے ہجوم کی طرح فتناتے پھرتے ہیں۔ عالی منصب اور معلیٰ لقب لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے مظالم کے سبب ہزاروں بچے ہلک رہے ہیں سینکڑوں ماہیں سسک رہی ہیں۔ ریاست کے اندر کہیں فاقہ کش مسلمانوں کی قبریں ہیں اور کہیں

بھوکوں کی چٹائیں۔ ہر طرف جبر کی ارزانی ظلم کی ہمتاں آگ کے بادل اور خون کی برسات ہے۔ قریہ قریہ بچوں کی چیخیں، عورتوں کی آہیں، بھاؤں کے آنسو اور لٹی عصمتوں کے بلے ہیں۔

سلطان محترم! مالوہ کی ریاست میں حسن محمود بالکل بے بس ہے وہاں مدینی راؤ کی حکومت و رعوت اور اسی کی امارت و سفارت چلتی ہے۔ اس کی ہوس و دہوس خواہشوں اسی کے منافق اندھیروں اور اس کے خون آشام ارادوں کے سامنے وہاں کے مسلمان ایک قیامت کے سفر اور خوفی آلام سے گزر رہے ہیں۔“

سمر بیک دم لینے کوڑکا پھر جذبات کی رویں وہ کتا چلا گیا۔ ”وہاں کے مسلمان اس انتظار میں ہیں کہ ان کی مدد کو کوئی مسلمان حکمران اُٹھے اور افاق تانے پکھری تیرگی کی دھجیاں میٹ دے۔ پکھری ہوئی کہ چھوٹی کو میٹ کر ایک نئے آئینے کو جنم دے۔ مذہب کی عظمت کا پاس، لوگوں کے دل کی تپنا اور مکانات اور کھیتوں کی طلب بن کر آئے۔ صبحوں کی تہ میں رکھے جرائم، چار سو پھیلی جبر کی تعزیریں اور ہر طاغوتی پھندے کا خاتمہ کر دے۔“

سلطان محترم! مالوہ کے لوگوں کی حالت تحط و افلاس کی ماری فاختہ اور دیران گھر کے اس دیے جیسی ہے جو اپنا خون جلا کر خود ہی جلتا ہے۔ مسلمانوں کے روشن چہروں پر لالک لکنا نہیں پڑا بیادوں کے تابوت میں دفن کیا جا رہا ہے تاکہ وہ غائب ہوشوں کے ڈھیروں کی طرح پکھرے رہیں اور قطرہ قطرہ اپنی تنہائی کا زہر پی کر زمین کے فتنوں اور ہوس کی آگ کا شکار ہو کر ختم ہو جائیں۔

سلطان محترم! مالوہ کے مسلمان کسی جگہ کسی شاعرے اور کسی کرن کی تلاش میں ہیں۔ بڑے ظلم کے سلسلے اور کرب کے اندھیروں میں ان کی زندگی کے افق روشن کر دے۔ مالوہ میں ان کے لیے ہر پالہ زہر بھرا جام ہر گھڑی شعلوں کا آتش اور ہر سانس ہونا کیوں کا طغیان ہے۔ وہ کسی ایسے چارہ گر کے منتظر ہیں جو ان کی راتوں کے پرتوئل سناٹے میں صبح آزادی کا نور بن کر چمکے۔ انہیں کسی ایسے طبیب کی تلاش ہے جو موت کے لگائے ہوئے زخمیوں پر مرہم رکھ دے۔ ان کی آنکھیں کسی ایسے کیا گر کی راہ دکھیتی ہیں جو ٹوٹے خوابوں

کامیاب بن کر آئے اور قلب و نظر کے سحر اور کو سبزہ زاروں کا جمال اور ذہن و ضمیر کے گہرے نیلے سمندر میں کو بیداری کا احساس عطا کر دے۔ کاش کوئی مرد آہن مالوہ کی فضائے شرب کو رنج سحر عطا کرتا۔ کاش کوئی فرزند دیوانہ ماضی کی گیت گاتی فضاؤں کو ان کے گیت اور دف بجاتی ہوائوں کو ان کی گل رنگ صدائیں ٹوٹا دیتا۔ کوئی وہاں کے کمینوں کو امن و محبت دیتا۔ گھروں کے تاریک طاقوں کو روشن کرتا۔ پُرنبول غلامی کی راتوں کا خاتمہ کرتا۔ سرد فضاؤں کو سکوت و ایمان کی حرارت بخشتا۔

سلطان محترم! مالوہ کے مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسے زمین نے اپنی کوکھ سے بوسیدہ تابوت اُگل دیے ہوں۔ میں آپ سے اہتماس کرتا ہوں کہ آپ ان کی مدد کیجئے۔ رب ارض و مملکت آپ کو اس کا اجر عطا کرے گا۔

سمریگ خاموش ہو گیا۔ ابراہیم لودھی چند ثانیوں تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اس نے سمریگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”تم مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو، اگر وہ اپنے آپ کو خود جہنم میں ڈال رہے ہیں تو کوئی انہیں آگ کے اس گڑھے سے بچا نہیں سکتا۔ اور سنو! میں مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کیوں کر کر سکتا ہوں۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو میواڑ کا راجہ رانا سنگا میرے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا اور میں مالوہ کے مسلمانوں کی خاطر اس سے طویل جنگوں کا سلسلہ نہیں شروع کرنا چاہتا۔ اس صورت میں ہند کے تمام راجے ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہمیں دہلی کے تخت و تاج سے محروم کر دیں گے اور پھر تم جانو مالوہ ہماری علمداری ہے باہر ایک خود مختار ریاست ہے۔ ہماری حکومت صرف دہلی سے بھیرہ تک ہے اس کے اندر بھی سکون نہیں ہے۔“

لاہور کا حاکم دولت خان گو میرا عزیز اور میرا ماتحت صوبیدار ہے لیکن وہ ہر وقت ایسے ارادوں کو جنم دیتا رہتا ہے جنہیں بہانہ بنا کر وہ ہمارے خلاف بغاوت کھڑی کر دے اور ہماری جگہ دہلی کے تخت و تاج پر خود قابض ہو جائے۔ ان حالات میں کیا کر میں رانا سنگا جیسے طاقت ور راجہ سے دشمنی مول لے سکتا ہوں۔ تم مالوہ کے

مسلمانوں کی حالت پر افسوس کرنا ترک کر دو۔ ہاں اگر تمہیں اپنی جاگیر کے چھین جانے کا صدمہ ہو تو میں تمہیں دہلی یا آگرہ کے فلاح میں اس سے بہتر جاگیر دے سکتا ہوں جہاں تم پر سکون زندگی بسر کر سکتے ہو۔“

سمریگ کی گردن جھک گئی۔ مابوسی میں اس کے بدن کی شریانیں تن گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر یاسیت اور نا آسودگی پھیل گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”سلطان محترم! میں کسی جاگیر کا لالچ لے کر یہاں نہ آیا تھا۔ میں تو کسی ایسے زمین کی تلاش میں ہوں جو مالوہ کے مسلمانوں کے لیے زمین کے رنگین ادواق کی بیاض کھول دے۔ کاجل کی طرح پھیلتی تاریکی میں شعاعیں عطا کرے۔ ہولناک و ستم خیز خاموشیوں میں انہیں جوس کا روان کی سی موسیقی دے۔ ان کے سینوں کو چوک اور جبینوں کو قدم دے۔ جو مالوہ کی مجبور جانوروں کی زخمی آہیں سنکر ٹوٹ پٹھے اور اس کے زہی اس کے افکار میں ایسی ٹپل پیدا ہو جائے جیسے تالاب میں پتھر پھینک دینے سے ایک حبل و انقلاب جنم لے اُٹھتا ہے۔ میں ایسے مومن کو کسی اور سرزمین میں تلاش کرنا گا۔“ سمریگ مڑا اور ابراہیم لودھی کے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

سمریگ کا ملازم نصرت اپنے اور سمریگ کے گھوڑوں کی باگ پکڑے ابراہیم لودھی کے خیمے سے ذرا قاصدے پر کھڑا تھا۔ سمریگ جب لباس کے پاس آیا تو نصرت نے بڑی بے تالی سے پوچھا۔ ”اے آقا! کیا آپ سلطان ابراہیم لودھی سے نہیں مل سکے۔“ سمریگ نے قریب آکر اپنے گھوڑے کی باگ نصرت سے لیتے ہوئے کہا ”میں اس سے ملوں۔ اس نے رانا سنگا کے خوف سے مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔“

نصرت کی گردن جھک گئی اور اس نے دکھ سے کہا: ”مدینی راجہ مالوہ کے اندر مسلمانوں کے لیے ایک بھوکے گدھ کی طرح ہے۔ آخر وہ کب تک اپنے گندے بدن کو سیٹھے اور سیاہ گھناؤنی چونچ کھولے مالوہ کے مسلمانوں کا گوشت لُچتا رہے گا۔ کاش ابراہیم لودھی سلطان دہلی ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے فوراً مالوہ کے

مسلمانوں کی مدد پر لبیک کہتا۔

نصرت چند ثانیوں تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔ اے آقا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم یہاں سے سیدھے لاہور جائیں اور وہاں کے حاکم دولت خان سے مدد کی درخواست کریں؟

سمر بیگ نے مایوسی میں کہا۔ دولت خان کے پاس لاہور جانا بیکار ہے۔ اس لیے کہ وہ کوئی خود مختار حاکم نہیں ہے۔ وہ تو صرف ابراہیم لودھی کی طرف سے پنجاب کا صوبیدار ہے جسے ابراہیم لودھی کسی بھی مناسب موقع پر اس ملک بدری سے علیحدہ و محروم کر سکتا ہے۔ جہاں ابراہیم لودھی نے ہمارا کر دیا ہے۔ وہاں دولت خان اس کا ماتحت ہوتے ہوئے ہماری کیا مدد کرے گا۔ چلو اپنے گھوڑے پر سوار ہو، ہماری منزل اب جنوبی ہند ہے۔ وہاں ہم گجرات کے مسلمان حاکم سلطان محمد مظفر شاہ ثانی سے اس امر کی شکایت کریں گے۔ مجھے اُمید ہے ابراہیم لودھی کی طرح وہ ہمیں مایوس نہ کرے گا۔ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دیرانے جمنکے کنارے کنارے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو مرپٹ دوڑا دیا تھا۔

دوپہر کے قریب جب سمر بیگ اور نصرت اپنے گھوڑوں کو دستوں کے ایک گھنے جنگل کے اندر سے گزرتے ہوئے شاہراہ پر مرپٹ دوڑا رہے تھے تو بفتا انہوں نے ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کی باگیں پھینچ کر روک لیا تھا۔

فضا کے اندر ایک سنسنی مٹ طاری ہوئی تھی اور ایک ساتھ کئی تیر سناٹے ہوئے ان کے چاروں طرف زمین میں بیوی سست ہو گئے تھے۔ پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دستوں کی اوٹ سے کئی سوار نمودار ہوئے اور ان دونوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

سمر بیگ اور نصرت دونوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لی تھیں۔ پھر سمر بیگ نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور جب اس نے دیکھا کہ ان دونوں کو گھیرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو اس نے انتہائی بے بسی سے کہا۔

نصرت! نصرت! اپنی تلوار نیام میں کر لو۔ اس قدر سواروں کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنے ساتھ میں تمہیں بھی ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتا، شاید قدرت کو منظور نہیں کہ ہم جنوبی ہند پہنچ سکیں۔

دونوں نے اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔ ان کے اس رویے کو دیکھتے ہوئے کچھ سوار اگے بڑھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اور آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کے بعد انہیں اپنے گھوڑوں پر ڈالا اور وہاں سے کوچ کر گئے۔

سمر بیگ کے ہاتھ پاؤں جب آزاد ہوئے اور اس کی آنکھوں سے پٹی کھولی گئی، تو اس نے دیکھا کہ وہ مالوہ شہر میں وہاں کے ہندو وزیر مدینی راؤ چند پٹری کے سامنے کھڑا تھا اور نصرت اس کے ساتھ تھا۔

مدینی راؤ چند ثانیوں تک دونوں کو تھرا میرنگا ہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سمر بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ کیا تم سمجھتے رہے ہو کہ مجھ سے دور رہ کر تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ رانا سانگا نے مجھے اطلاع کر دی تھی کہ میرے خلاف شکایت لے کر تم اس کے پاس گئے تھے۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہاں سے مایوس ہو کر تم دہلی میں ابراہیم لودھی کا رُخ کر دو گے۔ میرے خدشات درست نکلے۔ یقیناً تم وہاں سے بھی مایوس ہوئے ہو گے۔ یاد رکھو! ہند میں اب کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو رانا سانگا کو جنگ کی دعوت دے سکے۔ رانا سانگا کی اطلاع پر یہی میں نے تمہارے پیچھے اپنے آدمی لگا دیے تھے۔ جو بالآخر تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ یاد رکھو! اب وہ دلی دور نہیں جیب دہلی کے تخت و تاج کا مالک ابراہیم لودھی کی بجائے رانا سانگا ہو گا۔

مدینی راؤ فرار کا پھر دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔ شاید ابراہیم لودھی سے مایوس ہو کر تم جنوبی ہند میں گجرات کے سلطان مظفر شاہ ثانی کے پاس جانا چاہتے تھے لیکن وہاں سے بھی تمہیں مایوسی ہوتی۔ اس لیے کہ تم جانتے ہو رانا سانگا ماضی میں مظفر شاہ کو شکست دے کر اسے اپنے علاقوں تک محدود رہنے کا سبق دے چکا ہے۔ اب وہ کبھی رانا سانگا کے خلاف نہ اٹھے گا اور اگر اس نے کبھی ایسی حماقت کی تو دنیا کی کوئی طاقت

گجرات پرانا سا لگا کا پرچم لہانے سے روک نہ سکے گی۔

سنو! میں چاہوں تو میرے صرف ایک ابرو کے اشارے سے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن میں تم دونوں کا خون نہ کھول گا۔ تم دونوں کو زنداں میں ڈال دوں گا تاکہ وہاں تم دونوں سسک سسک کر اپنی موت کا انتظار کرتے رہو۔

مدینی راؤ جب خاموش ہوا تو سمر بیگ نے انتہائی غصے اور غضب کی حالت میں کہا۔ ”مدینی راؤ! میں جانتا ہوں تو ایک بشر گزیدہ انسان ہے لیکن یاد رکھ مجھے ختم کر دینے یا زنداں میں ڈال دینے سے مالوہ کے مسلمانوں پر تمہارے مظالم کا یہ قضیہ ختم تو نہ ہو جائے گا۔ کوئی مرد حق آفاق پر سنناقی اندھیوں اور خون کے اوراق پر ٹوٹی بجلیوں کی طرح تم پر نازل ہو گا۔ تمہارے کوڑو دل کو چکنا چور اور تمہاری انا کے زخموں کو خوب گہرا کرے گا۔

اے غرض کے بندے! تیرے مظالم کے یہ پھندے ایک روز اپنے انجام کو ضرور پہنچیں گے۔ قسم ہے مجھے اپنے اس رب کی الوہیت اور ربوبیت کی جو مال کو ماتا دیتا ہے، باپ کو شفقت و وفا عطا کرتا ہے۔ ستم گروں کے سقیم اعمال کا خوب حساب لگا لیتا ہے۔ ایک روز وہ تمہارے جبر اور مظالم کے خلاف بھی کسی کو لاکھڑا کرے گا۔ اس روز تمہاری زبیرت بھی صدیوں کے طویل لمحوں جیسی اور تمہاری زندگی راتوں کے دراز گھبر ساریوں جیسی ہوگی۔ اس روز تمہاری ستم کی آگ اور خون کی بارش خود تمہارے اپنے لیے وبال ہوگی۔ اس روز مالوہ کی شام غریباں کی شفق میں روشن اڑان ہوگی۔ یہاں کی عظیم ماؤں کی سسکاہٹ میں سکون ہو گا۔ بچوں کی گنگناہٹ میں آسودگی ہوگی اور دلہنوں کو اپنے سہاگ پر فخر ہو گا۔

مدینی راؤ! اس وقت سے ڈر، ان لمحات سے خوف کھا جب کوئی مرد مومن لوح و قلم کا امین بن کر اٹھے گا۔ تیری قصاکے ہر حصار کو اندھیری موٹ کے ہر گھاٹ کو فنا کر دے گا۔ اس روز تو ہی نہیں تیری جیل کا دل بھی تھر تھرانے لگے گا۔ مدینی راؤ نے سمر بیگ کی پوری گفتگو نہ سنی اور چلا تے ہوئے کہا۔ ”انہیں

لے جاؤ اور زنداں میں ڈال کر ان پر سخت پہرہ لگا دو۔

محافظ حرکت میں آئے، سمر بیگ اور نصرت کو کپڑے گہراہلے گئے اور یوں ان دونوں کو مالوہ کے زنداں میں ڈال دیا گیا تھا۔

○

سمر بیگ کا چھوٹا بھائی اللہ ویردی، اپنی بھادج اور سمر بیگ کی بیوی سیدم اور اس کے دونوں بچوں جنید اور سیمون کے ساتھ چتوڑ سے روانہ ہونے کے بعد مغرب کی طرف بڑھا۔ چاروں صحرائے تھریار کو عبور کرنے کے بعد بحیرہ شہر میں داخل ہوئے وہاں چند یوم رک کر انہوں نے آرام کیا پھر بحیرہ سے روانہ ہو کر کوہ سلیمان کے اندر سے گزرنے کے بعد وہ غزنی شہر میں داخل ہوئے۔

وہاں سے انہوں نے اپنا رخ شمال کی طرف کیا۔ غزنی سے کابل وہاں سے دریائے آموں کے اس پار بدخشاں کے مغرب میں گزرتے ہوئے وہ در بند شہر میں آئے وہاں سے انہوں نے دریائے آموں کے ایک معاون دریا کو عبور کیا اور سفر جاری رکھتے ہوئے سمرقند میں داخل ہوئے۔ یہاں انہوں نے چند یوم رک کر آرام کیا۔ پھر وہ شمال مغرب کے رخ وادی فرغانہ کے مشہور شہر اخسی کا رخ کر رہے تھے۔

ایک روز جب کہ وہ شام سے کچھ دیر قبل دریائے سیحوں کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے اور سمرقند سے روانہ ہو کر اور چند شہر سے بھی آگے نکلی کہ وہ اپنی منزل اخسی شہر کے قریب پہنچ گئے تھے تو یک بیک آسمان پر دھند کی صورت میں بادل چھا گئے۔ پہلے بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک نے ماحول کو وحشت بنا دیا۔ تیز ہوائیں، سیٹیاں بجانے لگیں۔ درختوں کی تپوں سے بے نیاز شاخیں سرسراہنے لگی تھیں۔ پھر طوفانی برف باری شروع ہو گئی اور برف باری کے اس طوفان میں آبشاروں کی ٹنگی کھو گئی۔ کوہستانی جھرنوں کے نرم گیت تحلیل ہو گئے۔ کائنات کے ماتھے پر بکھری زلفوں جیسی تاریکی بکھر گئی تھی۔ گنگا تھانہ میں پر نہ ختم ہونے والا چاند گرہن طاری ہو گیا ہوا اور فطرت کی ہزاروں راندہ درگاہ روہیں اور ان گنت دھندکارے ہوئے

سرکش شیطان نیلے سیاہ بادلوں کی طرح ہجوم کر کے ہر جاندار کے قلب پر ایک امتحان و آزمائش مسلط کرنے لگے ہوں۔

کوہتانوں کی کلفیاں بڑی تیزی سے برف سے ڈھکنے لگی تھیں۔ اسے میں دریائے سیحون کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے اللہ ویردی نے اپنی بھتیجی اور سمر بیگ کی بیٹی سیمون کو خوب اچھی طرح کبل میں ڈھانپتے ہوئے سمر بیگ کی بیوی اور اپنی بھانج سیدم سے کہا۔

”اے میری بہن! برف باری تیز ہو گئی ہے۔ اپنے آگے اپنے بیٹے جنید کو کبل میں خوب ڈھانپ لو اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی رفتار تیز کر دو۔ یہ بڑا ہولناک برف کا طوفان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس میں پھنس کر دب جائیں۔ اخی شہراب یہاں سے دو فرلانگ سے زیادہ نہ ہو گا۔ اگر ہم نے گھوڑوں کی رفتار تیز نہ کی تو برف اس قدر بڑھ جائے گی کہ گھوڑے چل نہ سکیں گے پھر ہم ایک نئی آفت میں پھنس جائیں گے۔“

اللہ ویردی کے کہنے پر سیدم نے بچے کو اپنے سامنے کبل میں خوب لپیٹ لیا پھر دونوں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگے تھے۔ برف باری کے اس زوردار طوفان میں اللہ ویردی اور سیدم دونوں بچوں کے ساتھ اخی شہر میں داخل ہوئے پھر وہ ایک وسیع اور بڑی حویلی کے سامنے رُکے اور اللہ ویردی نے نیچے اتر کر حویلی کے دروازے پر دستک دی۔

سیدم بھی اپنے گھوڑے سے اتر کھڑی ہوئی اور بچے کو اس نے برف باری سے بچانے کی خاطر اپنی چھاتی سے لگا رکھا تھا۔ جب کہ اس کی بیٹی سیمون کو اللہ ویردی نے اپنے بائیں بازو سے اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک جوان نے دروازہ کھولا۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے بلے جلے جذبات اُبھرے پھر بھاگ کر وہ اللہ ویردی سے لپٹتا ہوا بولا۔ ”اے میرے بھائی! آپ؟“

پھر وہ سیدم کی طرف بڑھا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے میری بہن! میں تم لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں مجھے حیرت اور تعجب ہے کہ تم لوگ اس قدر بھیاںک اور خطرناک برف باری کے طوفان میں آئے ہو۔ پھر وہ جوان باری باری سیدم کی بیٹی سیمون اور بیٹے جنید کو پیار کرنے لگا تھا۔

وہ جوان سیدم کا بڑا بھائی اور اللہ ویردی کا ماموں زاد میرم تھا۔ اس لیے کہ سیدم اپنے شوہر سمر بیگ کی ماموں زاد بھتیجی۔

میرم انہیں حویلی کے اندر لے گیا۔ پہلے وہ دونوں گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر چارہ ڈال آیا۔ اتنی دیر تک اللہ ویردی اور سیدم حویلی کے برآمدے میں کھڑے ہو کر اپنے ان کنبلوں سے برف بھاڑنے لگے جو انہوں نے اپنے اوپر اوڑھ رکھے تھے۔

میرم اصطبل سے لوٹا اور انہیں حویلی کے اندر لے گیا۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور آتش دان کے پاس بیٹھے اپنے باپ شیرم طغائی کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”بابا! دیکھو برف باری کے اس طوفان میں آپ کے لیے میں کیسی خوشخبری لایا ہوں۔ میں اپنے ساتھ آپ کی پیاری بیٹی اور عزیز بہن سیدم کو لایا ہوں۔ اتنے میں اللہ ویردی اور سیدم اس کمرے میں داخل ہوئے۔ شیرم طغائی اٹھ کھڑا اور اس کے قریب آتش دان کے پاس بیٹھی اس کی دوسری بیٹی اور سیدم کی چھوٹی بہن اور اس کی بہو اور میرم کی بیوی، دونوں اُٹھیں اور دونوں بھاگ کر باری باری سیدم سے گلے ملنے لگی تھیں۔

شیرم طغائی آگے بڑھا۔ پہلے وہ اپنے بھانجے اللہ ویردی کو گلے دگا کر بلا پھر وہ اپنی بیٹی سیدم کی پیشانی چومتے ہوئے اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ سیدم کی چھوٹی بہن بولائی نے آگے بڑھ کر سیدم سے اس کے بیٹے جنید کو لے لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔ جب کہ شیرم کی بہو، میرم کی بیوی اور سمر بیگ اور

اللہ ویردی نے مالوہ کے وزیر مدنی راؤ چندریٹری کے مظالم، اپنی جاگیر کے چھیننے، سانا ساگاکے پاس جانے اور وہاں سے اپنے انہی شہر کی طرف اور سمریک کے دہلی کی طرف کوچ کی پوری داستان سنا ڈالی تھی۔

شیرم طغائی سارے حالات سن کر چند ثانیوں تک گہری سوچوں میں کھویا رہا پھر اس نے دکھ سے کہا۔ "اپنی جاگیر چھین جانے پر سمریک کو اتنا فکر مند نہ ہونا چاہئے تھا کیا میں مر گیا ہوں، کیا میری زمینیں اور میرے باغات اس قدر نہیں ہیں کہ سمریک اور اللہ ویردی یہاں انہی شہر میں مالوہ کی اس جاگیر سے بہتر زندگی بسر نہ کر سکیں۔ کاش سمریک بھی تم دونوں کے ساتھ یہاں چلا آیا ہوتا، اور میرے پاس اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرتا۔ اب اللہ کرے سمریک جلد یہاں پہنچ جائے۔"

ذرا سے توقف کے بعد شیرم طغائی نے اللہ ویردی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی بڑے اچھے موقع پر یہاں آئے ہو۔ اگر تم دونوں چند یوم ٹھہر کر اتنے تو پھر میرم سے تم دونوں کی ملاقات نہ ہو سکتی اس لیے کہ میرم ظہیر الدین بابر کے لشکر میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے اور چند یوم تک یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔"

اللہ ویردی نے بڑے شوق کا اظہار کرتے ہوئے شیرم طغائی سے کہا۔ "ماموں! میں بھی اپنے بھائی میرم کے ساتھ ظہیر الدین بابر کے لشکر میں شامل ہونگا میں اسے ہند پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دوں گا، ہو سکتا ہے وہ میری بات مان جائے اور ایک نجات دہندہ بن کر وہ ہند کی سرزمین میں داخل ہوگا۔"

شیرم طغائی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ظہیر الدین بابر تو ان دونوں ایک خانہ بدوش کی سی حالت میں ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں کبھی اس کے حالات درست ہوں۔"

اللہ ویردی نے بے چینی سے پوچھا۔ "کیوں کیا ہوا اسے؟" شیرم طغائی

اللہ ویردی کی سگی بہن یورث نے آگ بڑھ کر اپنے بھائی اللہ ویردی سے سیدم کی بیٹی سیمون کو لے لیا اور اسے چومنے لگی تھی۔

آتش دان کے قریب چھوٹے سے ایک پلنگ پر میرم اور یورث کے دونوں بیٹے تیمور اور منصور سوئے ہوئے تھے۔ اللہ ویردی اور سیدم نے آگے بڑھ کر دونوں بچوں کو پیار کیا۔ جب کہ بولائی اور یورث نے سیدم کے بیٹے جنید اور بیٹی سیمون کو بھی ان دونوں بچوں کے ساتھ پلنگ پر ڈال کر ان پر رضائی ڈال دی تھی۔ پھر وہ سب آتش دان کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

چند ثانیوں تک کمرے میں سکوت رہا پھر شیرم طغائی نے اپنی بیٹی سیدم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "سمریک کہاں رہ گیا بیٹی! وہ اس بار تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ کیا وہ اپنی جاگیر کے کاموں میں ایسا ہی مصروف ہو گیا ہے کہ ہمیں ملنے کو اب اس کا دل نہیں چاہتا۔ جب کہ میں سمر اور اللہ ویردی دونوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتا رہا ہوں کہ یہ دونوں بھائی میری چھوٹی اور عزیز بہن کی نشانی ہیں۔ میری اس بہن نے مرتے وقت مجھے اپنے ان دونوں بیٹوں کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ بخدا آج اگر ان دونوں کا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی ان دونوں کو اس قدر چاہتا اور محبت نہ دیتا جتنا میں نے ان دونوں کو پیار کیا ہے۔"

اللہ ویردی! تم اچھے موقع پر آئے ہو بیٹے! ورنہ میں پیغام بھیج کر سیدم اور تم دونوں بھائیوں کو بلانے والا تھا اس لیے کہ میں، میرم اور یورث کے دل کر فیصلہ کیا ہے کہ بولائی کو تم سے بیاہ دیں۔ شیرم طغائی کے پاس بیٹھی بولائی کی گردن نرم سے جھک گئی تھی جب کہ اللہ ویردی کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار تھے۔

شیرم طغائی چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر اس نے اللہ ویردی اور سیدم کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ "تم دونوں مجھے کچھ خاموش اور اداں لگتے ہو۔ تم دونوں نے مجھے سمریک سے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ وہ کیوں تمہارے ساتھ نہیں آیا؟" سیدم نے ذومعنی نگاہوں سے اللہ ویردی کی طرف دیکھا اور جواب میں

نے کہا۔ سنو! میں تم سے اس کے پورے حالات کہتا ہوں۔ شیرم طغائی نے اپنا گلا صاف کر لیا پھر وہ کہہ رہا تھا۔

’یہ ملک فرغانہ جس پر بابر کا باپ عمر شیخ مرزا حکومت کیا کرتا تھا۔ سات بڑے شہروں پر مشتمل ہے اور یہ سات بڑے شہر اندجان، ادخس، مرغیناں، اسفرہ، نجند، اخسیٰ اور کاشان ہیں۔ جب عمر شیخ مرزا ہمارے اسی شہر اخسیٰ سے کبوتر اڑاتے ہوئے مر گیا، تو اس کی عمر صرف اسی سال تھی۔ جب کہ ظہیر الدین بابر صرف بارہ برس کا تھا۔

۱۔ بابر کے دور حکومت میں یہ شہر ملک فرغانہ کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر کے پورے علاقے میں نہروں کا جال ہے۔ سمرقند کی طرح اس کا قلعہ بڑا مضبوط ہے۔ انگور، خربوزہ اور ناشپاتی اس کے شہر پھل ہیں۔ یہاں کی آبادی سب ترک ہے۔

۲۔ اس شہر میں نہروں کا ایک جال ہے۔ یہ اندجان کے جنوب مشرق میں سولہ میل کے فاصلے پر ہے۔ بنفشہ یہاں کی بڑی پیداوار ہے۔ یہاں سے سرخ و سفید رنگ کا سنگ ایری بھی نکلتا ہے جس سے خنجروں کے دستے بنتے تھے۔

۳۔ مرغیناں اندجان سے اٹھائیس میل مغرب میں ہے۔ یہاں کی خوبانی، انار اور زرد آلو اپنی عمدگی اور ذائقے میں مشہور ہیں۔ یہاں کی آبادی تاجیک ترکوں پر مشتمل ہے مشہور فقیہ شیخ برہان الدین یہیں کے رہنے والے تھے۔

۴۔ یہ شہر مرغیناں سے چھتیس میل جنوب مغرب میں ہے۔ یہاں کا بادام مشہور ہے۔

۵۔ نجند اندجان سے سو میل دریا کے سچل کے کنارے واقع ہے۔ بادام اور انار کے علاوہ یہاں فیروزہ کی کانیں ہیں۔ یہاں اکثر آشوب چشم کی بیماری رہتی ہے۔

۶۔ اخسیٰ اندجان سے چھتیس میل دور ہے۔ بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کے دور میں یہی شہر دارالحکومت تھا۔ عمر شیخ مرزا کی آخری آرام گاہ یہیں ہے۔

۷۔ کاشان دریا کے کنارے ایک خوب صورت شہر ہے۔ یہاں کے پہاڑوں پر ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس سے گڑھل کے دستے اور تیروں کے گونہ بنے ہیں۔ یہ لکڑی برآمد

بابر کا باپ عمر شیخ مرزا امیر تیمور رنگ کے پوتے سلطان محمد کے بیٹے ابو سعید مرزا کا بیٹا تھا اور بابر کی ماں قتلچ بھکار خانم مغلستان کے بادشاہ یونس خان کی بیٹی ہے جو تنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی نسل سے ہے۔ بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کی تین بیویاں تھیں۔ بڑی بیوی قتلچ نگار خانم سے بابر اور اس کی بڑی بہن خانزادہ بیگم ہیں۔ دوسری بیوی فاطمہ سلطان سے بابر کا بھائی جہانگیر مرزا ہے۔ تیسری بیوی غم سے بابر کا دوسرا بھائی ناصر مرزا اور اس کی بہنیں ہیں۔

عمر شیخ مرزا کی وفات پر بابر پر دشواریوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اس کے چچا سلطان احمد مرزا جو سمرقند کا حاکم اور ماموں سلطان محمود جو تاشقند کا حاکم تھا۔ دونوں نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا۔ اس لیے کہ دونوں بابر کے باپ سے دشمنی رکھتے تھے اور اس کی موت پر اس کے ملک پر قبضہ کر کے اسے بانٹ لینا چاہتے تھے اس بُرے وقت میں جب کہ بابر بُری طرح پھنس گیا تھا۔ میں اور اندجان کے قاضی نے بابر کی مدد کی۔ ایک لشکر جمع کر منظم کیا اور بابر کے چچا اور ماموں دونوں سے گفتگو کر کے انہیں واپس لوٹا دیا اور بابر کو اپنے ملک میں امان ملی۔ شیرم طغائی کا پھر کہتا چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد بابر نے سمرقند کے حاکم اپنے چچا سلطان احمد کی بیٹی عائشہ سے شادی کر لی لیکن مدتوں میاں بیوی میں نہ بنی اور علیحدگی ہو گئی۔ جب سمرقند کا حاکم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) بھی کی جاتی ہے۔ یہاں فیروزہ کی کانیں بھی ہیں۔

۱۔ تاشقند شہر بھی کبھی بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کی سلطنت میں شامل تھا۔ جو بعد میں اس سے چھین لیا گیا تھا۔

۲۔ وہی شیرم طغائی تھا جس نے اندجان کے قاضی کے ساتھ مل کر وادی فرغانہ میں بابر کو اپنے قدم جمانے میں مدد دی تھی۔ یہ اخسیٰ شہر کے رومائیں سے تھے۔

۳۔ بابر کی یہ پہلی بیوی تھی۔ اس سے ایک لڑکی ہوئی جو بعد میں مرگئی تھی۔

سلطان احمد فوت ہو گیا تو بابر نے حملہ کر کے سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بابر کی بد قسمتی کہ کچھ سرداروں نے اس کے چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا کو بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور اس نے اس وادی فرغانہ کے اکثر شہروں پر قبضہ کر کے اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ اب سمرقند میں بابر تخت پریشان ہوا۔ اند جان کو لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور اسی کوشش میں سمرقند بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ آخر اپنے ماموں سلطان محمود کے پاس گیا اور مدد کی درخواست کی۔ بڑی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد بابر اند جان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اور ایک بار پھر اس نے سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا۔

لیکن گلتا تھا وادی فرغانہ بابر کو اس نہ آئی تھی۔ ازبکستان کے بادشاہ شیبانی خان نے بابر پر حملہ کر دیا اور اس سے سمرقند چھین لیا۔ بابر اپنی ماں اور سکست خوروہ شکر کے ساتھ سمرقند سے بھاگا اور شیبانی خان کے لشکریوں کے آگے بھاگنے کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ اس کی بڑی بہن خانزادہ بیگم سمرقند میں ہی رہ گئی اور شیبانی خان نے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

اس دوران شیبانی خان نے وادی فرغانہ کے دیگر شہروں کی طرف بھی توجہ کی اور بابر کے دونوں چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا اور ناصر مرزا جنہوں نے بابر سے بغاوت کر کے وادی فرغانہ میں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی وہ بھی اپنی حکومت چھوڑ کر بھاگ گئے اور بابر سے معافی مانگ کر دوبارہ اس سے مل گئے۔ اب وادی فرغانہ پر شیبانی خان کا ایک سردار تانبل حکمران ہے اور سنا ہے بابر اور اس کے دونوں بھائی اپنے لشکر کے ساتھ حصار شہر سے باہر نیمہ زن ہیں۔ شیبانی خان کے خوف سے اب وہ وادی فرغانہ کا رخ نہ کریں گے۔ سنا ہے اب وہ تینوں بھائی کابل کی طرف قیمت آزمائی کریں گے۔ بابر

لے دریائے آموں کے ایک معاون دریا کے کنارے ایک مشہور شہر۔ اس کے مغرب میں دربند اور سمرقند، جنوب میں ترخند اور قندز، مشرق میں بدخشاں اور شمال میں کوہستان سیاہ اور کوہستان سفید ہیں۔

کے ساتھ شروع سے ہی میرے تعلقات چونکہ اچھے رہے ہیں اس لیے میرم کو میں نے اس کے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی ہے۔ اگر میں بوڑھانہ ہو چکا ہوتا تو میرے اعضاء و جوارح کمزور نہ پڑ گئے ہوتے تو بخدا بابر کے اس پُر آشوب دور میں خود میں بھی اس کے لشکر میں جا شامل ہوتا۔

اللہ ویردی نے کہا: "اے ماموں! اب جب کہ آپ لاغر اور ضعیف ہو گئے ہیں میں اور بھائی میرم اس کے لشکر میں شامل ہو کر اس کی خدمت کریں گے۔"

شیرم طغائی نے کہا: "جب تم دونوں جاؤ گے تو میں اس کے نام نہیں خطا لکھ دوں گا۔ پھر تم دیکھنا وہ تم دونوں کو کیسی عزت دیتا ہے۔"

اللہ ویردی نے میرم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اے بھائی! آپ کب تک بابر کے لشکر کی طرف روانہ ہوں گے؟"

میرم نے کہا: "اب جب کہ تم لوگ آگے ہو تو میں کچھ دن یہاں رہوں گا۔ پھر چند روز تک ہم دونوں بھائی بابر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اللہ ویردی! تم جانتے ہو۔ سیدم مجھے کس قدر عزیز ہے۔ میں کچھ یوم اس کے اور اس کے بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ میں اسے یہ احساس دلانا چاہتا ہوں۔ کہ اس گھر میں اس کی ایسی ہی عزت ایسا ہی وقار اور ایسا ہی حق ہے جیسا اس کا شادی سے پہلے ہوا کرتا تھا۔"

میرم جب خاموش ہوا تو سیدم نے اپنے باپ شیرم طغائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اے میرے باپ! کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہاں سے روانہ ہونے سے قبل ہی اللہ ویردی اور بولائی کی شادی کر دی جائے۔ اے میرے باپ! آپ جانتے ہیں میرے شوہر مرگیگ اور اللہ ویردی کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں۔ مرگیگ بھی یہاں نہیں ہے۔ اب میں ہی اللہ ویردی کی بڑی بہن، اس کا باپ اور اس کی ماں ہوں اور یہ فرض مجھے ہی ادا کرنا ہے۔"

میرم نے مسکراتے ہوئے اور اپنی بہن کی طرف داری میں کہا: "اے میری بہن! تم اس فرض میں اتنی بھی لاغر اور کمزور نہ ہو۔ یہاں مرگیگ اور اللہ ویردی کی بہن یورث

تلق نہ رہا بھی تھی۔

بابر نے جب ان دونوں کو اپنے محافظوں کے پاس کھڑے دیکھا تو وہ خود ہی ان دونوں کے پاس آیا اور پوچھا۔ ”میں ظہیر الدین ہوں کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟“
 اللہ ویردی اور میرم دونوں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا پھر میرم نے اپنے لباس کے اندر سے اپنے باپ شیرم طغانی کا خط نکال کر بابر کو تھما دیا۔

بابر نے اپنے نام شیرم طغانی کا وہ خط پڑھا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے ان دونوں کو ایک ساتھ گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”میں تم دونوں کو اپنے ہاں خوش آمدید کہتا ہوں۔ بخدا جب میرا باپ مر گیا اور میں اس وقت صرف بارہ سال کا تھا اس وقت اس عظیم جرنیل شیرم طغانی نے میری مدد کی ہوتی تو میں وادی فرغانہ کا حکمران نہ بن سکتا۔ شیرم طغانی کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں جنہیں میں شمار کرنا چاہوں تو نہ کر سکوں۔“
 بابر کی ماں قتلق نگار خانم مڑی اور خیمے کے اندر چلی گئی۔ اتنے میں دائیں جانب سے دو جوان آئے۔ بابر نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں میرے بھائی جہانگیر اور ناصر مرزا آرہے ہیں۔

جب دونوں ان کے پاس آئے تو بابر نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”میرے عزیز بھائیو! ان دونوں سے ملوان میں سے ایک ہمارے عظیم محسن و مہتمم شیرم طغانی کا بیٹا میرم اور دوسرا اس کا بھانجا اللہ ویردی ہے۔ یہ دونوں ہمارے لشکر میں شامل ہونے کو آئے ہیں۔“
 جہانگیر اور ناصر مرزا دونوں بڑی خوش طبعی سے اللہ ویردی اور میرم کے ساتھ مصافحہ کر رہے تھے۔

بابر نے پھر میرم اور اللہ ویردی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تم دونوں بڑے اچھے وقت پر مجھ سے آئے ہو۔ اس لیے کہ کل میں یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔

اچانک کسی خیال سے بابر کا چہرہ شادابی سے خالی اور آنکھیں نور سے عاری ہو گئیں پھر اس نے ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”بیہات! اپنی آبائی ریاست وادی

بھی ہے اور وہ بابا کو اللہ ویردی اور بولائی کی شادی پر پہلے ہی رضا مند کر چکی ہے بولائی بے چاری اس گفتگو پر حیا سے دھڑکی جاتی رہی تھی اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔
 شیرم طغانی نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ابھی اور اسی وقت اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہو گا پھر میرم اکٹھے بیٹھ کر خوشگوار ماحول میں کھانا کھائیں گے۔ سیدم! سیدم! میری بیٹی! میں جانتا ہوں اللہ ویردی تمہیں عزیز ہے لیکن یہ میرے لیے بھی تو پرایا نہیں۔ میرا بھانجا ہے۔ میری اس بہن کا فرزند ہے جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔

شیرم طغانی رکا پھر اپنے بیٹے میرم سے کہا۔ ”میرم! ہم اٹھو، محلے کے کچھ کردہ لوگوں کو بلا لاؤ کہ اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہو جائے۔“
 میرم اس برف باری میں ہی کچھ لوگوں کو بلا لایا جن کی موجودگی میں اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہو گیا۔ مہمانوں کی خشک پھل سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد سیدم اور یورٹ نے مل کر کھانا تیار کیا۔ پھر وہ سب آتش دان کے پاس اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

○

ایک روز جب کہ سورج نئی صبح کی تخلیق کے لیے غروب ہو رہا تھا۔ اجالوں کی تازگی ختم ہو رہی تھی شفق شام کی وادیوں میں لہو رنگ بھرنے لگی تھی۔ کارگاہِ زیست کی ہنگامہ آرائی ختم ہو رہی تھی۔ چہرہ آفاق گرد و ملال سے ہٹنے لگا تھا اور غروب مہر کے حیران نظارے حیرگی کے طوفانوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اللہ ویردی اور میرم اپنے گھوڑوں پر سوار حصارِ شہر سے باہر ایک کوہستانی دریا کے کنارے ظہیر الدین بابر کے لشکر میں داخل ہوئے اور لشکریوں سے پوچھتے ہوئے وہ سیدھے بابر کے خیمے کے پاس آکر اپنے گھوڑوں سے اترے۔

وہ ابھی اپنے گھوڑوں کو باندھ کر بابر سے ملنے کے لیے اس کے محافظوں گفتگو کرنے ہی والے تھے کہ بابر اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ اس کی

میرم نے کہا۔ اب بھی وہ بوڑھے محسوس نہیں ہوتے۔ پہلے کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور اپنے باغات اور زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

بابر نے اس بار اپنے بھائی جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جہانگیر! میرے بھائی! تم ان دونوں کے کھانے اور ان کے خیمے کا بندوبست کرو۔ میں بعد میں جب یہ آرام کر لیں تو ان کے پاس بیٹھوں گا اور تفصیل سے ان کے ساتھ گفتگو کروں گا۔

جہانگیر اور ناصرزا اللہ ویردی اور میرم کو لے کر ایک طرف چلے گئے جب کہ بابر واپس اپنے خیمے میں جا رہا تھا۔



اپنے لشکر کے ساتھ بابر نے حصار سے کوچ کیا اور چٹانیاں آیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر اس نے دریائے جہیوں کو پار کر کے قندھار شہر میں پڑاؤ اور وہاں سے سیدھا جنوب میں کابل کا رخ کر رہا تھا۔

جس روز بابر حصار شہر سے نکلا اس کے چند ہی یوم بعد شیبانی خان وہاں حملہ آور ہوا اور اس نے حصار، درہند اور چٹانیاں کو فتح کر کے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بابر نے کابل کا آ محاصرہ کیا۔ انہی وادی اور اپنے ملک سے نکالے جانے کے بعد وہ کسی ایسی سرزمین کی تلاش میں تھا جسے وہ اپنے لیے آخری حصار جان کر اس میں قیام کرے۔

بابر نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے کابل شہر کا محاصرہ کر لیا لشکر کے ایک حصے کو اس نے کوچ باغ میں رکھا، اپنے بھائی جہانگیر کو اس حصے کا سالار اور اللہ ویردی کو اس کا نائب مقرر کیا۔ اپنے دوسرے بھائی ناصرزا کو لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ دروازہ ہرم پر مقرر کیا اور میرم کو اس کا نائب بنایا۔ خود بابر لشکر کے تیسرے حصے کے ساتھ کوچ قلعہ کے سامنے خیمہ زن ہوا تھا۔

بابر نے کابل کے حاکم مقیم کو پیغام بھجوایا کہ امن اور سلامتی کے ساتھ شہر اس کے حوالے کر دے۔ مقیم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور غزنی کے علاوہ اس نے

فرغانہ سے جلدی ہجر کا ایک عذاب ہوگی۔ میں نے وادی فرغانہ کے اندر ماؤں کی حرمت، بہنوں کی عظمت، بیٹیوں کی عصمت اور بچیوں کی طہسان آبرو کا خیال کیا۔ پھر بھی نہ جانا کہ گناہوں کی سزا میں قدرت نے اُن کو بول کے بادشاہ شیبانی خان کو میرے خلاف لاکھڑا رکھا جو میرے علاقوں پر اجل کی ظلمت کا سایہ طلسماتِ وقت کا شعلہ، میرے دل کا اندھیرا اور میری شکستوں کا غبار بن کر مجھ پر نازل ہوا اور مجھے میرے تمام علاقوں سے محروم کر دیا۔ بابر نے ذرا رک کر درہند بھری آواز میں کہا۔ شیبانی خان! گو میرا رشتہ داس ہے۔ میری نسل سے ہے پھر بھی نہ جانے کیوں وہ میرے مقابل ہوا۔ اس کے جبار لشکر کے سامنے مل بار بار بڑکھڑکھٹا ہوں۔ وہ غموں کے سیلاب اور لہروں کے سمندر کی طرح میرے علاقوں میں داخل ہوا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ آہ وادی فرغانہ! میرے تسادوں کی پروازیں الٹ گئیں میرے نصیب کی سحر کراؤد ہو گئی۔ میں ان دنوں ایک مسافرانہ زندگی گزار رہا ہوں۔ نہ عرضِ حال پر تابو ہے نہ چُپ پر اختیار ہے۔ لگتا ہے میری یہ کیفیت نہ خوابِ مٹھ ہے اور نہ بیداری تمام ہے۔ دنوں اور وقت کی یہ عجیب بے بساطی دے بے قراری ہے لیکن یہ سب قدرت کے رازِ مہات و حیات ہیں۔ اگر میرے خدا کو یہ منظور ہے کہ میں کوئے گمنامی کے تاریک ترین تہ خانوں اور اپنی بدترین تقدیر کے چپے دھوپ کے صحرے میں زندگی بسر کروں تو بھی میں اپنے رب سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہ کروں گا۔ میں ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں لیکن ان حالات میں بھی مرا بول کے اندر میں نے اپنی پیاس نہیں کھودی۔ میں نے باہر کے اس آشوب کو اپنے اندر کا روگ نہیں بننے دیا۔ اب میں کابل کی طرف قسمت آزمائوں گا۔ شاید یہی وقت کا تقاضا ہو۔ تم دونوں کے آنے سے میں ہکا سمجھوں گا کہ میرے بچپن کا شیرم طغانی اب میری جوانی میں دھچکوں میں بٹ کر پھیر میرا مدد کو آ گیا ہے۔

بابر نے ذرا رک کر سوچا پھر کہا۔ اس کی صحت کیسی ہے۔ اب تو وہ بوڑھا لاغر ہو گیا ہوگا۔ کئی برس پہلے جب میں انہی شہر میں اپنے باپ کی قبر پر گیا تھا تو اب ملتا تھا۔ اس وقت تو وہ خوب چلتا پھرتا تھا۔

دوسرے شہروں سے بھی اپنے لیے ملک طلب کر لی۔ بابر نے ایک بارگی شہر پر حملہ کر دیا۔

شہر کے حاکم مقیم نے جب دیکھا کہ شہر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس نے بابر کے امراء کو وسیلہ بنا کر مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ آخر بابر اور مقیم کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے مقیم اپنا مال و متاع لے کر کابل سے نکل گیا اور شہر پر بابر کا قبضہ ہو گیا۔

کابل کی فتح بابر کے لیے سکون کا باعث تھی۔ اس لیے کہ اپنی وادی سے دبدب ہونے کے بعد اسے اپنی ذات اپنی قوت اور اپنے اردو کو جمع کرنے کے لیے ایک ٹھکانا مل گیا تھا۔

کابل کے بعد بابر نے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا اور اب یہاں اس سرزمین پر اس نے اپنی حکومت اور قوت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا کو اس نے غزنی کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

پانچ برس تک بابر اپنی قوت کو مستحکم کرتا رہا۔ ارد گرد کے قبائل پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بناتا رہا۔ اس دوران شیبانی خان ایک بلائے ناگہانی کی طرح جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ ہرات و مشہد شہروں کو فتح کرنے کے بعد وہ قندھار تک یورش کرتا چلا آیا تھا۔

شیبانی خان نے جب قندھار کا بھی آ محاصرہ کیا تو بابر کو نکلنا ہی ہوئی۔ وہ طوفان جس نے اسے وادیِ فرغانہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اب ایک بار پھر اس کے سر پہ منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔

ان ہی پانچ سالوں کے دوران بابر کی ماں مرگئی اور بابر کے بیٹے ہمایوں کی پیدائش ہوئی۔ شیبانی خان کی وجہ سے بابر اب اپنے آپ کو کابل میں بھی غیر محفوظ تصور کرنے لگا۔ لہذا وہ اپنے ذہن میں کسی اور پناہ گاہ کے متعلق سوچنے لگا جو اس کے لیے امن و سلامتی کا آخری حصار ہو اور یہ آخری حصار ہند کی سرزمین ہی تھی۔

اس دوران اللہ ویردی بھی بابر کو ہندوستان کا رخ کرنے کے لیے براہ کسوتا رہا۔ اس لیے کہ وہ اپنے بڑے بھائی سمر بیک کی طرف سے انتہائی فکر مند تھا۔ کیوں کہ اس کی کوئی خبر نہ تھی اور وہ وہاں سے لوٹا بھی نہ تھا۔ اس عرصے میں اللہ ویردی اور میرم کئی بار اُخسی شہر پہنچے گھر گئے لیکن سمر بیک وہاں بھی نہ آیا تھا لہذا اپنے بھائی سے متعلق اللہ ویردی زیادہ پریشان ہوتا چلا گیا تھا۔

سرم اپنے زوروں پر تھا۔ بوڑھا شیرم طغائی اپنی حویلی میں آتش دان کے پاس فرش پر کچھی چٹائیوں پر لمحات اوٹھے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی آتش دان کے پاس اس کی دونوں بیٹیاں سیدم اور بولائی اور اس کی بہو اور بھانجی یورث بیٹی ہوئی تھیں سیدم کا بیٹا جنید، بیٹی سیمون اور یورث کے بیٹے تیمور اور منصور اب کافی بڑے ہو گئے تھے اور آتش دان کے پاس بیٹھے کھیل رہے تھے۔

اچانک سمر بیک اور سیدم کا بیٹا جنید کھینا حرکت کر کے شیرم طغائی کے پاس آیا۔ اور اس کی گود میں بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”نانا! آج ہمیں آپ کمانی نہ سناٹینگے۔“ شیرم طغائی نے پیار سے جنید کی پیشانی اور گال چومتے ہوئے کہا۔ ”ضرور سناؤ گا میرے بچے۔“

سیدم بڑے شوق سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی جو اس کے بچے کو پیار کر رہا تھا۔ کمانی کا سن کر سیمون، منصور اور تیمور بھی قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ شیرم طغائی نے چاروں بچوں کو اپنے ساتھ لمحات میں بٹھا لیا۔ پھر وہ انہیں کمانی سناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”میرے بچو! پرانے وقتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھائیں سو برس پہلے عراق میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ ایرک شہر میں رہتا تھا اور بڑا جابر اور عیش پسند بادشاہ تھا۔ وہ شہریوں کی مقدس رسومات کی بے حرمتی کیا کرتا تھا اور لوگ اس سے تنگ آ کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔“

ایک روز اسی ریاست کے ایک شکاری نے جنگل میں دیکھا کہ جنگلی جانوروں کے ساتھ ایک جنگلی انسان بھی بھاگتا پھرتا ہے۔ وہ کئی روز تک اس جنگلی انسان کا

جائزہ لیتا رہا جو بہت طاقتور اور جفاکش تھا۔ وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ بھاگتا۔ اور ان کے ساتھ ہی جنگل کے جوہڑوں سے پانی پیتا۔ اس شکاری نے اس جنگلی انسان کا ذکر اپنے گھر جا کر اپنے باپ سے کیا۔

اس کے عقلمند اور دور اندیش باپ نے کہا: ”دیکھ تو اپنی ریاست ایرک کے بادشاہ گل گاش کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ ایک خوب صورت لڑکی بھیجے۔ جو اس جنگلی انسان سے مہربانی اور شفقت کا سنو کہ اسے انسانوں کے اندر رہنے کی ترغیب دے۔“

اس شکاری نے ایسا ہی کیا۔ وہ اپنے بادشاہ گل گاش کے پاس گیا اور اس جنگلی انسان کا سارا واقعہ اور اپنے باپ کی تجویز بادشاہ سے کہی۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ ایک حسین لڑکی روانہ کر دی۔

جنگل میں جا کر اس لڑکی نے اس جنگلی انسان کو اپنی طرف بلایا اور اس سے ایسی مہربانی کا سلوک کیا کہ وہ اس لڑکی کی بات ماننے لگا۔ اس جنگلی انسان کا نام ان کدو رکھا گیا۔ وہ لڑکی ان کدو کو لے کر بادشاہ گل گاش کے پاس آئی۔

گل گاش اس کی طاقت اور شجاعت سے ایسا خوش ہوا کہ اسے اپنا دوست بنا لیا۔ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اور ان کدو کے کہنے پر اس نے اپنی رعایا پر ظلم و جبر کرنا بھی بند کر دیا اور ہر معاملہ میں انصاف کرنے لگا۔ ان کدو کی طرح گل گاش بھی بڑا طاقتور تھا۔

ان دونوں کو معلوم ہوا کہ لبنان کے جنگلوں میں حمبا بانام کا ایک جتن رہتا ہے جو لوگوں کو تنگ کرتا ہے اور راستوں کو مسدود کرتا ہے۔ گل گاش اور ان کدو لبنان کے اس جنگل میں پہنچے۔ اور ایک سخت مقابلے کے بعد حمبا یا نام کے اس ظالم جتن کو انہوں نے قتل کر دیا۔

حمبا جتن کے قتل پر اس کے ساتھی سخت سوخ پا ہوئے اور جواب میں انہوں نے ان کدو کو قتل کر دیا۔ گل گاش کو ان کدو کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ دیوانوں

کی طرح جنگلوں میں گھومنے لگا۔

ایک روز اسے خبر ہوئی کہ کسی جزیرے میں ایک بزرگ رہتا ہے جس کو ایک ایسے چستے کا پتہ ہے جس کا پانی پی کر انسان ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ گل گاش اس بزرگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ اس بزرگ کے پاس پہنچا تو اس نے گل گاش کو سمجھایا کہ دنیا میں کوئی ایسا چشمہ نہیں ہے جس کا پانی پی کر انسان کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو جائے۔ اس بزرگ کے جواب پر گل گاش مایوس ہو گیا۔

پھر اس بزرگ نے اس پر رحم کھاتے ہوئے ایک ایسے ویران کنویں کا پتہ بتا دیا جس کے اندر ایک ایسا پودا اُگتا ہے جسے کھا کر انسان اپنی پوری زندگی توانا و تندرست رہتا ہے۔ گل گاش اس بزرگ کے پاس سے کوچ کر کے پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اور کئی روز کی صعوبتیں برداشت کر کے وہ اس ویران کنویں پر آتا ہے اور اس پودے کو حاصل کر لیتا ہے۔ وہ خوش ہو جاتا ہے کہ وہ اس پودے کو اپنے ملک لے جائے گا۔ وہاں اس کی کاشت کرے گا اور اپنے ملک کے تمام لوگوں کو تندرست و توانا بنا دے گا۔

وہ اس پودے کو لے کر روانہ ہو جاتا ہے۔ راستے میں اسے ایک صاف و شفاف پانی کا جوہڑ دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس پودے کو کنارے پر رکھ کر نہانے کی غرض سے جوہڑ میں اتر جاتا ہے۔ وہیں ایک سانپ بھی رہتا ہے۔ اسے اس پودے کی خوشبو آتی ہے۔ وہ اپنے بل سے باہر نکلتا ہے اور اس پودے کو کھا کر دوبارہ اپنے بل کے اندر چلا جاتا ہے۔ گل گاش جوہڑ سے نکلتا ہے اور پودے کو وہاں نہ پا کر فکر مند ہوتا ہے۔ بہت تلاش کرتا ہے پر نہیں ملتا۔ آخر ناامید و مایوس ہو کر وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس دنیا میں انسان فانی اور عارضی ہے اور یہ راز پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو کر اپنی ریاست کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ بڑا حشر مرم طغائی جب خاموش ہو جاتا ہے تو اس کی گود میں بیٹھا ہوا اس کا نواسہ جنید زند کرنے لگتا ہے۔ ”نانا! ایسی ہی کہانی ایک اور سناؤ۔“

شیرم طغائی نے پیار سے کہا۔ ”میرے بچے! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ صوب مل کر پیلے کھانا کھائیں پھر میں تم لوگوں کو ایسی ہی ایک اور کہانی سناؤں گا۔“ جنید جواب

میں کچھ کہنے والا تھا کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

جنید شیرم طغانی کی گود سے نکلا اور باہر بھاگتے ہوئے اس نے کہا۔ ”میں دیکھتا ہوں کون آیا ہے۔“

شیرم طغانی بھی اٹھ کر باہر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سیدم، یورث، بولائی، ہیون، تیمور اور منصور بھی باہر نکل آئے۔

جنید نے جب حویلی کا دروازہ کھولا تو اس کا چچا اللہ ویردی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے حویلی میں داخل ہوا۔ اپنے شوہر کو دیکھ کر بولائی کے چہرے پر رونق اور مسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ بھاگ کر آگے بڑھی اور اللہ ویردی سے اس کا گھوڑا لے کر صطبل کی طرف لے گئی۔

اللہ ویردی نے پہلے جی بھر کر جنید کو پیار کیا پھر اسی طرح اس نے سمیون، تیمور اور منصور کو پیار کیا۔ شیرم طغانی نے آگے بڑھ کر اللہ ویردی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”تو اکیلا ہی آیا ہے بیٹے! کیا میرم تیرے ساتھ نہیں آیا۔“ اتنی دیر تک بولائی بھی گھوڑے کو صطبل میں باندھ کر وہاں لوٹ آئی تھی۔ اللہ ویردی نے شیرم طغانی سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”ماموں! میں صرف دو دن کے لیے ہنگامی حالت میں یہاں آیا ہوں۔ چلیں اندر چل کر بیٹھتے ہیں پھر میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔“

سب آتش دان میں جلتی آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ پھر شیرم طغانی نے میتابی میں پوچھا۔ ”اب اپنے حالات کہو بیٹا!“

اللہ ویردی نے قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی آتش دان میں جلتی ہوئی آگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”ماموں! چند یوم تک بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ اس طرح مجھے ہاں اپنے بھائی کو تلاش کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ میں بابر کو برابر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے اکساتا رہا ہوں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ ہو سکتا ہے کچھ عرصہ شکر سے علیحدہ ہو کر مجھے اپنے بھائی سمرنگ کو تلاش کرنا پڑے۔ اس سے پانچ برس کی اس جدائی میں مجھے چین اور سکون نہیں ملا اور میں انگاروں پر جلتا رہا ہوں۔ وہ میل پڑا

اور ایک ہی بھائی ہے۔ اس کے بغیر میں ادھر ادھر ہوں۔ میں آپ لوگوں کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اسے تلاش کرتے ہوئے اگر میں کچھ عرصہ میرم سے علیحدہ رہا اور گھر نہ آ سکا تو آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔“

شیرم طغانی نے تنبیہ کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اس کام میں میرم کو بھی اپنے ساتھ رکھنا۔ اس طرح تم دونوں بھائی مل کر اسے آسانی سے تلاش کر لو گے۔“

اللہ ویردی نے کہا۔ ”نہیں ماموں! میں اکیلا بھائی کو تلاش کروں گا۔ میرم ان علاقوں سے ناواقف اور انجان ہے۔ اگر کبھی جان پہچانے کی خاطر کسی جگہ ہمیں بھاگنا پڑے تو جانبی ہونے کی وجہ سے میرم کے وہاں بھول اور جھٹک جانے کے اندیشے ہیں اور اگر ایسا ہوا اور اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں کیوں کر اپنے آپ کو معاف کر سکوں گا کہ میں ایک بھائی کو تلاش کرتا ہوا دوسرے کو کھو بیٹھا۔“

شیرم طغانی نے ایک طرح سے اللہ ویردی کے فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا جو تمہاری مرضی ہو کر لینا لیکن سمرنگ کی تلاش کرتے ہوئے تم خود بھی محتاط رہنا بیٹے! میں تمہارے متعلق بہت فکر مند رہوں گا۔ تم جانتے ہو بولائی بڑی حساس ہے اور عزم و صبر کرنے میں انتہائی کمزور اور نازک ہے۔ اگر اس تلاش کے دوران تمہیں کچھ ہو گیا تو بولائی کیوں کر زندہ رہ سکے گی۔“

اللہ ویردی نے کہا۔ ”آپ فکر مند نہ ہوں، میں اس تلاش میں احتیاط برتوں گا۔ میں انہیں پہلے دہلی میں تلاش کروں گا۔ اگر وہاں نہ ملے تب مالہ کا رخ کروں گا۔“

شیرم طغانی نے یورث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لاؤ بیٹی کھانا کھائیں۔“ یورث، بولائی اور سیدم نے اٹھ کر وہیں آتش دان کے پاس کھانے کے برتن لگائیے اور وہ سب مل کر کھانے لگے۔ دو دن بعد اللہ ویردی واپس کابل روانہ ہو گیا تھا۔



بابر نے کابل کے فواح میں پھیلے سب قبائل کو زیر کر کے اپنی حکومت کو تقرباً مستحکم کر لیا تھا۔ صرف یوسف زئی قبیلہ ابھی ایسا تھا جسے اپنا مطیع و فرمانبردار کرنا باقی تھا۔

یوسف زئی قبائل پر حملہ آور ہوئے سے قبل بابر ان کے قلعوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ تاکہ ان کے استحکام کو دیکھ سکے۔

چنانچہ ایک روز جب کہ عید قربان کا دن تھا، بابر نے ایک قلعہ کا سا بھیس بدلا اور ماہوارہ پہاڑی کے عقب کی وادی میں داخل ہوا۔ جہاں یوسف زئی قبائل کے سردار احمد اور اس کے بھائی منصور کا سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ اس روز عید کی وجہ سے وہاں جشن کا سا سماں تھا۔ بابر قلعے کا جائزہ لیتے ہوئے منصور کے مکان کی پشت پر ابھلا جہاں ایک کھلے احاطے میں منصور کے ریوڑ بندھے ہوئے تھے۔

بابر ادھر ادھر کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک آدمی تیزی سے اس کی طرف آیا اور غنی روٹیوں میں لپٹا ہوا بھٹنا مصالحہ دار گوشت اسے تھماتے ہوئے کہا، ”لو کھا لو“۔
بابر چونکا اور پوچھا، ”یہ کس نے بھیجا ہے؟“

اس شخص نے دائیں ہاتھ دروازے پر کھڑی ایک حسین و نازیز لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ”اس لڑکی نے۔ وہ ہمارے سردار منصور کی بیٹی ہے اور اس کا نام بی بی مبارکہ ہے۔“

بابر اس لڑکی کے حسن و جمال سے ایسا متاثر ہوا کہ وہ وہاں سے ہٹا روٹیاں اور گوشت وہیں ایک پتھر کے پیچے رکھ کر وہ وہاں سے لوٹ گیا۔ واپس جا کر یوسف زئی قبائل پر حملہ آور ہونے کے بجائے اس نے قبیلے کے سردار احمد سے اس کے بھائی منصور کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔

احمد نے جواب میں لکھ دیا کہ منصور کے ہاں کوئی بیٹی ہے ہی نہیں۔ اصل میں وہ بی بی کا رشتہ نہ دینا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہنگول ایک بار ان کے اندر گھس آئے تو پھر ہمیشہ مکے لیے ان کی آزادی کو ختم کر دیں گے۔

جواب میں بابر نے ایک پر شکوہ و شاہانہ مراسلہ لکھا جس میں اس نے بھیس بدل کر یوسف زئی قبیلے میں جانے، منصور کی بیٹی بی بی کو دیکھنے اور گوشت روٹی پتھر کے پیچھے چھپا دینے کے سارے واقعات تفصیل سے لکھ ڈالے۔

اب بابر نے جو یہ حالات اس قدر تفصیل سے لکھے تو احمد اور منصور سخت شرمندہ ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے قبیلے کا جو کہ طلب کیا اور یہ معاملہ اس میں پیش کیا۔ جو گئے نے متفقہ طور پر فیصلہ دے دیا کہ لڑکی کو بابر سے بیاہ دیا جائے۔ اسی میں قبیلے کی عافیت ہے۔ یوں بی بی اور بابر کی شادی ہو گئی اور یوسف زئی قبیلے سے جنگ نہ ہوئی اور یہ قبیلہ اپنی اس لڑکی کے باعث ہی مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔

اپنے اطراف سے مطمئن ہونے اور ایک طرح کا استحکام حاصل کر لینے کے بعد بابر ہندوستان کی طرف راغب ہوا۔ کابل سے نکلنے کے بعد بابر نے بھوڑ کا علاقہ فتح کیا۔ پھر سوات کو زیر نگین کرتے ہوئے کچھ کوٹ اور پنجاب کے کوہستان جو وہ کے اندر آباد جمجمہ اور چودہ قبائل کو اپنا مفتوح بناتا ہوا بابر اور آگے بڑھا اور دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ شہر کو فتح کرنے کے بعد وہ شہر میں داخل ہوا۔ اس نے شہر کا معائنہ کیا اور شہر کے لیے چار لاکھ شاہرخمی سالانہ مقرر کیا۔

بھیرہ شہر میں بابر کے کچھ سپاہیوں نے مقامی باشندوں کا مال لوٹ لیا۔ ان پر زیادتیاں کیں۔ بابر نے ان میں سے کچھ کو مر دا ڈالا اور کچھ کی ناک کاٹ دی۔ یہیں بھیرہ میں قیام کے دوران بابر کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ چونکہ پہلا بچہ تھا جو ہند کی سرزمین میں پیدا ہوا لہذا بابر نے اس کا نام ہندال رکھا۔

اس سال بابر نے بھیرہ شہر تک ہی اکتفا کیا اور بھیرہ شہر میں ہندو بیگ نام کے ایک شخص کو اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے بابر اپنے لشکر کے ساتھ کابل کی طرف واپس لوٹ گیا۔ جب کہ اللہ دیر دی بابر سے اجازت لے کر اپنے بھائی سمر بیگ کو تلاش کرنے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

یہ لڑکی بابر کے حرم میں انتہائی بیگم کے نام سے مشہور تھی۔ چونکہ وہ عمر تھی اور دوسری بیگمات سے الگ تھک رہتی تھی اس لیے زیادہ مشہور نہ ہوئی۔ یوسف زئی قبیلے کے ساتھ بابر کی مصالحت میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

کرنے والے نائب داروغہ کے نام ایک تحریر لکھ دے کہ سمر بیگ اور اس کے ملازم نصرت کو فوراً ہار کر دیا جائے۔

اللہ ویردی رکا اور ایک قہر آلود انداز میں اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے اس نے آندھیوں کی طرح گرجتی دھاڑتی آواز میں کہا۔ "اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس رات کی تاریکی میں اپنے اس تیز خنجر سے میں تیرا گلا کاٹ کر چلا جاؤں گا۔ اور سن! اگر تو نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو میرا یہ خنجر حرکت میں آئے گا اور تیری زندگی کا لہو کچھڑ کچھڑ کر ختم ہو جائے گا اور تیرا انجام بے آہٹ سنگ کر ختم ہو جانے والی ہو جیسا ہوگا۔"

اللہ ویردی کے تیز نوک کے بھاری خنجر نے داروغہ پر وحشت اور لرزہ مچا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے ہلکاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دیتا ہوں۔ لیکن تم میری زندگی کے درپے نہ ہو۔"

اللہ ویردی نے کہا۔ "تو پھراٹھو اور لکھو۔"

داروغہ اٹھا، اللہ ویردی نے اپنے خنجر کی نوک اس کی گردن پر یہی رکھی۔ داروغہ اٹھا اور قلم دوات نکال کر ایک کاغذ پر جو کچھ اللہ ویردی نے کہا لکھ کر مقرر لگا دی۔ اللہ ویردی نے اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اسے اس کے پٹنگ کے ساتھ باندھ دیا اور اس کی حویلی سے باہر نکل گیا۔

رات کی گہری تاریکی میں اللہ ویردی زندان کے صدر دروازے پر آیا۔ اپنے گھوڑے اس نے وہاں باندھے اور داروغہ کی لکھی ہوئی مہر شدہ تحریر ایک پہریدار کو دی کہ وہ اسے رات کے وقت کام کرنے والے نائب داروغہ کو پہنچا دے۔

پہریدار وہ تحریر لے کر اندر چلا گیا اور اللہ ویردی وہاں اپنے گھوڑوں کے پاس کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا تھا۔ تقریباً دو بجے پہریدار اس پہریدار کے ساتھ اللہ ویردی کا بھائی سمر بیگ اور ان کا ملازم نصرت نمودار ہوئے۔ اللہ ویردی بھاگ کر آگے بڑھا اور باری باری دونوں سے وہ بغلیں گھیر لیا۔

اللہ ویردی کچھ عرصہ بھائی کی تلاش میں دہلی اور اس کے گرد و نواح میں سرگرداں رہا۔ مایوس ہو کر اس نے لاہور کا رخ کیا۔ یہاں بھی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جب اسے سمر بیگ نہ ملا تو اس نے جنوبی ہند میں گجرات کی مسلم ریاست کا رخ کیا۔ وہاں بھی جگہ جگہ وہ سمر بیگ کو تلاش کرتا پھرا لیکن مایوسی ہوئی۔

چاروں طرف سے مایوس ہونے کے بعد اللہ ویردی نے ناچار مالوہ کا رخ کیا۔ یہاں کچھ عرصہ وہ بھیس بدل کر گھومتا رہا۔ اس دوران اسے خبر ہو گئی کہ اس کے بھائی سمر بیگ اور ملازم نصرت کو مالوہ کے وزیر مدنی راؤ چندیری نے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیے ہیں۔ اب مالوہ میں اللہ ویردی نے ایک خطرناک کام کی ابتداء کی۔ ایک روز جب کہ سورج دن بھرے آوتوں کی آگ میں جلنے اور زمین کو بھانے کے بعد چاند کے حوالے کر کے کافی دیر ہوئی غروب ہو گیا تھا۔ اللہ ویردی مالوہ کی ایک سرائے میں بیٹھ کر اپنے خیالات کے تانے بانے درست کرتا رہا۔

جب رات گہری ہو گئی اور فضا میں آوازوں اور اجالوں کی صدا میں پوری طرح دم توڑ کر تاریکیوں میں کھو گئیں تو اللہ ویردی سرائے سے نکلا۔ اس کے پاس دو گھوڑے تھے۔ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے وہ زندان کے داروغہ کی حویلی کے پاس آیا۔ دو گھوڑوں کو حویلی کے باہر ایک درخت تلے تاریکی میں اس نے کھڑا کر دیا اور خود دیا پھاند کر حویلی میں داخل ہوا۔ بالکل یوں جیسے گھپ اندھیرے میں اجالے گم ہو گئے ہوں۔ حویلی کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں داروغہ سویا ہوا تھا۔

اللہ ویردی نے داروغہ کو جگایا پھرا پنا بے پھل کا بھاری خنجر اس کی گردن پر چھبوتے ہوئے اس نے کہا۔ "دیکھ! میں اللہ ویردی ہوں۔ تو مجھے اور میرے بھائی سمر بیگ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرا بھائی سمر بیگ اپنے ملازم نصرت کے ساتھ زندان میں بند ہے۔ تو مجھے رات کے وقت زندان میں کام

سے چند عمدہ نسل کے گھوڑے لینے آیا تھا اور اب گھوڑوں کے ساتھ میں تم تینوں کے سر بھی مدینی راؤ کو پیش کروں گا۔ اس طرح میرا آقا مجھ پر خوب خوش ہوگا۔

رام دیو نے اپنے ساتھیوں کو سمر بیگ اور اللہ ویری پر حملہ آور ہونے کا اشارہ کر دیا تھا۔ رام دیو کے بارہ سوار ان تینوں پر لوٹ پڑے۔

سمر بیگ، اللہ ویری اور نصرت نے بڑی جرات مندی سے ان کا مقابلہ کیا لیکن جلد ہی چاروں طرف سے وہ سوار ان پر چھا گئے۔ سمر بیگ اور اللہ ویری قتل ہو کر اپنے گھوڑوں سے نیچے گر گئے۔ نصرت بھی زخمی ہو چکا تھا۔ تاہم ان دونوں بھائیوں کے گرنے پر اس نے اپنے آپ کو مجتمع کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

رام دیو کے ایک آدمی نے اس کا تعاقب کر کے اس پر تلوار برساتی جو اس کے شانے کو کاٹتے ہوئے نکل گئی تھی۔ اس موقع پر نصرت نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگتی تھی اور وہ اپنی رفتار بڑھا کر تعاقب کرنے والوں سے دور نکل گیا تھا۔ رام دیو کے آدمیوں نے بھی اس کا تعاقب ترک کر دیا تھا۔ شاید ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب زندہ نہ رہے گا۔

نصرت ایک میل آگے جا کر نصرت اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کا گھوڑا تو بھاگتا ہوا آگے نکل گیا تاہم اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹ کر حرکت کی اور سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں دُک گیا۔ اس خیال سے کہ اگر تعاقب کرنے والے اس کے پیچھے ہوں تو وہ ان سے بچ سکے۔

اس کے شانے کا زخم انتہائی تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ خون اس کے جسم سے بڑی تیزی کے ساتھ نکل رہا تھا اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے موت کے عناصر اس کے سامنے قفس کرنے گئے ہوں۔ اچانک گوالیار کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ہمت کر کے نصرت نے بڑی تیزی سے زائل ہوتی اپنی قوت کو جمع کیا اور زور زور سے وہ مدد کے لیے پکارنے لگا تھا۔

سمر بیگ نے اللہ ویری کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے بھائی! تم کب یہاں آئے۔ تم نے یہ کیا چکر چلایا ہے کہ ہم دونوں کورات کے اس وقت ہنگامی حالت میں رہا کر دیا گیا ہے۔“

اللہ ویری نے کہا۔ ”اے میرے بھائی! اس وقت ہم تینوں خطرے میں ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے مجھے ایک لمبا چکر چلانا پڑا ہے۔ آؤ یہاں سے بھاگ چلیں۔ اگر مدینی راؤ کو آپ کی رہائی کا علم ہو گیا تو وہ ہم تینوں کی گردنیں اڑا دے گا۔ میں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر داروغہ سے آپ کی رہائی کی تحریر حاصل کی ہے۔ میں اسے اس کی حویلی میں باندھ آیا ہوں۔ مگر کسی نے اسے کھول دیا تو وہ ہمارے لیے بارود ثابت ہوگا۔ آؤ یہاں سے بھاگ چلیں۔“

سمر بیگ فوراً ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوسرے گھوڑے پر اللہ ویری سوار ہوا۔ نصرت کو اس نے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ پھر وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

اگلے روز وہ مالوہ کی حدود کی نکل کر گوالیار کے راجہ بکرماجیت کے علاقہ میں داخل ہو گئے تھے۔ سہ پہر کے قریب جب کہ وہ گوالیار شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گھنے جنگل میں سے گذر رہے تھے تو سامنے کی طرف سے دس بارہ سوار نمودار ہوئے۔ ان میں جو سب سے آگے آگے تھا۔ اس نے سمر بیگ اور اللہ ویری کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے کو روک لیا اور سمر بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”تم تو مالوہ کی جیل میں تھے تم یہاں کیسے آ گئے اور تمہارے ساتھ تمہارا بھائی اللہ ویری بھی ہے جو بھاگ گیا تھا۔“

نصرت نے سمر بیگ سے پوچھا۔ ”آقا! یہ کون ہیں؟“

سمر بیگ نے کہا۔ ”یہ مالوہ میں مدینی راؤ کے انتہیل کا داروغہ ہے۔“
جلنے یہ ادھر کیسے آ گیا۔ اس کا نام رام دیو ہے۔ گلتا ہے یہ گوالیار گیا ہوا تھا۔“
رام دیو نے اس بار بلند غصیلی آواز میں کہا۔ ”میں مدینی راؤ کے لیے گوالیار“

تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے کچھ سوار نمودار ہوئے اور نصرت نے مدد کے
پکارنا بند کر دیا پھر ایک سوار اسے خون میں لت پت دیکھتے ہی اپنے گھوڑے پر
اُتر کر اس کی طرف بھاگا اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا -

”یہ گوالیار کے راجہ بکراجیت کے مہطل کا داروغہ ہوں - میرا نام احمد یو
ہے - میں ذات کا ترک ہوں اور راجہ کے گھوڑوں کو ٹھلانے اپنے ساتھیوں کے
ادھر نکلا تھا - تم بناؤ کون تو تم اور کس نے تمہیں زخمی کر کے یہاں ڈال دیا ہے -
نصرت نے مدنی راؤ کے ہاتھوں سمر بیگ کی جان بچانے زندان میں رہ
وہاں سے رہائی اور رام دیو کے ساتھیوں کے ہاتھوں سمر بیگ اور اللہ دیردی
کے حالات تفصیل سے سنانے کے بعد کہا - ”دیکھو! میں چند گھڑیوں کا مہمان ہوا
مر رہا ہوں - ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ایک پیغام ضرور پہنچانا -

دیکھو یہاں سے اکثر تاجر سمر قند کی طرف آتے جلتے رہتے ہیں - اگر ایسا
تاجر تمہیں ملے تو اسے کہنا کہ وہ سمر قند کے نواحی شہر اُحسی میں جائے - وہاں
رئیس شیرم طغانی سے ملے اور علیحدگی میں اس سے یہ حالات کہے جو میں نے تمہیں
ہیں - سب کے سامنے نہ کہے - سمر بیگ کی موت کا سن کر نہ جانے اس کی ہوی
نصرت خاموش ہو گیا - احمد یوسف نے گھبرا کر اس کی بغض پر ہاتھ رکھا لیا تھا -

میرم کئی برس تک سمر بیگ اللہ دیردی اور نصرت کو تلاش کرتا رہا - لیکن اسے
ناکامی ہوئی تھی - یورپ اپنے دونوں بھائیوں کی گمشدگی پر اکثر نوحہ خواں رہتی تھی اور اس
غم نے بوڑھے شیرم طغانی کی کمر جھکا دی تھی -

میرم پچھلے ایک ماہ سے بابر کے لشکر سے لوٹ کر اپنے گھر پر قیام کیے ہوئے
تھا - جنید منصور اور تیمور اُحسی شہر میں اپنی عسکری تربیت اور دینی تعلیم مکمل کر چکے
تھے - ایک روز میرم اپنی حویلی کے صحن میں بیٹھاسن کے ریشوں سے ایک مضبوط رستہ
بنانا تھا - اپنے ہاتھ میں پکڑے رستے میں وہ بڑی تیزی سے سن کے ریشوں کی سرکیاں لگا
ہاتھا اور دوسرے سرے میں لکڑی کا ایک ڈنڈا پھنسا کر تیمور اسے بل دے رہا تھا -



بڑھا شیرم طغائی، جنید اس کی بہن سیمون، ماں سیدم، منصور، یورث اور بولاٹی بچہ میرم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

سن کے سارے ریشے جب ختم ہو گئے تو میرم نے اس رستے کو تیرھا کیا اور ہر حصے کو کھینچ کھینچ کر اور ایک دوسرے پر بل دے دے کہ ایک مضبوط اور خوب موٹا رستہ بنا دیا تھا۔

جب وہ رستہ بن کر مکمل ہو چکا تو میرم نے اپنے دائیں طرف بیٹھے اپنے بھانجے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جنید بیٹے! ذرا اٹھو۔ تم اور تیمور دونوں مل کر رستے کو گھنٹا تاکہ اس کے بل اپنی جگہ پر مستحکم ہو جائیں۔“

جنید اٹھا اور میرم سے رستے کا سرا لے کر پکڑ لیا۔ جب کہ رستے کا دوسرا سرا تیمور کے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ دونوں زور لگانے لگے تو میرم نے گہری سسکاہٹ میں کہا۔ ”اپنا اپنا زور لگا لینا۔ آج میں دیکھوں گا تم دونوں میں طاقت دار اور زوردار کون ہے۔ تلوار کے فن میں جنید پہلے ہی منصور اور تیمور پر حاوی ہے، آؤ اس کی قوت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔“

شیرم طغائی، سیدم، یورث، سیمون، بولاٹی اور منصور بڑے شوق و جستہ سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

جنید اور تیمور دونوں نے زور لگانا شروع کیا۔ چند ثانیوں تک ان دونوں نے رستے کو ایک جگہ گویا باندھ کر رکھ دیا۔ پھر جنید نے طوفانی انداز میں رستے کو اکا جھٹکا مارا اور اس تیزی اور قوت کے ساتھ اس نے رستے کو کھینچا کہ تیمور اس کی کچھ سے آگے نہ گھٹا۔ تیمور نے جنید کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ جنید نے تیمور کو لپٹا لیا تھا۔

شیرم طغائی اور میرم کے چہروں پر گہری سسکاہٹ تھی۔ سیدم بھی خوش لیکن اس نے اپنی خوشی کا اظہار نہ ہونے دیا کہ مبادا بیٹے کی خوشی پر بھتیجے کا دل نہ دھکے میرم اپنی جگہ سے اٹھا۔ زمین پر پڑا ہوا رستہ اس نے اٹھا لیا اور پھر جنید

تیمور دونوں کو ایک ساتھ گلے لگاتے ہوئے اس نے کہا۔

”میرے بچو! میں اب بابر کے لشکر میں واپس کابل نہ جاؤں گا۔ میں اس سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ میں اپنی اور اللہ ویردی کی جگہ اپنے بھانجے جنید اور بیٹے تیمور کو لشکر میں شامل ہونے کو بھیج دوں گا۔ موقوفہ دونوں بھائی چند یوم تک یہاں سے روانہ ہو کر بابر کے لشکر میں جا شامل ہونا۔ بابر پھر ہندوستان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔“

جب تم دونوں ہند کی سرزمین میں جاؤ تو وہاں جا کہ سمر بیک، اللہ ویردی اور نصرت کو تلاش کرنا۔ ان کے بغیر ہم ادھر سے ہیں اور جب تک وہ نہیں ملتے ہمارے دل مطمئن اور ضمیر پر سکون نہیں ہو سکتے۔ لیکن میرے بچو! ان کی تلاش میں تم دونوں بھائی احتیاط سے کام لینا۔ اس لیے کہ —

میرم کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ تیمور بھاگ کر گیا اور اس نے حویلی کا دروازہ کھولا۔ ادھیڑ عمر کا ایک شخص دروازے پر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ اس نے تیمور سے پوچھا۔

”مجھے انہی کے رئیس شیرم طغائی سے ملنا ہے کیا یہ ان کی حویلی ہے؟“ تیمور نے کہا۔ ”ہاں! یہ ان کی حویلی ہے وہ میرے دادا ہیں، آپ اندر آئیں نا“ تیمور نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی۔ وہ اجنبی حویلی میں داخل ہوا۔ تیمور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑے اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ میرم کے قریب آ کر اس اجنبی نے کہا۔

”مجھے شہر طغائی سے ملنا ہے۔“ میرم نے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”شیرم طغائی وہ سامنے بیٹھے ہیں۔ میں ان کا بیٹا میرم ہوں۔“

شیرم طغائی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اجنبی آگے بٹھ کر شیرم طغائی سے مصافحہ کیا پھر کہا۔ ”میں آپ سے علیحدگی میں کچھ کنا چاہتا ہوں۔“

شیرم طغائی نے کہا۔ ”ان میں ایک میرا بیٹا، دو پوتے، دو بیٹیاں، ایک نواسہ، ایک نواسی اور ایک بھانجی اور بہو ہے۔ یہ سب مجھے اپنی جان سے بھی عزیز

ہیں۔ جو کچھ کہنا ہے ان کی موجودگی میں بلا جھجک کہو کہ ان سے میرا کوئی راز نہیں ہے۔ اجنبی نے کہا۔ ان سب رشتوں کے باوجود جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ سے علیحدگی میں ہی کہوں گا کہ اس میں آپ ہی کے اہل خانہ کی بہتری ہے۔ شیرم طغائی نے اس کی بات ملتے ہوئے کہا۔ اچھا تم میرے ساتھ دیوانہ خانے میں آؤ۔

جنید کو کچھ شک ہوا۔ اس نے فوراً میرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماموں! میں آتا ہوں پانی پی آؤں۔

جنید کی بڑی بہن سیمون نے کہا۔ رکو جنید! میں تمہیں پانی پلاتی ہوں لیکن جنید اس کی بات سنی آن سنی کرتا ہوا سوہیلی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگ گیا۔ اس اجنبی نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے گھوڑے کو اصطبل میں نہ لے جانا یہیں رکھنا۔ میں ابھی لوٹ جاؤں گا۔ پھر وہ بوڑھے شیرم طغائی کے ساتھ دیوان خانے کی طرف چلا گیا تھا۔

پانی پینے کا صرف ایک بہانہ تھا۔ ورنہ جنید کو تو اس اجنبی کی باتوں سے شک ہوا تھا۔ لہذا وہ سوہیلی کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکلا اور چکر کاٹ کر دیوان خانے کی کھڑکی کے قریب پردے کی ادٹ میں باہر کھڑا ہو گیا اور اپنا آپ چھپا کر اندر دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا نانا شیرم طغائی اور اجنبی دیوان خانے میں داخل ہو کر نشستوں پر بیٹھ گئے۔ شیرم طغائی نے اجنبی سے کہا۔ اب یہاں میرے درگاہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

اجنبی نے کہا۔ میں ایک سوداگر ہوں اور تجارت کی غرض سے اکثر ہندوستان جاتا رہتا ہوں۔ تمہارے نام مجھے گوالیار کے راجہ بکر ماجیت کے اصطبل کے داروغہ احمد یوسف نے ایک پیغام دیا تھا لیکن قسمت سی ہوئی کہ ہندوستان میں کئی برس گزارنے کے بعد جب میں سمرقند کی طرف گیا تو تمہیں یہ پیغام دینا بھول گیا۔ اس کے بعد میں تجارت کی غرض سے مصر، حبشہ، یمن اور بنگال کی طرف مضرورت رہا۔ اور

احمد یوسف کا دیا ہوا پیغام میرے ذہن سے نکل گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں دوبارہ گوالیار گیا تو احمد یوسف نے مجھے اس پیغام کا پوچھا تو مجھے یاد آیا۔ میں نے اس سے مغذرت کی اور جلدی جلدی ہندوستان سے اپنی خریداری مکمل کر کے ادھر کا رخ کیا۔ میرا تجارتنی کاروان اس وقت سمرقند شہر سے باہر خیمہ زن ہے۔ میں یہ پیغام پہنچا کر فوراً واپس لوٹنا چاہتا ہوں۔ سوچتا ہوں شاید یہ میٹھو جس خبر پہلے ہی تمہیں مل گئی ہو۔ شیرم طغائی نے پریشانی میں کہا۔ گوالیار کی طرف سے ہمیں کوئی ایسی خبر نہیں ملی جو میٹھو ہو۔

اجنبی نے کہا۔ تو پھر سنو! تمہارے بھانجے سمر بیگ کو مدینی راؤ نے اس کے ملازم کے ساتھ زنداں میں ڈال دیا تھا۔ تمہارے دوسرے بھانجے اللہ دیروی نے مالوہ کے داروغہ کو قابو کر کے اپنے بھائی سمر بیگ اور نصرت کو ہار کر لیا اور مالوہ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بد قسمتی سے ان کا ایک دشمن جو مدینی راؤ کے اصطبل کا داروغہ ہے اور جس کا نام رام دیو ہے اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گوالیار سے مالوہ کی طرف جاتے ہوئے انہیں دیکھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ سمر بیگ اور اللہ دیروی اس جنگ میں مارے گئے۔ نصرت زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ گوالیار کے قریب وہ اپنے گھوڑے سے رگہ گیا اور سر کنڈوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا۔

اتفاق سے گوالیار کے راجہ کا داروغہ اصطبل ادھر آ نکلا۔ اس نے نصرت کی مدد کرنا چاہی لیکن نصرت اسے یہ حالات سنانے کے بعد زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ نصرت نے ہی احمد یوسف سے اتماس کی تھی کہ یہ خبر تمہیں علیحدگی میں کہی جائے تاکہ سمر بیگ اور اللہ دیروی کے بیوی بچوں پر اس کا برا اثر نہ ہو۔

بوڑھے شیرم طغائی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ کھڑکی کی ادٹ میں کھڑا جنید بھی اپنے باپ، چچا اور نصرت کی موت کا سن کر آنسو بہا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شیرم طغائی سنبھلا اور بڑے ڈھک میں اس نے کہا۔

”آہ میرے دونوں بھانجے مارے گئے۔ وہ میرے بیٹے تھے۔ ان سے میری کمزور

تھی۔ ان سے میرے بازوؤں میں قوت تھی۔ اب میری دونوں بیٹیاں بھی بیوہ ہو گئی ہیں
میں ان دونوں کو کیسے اور کیوں کر سمر بیگ اور اللہ ویردی کے مرنے کی خبر سنا سکوں گا۔
جلد ہی شیرم طغائی نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور منبجالتے ہوئے کہا۔ ”تم میرے گھر
کے کسی اور فرد سے اس حادثے کا ذکر نہ کرنا۔ میں خود کسی مناسب موقع پر اپنے بیٹے
اور بیٹیوں سے یہ خبر کہہ دوں گا۔ ایک روز یہ موت ان پر افشاں کرنی ہی ہوگی۔
میں اسے کب تک ایک راز رکھ سکوں گا۔“

وہ اجنبی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”میں اب جاتا ہوں، میرے کاروان والے
بڑی بے چینی سے سمرقند میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔“
بوڑھا شیرم طغائی اٹھ کھڑا ہوا۔ جنید بھی کھڑکی سے بٹ گیا اور بھاگ کر
اس طرف چلا گیا جہاں گھر کے دوسرے افراد تھے۔

شیرم طغائی اس اجنبی کے ساتھ باہر آیا۔ اس اجنبی نے شیرم طغائی، ”میرم“ منصور
جنید اور تیمور سے مصافحہ کیا اور اپنا گھوڑا لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

میرم آہستہ آہستہ چلتا ہوا شیرم طغائی کے پاس آیا اور فکر مندی سے اس نے پوچھا
”اے میرے باپ! وہ کون سی اہم بات تھی جو اس اجنبی نے علیحدگی میں آپ سے کہی۔“

شیرم طغائی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ”یہ سمرقند کا ایک تاجر تھا جس کا روانہ
اندر یہ اپنا مال ایک ملک سے دوسرے ملک لے جاتا ہے اس کا روانہ کا منتظم میرا

ایک پُرانا دوست ہے اور جو ان میں کبھی میں بھی اس کے کاروان کے ذریعے اپنا تجارتی
سامان بھجوا کر تا تھا۔ اس کے کاروان کو اچانک کوئی گھانا پڑ گیا ہے اور اس نے اس تاجر

کو میرے پاس رقم لینے کو بھیجا ہے۔ پر میں نے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ رقم جو اس نے
طلب کی ہے اس قدر بڑی ہے کہ میں فی القوم اس کا انتظام نہیں کر سکتا لہذا انکار کر دیا۔“

جنید اپنے نانا کی اس طرح بات بنانے پر گھور گھور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر احتجاجی
جذبات اور آنکھوں میں تنقیدی روشنی تھی تاہم وہ خاموش رہا۔ جب کہ باپ اور چچا

کی خاطر اس کا دل اندر سے رورہا تھا۔

اپنے جذبات کا رُخ بدلنے اور اپنی توجہ موت کے اس حادثے سے ہٹانے
کی خاطر جنید نے میرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ماموں! میں اور تیمور بھائی بابر کے
شکر میں شامل ہونے کے لیے کب یہاں سے روانہ ہوں گے؟“

میرم نے کہا۔ ”تم دونوں کل یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ میں اور منصور تمہارے بعد
آسانی زمینوں اور باغات کی دیکھ بھال کر لیں گے۔ جب تم بابر کے شکر میں جاؤ، تو
اس سے مل کر میرا اور بابا کا ذکر کرنا۔ وہ تم دونوں کو عزت اور اہمیت دے گا۔“

میرم جب خاموش ہوا تو اس کے باپ شیرم طغائی نے کہا۔ ”میرم بیٹے! جنید کو
تیمور آج نہیں ہیں۔ کل یہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ شکر قندی کی فصل تیار ہے۔ کیوں
نہ آج ہی اسے کھود کر صاف کر لیں۔“

میرم نے کہا۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں بابا! سیدم نے اپنے باپ شیرم طغائی
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بابا! میں بولائی اور سیمون بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلتے
ہیں۔ جنید، منصور اور تیمور شکر قندی نکالتے جائیں گے اور ہم تینوں صاف کرتی رہیں
گی۔ یورٹ گھر پر رہ جائے گی۔“

شیرم طغائی نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی! چلو تم تینوں بھی ساتھ چلو۔“ اتنے
میں یورٹ نے کہا۔ ”میں گھر پر اکیلی پڑی کیا کروں گی ماموں! میں بھی آپ لوگوں کے
ساتھ چلوں گی۔“

شیرم طغائی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”چلو بیٹی! تم بھی، رونق رہے گی۔“
شیرم طغائی کے کہنے پر جنید، منصور اور تیمور نے کدالیں لے لیں پھر وہ اپنے
اس باغ کی طرف چل دیے جس کے ایک حصے میں انہوں نے شکر قندی بو رکھی تھی۔

○

بابر کے شکر میں شامل ہونے کے لیے دوسرے روز جنید اور تیمور گھر سے روانہ
ہو گئے۔ جنید کی ماں سیدم اور بہن سیمون نے اسے رورور رخصت کیا تھا۔ کیوں کہ یہ
پہلا موقع تھا کہ جنید کسی مہم پر روانہ ہو رہا تھا۔

دونوں بھائی اپنے شہر انسی سے روانہ ہو کر خجد آئے۔ وہاں سے سمرقند اور بند اور چغانیاں ہوتے ہوئے ایک روز صبح ہی صبح وہ دریائے باران کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے۔ دونوں اپنے گھوڑوں کو سست روی اور آرام سے بانک لے رہے تھے۔ سورج مشرق سے طلوع ہو کر زمین کی ہر شے کو بھانے لگا تھا۔ دریا کا چمکیلا سال دھڑ تک پھیلتا گیا تھا۔ رزق کی تلاش میں دور اڑانوں کو جلتے پندے۔ رب کون و مکان کی حمد و ثنا گاتے جا رہے تھے۔ سورج دریا کی تہ تک اور نہری دھوپ کو ہستانوں کی چوٹیوں تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

خاموش اور پرسکون فضا میں رنگ رنگ کے اڑتے پندے یوں لگ رہے تھے جیسے لمحوں کی گوپریاں اچانک قہقہے بولنے لگیں۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بڑا باری کا بھی امکان تھا جب کہ ارد گرد کے پہاڑ پہلے برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اچانک جنید اور تیمور بدک اٹھے۔ اپنے دائیں ہاتھ کو ہستانوں کے اندر ان دونوں کو سنواتی چیخیں سنائی دی تھیں۔ جنید نے فوراً اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اپنی گواہ نکالتے ہوئے اس نے غور اور سوالیہ انداز میں تیمور کی طرف دیکھا۔ تیمور نے بھی اپنی تلوار کھینچ لی تھی اس کے چہرے پر تجسس اور فکر مندی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اتنے میں بارش کی آڑی تھپی اور ٹوٹی پھوٹی بوندوں کی طرح پھر سنواتی چیخیں سنائی دیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کوئی لڑکی قضا کے حصار میں اور موت کے گھاٹ پر کھڑی ہزاروں گوند جھیلی ہوئی اس لیے چیخ چلا رہی تھی کہ شاید کوئی اس کی مدد کو آئے۔

جنید نے پریشان لہجے میں تیمور سے کہا۔ ”آؤ دیکھتے ہیں یہ کون لوگ ہیں اور کیوں کسی لڑکی پر ستم ڈھا رہے ہیں۔“

تیمور جنید سے بڑا تھا۔ اس لیے اس نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”ایسا نہ ہو یہ کوئی دھوکا اور فریب ہو اور لڑکی کی ان چیخوں کی آڑ میں ہم دونوں کو کوہستانوں کے اندر بلا کر لوٹ لینا چاہتے ہوں۔“

جنید نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا۔ ”کو“

بھی ہو ہم ان سنواتی چیخوں کے تعاقب میں ضرور جائیں گے۔ اس لیے کہ ہماری نیت صاف ہے۔ اگر کسی نے ہمیں لوٹنا ہوتا تو وہ اس دریا کے کنارے بھی ایسا کر سکتا تھا اور اگر وہ کھلے میدان کے بجائے کوہستانوں کے اندر ہمارے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ اس کی جھول ہے۔ ہم کو ہستانوں کے اندر بھی ان کی جھولیں اٹا کر رکھ دیں گے۔ تیمور نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بخیر پٹ دوڑا دیا تھا۔

لڑکی کی چیخوں کی سمت میں وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ جب وہ دونوں کوہستانوں کے اندر پہنچے تو انہوں نے دیکھا آٹھ سوار ایک تدریجی دھلان سے ہوتے ہوئے ایک تنگ وادی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کی ایک عورت کو اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھا اور دوسرا اپنے آگے ایک نوجوان لڑکی کو دبوچے ہوئے تھا اور یہی لڑکی چیخ چلا رہی تھی

جنید نے بچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تیمور! تیمور! میرے بچھے آؤ۔ میرے اندازے درست ثابت ہوئے۔ کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ وہ سامنے دیکھو۔ آٹھ سوار نیچے وادی میں اتر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک نونیز لڑکی اور معمر خاتون ہیں شاید وہ دونوں ماں بیٹی ہیں اور یہ سوار انہیں کہیں سنے اٹھا کر لائے ہوں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ تیمور نے چھاتی مانتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے عزیز بھائی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ان سواروں کے قریب جا کر جنید نے زین سے نکلتی ہوئی اپنی کمان سنبھال لی اور پیٹھ پر بندھے ترکش سے چند تیر نکال کر اس نے اپنے گھوڑے کی غریبن میں اڑس لیے تھے۔ تیمور نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایسا کر لیا تھا۔

کوہستانوں کے اندر ہی اندر دونوں نے ایک مختصر ترین کاوا کاٹ کر وادی کے اندر ان آٹھ سواروں کے سامنے جانموار ہوئے۔ ابھی وہ دوڑ ہی تھے کہ جنید نے اپنے سامنے پیٹ اور چھاتی پر اپنی دھواں جلتے ہوئے کہا۔ ”تیمور میرے بھائی! انہیں ذرا نزدیک آنے دو پھر میرے اشارے کا خیال رکھنا۔“

تیمور نے کہا۔ ”تم فکر مند نہ ہو میرے بھائی! میں جانتا ہوں تم عرب و مغرب

تم جلدی کرو۔ اس لڑکی کی مدد کو جاؤ۔ اس کی عزت اور جان دونوں کو خطرہ ہے۔ اس موقع پر ہم نے اگر اس کی مدد کی تو ہم دونوں گناہگار ہوں گے۔
 تیمور نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے اس لڑکی کے تعاقب میں سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

جنید اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا اور ان پتھروں کے قریب آکر وہ گھوڑے سے اتر گیا جن کے پیچھے وہ تینوں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے پھر جنید نے ان تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر تم تینوں میں بہت سہجے تو پتھروں کی اوٹ سے باہر نکل کر میرے سامنے آؤ۔ میں اکیلا تم تینوں کو ایک ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

جنید کی اس دعوت مبارزت پر وہ تینوں ایک ساتھ پتھروں کی اوٹ سے باہر نکل آئے اور اپنی تلواریں سونتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ تینوں آہستہ آہستہ جنید کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی حالت ان بھوکے بھیڑیوں جیسی ہو رہی تھی جن کے بھٹ کے اندر سے کسی نے ان کا شکار نکال لیا ہو۔ جنید ان کے سامنے ستون کی طرح ایستادہ اور لہلہاتے کھیت کی طرح پرسکون کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر جالوں کی تازگی، آنکھوں میں اپنے سارے جذبول کی یک رنگی اور اطمینان کی جھلک تھی۔

جب وہ تینوں مناسب فاصلہ پر آئے تو جنید بیک جبستِ خونخوار آگے بڑھا اور پھرے عناصر کے طوفان اور ایک کوندے کی طرح لپکتے ہوئے اس نے ان تینوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ تینوں چاہتے تھے کہ جنید کو کوبتافوں سے گھری ہوئی اس ادا میں گھیر کر ختم کر دیں۔ وہ اس کے گرد اپنی تلواروں کا ایک حلقہ بنا چاہتے تھے کہ اس کے اطراف سے ایک ساتھ اس پر تلواں گر کر اسے ختم کر دیا جائے۔ لیکن ان کا بس نہ چل رہا تھا۔

جنید کے حملے ایسے تھے جیسے خرمن میں چنگاری اور جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اس کی تلوار لپکتی، جھپکتی، کوندتی برق اور ہر طرف جھگڑاتی بجلیوں کی طرح حرکت کر رہی

میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہو۔ میں ایسے ہی کروں گا جیسے تم کہو گے۔
 جب وہ سوار نزدیک آئے تو جنید نے سرکش عناصر کی اندھی یلغار جیسی کھولتی آواز میں پوچھا: تم کون لوگ ہو اور اس عورت اور لڑکی کو کہاں اٹھائے لیے جا رہے ہو۔
 ایک دم لڑکی نے چلاتے ہوئے کہا: یہ ظالم ہیں اور ہم ماں بیٹی کو انہوں نے زبردستی اٹھا لیا ہے۔ لہذا ہماری مدد کرو۔

جنید نے چلا پر تیر چڑھا کر چلایا اور ان میں سے ایک کو ڈھیر کر دیا۔ پھر دوسرا تیر چلا کر وہ ایک ادا کو بھی ختم کر چکا تھا۔ جنید کی پیروی کرتے ہوئے تیمور نے بھی ان میں سے دو کا خاتمہ کر دیا تھا۔ باقی چار بچنے والے اپنے گھوڑوں سے کود کر پتھروں کی اوٹ میں بیٹھ گئے تھے۔

اسی افرا تفری کے عالم میں لڑکی کی ماں گھوڑے سے گر گئی۔ لڑکی بے چاری فوراً اپنے گھوڑے سے کود کر اپنی ماں کی طرف بھاگی۔ شاید وہ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ اسی اثنا میں پتھروں کی اوٹ سے ان کا ایک ساتھی اٹھا اس نے بھاگتی ہوئی لڑکی کا بازو پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا پہاڑ کے دوسری جانب لے جانے لگا۔

جنید اس پر تیر بھی نہ چلا سکتا تھا اس لیے کہ اس نے لڑکی کو اپنے پیچھے رکھا تھا۔ اور اس کے آگے آگے اس کی اوٹ میں رہتے ہوئے وہ گھسیٹتا بھی لے جا رہا تھا۔ لڑکی بڑی طرح شور اور داد مٹا کر نے لگی تھی۔

جنید نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: تیمور! تیمور! تم فوراً اس لڑکی کی مدد کو جاؤ۔ میں پتھروں کے پیچھے چھپنے والے ان تینوں سے نمٹتا ہوں۔
 تیمور نے فکر مندی سے: میں ان تینوں کے سامنے تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جاؤں اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں وادا، اپنی ماں اور پھوپھی کو کیا جواب دوں گا۔

جنید نے سختی سے کہا: تیمور! تیمور! کیا تم نہیں جانتے کہ میں انہی کی تربیت کاہ میں چھ چھ بھوانوں سے اکیلا کامیاب تلوار زنی کرتا رہا ہوں پھر یہ تین میرے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ بخدا میں انہیں آندھی کے اندر تنکوں کی مانند اڑا کر رکھ دوں گا۔

تھی۔ اس کے حملوں میں افسوس اٹھی آندھیوں کا زور اور نیلے سمندر کے چنگاڑتے پانیوں کی دشتنا کی تھی۔ جنید کی شمشیر جگر دار ہونا کمر کی طرح ان پر پھیلتی چلی گئی۔ ان کی دھواں اور تلوار کے ٹکرائے سے اس کو بتائی فادی کے المناک سائوں کے اندر ایک شوریدہ بلند ہونے لگی تھی۔

ان تینوں کی حالت جنید کے سامنے ایسے ہی تھی جیسے آندھیوں کے سامنے تیکے جیسے بتوں کے ملبوسات طوفانوں کی یغار۔ اچانک ان میں سے ایک پر جنید کی تلوار گری اور وہ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ اب دو کے سامنے جنید پراسرار سراپا، وقت کی اڑتی رفتار اور قصص شرر کا سماں باندھ گیا تھا۔ اس کے حملوں میں اب ایسی تیزی آگئی تھی جیسے برف کے گالوں پر رنگ و شرر نازل ہوتے ہوئے شش بہت جلوے ابھارتے لگے ہوں۔ جنید کے تیز حملے اب ان دونوں کے شعور سماعت پر نہیں اور روح خوف و ہراس کی ضربیں خرت کرنے لگے تھے۔

آواز کے عکس کو زخمیر کرتی جنید کی تلوار اب دوسرے پر نازل ہوئی اور اس کا شانہ کلٹتے ہوئے اس کے جسم کو کبھی تہی چلی گئی تھی۔ آخری پچھنے والے کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور وہ ہاتھ جس میں اس نے تلوار تمام رکھی تھی لرز رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس کا سامنا ایسے دشمن سے ہے جس کی شجاعت و مہارت نفرت کی کڑی دھوپ کی طرح تیز اور جو صرف لاوے کی طرح پھیلنا جانتا ہے کسی کے سامنے سکڑنا نہیں۔ دو ایک بار اپنا دفاع کرنے کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی اور جنید کی تلوار اسے بھی ہونے کی نیند سلائی چلی گئی تھی۔

ان تینوں کی موت پر جنید بھاگتا ہوا اس معر خاتون کے پاس آیا جو گھوڑے پر گری تھی اور اب ایک پتھر کی ٹیک لگائے بے بسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جنید اس کے پاس گیا اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا "خاتون! تم کون ہو اور یہ تم لوگوں کو اٹھانے والے کون تھے۔" اس خاتون نے سنبھلتے ہوئے اس سے کہا۔ "خدا تمہارا بھلا کرے بیٹے!"

بروقت ہماری مدد کو آئے ہو۔ میرا نام مہر نگار ہے اور وہ لڑکی جس کی مدد کے لیے تم نے اپنے ساتھی کو بھیجا ہے میری بیٹی ہے اور اس کا نام سیرک ہے۔ ہم قوم کی تاجک ہیں اور مرغیان شہر کی رہنے والی ہیں۔

ہم دونوں ماں بیٹی کا بل جانے کے لیے ایک کاروان کے ساتھ روانہ ہوئی تھیں یہاں اس جگہ کا روان پر ان گنت لوگوں نے حملہ کر دیا۔ یہ کل سورج غروب ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ سوار جو تمہارے ہاتھوں مارے گئے ہیں انہوں نے ہمارا پیچھا کیا لیکن ہم دونوں ماں بیٹی انہیں چمکے دے کر ایک تنگ غار کے اندر چھپ گئیں اور برف سے اس غار کا بند بند کر کے صرف ہوا کی خاطر چھوٹا سا سوراخ رہنے دیا۔

پوری رات ہم ماں بیٹی نے اس غار میں سیرکی۔ دوسرے روز جب سورج طلوع ہوا تو ہم نے غار کے منہ سے برف کی دیوار گرا دی۔ ہم دونوں ماں بیٹی کو یقین تھا کہ یہ لوگ جا چکے ہوں گے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کیا کہ پیدل چل کر کسی قریبی بستی میں داخل ہوں گی اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر اور ان پر سوار ہو کر کابل کی طرف روانہ ہو جائیں گی لیکن تمہارے ہاتھوں مرنے والے رات بھر یہیں رُک کر ہمارا انتظار کرتے رہے۔ شاید انہیں شک ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس زور و جواہرات ہیں جس کی خاطر ہم چھپ گئی ہیں۔ جوں ہی ہم دونوں غار سے نکلیں انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور کپڑے لیا۔

انہوں نے ہماری تلاشی لی اور نقدی کی دو تھیلیوں کے سوا انہیں ہم سے کچھ نہ ملا۔ وہ میری لڑکی سیرک کی خوب صورتی سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ سیرک کو اپنے سردار کے سامنے پیش کر دیں گے۔ وہ ایسی خوب صورت لڑکی ملنے پر خوش ہو گا اور انہیں انعام سے نوازے گا۔

ان حملہ آوروں کا سردار ارغون نام کا ایک امیر ہے۔ شروع میں یہ ڈاکوؤں

لے مرغیان کی آبادی آج بھی زیادہ تر تاجک قوم پر مشتمل ہے۔ مشرقی قصبہ اور عالم دین شیخ برہان الدین اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

کا آب بہت برا گروہ تھا لیکن بارے ان پر حملہ آور ہو کر اس گروہ کی اکثریت کو تیغ کر کے ایک لحاظ سے ان کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اب پھر ان کے منتشر ہو جانے اور ساتھی مل بیٹھے ہیں اور اکثر چھوٹے چھوٹے تجارتی کاروانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹ لکھوٹ لیتے ہیں۔ اس سے آگے جو واقعات ہوئے وہ تمہارے سامنے ہیں۔ یہ کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا ساتھی میری بیٹی کو بچالانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

جنید نے بڑے وثوق اور اعتماد سے کہا۔ "خاتون! آپ فکر مند نہ ہوں، اپنے ساتھی کو خوب جانتا ہوں وہ میرا ماموں زاد ہے۔ وہ تمہاری بیٹی کو ضرور اسے گا۔ ان کے آنے تک میں آپ دونوں کے لیے مرنے والوں کے ڈوگھوڑا پکڑتا ہوں اور ان کے سامان کی تلاشی بھی لیتا ہوں۔"

جنید پیچھے ہٹ گیا اور پچکا پچکا کر کہ وہ مرنے والوں کے گھوڑے پکڑنے لگا اور انہیں پتھروں سے باندھ کر مرنے والوں کے سامان کی تلاشی بھی لینے لگا۔

۱۰

اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگاتا ہوا تیمور اس جوان کے تعاقب میں لگ گیا تھا جو لڑکی کو کھینچتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ ایک کم اونچائی والے اس کے اس جانب تیمور نے لے جایا۔ اس نے جب دیکھا کہ تیمور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے سر پر پہنچا ہے تو اس نے لڑکی کو ڈھکوان سے دھکا دے دیا۔ جس سے وہ لڑکتی ہوئی نیچے چلی گئی لیکن ایک پتھر کے قریب جا کر سنبھل گئی۔

لڑکی کو لے کر بھاگنے والے نے اپنی تلوار کھینچ لی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے اس حوصلے بلند تھے کہ حملہ آور صرف دو ہیں۔ ایک کو اس کے تینوں ساتھی قتل کر دیں گے اور اگر وہ اس پر تابو پالے تو وہ دوبارہ لڑکی اور اس کی ماں کو لے کر یہاں سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے جو نہی تیمور گھوڑے سے اتر اس نے تیزی سے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیا تھا۔ تیمور نے فوراً اس کا دار اپنی ڈھال پر لیا اور جوابی حملہ کیا جسے اس کا مقابل روک نہ سکا اور تیمور کی تلوار اسے خون میں نہالتی ہوئی نکل گئی تھی۔

بھی اب اگر تیمور کے قریب کھڑی ہو گئی تھی۔

تیمور نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کی اور پہلی بار اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کا نام جنید کو اس کی ماں نے سیرک بتایا تھا۔ تیمور نے دیکھا۔ اس کا جسم جیسے شیشہ گھر میں صبح کا منظر، گال جیسے چناؤں میں آگ لگ گئی ہو، ہونٹ رس انار، ہال ابرو، کمان پلکیں، قوس و قزح جیسے بازو، نشیلی آنکھیں، ستاروں کی طرح نیلگوں اور شعا عمل کی طرح شعلہ ریز۔

وہ لڑکی اپنے حسن و جمال میں ستاروں کا فسوں۔ طلسم ماہ تاباں بہاروں کا سحر شراہ فرزدشت و دمن کا کھانا، تیغ آزادی کے نور کی طرح تھی۔ اس کے سراپا کی کشش میں حسن جادو، طلسم نیم خوابی، صبح کی دو شیزگی، شب کی دلہن کا سکون اور جلت رنگ کا سحر تھا۔

وہ آہستہ آہستہ یوں تیمور کی طرف بڑھی جیسے کوئی بلقیس آفاق سے اُتری ہو۔ جیسے بہاروں کے پہلے سودج کی دھوپ بلند ہونے لگی ہو۔ تیمور کے قریب آ کر اس آئینہ عذرا، ماہِ قمار اور مردوخ لڑکی نے اپنی مہم، سربلی اور جلت رنگ کا سا جادو کھینچ کر آواز میں کہا۔

"میں آپ کی ممنون اور احسان مند ہوں کہ آپ نے میری جان اور عزت بچائی۔ تیمور نے محسوس کیا اس کے لہجے میں شبنم شبنم آسودگی کی کھٹک اور انداز میں ماہِ غسل کی سی بے خوابی تھی۔ جب کہ اس کی آنکھیں نلیم درنلیم بھٹکتی روشنی کی طرح روشن اور تابناک تھیں۔ جب کہ اس کے بال کسی ساحر شب کے فسوں کی طرح بکھر گئے تھے۔

تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ اس لڑکی نے پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے ساتھی کو ان تین دشمنوں کے سامنے اکیلا چھوڑ آئے ہیں کیا ہیں ان کی مدد نہیں کرنی چاہیے؟"

تیمور نے کہا۔ "وہ میرا ساتھی ہی نہیں میرا ماموں زاد اور پھوپھی زاد چھوٹا بھائی بھی ہے۔ اس کے مقابلے میں تین دشمن تو کچھ بھی نہیں۔ بخدا اگر

اس کے سامنے چھ تیغ زن بھی آجائیں تو وہ انہیں اُقلن کی طرح دھنک کر رکھ دے۔
عمر میں وہ مجھ سے چھوٹا ہے لیکن ایسے موقعوں پر اس کا ہر فیصلہ میرے لیے آخری اور
ایک حکم ہوتا ہے۔ وہ میرے مامول اور بچھوکھی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس لیے ہمیں بڑی
عزیز ہے۔ اُوں کی طرف چلتے ہیں۔ تمہاری ماں تمہارے لیے پریشان ہو رہی ہو گی۔ سیرک
چپ چاپ سر جھکائے اس کے ساتھ ہو لی۔

دونوں گھوڑے پر سوار ہونے کے بجائے پیدل چلتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں
سیرک کی ماں ایک پتھر کی ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھی۔ ان دونوں نے دیکھا ذرا فاصلے پر جنید
مرنے والوں کے گھوڑوں کی لگائیں ایک دوسرے سے باندھ کر جکڑ رہا تھا۔ سیرک بھاگ کر
آگے بڑھی اور اپنی ماں مہر نگار سے لپٹ گئی۔

مہر نگار چند ثانیوں تک سیرک کو لپٹا کر پیار کرتی رہی پھر اس نے تیمور کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں کی مہربانی ہے بیٹے! کہ تم نے میری اور میری بیٹی کی جان بچا لی۔
تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ جنید بھی وہاں آگیا۔ سیرک نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔
لیکن جنید کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور اس نے سیرک کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔ پھر آہستہ
لگائیں اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے سیرک کی ماں مہر نگار سے کہا۔ ”میں نے دو گھوڑے آپ
دونوں ماں بیٹی کے لیے علیحدہ کر لیے ہیں اور باقی گھوڑوں کو راستے میں بیچنے کے لیے ایک
دوسرے سے جکڑ دیا ہے۔ اب ہمیں فوراً یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ یہاں اب بھی خطرہ
مہر نگار نے انتہائی شفقت سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے یہ تو بتایا
نہیں بیٹے کہ تم دونوں کا کیا نام ہیں۔ کہاں سے آئے ہو اور کیا منزل ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”میرا نام جنید ہے اور میرا یہ ساتھی تیمور ہے۔ ہم دونوں ایک
دوسرے کے مامول اور بچھوکھی زاد بھائی ہیں۔ میں انجی شہر کے رئیس اور بابر کے پرانے مرنے
و محسن شیرم طغانی کا نواسہ اور تیمور ان کا پوتا ہے۔ بابر کے لشکر میں پہلے میرے چچا اور مامول
تھے۔ اب وہ لشکر چھوڑ چکے ہیں اور ان کی جگہ ہم دونوں بھائی بابر کے لشکر میں شامل ہونے

جارہے ہیں۔

مہر نگار نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اس لحاظ سے ہم خوش
قسمت ہیں کہ بابر تک ہمارا تمہارا ساتھ رہے گا۔ شاید میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں کہ ایک
تجار قاری کاروان کے ساتھ ہم دونوں ماں بیٹی بھی بابر جا رہی تھیں کہ ان ڈکوتوں نے ہم پر حملہ کر
دیا۔ اور کاروان کے لوگوں کو تیغ کر کے کوٹ گئے۔ ان مرنے والوں کے اور بہت سے
ساتھی تھے جو چلے گئے۔ ہم دونوں ماں بیٹی چونکہ ایک غار میں چھپ گئی تھیں۔ اس
لیے یہ مرنے والے ہمیں تلاش کرنے کی خاطر یہیں رہے۔

بابر کے لشکر میں میرا شوہر کام کرتا ہے۔ اس کا نام علی قلی خان ہے اور وہ
بابر کے لشکر کا امیر توپ خانہ ہے۔ وہ ایک عمدہ صنّاع ہے اور توپیں ڈھالنے کا فن
اس نے مسطظنیہ جاکر سیکھا تھا۔

مہر نگار جب خاموش ہوئی تو جنید نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کچھ تھیلیاں مہر نگار
کے سامنے زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”ان تھیلیوں میں نقدی اور جواہرات ہیں۔ یہ
مجھے مرنے والوں کی خراجینوں سے ملی ہیں۔ یہ آپ رکھ لیں کہ آپ دونوں ماں بیٹی کا
کافی ہے۔“

مہر نگار نے ایک شفیق و مہربان ماں کی سنی شفقت میں کہا۔ ”یہ تم دونوں رکھ لو
بیٹے! یہ تم دونوں کا حق ہے۔ تم نے ان لوگوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اگر تم نہ آتے تو
ہم دونوں ماں بیٹی کا تو وجود ہی ختم ہو چکا ہوتا۔“

جنید نے کہا۔ ”نہیں آپ یہ سب تھیلیاں رکھ لیں یہ آپ کا حق ہے۔ میں
آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ جب کبھی ہمیں ضرورت پڑی ہم آپ سے مانگ لیں گے
اب ہمیں یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہاں زیادہ دیر قیام
ہمارے لیے خطرناک ہے۔“

مہر نگار اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی نے تھیلیاں سنبھال لیں۔ پھر وہ
گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

باب اپنے کابل کے محل کے طرب خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے جرنیل، سالار
امیر اور دوست اجاب بھی وہاں جمع تھے۔ بابر کے عین سامنے قالین پر بابر کے
دربار کا مشہور گویا حافظ جلال الدین بیٹھا گا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اکتارہ بھی بجاتا جا
رہا تھا۔

طرب خانے میں چاروں طرف ایسی خاموشی ایسا سکوت تھا جیسے فطرت نے
ساری آوازوں کے خزانے سرمہ کر کے رکھ دیئے ہوں۔ صرف حافظ جلال الدین کی
آواز بلند ہو رہی تھی اور وہ اپنی شہد سے میٹھی اور گداز شام کی رنگت سے زیادہ پُر
کشش آواز میں گا رہا تھا۔

”میں اُداس ہوں صندل کے ان پیڑوں کی طرح۔

جنہیں اُداسیوں کی زرد ریت نے ڈھانپ لیا ہو۔

لوگ خوابوں کے ادھورے پن کی طرح اپنی زندگی کے دن پورے کر کے

مُجالوں کے سحر کی طرح ہرے گونگے اندھیروں کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

موت انہیں جھوٹے رنگوں کی دھوپ کی طرح

برزخ کے طلسمی جزیروں کی طرف اُٹائے جا رہی ہے۔

میں زندگی کے بے خواب سمندر میں تہمارہ گیا ہوں۔

سنگی سا تھی

اجالوں کے پیاسے پرندوں کی طرح

بلند اُڑانوں کے کالے سفر کو کوچ کر گئے ہیں۔

اُو، اپنے مقدر کی ہر عبارت کو

اپنے ضمیر کی گناہ رنگ عکسی تحریروں کو

اپنے اعمال کے حرفوں کے خدوخال کو

اپنے گناہوں کی بے چہرگی کو پڑھیں۔

اپنے افعال کے عکس کو زنجیر کریں۔

اپنے رب کی طرف رجوع کریں

اس سے معافی مانگیں

جو زندگی کی گداز شمعیں روشن کرتا ہے۔

بدن کو نور ذات کو شعور بخشتا ہے

ساعتوں کے حرم میں پیار کے گلاب کھلاتا ہے

تہسموں کو بے کناں کرتا ہے۔

غم کی دھوپ سے امتحان لیتا ہے۔

اُو اپنے رب کی خوشنودی چاہیں۔

کہ عاجزی سے کی استغفار، اس کی بخشش و رحمت کو

ریشم کی سی ملائم اور پھولوں کی خوشبو جیسا کر دیتی ہے۔

اُو جھوٹے آسیبوں پر لعنت کریں۔

اس رب واحد کے احکام کی پابندی کریں۔

جو مٹی کو اجالوں کا نور

نادیدہ پر چھائیوں کو ان کا غبار

اندھی مٹی کو سورج کی نوید دیتا ہے

اُن دیکھے چہروں کو چھونے کی خواہش

گداز چھاؤں کو مہربان موسم

اجلے ستاروں کو داستان

تازہ گلابوں کو خوشبو

شب نگاروں کو کبروں کا ظہور

اور نیلے جھروں کو پانی عطا کرتا ہے۔

حافظ جلال الدین کے گیت اور اس کی میٹھی آواز و پرکشش لے نے کابل کے اس
طرب خانے میں ایک سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔ اکتارے پر اس کی کھیلتی انگلیاں رگ چکی

تھیں اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

بابر اور طرب خانہ میں بیٹھے دیگر لوگوں پر بھی اس گیت کا ایسا اثر ہوا تھا کہ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی مادرانی وجدان اور غیر مرئی ادراک میں کھو کر رہ گئے ہوں۔ بابر کے اشارے پر جب طرب خانہ کی یہ مجلس برخاست ہوئی تو لوگ اٹھ کر باہر جانے لگے۔ بابر بھی اٹھ کر باہر آیا۔ اس کے ساتھ اس کا وزیر قاسم اور امیر توپ خانہ علی قلی تھے۔ تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس سمت جانے لگے تھے۔ جس طرف بابر کے شکریوں کے خیمے تھے۔

اتنے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے علی قلی سے کہا: "امیر! آپ کی بیوی اور بیٹی آئی ہیں۔ ان کے ساتھ امیر میرم کا بھانجا جنید اور بیٹا تیمور بھی ہیں۔ میں انہیں ایک خیمے میں بٹھا آیا ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے پورے حالات سنائے ہیں۔ آپ کی بیوی اور بیٹی دونوں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ادھر آ رہی تھیں کہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر دیا۔ جس وقت وہ آپ کی بیوی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اس وقت جنید اور تیمور بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مل کر ان رہزموں کا خاتمہ کر دیا جو تعداد میں آٹھ تھے اور آپ کی بیوی اور بیٹی دونوں کو بحفاظت یہاں لے آئے ہیں۔"

علی قلی نے بیتاب ہو کر کہا: "مجھے فوراً اس خیمے میں لے چلو جس میں تم انہیں بٹھا کر آئے ہو کہ میں اس نیکی اور احسان پر میرم کے بھانجے اور بیٹے کا شکریہ ادا کر دوں۔ اتنے میں بابر کا بیٹا ہمایوں ایک طرف سے آیا اور بابر کے پاس آکھڑا ہوا۔

بابر نے علی قلی کو مخاطب کر کے کہا: "علی قلی! بٹھرو، میں بھی اس خیمے میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں بھی میرم کے بھانجے اور بیٹے کا شکریہ ادا کروں گا اور ان سے معلوم کروں گا کہ وہ رہزن کون تھے تاکہ ان کا صفایا کر کے تجارتی کاروانوں کے لیے سمرقند کی طرف سے کابل آنے والی شاہراہ کو پُر امن اور محفوظ بنا دیا جائے۔"

بابر، علی قلی، ہمایوں اور وزیر قاسم اس سپاہی کے ساتھ ہو لیے جو علی قلی کے

یہ اس کی بیوی اور بیٹی کے آنے کی خبر لے کر آیا تھا۔

وہی سپاہی بھاگتا ہوا ایک خیمے میں داخل ہوا۔ اندر جنید، تیمور، مہنگار خانم اور سیرک بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سپاہی نے جلدی جلدی انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بادشاہ بابر، اس کا بیٹا ہمایوں، وزیر قاسم اور امیر علی قلی آ رہے ہیں۔ جنید اور تیمور کھڑے ہو گئے۔ مہنگار خانم اور سیرک دونوں ماں بیٹی بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جس وقت وہ کھڑے ہوئے اس کے صرف چند ثانیوں بعد ہی بابر، ہمایوں، قاسم اور علی قلی خیمے میں داخل ہوئے۔

جس وقت سیرک نے اپنے باپ کو دیکھا وہ بھاگی اور اس سے لپٹ گئی۔ علی قلی پیار سے سیرک کا سر چوم کر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔ بابر نے آگے بڑھ کر جنید اور تیمور سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "میں بابر ہوں، میرے ساتھ یہ میرا بیٹا ہمایوں، وزیر قاسم اور امیر علی قلی ہیں۔ میں تم دونوں کو اپنے لشکر میں خوش آمد کہتا ہوں۔"

اس کے بعد ہمایوں، قاسم اور علی قلی نے جنید اور تیمور سے مصافحہ کیا۔ پھر بابر نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "تم دونوں میں سے کون میرم کا بھانجا اور کون اس کا بیٹا ہے؟"

جنید نے کہا: "میں میرم کا بھانجا ہوں، میرا نام جنید ہے اور یہ ان کا بیٹا ہے۔ اس کا نام تیمور ہے۔ اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ماموں اور چھوٹی زاد بھی ہیں۔"

بابر نے پھر پوچھا: "تم دونوں میں سے عمر میں کون بڑا ہے اور جنگی مہارت میں کون دراز ہے؟"

اس بار تیمور نے فوراً بولتے ہوئے کہا: "عمر میں تو میں بڑا ہوں لیکن حرب و ضرب کے کھیل میں میرا بھائی جنید مجھ سے بہت زیادہ آگے ہے۔ حرب و ضرب میں یہ بیک وقت اپنے چھ مقابلوں سے باسانی نمٹ سکتا ہے۔"

بابر نے چوہتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا اور کہا - ”میرم کے بیٹے! تم اپنے چھوٹے بھائی کی مبالغہ آمیز تعریف کر رہے ہو یا حقیقت بیانی سے کام لے رہے ہو؟“ تیمور نے کہا - ”میرے آقا! جب کھلا میدان بھی ہوا اور گھوڑا بھی پاس ہو تو اس کی رفتار دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ جنید آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ آپ اسے آزما سکتے ہیں۔“

بابر نے اپنے وزیر قاسم کے کان میں کچھ کہا اور وہ باہر نکل گیا۔ پھر بابر نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا - ”میرے قلوب لشکر میں دو عمدہ قسم کے تیغ زن ہیں۔ کیا تم ایک ساتھ ان دونوں سے مقابلہ کر دو گے؟“

جنید نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا - ”میرے آقا! دو تو کیا دیے آپ چھ لے آئیں، پھر بھی ان سے مقابلہ کر دوں گا اور اپنی کارگزاری سے آپ کو مایوس بھی نہ کر دوں گا۔“

خیموں سے باہر کھلے میدان میں اچانک بڑی بڑی دھنیں پیٹنے کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ بابر نے کہا - ”قاسم ان دونوں جوانوں سے تمہارے مقابلے کا انتظام کر چکا ہے۔ اگر تم ان دونوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں اپنے بیٹے ہمایوں کے ساتھ ہزاروں لشکر کا تمہیں نائب سالار مقرر کر دوں گا۔ اگر تم تھوڑی دیر بھی ان دونوں کے سامنے جم کر لڑنے میں کامیاب رہے تو میں تمہیں ایک ہزار لشکریوں کا کماندار مقرر کر دوں گا۔ اب آؤ میرے ساتھ کہ کھلے میدان میں تمہارے مقابلے کی ابتداء ہو سکے۔“

اس موقع پر علی قلی نے بابر سے کہا - ”آپ چلیں میں بھی تھوڑی دیر تک حاضر ہوتا ہوں۔“

جنید اور تیمور دونوں بھائی بابر اور اس کے بیٹے ہمایوں کے ساتھ اس خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

بابر کے لشکر کی ایک کھلے میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ دھنیں ابھی تک پیٹی جا رہی تھیں۔ جب بابر، ہمایوں، جنید اور تیمور کے ساتھ وہاں پہنچا تو دھنیں بجنی بند ہو گئیں۔ میدان میں آن گزشت لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ایک طرف لکڑی کی بتلیاں کھڑی کر کے اور ان کے ساتھ چادریں باندھ کر عورتوں کے لیے پردے کا انتظام کر دیا گیا تھا اور وہ مخصوص جگہ لشکر اور شہر کی عورتوں سے بھر گئی تھی۔ ہر نگار خانم اور سیرک بھی وہاں آکر بیٹھ گئی تھیں جب کہ علی قلی بابر کے پاس آ بیٹھا تھا۔

لکڑی کے کئی تخت پوش جمع کر کے اور ان پر گدے اور سفید چادریں بچھا کر ایک شہ نشین بنادی گئی تھی جس پر بابر، وزیر قاسم، علی قلی، ہمایوں، جنید اور تیمور بیٹھ گئے تھے۔ بابر کے دونوں بھائی ان دونوں غزنی میں تھے۔ لہذا وہ بابر کے ساتھ موجود نہ تھے۔ ویسے بھی وہ بابر سے کچھ کچھ رہتے تھے کہ اکثر ان کی طبیعت شر پسند ہو جاتی تھی۔

چند ثانیوں بعد جو جوان میدان میں اترے وہ پوری طرح مسلح تھے وہ اس میدان کے وسط میں آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ وزیر قاسم نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا - ”میرم کے بھانجے! ان دو جوانوں سے تمہارا مقابلہ ہو گا۔ میں نے ان دونوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ مقابلے کے دوران وہ تمہیں زخمی نہ کریں گے۔ تم بھی اس ہدایت پر عمل کرنا۔ زخمی کرنے کے علاوہ تم جیسے چاہو ان دونوں کو زیر کر سکتے ہو۔ اب تم میدان میں اتر دو کہ مقابلہ شروع ہو۔“

جنید اٹھا اور شہ نشین سے اتر کر وہ میدان میں داخل ہوا۔ اس کا نیا جنگی لباس جو اس کے نانا شیرم طغانی نے اسے لے کر دیا تھا۔ دھوپ میں چمک رہا تھا اپنے بائیں اٹھیں ڈھال اور دائیں میں تلوار لیے تیزی سے چلتا ہوا وہ ان دونوں جوانوں کے سامنے آکھڑا ہوا۔

ان دونوں میں سے ایک نے جنید سے کہا - ”اگر امیر قاسم نے تمہیں مقابلے کی شرائط سمجھا دی ہیں تو آؤ اسے شروع کریں کہ لوگوں کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔“

جنید نے کہا - ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تم دونوں کو پہلے حملہ آور ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔“

ان دونوں نے ایک بار ذومعنی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر کوئی فیصلہ کرتے ہوئے دونوں آگے بڑھے اور جنید پر انہوں نے حملہ کر دیا۔ میدان میں بیٹھے لوگوں پر مقابلہ شروع ہونے پر ایک سکوت ایک خاموشی چھا گئی تھی بہر کوئی غور سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جنید نے ایک کی تلوار کو اپنی ڈھال پر اور دوسرے کی تلوار کو اس نے اپنی تلوار پر لیا تھا لیکن وہ دونوں بھی انتہائی چالاک اور تیز ثابت ہوئے۔ اپنی دونوں تلواروں سے جنید کی تلوار اور ڈھال کو دفاع میں مصروف کرنے کے بعد انہوں نے جنید پر اپنی ڈھالیں بربادیں لیکن اس وقت ان دونوں کو خاصی مایوسی ہوئی جب جنید نے ایک کو ڈھال کو اپنے خود پر اور دوسرے کی ڈھال کو اپنے کندھے پر چڑھے آہنی خول پر روک دیا تھا۔ لوگ جنید کے حق میں شور کرتے ہوئے اس کو داد دینے لگے تھے۔

شہ نشین بریٹھے بابر، ہمایوں، قاسم، علی قلی اور تیمور کے چہروں پر بھی سکون اور مسکراہٹ تھی۔ وہ سب جنید کے طریقہ جنگ سے خوش اور مطمئن تھے۔

اپنا دفاع کرنے کے علاوہ اب جنید نے اپنے جارحانہ جملوں کی ابتداء بھی کر دی تھی اور ان دونوں پر اپنی تلوار اور ڈھال سے ضربیں لگاتے ہوئے اس نے ایک لحاظ سے انہیں ایک طرح سے پراگندہ اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔

کافی دیر تک وہ ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرتے رہے اور میدان میں بیٹھے لوگ ان کے اس مقابلے سے محظوظ ہوتے رہے۔ ایک موقع پر ان میں سے ایک نے جب اچانک جنید پر اپنی تلوار سے حملہ کیا تو جنید نے اس کا وار اپنی ڈھال پر لیا۔ اسی دوران جب دوسرا بھی جنید پر حملہ آور ہوا تو جنید نے انتہائی سرعت سے کام لیتے ہوئے پہلے کو اس کی چرمی بیٹی سے پکڑ کر اُدھر اٹھایا اور اسے اس کے ساتھی کے سامنے کر دیا۔ دوسرے نے جب دیکھا کہ اس کی تلوار کی ضرب خود اس کے اپنے

ساتھی پر پڑنے والی ہے تو اس نے فوراً اپنی گرتی تلوار کو روک لیا۔ جنید نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک کے ہاتھ پر اپنی تلوار کا دستہ اور دوسرے کے ہاتھ پر اپنی ڈھال دے ماری تھی۔ دونوں کے ہاتھوں پر جنید کی ضرب ایسی سخت تھی کہ ان دونوں کے ہاتھوں سے ان کی تلواں چھوٹ کر گر گئیں۔

ان دونوں نے فوراً جھک کر اپنی تلواں اٹھالینا چاہیں پر جنید نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں دور پیٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی ڈھالوں پر جنید کی تلوار اور ڈھال کے وار روک رہے تھے۔ شاید جنید نے کوئی آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر لی اور انہیں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹانے لگا اچانک اس نے ایک کی ران پر اپنے پاؤں کی ایک سخت مٹھو کر لگائی اور وہ زمین پر گر گیا۔ جنید نے پاؤں کی ایک اور ضرب لگائی اور اس کی ڈھال اس کے ہاتھوں سے نکل کر جنید کے پاؤں کی مٹھو کر سے اڑتی ہوئی دور جا گری۔

ایک کو گرنے کے بعد جنید دوسرے کی طرف لپکا اور اس پر اپنی ڈھال سے ضرب لگائی۔ جونہی اس نے جنید کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر لیا جنید نے اپنی تلوار اس کی گردن پر رکھ دی۔ اس طرح اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے ہٹا اور مجبور کر کے رکھ دیا تھا۔

جنید پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں نے اپنی تلواں اور ڈھالیں منبھالیں اور تحمین آمیز نگاہوں سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے وہ میدان سے باہر نکل گئے جنید آہستہ آہستہ جلتا ہوا شہ نشین کے پاس آیا۔ بابر نے اُٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے بھائی تیمور نے ٹھیک کہا تھا تم چھ جوانوں سے بیک وقت نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اپنے وعدہ کے مطابق میں تمہیں ہمایوں کے ساتھ اپنے ہراول لشکر کا نائب سالار مقرر کرتا ہوں۔“

بابر کے بعد ہمایوں نے اُٹھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”ہراول لشکر

میں تمہاری آمد یقیناً میرے لیے باعثِ تقویت ہوگی۔ تم مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ میں تم سے بہت کچھ حاصل کروں گا۔

ہمایوں جب خاموش ہوا تو علی قلی نے بابر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جنید اور تیمور دونوں چونکہ میرے دشمن ہیں اس لیے میری مرضی تھی کہ میں انہیں اپنے ساتھ توپ خانے میں رکھوں گا۔ لیکن اب جب کہ آپ جنید کو ہراول کا نائب امیر بنا چکے ہیں مجھے خوشی ہے۔ اب آپ تیمور مجھے دے دیں۔ میرے ساتھ کام کرے گا۔ میرے پاس ایک فالتو نیزہ بھی ہے وہ میں اسے دے دوں گا اور یہ میرے خیمے کے ساتھ ہی رہے گا۔“

بابر نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”ہاں تم تیمور کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو۔ پھر بابر نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جان پر اتم جنید میرے خیمے کے ساتھ لگاؤ اور شکر میں منادی کرو اور کہ عظیم شہرِ مغلنائی کے فوسے، میرم کے بھانجے اور سمریگ کے بیٹے جنید کو ہراول شکر کا نائب امیر مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ سب کو اس کی خبر اور اطلاع ہو جائے۔“

علی قلی نے پھر بابر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ایک اور اجازت دیجئے کہ جنید اور تیمور دونوں بھائی آج شام کا کھانا میرے ساتھ میرے خیمے میں کھائیں۔“ بابر نے شہ نشین سے اترتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔“ بابر اور ہمایوں چلے گئے۔ علی قلی، جنید اور تیمور کو لے کر اس طرف آیا جہاں عورتوں کے بیٹھنے کو جگہ بنائی گئی تھی۔ وہ مہر نگار خانم اور سیرک شایدان کا ہی انتظار کر رہی تھیں اور ایک طرف کھڑی تھیں انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے ان کی طرف آئیں۔ سیرک نے کہتے ہی جنید سے کہا۔

”میں آپ کو آپ کی کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ آپ نے واقعی ثابت کر دیا ہے کہ آپ چھ تین زلوں سے اکیلے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دریائے باران کے کنارے جہاں آپ دونوں بھائیوں نے ہم دونوں ماں بیٹی کی جان اور عزت کی حفاظت کی تھی وہاں بھی تیمور نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اکیلے چھ جوانوں سے نمٹ سکتے ہیں لیکن مجھے پوری طرح

یقین نہ آیا تھا۔ گو مجھے کچھ کچھ اعتماد ضرور ہوا تھا۔ کیوں کہ تیمور جب مجھے بچانے کے لیے آئے تو ان کی غیر موجودگی میں آپ اکیلے نے تین حملہ آوروں کو ٹھکانے لگا کر رکھ دیا تھا لیکن آج اس میدان میں مجھے بھرپور یقین ہوا کہ تیمور ٹھیک کہتے تھے۔ اس لیے کہ عورتیں کہہ رہی تھیں آپ کے مقابلے میں جو جوان میدان میں اترے تھے وہ لشکر کے عمدہ ترین تیغ زن تھے۔“

جنید گردن جھکائے علی قلی کے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔ اس نے سیرک کی کسی بات کا جواب نہ دیا تھا۔ سیرک نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ ”آپ نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔“

جنید کی گردن پھر بھی جھکی رہی تاہم تیمور نے کہا۔ ”جنید بولتا کم ہے اور سننا زیادہ ہے اور پھر جہاں عورتیں ہوں وہاں یہ بالکل ہی کم بولتا ہے اور اثر گرم ٹم ہو جاتا ہے۔“

علی قلی سب کو لے کر اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے سے باہر کھڑے چند جوانوں کو اپنے خیمے کے برابر تیمور کے لیے خیمہ نصب کرنے کو کہا اور دو کو کھانا لانے کو بھیج دیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ سیرک نے اب جنید کو مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔ شاید اس کے رویے سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد علی قلی نے تیمور کو اس کا خیمہ دکھایا اور وہ اس میں چلا گیا۔ جبکہ جنید خیموں کے اس شہر کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا۔ جب وہ ہمایوں کے خیمے کے پاس گیا تو ایک سپاہی بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور ایک نئے خیمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اے امیر! آقا نے یہ خیمہ آپ کے لیے نصب کرایا ہے۔ خیمے کے پیچھے آپ کے گھوڑے کی جگہ بھی ہے۔ تھوڑی دیر تک آپ کا گھوڑا بھی یہاں پہنچ جائے گا۔“ جنید نے ایک بار احسان مندی سے اس سپاہی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

اس سہا ہی نے کہا۔ ”میرا نام ترولی بیگ ہے۔ میں سمرقند کا رہنے والا ہوں
مجھے آپ کے خیمے کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ میں خوش
ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ لگایا گیا ہے۔“
ترولی بیگ کی باتوں سے جنید کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ
اپنے خیمے کے اندر چلا گیا تھا۔



ایک بار پھر بارہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ ہمایوں کو اس
نے کابل میں چھوٹا۔ جنید کو اس نے اپنے ہر اول لشکر کا امیر مقرر کیا۔ شمالی کوہستانی سلسلے
کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس نے پنجاب کے دریاؤں کو عبور کیا اور ایک طوفانی حملہ کر کے
اس نے سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔

سیالکوٹ میں اس نے اپنے ایک جرنیل ولی زلی کو حاکم مقرر کیا اور خود اس
نے لاہور کا رخ کیا۔ شہر سے باہر اس نے حاکم پنجاب دولت خان کو عبرت خیز شکست
دی اور لاہور پر قبضہ کر کے وہاں اپنے ایک دوسرے جرنیل محمد علی جنگ کو حاکم اور خواجہ
حسین علی اس کا نائب مقرر کیا۔

پنجاب کا حاکم دولت خان شکست کھانے کے بعد قلعہ بلوٹ، قلعہ کوتلہ، قلعہ
کلکوٹہ اور ان کے نواحی علاقوں کے حاکم نازی خان کے پاس چلا گیا۔ ہندوستان کے اندر
مزید پیش قدمی کرنے اور حالات کا جائزہ کسے لیے بار لاہور شہر سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ
خیمہ زن ہو گیا تھا۔

تیمور اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ حسین سیرک اس کے خیمے کے دروازے پر آکر اور تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ریم جھم باد و بالال اور جھم جھم ہوا کے جھونکے کے انداز میں کہا: "بابائے آپ کو کھانے پر بلایا ہے۔"

تیمور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تیر اس نے ایک طرف رکھ دیئے۔ جب وہ خیمے کے دروازے پر آیا تو وہاں کھڑی سیرک نے پھر اس سے کہا: "جو شخص مطبخ سے ہمارا کھانا لاتا ہے۔ بابائے اسے تاکید کر دی ہے۔ اب وہ آپ کا کھانا بھی لایا کہے گا اور اس روزانہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کریں گے۔"

تیمور جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ ایک طرف سے جنید اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ تیمور کوچ کر گیا تھا۔ دہلی سے نکلی کہ وہ کنواہ آیا۔ یہاں اس نے رات بسر کی اور دوسرے کے خیمے کے سامنے وہ رکا اور گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس نے کہا:

"تیمور! میرے بھائی! میں تمہارے پاس بیٹھا لیکن میں جلدی میں ہوں۔" شاہجہاں کر لیا تھا۔

تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ کسی سمت مزید پیش قدمی کرنے سے قبل ہمارا لشکر کچھ روز تک نہیں لاہور شہر میں ہی خیمہ زن رہے گا۔ اسی مزید پیش قدمی کے سلسلے میں بابر مجھے ایک بہنہ دالی اس ندی کے کنارے آکر رکا۔ جو چندیری اور نصیبور کی طرف سے آتی تھی اور اہم ہم پر روانہ کر رہا ہے۔ میں چند دن تک لشکر سے باہر ہوں گا۔ میں یہ اس لیے بتلے بی اطر کا کہنی کی طرح بلی کھاتی اور ٹھانٹھیں مارتی ہوئی دریا کے کنارے چلی گئی تھی۔ آیا ہوں کہ تم میرے متعلق فکر مند نہ ہو۔

تیمور نے فکر مندی سے پوچھا: "کیا اس مہم کا تعلق کسی دشمن قوت کی جاکھوڑا بڑی تیزی سے ندی کے کنارے کنارے ہری ہری گھاس چرنے لگا تھا۔ جنید نے اور دیکھ بجال ہے۔"

جنید نے کہا: "تمہارا اندازہ درست ہے۔"

تیمور نے کہا: "تم بابر سے بات کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ جنید نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "نہیں ایسا ممکن نہیں۔ جو کام مجھے سونپا گیا ہے۔ ندی کے کنارے جس جگہ وہ اس وقت کھڑا تھا۔ اس سے صرف چوتھائی فرلانگ اسے اکیلا آدمی ہی احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔"

تیمور نے اداس افسردہ لہجے میں کہا: "جلدی لوٹ آنا میرے بھائی۔" شاہجہاں چوراہا تھا اور اس چوراہے سے کئی راتے نکلتے تھے۔ ایک راستہ سیدھا جنوب تمہارے متعلق بہت فکر مند ہوں گا۔ اپنا خیال بھی رکھنا۔ میں ہر روز لشکر سے باہر نکلتا ہوں۔ نصیبور اور چندیری کی طرف چلا گیا تھا۔ دوسرا شمال کی طرف آگروہ کو اور وہاں کہ تمہارا انتظار کیا کروں گا۔" جنید نے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے تیمور سے مصافحہ کیا۔ دریا کے کنارے سنبھل شہر کی طرف جاتا تھا۔ تیسرا راستہ مغرب کی طرف صحرائے

پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

اپنے لشکر سے نکل کر جنید دریائے راوی کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھا

پھر اس نے اپنا رخ مشرق کی طرف کر لیا تھا۔ وہ دم لیے بغیر لگاتار سفر کر رہا تھا۔ دریا

ستلج عبور کرنے اور صحرائے تھر پار کر کے شمال سے گزرنے کے بعد وہ پانی پت میں داخل

ہوا۔ یہاں سے اس نے اپنا رخ جنوب مشرق کی طرف کر لیا اور ایک روز وہ دہلی میں داخل

ہوا۔ اپنے گھوڑے کو آرام دینے اور اس کے لیے چارہ اور اپنے لیے خدلاک حاصل کرنے

کی غرض سے اس نے ایک رات دہلی کی سرائے میں بسر کی اور اگلے روز وہ دہلی سے بھی

دہلی کوچ کر گیا تھا۔ دہلی سے نکلی کہ وہ کنواہ آیا۔ یہاں اس نے رات بسر کی اور دوسرے

روز وہ یہاں سے بھی روانہ ہو گیا۔ اب اس نے اپنا رخ مشرق کی طرف گواہیا شہر کی

ایک روز سورج غروب ہونے سے پہلے جنید کنواہ اور گواہیا کے درمیان

نہیں لاہور شہر میں ہی خیمہ زن رہے گا۔ اسی مزید پیش قدمی کے سلسلے میں بابر مجھے ایک بہنہ دالی اس ندی کے کنارے آکر رکا۔ جو چندیری اور نصیبور کی طرف سے آتی تھی اور

اہم ہم پر روانہ کر رہا ہے۔ میں چند دن تک لشکر سے باہر ہوں گا۔ میں یہ اس لیے بتلے بی اطر کا کہنی کی طرح بلی کھاتی اور ٹھانٹھیں مارتی ہوئی دریا کے کنارے چلی گئی تھی۔

آیا ہوں کہ تم میرے متعلق فکر مند نہ ہو۔ تیمور نے فکر مندی سے پوچھا: "کیا اس مہم کا تعلق کسی دشمن قوت کی جاکھوڑا بڑی تیزی سے ندی کے کنارے کنارے ہری ہری گھاس چرنے لگا تھا۔ جنید نے اور دیکھ بجال ہے۔"

جنید نے کہا: "تمہارا اندازہ درست ہے۔"

تیمور نے کہا: "تم بابر سے بات کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ جنید نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "نہیں ایسا ممکن نہیں۔ جو کام مجھے سونپا گیا ہے۔ ندی کے کنارے جس جگہ وہ اس وقت کھڑا تھا۔ اس سے صرف چوتھائی فرلانگ اسے اکیلا آدمی ہی احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔"

تیمور نے اداس افسردہ لہجے میں کہا: "جلدی لوٹ آنا میرے بھائی۔" شاہجہاں چوراہا تھا اور اس چوراہے سے کئی راتے نکلتے تھے۔ ایک راستہ سیدھا جنوب

تمہارے متعلق بہت فکر مند ہوں گا۔ اپنا خیال بھی رکھنا۔ میں ہر روز لشکر سے باہر نکلتا ہوں۔ نصیبور اور چندیری کی طرف چلا گیا تھا۔ دوسرا شمال کی طرف آگروہ کو اور وہاں

کہ تمہارا انتظار کیا کروں گا۔" جنید نے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے تیمور سے مصافحہ کیا۔ دریا کے کنارے سنبھل شہر کی طرف جاتا تھا۔ تیسرا راستہ مغرب کی طرف صحرائے

پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

اپنے لشکر سے نکل کر جنید دریائے راوی کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھا

پھر اس نے اپنا رخ مشرق کی طرف کر لیا تھا۔ وہ دم لیے بغیر لگاتار سفر کر رہا تھا۔ دریا

جائزہ لیا۔ وہ سب پندی طرح سلج تھے۔ لگتا تھا وہ گویا مندر کے محافظ ہوں۔ جنید کو اس گفتگو کرنے والے جوان کی باتوں سے کچھ شک ہوا۔ تاہم وہ مستعد ہو کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا۔

وہ جوان مندر کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اندر ایک پردہ پر ایک گدے پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس جوان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مالک باہر ایک مسلمان جوان آیا ہے۔ اس کا تعلق سمرقند سے ہے اور وہ ہم سے گوالیار کا راستہ پوچھتا ہے۔ کوئی مالدار آسامی لگتا ہے۔"

اس پنڈت نے کھانا چھوڑ دیا اور تیزی سے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا: "یہ بچ کر نہ جائے۔ قبل اس کے کہ وہ رات بسر کرنے کے لیے سستی کا رخ کرے یا گوالیار کی راہ پر گامزن ہو، اوّل کرا سے ٹھکانے لگا دیں۔"

پنڈت نے ڈارک کر پھر اس جوان سے پوچھا: "کیا تم نے اسے غور سے دیکھا ہے، وہ سلج ہے یا عام کپڑوں میں کوئی سوار ہے؟"

اس جوان نے کہا: "وہ اپنے بہترین اور نئے جنگی لباس میں ہے پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس ایکس کے مقابلے میں ہم پانچ سلج جوان ہیں۔ اس کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر رکھ دیں گے۔"

پنڈت نے باہر نکلتے ہوئے کہا: "میں یونہی وچار (سوچ) میں پڑ گیا تھا۔ تم آؤ میرے ساتھ دیکھ لیتے ہیں اسے۔"

پنڈت اس جوان کے ساتھ آگ کے الاؤ کے پاس آیا۔ جنید اسی طرح اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا تھا۔ تاہم وہ چونکا تھا اور ان کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لیتے جا رہا تھا۔ پنڈت نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا: "تم کون ہو؟ کیا نام ہے؟"

جنید نے کہا: "میرا وطن سمرقند ہے۔ میرا نام جنید ہے، میں ترک مسلمان ہوں اور گوالیار جاؤں گا۔"

نھر پاکر اور راجپوتانہ کو مانتا تھا اور چوتھا راستہ اس ندی کو عبور کرنے کے بعد گوالیار شہر طرف چلا گیا تھا۔

جنید ندی کنارے لیٹ گیا اور گھوڑے کو چرنے اور پیٹ بھرنے کا موقع فراہم کرتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے لگام پڑھائی، اس پر سوار ہوا اور مندر طرف بڑھا۔

جنید جب مندر کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا مندر سے باہر کچھ لوگ آگ الاؤ روشن کیے اس کے گرد بیٹھے تھے۔ مندر کے دائیں جانب پھل دار درختوں کا سا ایک باغ تھا اور بائیں طرف بانس کے جھنڈ تھے۔ سورج اب غروب ہو گیا، رفتہ رفتہ بھیگتی شام کا کاجل دھیرے دھیرے پھیلنے لگا۔ تاریکی دن کا اختتام ہر شے کی بے بساطی اور بے قراری کا اعلان کر رہی تھی۔ مشرقی افق پر چھائے گہرے شفق کے گہرے رنگوں میں نہا کر رہ گئے تھے۔

اپنے گھوڑے سے اُتر کر جنید آگ کے الاؤ کے پاس آیا اور وہاں بیٹھے جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا: "میں مسافروں۔ اس سرزمین میں ہوں۔ یہاں کی راہوں کا بھی شناسا نہیں۔ میں نے گوالیار کی طرف جانا ہے کیا میری راہنمائی کرو گے؟"

ایک جوان نے پوچھا: "تم کہاں سے آئے ہو؟" جنید نے کہا: "میرا سکس سمرقند کی سرزمین ہے۔" اس جوان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "ہم خود یہاں اجنبی ہیں لیکن تمہیں مایوس نہ کریں گے۔ ہیں مندر کے اندر جا کر پردہ پر ایک کمرے سے گوالیار کا معلوم کرنا ہوں پھر تمہاری رہنمائی کروں گا۔ میں غلط نشانہ نہ دی کر کے تمہیں نہیں چاہتا۔"

وہ جوان اٹھ کر مندر کی طرف چلا گیا۔ جنید نے وہاں بیٹھے جوانوں کا

دور ہوئے اور مرتد سے جدا روح جیسی کردوں گا۔ قبل اس کے اس فضائے شب میں تاریک بکبت کی طرح تمہارے گرد موت کا حال بناؤں۔ مجھے گواہی دے کہ راتے کی نشاندہی کرو اور میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو میں تم سب کے باطنوں کی گہرائی ناپوں گا۔ اپنی عداوت کی آگ سے تمہارے گمان کے اندھیرے اور ریاکاری کے غبار کو دور کر دوں گا۔ اگر تم نے مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو میں رکھوں ریت کی پیاسی گہرائی کی طرح تمہارے پائال کو تم پر کھولوں گا۔ تمہارے جذبوں کی وحشی آوازوں کو دبا دوں گا اور تم سب کی ذات کے آئینوں کو دکھ کے صحرا میں بدل دوں گا۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میری تلوار کا رشتہ گویا کی رح تمہارے لیے نئی صورت گری کا کام دے گی۔

اس بار اُن میں سے ایک دوسرے جوان نے بولتے ہوئے کہا۔ ہم تمہاری ان گیدڑ گھڑکیوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ جو کچھ تمہارے پاس نقدی کے علاوہ قیمتی اشیاء ہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں جلنے کی اجازت دے دیں گے۔

جنید نے ان کی اس تہیہ کا جواب یوں دیا کہ بیک حسبتِ خونخوار وہ آگے بڑھا ان پر بجلی کے برستے کو نہ، سمندر کے منہ میں اترنے والے دریا، ندیوں اور بھیرے ہوئے تندھاروں کی طرح حملہ آور ہوا تھا ان میں سے دو کو پلک بھپکتے میں ختم کر کے دوبارہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا تھا۔

پنڈت نے مندر کے ان محافظوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھوں ختم ہونے والے ہمارے یہ دونوں ساتھی مرے نہیں امر ہو گئے ہیں۔ تینوں آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرو اور اسے آواز کے بگولوں کے طوفان کی طرح اٹا کر رکھ دو۔ وہ تینوں آگے بڑھ کر حملہ آور ہوئے۔ جنید بھی آگے بڑھا اور ان پر حملہ آور ہوا تھا۔

جنید اس بار ایک نئے انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ وہ ان پر اپنی تلوار اور ڈھال کے ساتھ اپنی ساری تابندگی اور روشنی کے ساتھ کسی طلسم کے دیو کی طرح برس پڑا تھا۔ اس کے حملوں میں حیات کی معراجِ زیست کا کمال تھا اور وہ اپنے سارے

پنڈت نے اس بار خشک لہجے میں پوچھا۔ ”گواہی تم کیوں ۲ اور تمہیں کس پاس جاؤ گے؟“

جنید نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا۔ ”گو ایسے سوالات کا جواب دینے کے لیے میں پابند نہیں ہوں۔ تاہم بات کو سمیٹنے کے لیے میں عرض کروں کہ میں گواہی میں راجہ بکرماجیت کے اصطلیل کے داروغہ احمد یوسف سے ملنے جا رہا ہوں اب مجھ سے کوئی اور سوال پوچھنے سے قبل یہ بتاؤ کہ گواہی دہانے کے لیے مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔“

پنڈت نے اپنا سر ہلاتے ہوئے اپنے مسلح جوانوں کو اشارہ کیا۔ وہ ہانپول اٹھ کھڑے ہوئے اور جنید کا گھیراؤ کرنے لگے تھے۔

پنڈت نے اس بار جنید کو بڑھکانے کی خاطر کہا۔ ”اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مسلمانوں کے جاموس نہیں ہو اور کسی مسلمان بادشاہ کی طرف سے گواہی دے کے حالات و کوائف مرتب کرنے جا رہے ہو۔ تم اب یہاں سے نہ جاسکو گے۔ ہم یہاں اس مندر سے باہر ہی تم سے ٹھٹ لیں گے۔“

جنید نے فوراً اپنی ڈھال سنبھال لی اور اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”یہ تمہاری بھول ہے کہ تم یہیں اس مندر سے باہر ہی مجھ سے ٹھٹ لو گے۔“ آگ کے پاس بیٹھے چاروں مسلح جوان آگے بڑھنے لگے اور انہوں نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں۔ تاہم ان کے پاس ڈھالیں نہ تھیں۔ جو جوان پنڈت کو بلانے کا تھا اس نے بھی اپنی تلوار کھینچ لی اور انتہائی قراور غضب کی حالت میں اس نے کہا۔ ”اب یہاں سے بچ کر تمہارا جانا مشکل ہے۔ اب اس کو ہتھانی ندی کا کنارہ تمہاری مرگ کا گاہ ہوگا۔“

جنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔ ”مجھے لڑنے کا دعوت دے کر تم لوگ غلطی اور بھول کر رہے ہو۔ تم اس وقت جس عزم سے سرشار ہو اسے میں اپنے پہلے ہی وار میں سوج کی آواز کروں، ویلاؤں

محاط و محیط اور بباط و بسیط جذبوں کے ساتھ شب ہجران کی چاندی اور طلوع ہر کے نقیب کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس کے حملوں میں ماحول کو دھواں دھواں، شر شر اور پتھروں کے سینوں کو دھڑکا دینے والی تڑپ اور اُمنگ تھی۔ وہ ستارہ فروش اور قیامزد بدوش بن کر ہر جہت طوفان کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا اس قدیم مندر کے باہر اس نے ارضی بسیط کے منجمد الفاظ کو گھلانے اور اپنے سامنے لڑنے والوں کو ضرب ضرب اور زخم زخم کر دینے کا آخری فیصلہ کر لیا ہو۔

اچانک جنید نے ان تاریک فضاؤں کے اندر فلک شکاف لرزہ طاری کرنے والا اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور اپنے حملوں میں اس نے اور زیادہ شعلہ سازی اور بڑی تراشی پیدا کر لی تھی۔ لگتا تھا تیرہ قاتار غاروں کا کوئی ظلمت نشین وحشی باہر نکل کر چھم ابر باران کی طرح برستی بوندوں کی مانند کسی پر ٹوٹ پڑا ہو۔ اس قدیم مندر کے باہر آگ کے الاؤ کے پاس دھندلی دھندلی روشنی میں جنید کے قیامت خیز حملہ نے ایک طوفان کھڑا کر کے رکھ دیا تھا۔

اچانک ان میں سے ایک جنید کی تلوار کا نشانہ بنا اور کٹ کر گر گیا۔ پلٹ کر فاصلے پر گنگ، خاموش اور لب بستہ کھڑا تھا۔ جب کہ ایک کے مرنے پر باقی دار محافظوں کے چہروں پر غم کے بدنام اندھیرے، تشنگی کے سراب، روح کے اندھ جذبے، بے چین خیالوں کی تمھکن، بے سمت آڑاؤں کی درمانگی اور شکستوں تمہید اترنے لگی تھی۔ جب کہ جنید کے چہرے پر فازیانہ ثبات، سر فروشانہ وجہ نئے آفاق کی تسخیر کا عمل، خوابیدہ مشیت اور تابندہ حقیقت جیسے جذبوں کا ہوا تھا۔ جنید نے بینہ تریا بدلا اور چار سو بیچ کھاتی بچلیوں، تند غماصر کی لیغار، سونا کی تپش اور گھپ اندھیروں کی گمرانی کی طرح حملہ آور ہو کر اس نے ان دونوں اندکار روگ طاری کرنا شروع کر دیا تھا۔

مند کے سامنے رات کی لمحہ بہ لمحہ گری ہوتی تاریکی میں جنید شعبدوں کے

ہینہ دار کی طرح ان دونوں کو ان کے منتشر ہوتے خوابوں کی تعبیر سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس کی تلوار اس تو اتار سے برس رہی تھی گویا ایک تسلسل کے ساتھ اس کے پیکر زمین کے عریاں جسم پر نزل کر رہے ہوں۔

اس کے حملوں میں ابھی تک ایسی ہی تازگی تھی جیسے کوئی مبتدی کسی منہتی پر وارد ہو رہا ہو اور وہ خوش رنگ پرندوں کی تازہ اڑان کی طرح اپنے دائیں بائیں حملہ آور ہو رہا تھا۔ اچانک اس کی تلوار ان دونوں میں سے ایک کا خون چاٹتی ہوئی نکل گئی۔ وہ زمین پر گر ا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ اب اس کے سامنے اکیلے کی حالت ایسے تھی گویا بار مسافت سے تھکا ہارا کوئی کمزور ٹوٹ۔

راٹوں کی جاگتی تاریکی میں جنید کے سامنے اس اکیلے محافظ کی آنکھیں سنگین ہو کر رہ گئی تھیں اور چہرہ پتھر کی طرح احساس کے جذبوں سے خالی ہو گیا تھا۔ اپنی کم مائیگی اور تنہائی کا احساس کرتے ہوئے وہ مقابلہ کرنا بھول گیا اور جنید کی تلوار نے اسے دو لخت کر کے زمین پر لہو لہان کر دیا تھا۔

اپنے آخری ساتھی کے مرنے پر وہ عیار پروہت مندر کی طرف بھاگا۔ جنید نے شکستوں کا غبار طاری کر دینے والی اپنی آواز میں چلاتے ہوئے کہا: ”ٹھہرو! ورنہ تم بھی میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔“

پروہت فوراً رک گیا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ جنید پروہت کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ رات کی خاموشی میں پروہت کی سانس یوں سنائی دے رہی تھی جیسے سنٹے کے صمرا میں تیز ہوا میں چل نکلی ہوں۔ پروہت نہ جلنے موت کے کن گھمبیر خیالات میں غرق تھا کہ جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”گو اس فساد کی ابتداء تم نے ہی ابلیس بن کرائی تھی۔ تمہارا کام تھا میرے اداؤں کے درمیان صلح کراتے لیکن تم نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور اپنے ان ساتھیوں کو مجھ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا۔ تم مجھے صرف گواہیاد کی طرف جانے والے راستے کی نشاندہی کر دو۔“

جنید کی طرف سے امان ملنے پر اس پر وہت کے حواس درست ہوئے۔ اس کا جسم کا لرزہ ختم ہو گیا اور اس نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

”یہ جو راستہ ندی پار کے مشرق کی طرف بڑھتا ہے۔ یہی گوالیار کو جاتا ہے۔ جنید نے پوچھا۔ ندی میں پانی کس قدر ہوگا۔“

پنڈت نے کہا۔ ”دو دن ہوئے، یہاں اور آتے ہیں خوب بارشیں ہوئی ہیں اس لیے ندی میں پانی کافی ہے۔ شاید کئی جگہ سے تمہارے گھوڑے کو تیر کر گزنا پڑے۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی طرف جلتے ہوئے کہا۔ ”تم یہیں رکو میں آتا ہوں۔ جنید اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ زمین سے لٹکتا ہوا اس نے کھٹاڑا اٹا اور دو بار پروہت کے پاس آیا۔ جنید کے پاس کھٹاڑا دیکھ کر پروہت پھر فکر مند اور غمو نظر آنے لگا تھا۔ جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے اس ایسی کردار کی سزا یہ ہے کہ میرا یہ کھٹاڑا لو اور اپنے مندر ملحقہ بانس کے درختوں میں سے ایک لمبا بانس کاٹ کر اور صاف کر کے لاؤ۔ نڈا پار کرتے وقت یہ بانس میں اپنے پاس رکھو گا اور جہاں پانی زیادہ ہوا اور گھوٹ کے تیرنے کی نوبت آئی وہاں اس بانس کو ندی کی تر میں جما کر میں زور لگاؤں گا اپنے گھوڑے کو ندی پار کرنے میں آسانی فراہم کروں گا۔“

اچانک اس پروہت پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کسی آن جانے خوف اور دہشت کے تحت کانپنے لگا۔ جنید نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں اس کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے پروہت سے پوچھا۔

”کیا ہوا تمہیں۔ تم خوف سے کانپنے کیوں لگے ہو جب کہ میں تم سے وہاں کر چکا ہوں کہ میں تمہیں قتل نہ کروں گا۔ ایک بار پھر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں معاف کر چکا ہوں۔“

پروہت نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔ ”مجھے اپنے ہاتھ سے اپنی تلوار مار کر ہلاک کر دو لیکن میں وہاں سے بانس نہیں کاٹ سکتا۔ اس لیے کہ وہ جگہ دیوتاؤں کے

نام مختص کر دی گئی ہوئی ہے اور جو بھی وہاں سے بانس کاٹے گا بھسم ہو کر رہ جائے گا۔ جنید نے سخت لہجے میں کہا۔ ”کیا اس سے قبل وہاں سے بانس کاٹتے رہے۔ کوئی بھسم ہوا ہے۔“

پروہت نے کہا۔ ”ہاں ان گنت اجنبی ایسا کرتے ہوئے بھسم ہوئے۔“ جنید نے کہا۔ ”کیا تم نے اپنی آنکھوں سے بھی کبھی ایسا ہوتے دیکھا ہے۔“ وہ رکا پھر اس نے کہا۔ ”میں نے خود تو نہیں دیکھا۔ تاہم ایسی آن گنت حقیقتیں اس مندر سے وابستہ ہیں جن سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مندر کے اس احاطے میں کوئی داخل نہیں ہوتا۔ جس کے اندر بانسوں کے درخت ہیں۔“ جنید نے کھٹاڑا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر آج مجھے تمہارے دیوتاؤں کے اس احاطے میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔“

پروہت نے کہا۔ ”میں ایک بار نہیں پھر تنبیہ کرتا ہوں کہ ایسا کرنے سے باز رہو۔ اس احاطے میں اگر تمہیں کوئی زک پہنچی تو یہ تمہاری اپنی ذمہ داری ہوگی۔“ جنید نے پروہت کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور مندر کے اس احاطے کی طرف بڑھا جس کے اندر بانس تھے۔ پروہت دم سادھے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ لمحوہ لمحوہ پروہت کی حالت بدلتی جا رہی تھی اور اس کے چہرے پر خوف و ہراس پھیلتا جا رہا تھا۔ جنید جب اس احاطے میں داخل ہونے لگا تو پروہت نے آنکھیں بند کر لیں۔ جنید جب احاطے میں داخل ہو کر ایک بانس کاٹنے لگا اور اس کا کھٹاڑا چلنے کی آوازیں پروہت کے کانوں میں پڑیں تو وہ آنکھیں کھول کر حیرت و تعجب سے جنید کی طرف دیکھنے لگا۔

بانس کو صاف کرنے کے بعد اسے گھسیٹتا ہوا جنید جب دوبارہ اس پروہت کے پاس آیا تو اس سے پوچھا۔ ”کہاں گئے تمہارے وہ بھسم کر دینے والے دیوتا۔“ پروہت نے شرمندگی کے احساس میں کہا۔ ”تم لوگ بڑے سخت اور پتھر عقیدہ لوگ ہو۔ شاید اس سرزمین کے دیوتا بھی تم لوگوں سے خوفزدہ ہیں۔“

میں آکر نہ جانے ان دو ہاتھیوں کو کسی نے چھیڑا یا انہیں کیا ہوا کہ وہ سب سے باہر بھڑک اٹھے اور آپے سے باہر ہو گئے۔ فیل بانوں نے انہیں سنبھالنے کی انتہائی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہے۔ اب وہ ہاتھی اس قدر بپھرے ہوئے ہیں کہ جو شخص ان کے سامنے آتا ہے اسے اپنی سونڈ میں لے کر توڑ موڑ کر رکھ رہے۔ ان گنت لوگوں کو انہوں نے سونڈ سے مار ڈالا اور بہتروں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ سلسلہ راجہ اورانی تو ہاتھی سے گر گئے ہیں لیکن راجہ ماری کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن دوسرے ہاتھی پر اسی طرح سوار ہیں اور مدد کے لیے چیخ چلا رہی ہیں۔

اچانک وہ جوان کہتے کہتے پھر رُک گیا اور مڑ کر دیکھا۔ دو کوہ پیکر ہاتھی لوگوں کو روندتے کھلتے اسی طرف آرہے تھے۔ اس جوان نے ایک تنگ گلی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "اے جنبی! بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ورنہ یہ بپھرے ہوئے ہاتھی تمہیں تمہارے گھوڑے سمیت روند کر رکھ دیں گے۔"

وہ جوان بھاگ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جنبی نے کوئی فیصلہ کیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے اس طرف بڑھایا جدھر سے وہ دونوں دیو قامت ہاتھی چنچتے چنگاڑتے ہوئے آرہے تھے۔

جنبی جب ان دونوں ہاتھیوں کے قریب گیا تو اس نے دیکھا ایک ہاتھی بغیر ہودج اور فیلبان کے تھا۔ شاید یہ راجہ بکرماجیت کا ہاتھی تھا جو اپنی بیٹھ سے ہر چیز گرا چکا تھا۔ دوسرے ہاتھی پر فیلبان بھی تھا اور ہودج بھی جس کے اندر دوڑکیاں مدد کے لیے چیخ چلا رہی تھیں اور ہاتھی کا فیل بان اس پر ضربیں لگا لگا کر اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک وہ فیلبان اس ہاتھی کی سونڈ کی زد میں آ گیا اور ہاتھی نے اس فیلبان کو اس بُری طرح زمین پر بٹھا کہ اس کا جسم چُور چُور ہو کر رہ گیا۔ جنبی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس ہاتھی کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال لی تھی۔

ہاتھی نے جب اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو پھرا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

پروہت سے بھٹ کر جنبی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ندی میں ڈال دیا۔ وسط میں جا کر پانی کچھ زیادہ ہو گیا تھا جہاں جنبی نے بانس کو پانی میں ڈال کر زور لگایا اور گھوڑے کو آسانی سے ندی پار کرنے میں مدد دی۔ دوسرے کنارے پر جا کر جنبی نے بانس کو کنارے پر ہی ڈال دیا۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ اس راستے پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا جو گوالیار کی طرف جاتا تھا۔

○

اگلے روز سہ پہر کے وقت جنبی اپنے گھوڑے پر سوار گوالیار شہر میں داخل ہوا وہ شہر کے اندر ابھی صرف آدھ فرلانگ ہی آگے گیا ہو گا کہ اس نے دیکھا ان گنت لوگ کیامر دیکھا عورتیں، بوڑھے اور بچے اندھا دھند جدھر کسی کا منہ اٹھا بھاگ رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی عفریت ان کا پیچھا کر رہی ہو۔

گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنبی نے اس کی رفتار تیز کی اور تھوڑا سا اور آگے جا کر اس نے ایک بھاگتے ہوئے ہندو جوان کو روکتے ہوئے پوچھا۔ "اے بھائی! کیا ہوا یہ لوگ کیوں اور کس طرف بھاگے جا رہے ہیں؟"

اس جوان نے رُکتے ہوئے کہا۔ "تم شاید شہر میں جنبی ہو۔ اس لیے اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ جاؤ۔"

جنبی نے زور دے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

اس جوان نے بدحواسی میں کہا۔ "آج گوالیار شہر میں مہاشیور اتری کا تہوار منایا جا رہا تھا۔ گوالیار کا راجہ بکرماجیت، اس کا بیٹا راجہ مال دیو، اس کی بیٹی اور گوالیار کی راجہ ماری کنپل، گوالیار کی رانی شنکل، رانی کا بھائی سیو داس اور اس کی بیٹی کرن بھی اس تہوار میں شرکت کرنے کو آئے تھے۔"

وہ جوان فلاں لگا اور خوف و بدحواسی میں اس نے اپنے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا راجہ ماری کنپل اور اس کی ماموں تو گھوڑوں پر سوار تھے جب کہ راجہ اور رانی شنکل ایک ہاتھی پر اور دوسرے ہاتھی پر راجہ ماری کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن کرن بیٹھی تھیں۔ تہوار

دونوں لڑکیاں جنید کے گھوڑے سے فوراً گود لیں اور بدحواسی کے عالم میں دائیں طرف ایک بھٹیاریے کی دکان کے اندر جا گھسیں۔ جنید نے پلٹ کر دیکھا ہاتھی انتہائی خشنماک حالت میں اس کی طرف بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ جنید نے گھوڑے کو موڑا اور اس کی طرف بڑھا۔

اب وہ اپنے گھوڑے پر اکیلا تھا۔ لہذا وہ اجل کے صبح و شام اور صدائے شدت کی طرح بے جھجک ہاتھی کی طرف بڑھا تھا۔ قریب آ کر ہاتھی نے اپنی سونڈ اٹھائی اور جنید کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ پکڑ کر اسے زمین پر پٹخ دینا چاہا۔ لیکن اسی لمحہ جنید نے اپنے گھوڑے کو ایک سخت مہیر لگائی تھی۔ گھوڑا اچھل کر اپنا آپ بھاگ گیا اور ہاتھی اس ناکامی پر وحشت ناک انداز میں جنگھا لڑکھڑکھ گیا تھا ہاتھی پھر جنید کی طرف لپکا تھا۔ بازار کی دکانوں کے لوگ اب باہر نکل کر تما دیکھنے لگے تھے۔

کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن بھی اب بھٹیاریے کی دکان سے راجکمار مالدیو کے پاس آکھڑی ہوئی تھیں۔ اتنے میں گوالیار کا راجہ بکرماجیت اور اس کی رانی شنکل بھی ایک گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گئے اور اپنے بیٹے مالدیو کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔

ہاتھی کو دوبارہ اپنی طرف پلٹتے دیکھ کر جنید کی قوتِ ارادی بھی اپنے عروج پر آگئی تھی اس کے چہرے پر معجزوں کے امین اور محنیں بشر جیسا وقار اور مہنیں عسل اور موجدان ہنر جیسا سکون تھا۔ وہ ان مجاہدوں کی سی علامت بن گیا تھا جو ظلمتِ دہر میں آندھیوں سے بچتے چراغوں کی حفاظت کا فرض ادا کرتے ہیں۔

اچانک جنید نے لگاتار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ لوگوں نے سنا اس کی تکبیر کے تقدس میں راوی کی لہروں کی للکار، چناب کی موجوں کی پکار، دریائے سندھ کے مانجھیوں کا خروش اور دریائے جہلم کے گرتے آبشاروں کا طوفانی سن تھا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنید ہاتھی کی طرف پلٹا اور اپنے پورے احتشام و جلال کے ساتھ

یونہی جنید کو گرفت میں لینے کے لیے اس نے اپنی سونڈ بلند کی جنید کی تلوار بلند ہو کر گرئی اور ہاتھی کی سونڈ کو کاٹتی چلی گئی تھی۔ ہاتھی انتہائی وحشت ناک انداز میں جنگھا لڑا تھا اس موقع سے جنید نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اس ہاتھی کے پہلو میں آیا اور ہاتھ بڑھا کر اس نے ان دونوں لڑکیوں کو سوج سے نکالا اور اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ لیکن جس ہاتھی کی بند نے سونڈ کاٹی تھی وہ پلٹ کر پھر جنید پر حملہ آور ہوا۔ جنید نے بڑی احتیاط سے اپنے گھوڑے کو موڑا کیوں کہ اس کے پیچھے دونوں لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اس کے بالکل پیچھے گوالیار کی راجکمار کی کنپل تھی جس نے جنید کو اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ رکھا تھا جب کہ کنپل کے پیچھے اس کی ماموں زاد بہن کی بیٹی بھی تھی۔

اپنے گھوڑے کو اس ہاتھی کی پشت پر لے جاتے ہوئے جنید نے اپنی تلوار سے لگاتار اس ہاتھی کی ٹانگ پر ضربیں لگائیں اور اس کی ٹانگ کاٹ کر رکھ دی۔ ہاتھی بے بس سا ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔ دوسرا ہاتھی خاموش کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

ایک ہاتھی کو ختم کرنے کے بعد جنید چاہتا تھا کہ پہلے دونوں لڑکیوں کو کشتی محفوظ جگہ پہنچائے پھر دوسرے ہاتھی سے نمٹے۔ اس غرض سے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس طرف بڑھا جہر سے کچھ گھوڑ سوار آ رہے تھے اتنے میں ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا جنید کے قریب آیا اور کہا۔ "میں گوالیار کا راجکمار مالدیو ہوں جن دونوں لڑکیوں کی آپ نے جان بچائی ہے ان میں سے ایک میری بہن راجکمار کی کنپل ہے اور دوسری میری منگیت اور ماموں زاد کون ہے۔ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں تاہم میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے —

مالدیو اپنی بات پوری نہ کر سکا تھا کہ قریب کھڑے ایک سوار نے جنید کو زور سے آواز دیتے ہوئے کہا۔ "اجنبی! اپنی جان بچاؤ۔ دوسرا ہاتھی تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

اور میرے بیٹے مالدیو کی منگیت کرکرن کی جان بچائی ہے بلکہ ان دونوں ہاتھیوں کا خاتمہ کر کے تم نے سارے گوالیار شہر پر احسان کیا ہے۔ لگتا ہے تم ابھی ابھی گوالیار شہر میں داخل ہوئے ہو۔

اے اجنبی! تم کون ہو تمہارا کیا نام ہے اور تم کہاں سے آئے ہو۔ میں اس سرزمین کا نام جاننا چاہتا ہوں جس میں تم جیسے سپوت پیدا ہوتے ہیں۔ قسم جگہ ان کی میرے پاس اگر تم جیسے صرف چند ہزار جوان بھی ہوں تو میں پورے ہند کی تغیر کے لیے نکل کھڑا ہوں۔ اے جوان! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

جنید نے کہا: اے راجہ! میرا نام جنید ہے، میں مسلمان ہوں اور سمرقند کے ایک نواحی شہر اُخسی سے آیا ہوں، یہاں ہند کی سرزمین میں میرے ذمے ایک مہم تھی جسے میں سر کرنے آیا ہوں۔ اس مہم کا پہلا نشان چونکہ گوالیار شہر میں ہے۔ لہذا میری پہلی منزل بھی یہی شہر بنا ہے اور یہیں سے میں اپنے کام کی ابتداء کروں گا۔ بکرماجیت نے اس بار قدرے پریشانی اور جستجو سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کیا تمہاری مہم کسی حکمران کی سونپی ہوئی ہے؟

جنید نے کہا: نہیں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میرا باپ کئی برس پہلے جب کہ میں بچہ تھا، مالوہ کی ایک جاگیر کا مالک تھا۔ اسے اور ہمارے ایک خاندانی ملازم اور میرے چچا کو کچھ لوگوں نے قتل کر دیا۔ میں ان قاتلوں کی تلاش کرنے اس سرزمین میں داخل ہوا ہوں۔

بکرماجیت نے اپنے اہل خانہ سے جنید کا تعارف کراتے ہوئے کہا: یہ میری پتی (بیوی) شنکل اور اس کے ساتھ اس کا بھائی سیوداس ہے۔ یہ میرا بیٹا اور گوالیار کا راجہ کمار مالدیو ہے۔ پھر بکرماجیت نے کرکرن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: سیوداس کی بیٹی اور میرے بیٹے کی منگیت ہے۔

پھر بکرماجیت نے ادھر ادھر دیکھا، شاید اس کی نگاہیں اپنی بیٹی کنپل کو تلاش کر رہی تھیں جو بالکل اس کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔ بکرماجیت نے مڑ کر اپنی بیٹی کا بازو

وہ ہاتھی کی پشت پر حملہ آور ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ اہل کاگرز بن کر ہاتھی کی ہڈیوں کو کوٹ کر رکھ دے گا۔ قریب آکر وہ آندھیوں اور ہواؤں کی رفتار سے کسی جویائے راز کی طرح حملہ آور ہوا۔ اس نے ہاتھی کی پشت پر پے درپے اور دمدم اپنی تلوار برساتی شروع کر دی تھی۔ اس کے منہ سے اب بھی اللہ اکبر کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اپنے حملوں کی عجیب سی خوفناک عفریت کے ساتھ جنید اس ہاتھی پر ہلکا ہوا تھا۔ لگتا تھا وہ اپنے جوش قفال کی آخری آگ بھڑہ چکا ہو۔ اس نے ہاتھی کی پشت کو اپنی تلوار کا نشانہ بنا رکھا تھا اور جب ہاتھی اپنا منہ اس کی طرف کر کے اپنی سونڈ میں دبوچ لینے کی کوشش کرتا، جنید پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہاتھی کی پشت پر ہو جاتا تھا۔

وہ طوفان بدوش موجوں، جھمکتے آبشاروں اور دریاؤں کی اٹھتی گہری گونج کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا وہ گوالیار میں بہاروں کی تفسیر، ستاروں کی تقدیر لکھنے اور سانس لینے صحرا، مہکتے کھیت، دہکتے دشت، نیلے دریا اور مہر میدانوں کو اپنی عظمت و شجاعت کا آئینہ دار بنانے کے لیے داخل ہوا ہو۔

اپنی تلوار سے پے درپے وار کر کے جنید نے ہاتھی کی ایک ٹانگ کاٹ دی اور دوسری بڑی طرح زخمی کر کے رکھ دی جس کے نتیجے میں دوسرا ہاتھی بھی بے بس ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔ ارد گرد کھڑے گوالیار کے لوگ جن پر ان دونوں ہاتھیوں نے دہشت طاری کر دی تھی وہ ہاتھیوں پر چھپٹ پڑے۔ انہوں نے دونوں کو مار مار کر ختم کر دیا۔ پھر انہیں گھسیٹتے ہوئے شہر سے باہر لے گئے تھے۔

راجہ بکرماجیت، اس کی رانی شنکل، بیٹی کنپل، بیٹا مالدیو، شنکل کا بھائی سیوداس اور اس کی بیٹی کرکرن آہستہ آہستہ اس طرف بڑھے جہاں جنید اپنے گھوڑے سے اتر کر کھڑا ہوا تھا۔ قریب جا کر راجہ بکرماجیت نے جنید سے ہاتھ ملائے ہوئے کہا۔

”میں گوالیار کا راجہ بکرماجیت ہوں۔ تم نے نہ صرف میری بیٹی راجکرنی کنپل

پکڑا اور اسے اپنے پہلو میں کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بیٹی اور گوالیار کی راجکمار پر چائیاں برساتے اپنے شبیہی لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی احسان مند ہوں آپ نے میری کنپیل ہے۔ اس کی جان بچا کر تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اے جوان! تم میرے جان بچائی۔ میں اور میری آتما (روح) سارا جیون بھی اگر آپ کی سیدھا کرتے رہیں تو پورے خاندان کے محسن ہو۔"

جنید نے پہلی بار غور سے کنپیل کی طرف دیکھا۔ وہ خوب دراز قد اور نوٹھ محل میں ایک معزز مہمان کی ہوگی۔ اس کی جوانی جیسے کسی ساحر کا فصول، کسی شکر کی کاجادو، جیسے ساعت ساعدا کنپیل کی گفتگو سے یوں لگا تھا جیسے رات میں خوشبو بکھر گئی ہو۔ جیسے زمین میں بجتی جلتی رنگ، افسانہ در افسانہ بزم افسوں، جیسے سنہری شعاعوں کا ہجوم، ہوا کنارہ بن تمک گیا ہو، جیسے پلوں کے سائے میں روپ بھڑک اٹھا ہو، جیسے صحرا طواف کرتے ماہ و نجوم، اس کی خوب صورتی گویا پھلی چاندنی کا چشمہ کو مہاراجہ، گلشن گلشن تتلیاں اڑنے لگی ہوں اور غنچے غنچے کے ہونٹوں سے رس ٹپک پر سزگوں روشنی، بالہ بالہ نور کے فصول کی کہانی، کمکشاں در کمکشاں، آنگن آگ پر ڈی ہو۔

پیار کی گونج۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں جیسے کشمیری جھیلوں کا گہرا پن، اس کے ابرو دراز آنے اور چاندنی کے رنگ و نور کی طرح اور زیادہ حسین ہو گئی تھی۔ یوں جیسے کوئی رنگ کمان، اس کے ہونٹ جیسے سرخ انگارے جیسے نوشگفتہ گلوں کا رس، پورا آتش کہہ خود اپنی تمازت سے پھل کر رہ گیا ہو۔ جنید غور سے کنپیل کی طرف دیکھ مسکراتے پھول، چاندنی کے کنول۔ وہ آکاش کی اپسرا اور ہریالی کی ساحرہ، بولتا تھا کہ کہنا جیت نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

و شمشاد کی سی جوانی لیے سر جھکائے جنید کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے کوڑوں! "اب جب کہ کنپیل تمہیں اپنے لیے ایک معزز مہمان قرار دے چکی ہے تم گلاب رنگ ہونٹ خاموش تھے، اس کی برکھا زلفیں، کوندے عارض، چنچل نیلا گہارے ساتھ چلو، وہاں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہو۔ جن لوگوں سے تم اپنے ابرو، روشن چہرہ، کالے گیسو نرم کلائیاں، نازک چوڑیاں ہر شے ہر چیز اس کاپ اور چپکے قتل کا انتقام لینا چاہتے ہو، مجھے ان کے پتے کہو، میں اپنے آدمی ساتھ خاموش اور ساکن تھی۔

پھر کہنا جیت نے اس کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! اس جوان کا جنید نے کہا۔ "میں نے اسی ہم کے لیے تو سمر قند سے یہاں تک اس قدر جنید ہے۔ یہ اس شہر میں اجنبی ہے اس نے تمہاری جان بچائی ہے، کیا تم اس کا شکر لویل سقرطے کیا ہے میں ان سے اکیلا ہی انتقام لوں گا اور ایسا لوں گا کہ ان کے ادا نہ کر دوں گی۔"

کنپیل نے اپنا جھکا چہرہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ یوں لگا جیسے فضاؤں میں قہقہے برس گئے ہوں، دھڑکن دھڑکن رقص و مسترت شروع ہو گیا ہو۔ اور چاروں طرف شہری دھند، روپ آجالوں کا نور اور نشید نیم خوابی بکھر گئے ہوں۔ پھر اس کے غنچوں کے چشم و لب حرکت میں آئے اور جنید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے روپ کے سے چشم و لب حرکت میں آئے اور جنید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے روپ کے

ہیں۔ میں خود انہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا۔

راجہ بکرمہا جیت نے مسکرا کر جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”چونکہ میں نے اور سید واس اور جنید اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔

تمہیں اپنا بھائی کہہ چکے ہیں۔ لہذا میں اب سے تمہیں اپنا بیٹا کہہ کر پکاروں گا۔“

گھوڑے پر سوار ہوا اور چلو ہمارے ساتھ۔“

جنید کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ کنپل کی ماں شنگل نے بولتے ہوئے کہا۔ ”چلو بیٹے! ہمارے ساتھ۔ میرا ایک مال دیو سے بھی بڑا بیٹا ہے۔ اس کا نام کنپل ہے۔ اس کا نام کنپل لے جانے لگے۔ ادھیڑ عمر کا ایک شخص راجہ بکرمہا جیت کے پاس آیا اور اس کے

ہے۔ وہ محل میں ہے اور ہمارے تہوار میں نہ آیا تھا۔ وہ بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہوگا۔ گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

چلو اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔

جنید نے ایک اچھلتی ہوئی رنگا رنگ کرن پر ڈالی وہ شکل و شبہت میں کافی حد تک کنپل سے ملتی جلتی تھی۔ پھر جونہی وہ مڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ ایک جوان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا اور قریب ہی اتر کر اس نے راجہ بکرمہا جیت سے منسلک ہے تم سے مل کر یہ بھی خوش ہوگا۔“

کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”بتا جی! میں نے سنا ہے دونوں ہاتھی بھڑک گئے تھے اور آپ لوگوں کا شاید تم نے یہ خبر سن لی ہو گی کہ ہمارے دونوں ہاتھی سب سے بڑے تھے۔ انہوں نے جانیں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی اجنبی جوان نے کنپل کو لوگوں کو جان سے مار دیا۔ اگر یہ جوان کنپل اور کرن کو نہ بچاتا تو وہ دونوں بھی ختم کرن کی جانیں بچا کر اکیلے نے دونوں ہاتھیوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔“

راجہ بکرمہا جیت نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس سے لو کہے گا جس طرح ہماری بات مانی جاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔“

یہ وہی جوان ہے جس نے کنپل اور کرن کو بچا لیا ہے۔ اس کا نام جنید ہے۔ یہ سمنڈ کا رہنے والا ہے اور اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش میں ہند کی سرزمین میں داخل ہوا گھوڑے کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ راجہ

ہے۔“ کیدار نے آگے بڑھ کر جنید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

کنپل اور کرن کو بچا کر آپ نے ہم پر ایک عظیم احسان کیا ہے کیجیے۔“

آیا تو ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکا میں گے۔“

پھر بکرمہا جیت کے کہنے پر وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔ ایک نے ایک آراستہ کمرے میں داخل ہوا۔ جنید نے دیکھا اس کے ہتھیار اور گھوڑے گھوڑے پر بکرمہا جیت اور اس کی بیوی شنگل بیٹھے۔ کنپل کو کیدار نے کرن کو مال دیو نے اپنے سے اس کمرے میں پڑی تھیں۔ وہ یہ دیکھ کر تعجب ہی کر رہا تھا کہ

لے دینے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ان ہاتھوں پر حملہ آور ہوا تھا تو مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ کوئی طاقت کا مظہر ہو اور اپنے سامانہ عمل کی ابتدا کرنے لگا ہوں۔ اس کی تلوار بجلی کے کوندے کی طرح لپکتی تھی۔ اس کے اردوں میں مصر کے بُت اور یونان کے اصنام کی سی پختگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چینی خانقاہوں کے نیلے دھوئیں کا سا اسرار تھا۔ اس کی آنکھوں کے اندر میں نے نردان کی روشنی اور اس کے بازوؤں کے اندر بھگوان کی شگفتگی دیکھی تھی۔ قسم بھگوان کی اس کے قدم قدم میں شیر کا عزم تھا۔ اس کی تال تال میں دیوتاؤں کی عجایب اور اس کے سم سم میں آتما کے راز تھے۔

یہ ان جوانوں میں سے ہے جو اپنے گیان اپنی شگفتگی سے دوسروں کی آتما کو بھی دھندلے بناتے ہیں۔ جو پڑھتے طوفانوں میں بھی پرماتما کے راز دان بن کر سلگتی اُڑتی آگ بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جوان آکاش کے دیئے روشن کرتے ہیں۔ اور یہی وہ جوان ہے جن کے اندر بھگوان محو خواب ہوتا ہے۔

کرک نے دبی دبی رازداری میں پوچھا۔ اگر ایسا ہی کوئی جوان یا خود جنید تم سے محبت کا اظہار کرے تو تمہارا کیا رد عمل ہوگا؟

کنپل نے کہا۔ ”تو پگلی ہے تو ایک پر دیسی کو میرا سوامی بنانا چاہتی ہے۔ سن رکھو! جنید ایسا جوان ضرور ہے جو جیون کے زہر سے امرت نکال لینے کا فن جانتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک پر دیسی بھی ہے اور اس دھرتی کے راستوں سے ناواقف ہے اور یاد رکھو پر دیسی عموماً لیٹھے اور خوابوں کے نگر کو آباد کرنے والے ہوتے ہیں۔“

کرک نے کہا۔ ”اگر جنید تمہارے ساتھ پورے خلوص اور دیانتداری کے ساتھ محبت کا اظہار کرے تب؟“

کنپل نے کہا۔ ”یہ تم اس وقت کیا فضول تکرارے بیٹھی ہو۔ رات کافی گزر گئی ہے۔ چلو اُٹھ کر اپنے بستر پر جاؤ اور آرام کرو۔“

کرک نے سختی کے ساتھ کنپل سے لپٹے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں آ رہی پہلے

”جنید! جنید! میرے بھائی! تمہارا قیام اس کمرے میں ہوگا۔ اس کمرے کی ایک طرف میرا کمرہ ہے اور دوسری طرف والے کمرے میں کنپل اور کرک ہوتی ہیں۔ کھانا اور ضرورت کی دیگر ہر شے اسی کمرے کے اندر مہیا کی جائے گی۔ اب تم اس میں آرام کرو۔ تھوڑی دیر تک تمہارا کھانا بھی آنے والا ہے۔“

مالدیو مڑا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا بھی آگیا۔ جنید نے کہا اور آرام کرنے کی خاطر وہ مسہری پر لیٹ گیا تھا۔



رات بھیگ کر گری ہوتی جا رہی تھی۔ چاندنی کی مطربہ آسمان پر گرا افشال بادل چھا جانے کے باعث نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ تاریکیاں دشت بن کر ہر سو محیط ہو گئی تھیں جیسے آکاش کے ہاتھوں سے سورج کا شعلوں بھرا گر گیا ہو اور بارگاہِ خداوندی نے ہر سو گرے اندھیرے پھونک دیئے ہوں۔ کنپل اور کرک دونوں اپنے کمرے میں بیٹھی جاگ رہی تھیں۔ اچانک اپنے بستر سے اٹھی اور کنپل کے بستر پر آکر اس کی رضائی میں گھستے ہوئے کہا۔ کنپل! اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم میری دیدی ہو۔ آج تک تمہارا بُرا مانا ہے۔ تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟“

کرک نے ایک بار غور سے کنپل کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ”یہ جوان کیسا لگا جس کا نام جنید ہے اور جس نے ہماری آج جان بچائی ہے؟“

کنپل گہری سوچوں میں کھو گئی۔ کرک نے اسے ہٹو کا لگاتے ہوئے کہاں کھو گئی ہو کنپل! بولتی کیوں نہیں؟

کنپل نے کہا۔ ”سچ کہوں یا اپنا بھرم رکھنے کی خاطر جھوٹ بول دوں کرک نے کہا۔ ”نہیں تم سچ کہو۔“

کنپل نے چپکتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر سنو! جب وہ ہم دونوں کو اپنے

تم میرے سوال کا جواب دو۔ پھر میں اُنھ کو چلی جاؤں گی اور تمہیں زیادہ تنگ کر دوں گی۔

کنپل کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا "میں کسی ایسے جوان کو مانگنے کی ضرورت کے چرنوں میں یا کسی دیوتا کے مندر میں تو نہ جاؤں گی۔ تاہم اگر وہ مجھے پریم تو میں اپنی ساری یادوں کے ہیرے موتی سمیٹ کر اس کے گلے میں پیار کی جے ملا دوں گی۔ پر کرن! جنید میرا حسن ضرور ہے پر وہ میری طرف مائل کیوں ہو گا۔ کہاں گواہیاری را جگماری، کہاں وہ سمرند کا رہنے والا۔ وہ مجھے کیوں پسند کرے گا۔ کیا مجھے اپنے من میں بسائے گا۔"

کنپل جذبات میں اچانک کہہ گئی۔ "اگر وہ ایسا کرے اگر وہ مجھے چاہے قسم بھگوان کی اس پر میں اپنا تن، من، دھن سب ہی کچھ نچا کر کر کے رکھ دوں گا۔ کرن نے کنپل کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم ایسا سوچتی ہو تو یہاں بھول ہے۔ تمہاری جوانی ایک فنوں، ایک خار، ایک نشہ، ایک گیت اور راگ ہے۔ تمہاری سندرتا اور خوب صورتی ایک طلسم، ایک خوشبو اور جادو کی ایک جھم بھوار ہے۔ تمہارا جسم ایک اوس، ایک گھٹا، ایک پھول، ایک چاندنی ہے کنپل! کنپل! تم ایک کرشمہ خیز پد منی ہو۔ تم سندرتا کے آئینہ کی ایک حسین ترین پڑا داسی ہو۔ تم جیسی من موہنی، من بھاؤنی اور آکاش کی اپسرا جیسی لڑکی اگر آنکھ بھر کر بھی کسی جوان کو دیکھ لے تو بچارہ تمہاری محبت میں مدد ویش کی طرح لو لگا کر ہی بیٹھ جائے۔ کنپل! کنپل! تمہارا جسم اوس کی چھلکتی چھاگل ہے۔ تمہارے چہرے پر سندرتا کی جوت اور آنکھوں میں روئے مہتابی ہے۔ جو کوئی تمہاری طرف سے پریم و ہلا کا اشارہ پائے تمہارے پریم کا سندیس بن کر رہ جائے۔

کنپل نے کہا۔ "یہ تمہاری بھول ہے کرن! جنید ان جوانوں میں سے نہیں جو میرے جیسی کسی لڑکی کے طلسم کا شکار ہو جائے۔ وہ اپنی ذات میں خود ایک فنا سرور و اشاد سان غیب ہے۔ میرے جیسی کئی لڑکیاں اپنے من کا مول مانگے بغیر اس کی

کر رہ جائیں۔

کرن نے بڑے وثوق سے کہا۔ "اگر تم اپنی آنکھوں میں اس کے لیے پریم بساؤ تو مجھے یقین ہے جنید اگر گوہر فروش نہیں اور قدر دان ہے تو وہ تمہارے پریم کو ضرور اہمیت دے گا۔ پاس لپیٹے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بھی تو ہے۔"

کنپل نے چونک کر ٹوچھا۔ "وہ کیا؟"

کرن نے کہا۔ "وہ مسلمان اور تم ایک ہندو کھستری یہ جوڑ کیسے ہو؟"

کنپل نے اس بار تنیدگی میں کہا۔ "یہ کوئی رکاوٹ نہیں، قرآن، توریت، انجیل اور وید سب نور، وجدان، عرفان اور نردان ہیں اور سنو کرن اگر جنید۔"

کنپل خاموش ہو گئی اور چونکتے ہوئے اس نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے جنید کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا اور وہ باہر نکلنے لگے ہوں۔ کیا وہ چوری چوری یہاں سے چلے تو نہیں جانا چاہتے۔ پھر کنپل نے فوراً بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کرن! کرن! آؤ دیکھتے ہیں وہ کمرے سے نکل کر کیا کرنے لگے ہیں۔ اگر وہ یہاں سے رخصت ہونے لگے ہیں تو میں انہیں روک دوں گی۔"

دونوں بستر سے نکل کر بھاگتی ہوئی دروازے کے پاس آئیں۔ کنپل نے کھٹکا کیے بغیر بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا۔ جب وہ دونوں کمرے سے نکل کر راہ داری میں آئیں تو انہوں نے دیکھا جنید اپنے کمرے سے نکل کر عمارت کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جس کے اندر راجہ بکرا جیت کے اصطبل کا داروغہ احمد یوسف رہتا تھا۔ کنپل نے فوراً راہ داری کی دیوار کے ساتھ چپکتے ہوئے کرن کے کان میں سرگوشی کی۔

"کرن! کرن! میرے پیچھے پیچھے آؤ پاؤں کی چاپ یا کھٹکا پیدا نہ ہونے دینا۔ دیکھتے ہیں جنید اپنے کمرے سے نکل کر کیا کرتے ہیں اور کدھر جاتے ہیں۔"

دونوں راہ داری کے ساتھ جنید کا تعاقب کرنے لگی تھی۔ ہر سمت سکون تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ جنید آہستہ آہستہ اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ کنپل اور کرن دونوں اس کے تعاقب میں تھیں۔

جنید عمارت کے اس حصے میں داخل ہوا جس میں راجہ بکراجیت کے املاک
داروغہ احمد یوسف رہتا تھا۔ جنید نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دے
کنپل اور کرن بھی دونوں اس کے پیچھے پیچھے تھیں اور وہ دونوں ایک مدد ستون
اوٹ میں کھڑی ہو کر رونما ہونے والے حالات کا انتظار کرنے لگی تھیں۔ تھوڑے
بعد احمد یوسف نے دروازہ کھولا اور جنید کو دیکھتے ہی اس نے چونکتے ہوئے پوچھا
”آپ اس وقت یہاں میرے دروازے پر“

جنید نے کہا: ”میں معذرت خواہ ہوں کہ رات کے اس وقت میں آپ
تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کئی برس قبل ایک شخص نصرت بیگ نے گوا
شہر سے باہر سرکٹروں کے ایک جھنڈ میں آپ کے سامنے دم توڑا تھا اور اس نے
ریاست مالوہ کے ایک جاگیردار سمر بیگ اور اس کے بھائی اللہ دیری کی مرگ کا پیغام
سمر قند کے قریب ایک شہر انجی میں پہنچانے کی منت کی تھی۔ آپ نے یہ پیغام ایک
کو دیا۔ پراسوس وہ تاجر پیغام دینا بھول گیا۔ پھر کئی برس بعد وہ تاجر سمر بیگ کے ماموں
شیرم طغائی کے پاس انجی شہر میں پہنچا اور اس نے اسے سمر بیگ، اللہ دیری اور نصرت
بیگ کے قتل ہو جانے کی اطلاع۔

اے میرے محترم! میں اسی شیرم طغائی کا فاسدہ سمر بیگ کا بیٹا اور اللہ دیری
کا بھتیجا جنید ہوں اور اپنے باپ، چچا اور نصرت بیگ کا انتقام لینے کے لیے ہند
سرزمین میں داخل ہوا ہوں۔

احمد یوسف نے آگے بڑھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا: ”مرحبا بیٹے! میں
میں اس سرزمین میں تم جیسے ترک جوان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“

پھر احمد یوسف نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا: ”میری اور آپ
کی گفتگو سے کہیں میرے بیوی بچے نہ جاگ جائیں۔ ٹھہریں میں دیوان خانے کا دروازہ
کھولتا ہوں اور وہاں آرام سے بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔“
جنید نے کہا: ”آپ زحمت نہ کریں۔ یہیں کھڑے کھڑے آپ کے ساتھ گفتگو

کرنے کے بعد میں ابھی اور اسی وقت رات کی تاریکی میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو
جاؤں گا۔“

راجہ بکراجیت کی بیٹی کنپل اور ان کے بیٹے مال دیو کی منگیتر کرن کی میں نے چونکہ
جان بچائی ہے۔ اس لیے وہ مجھ پر مہربان ہیں اور ہو سکتا ہے وہ کل مجھے یہاں سے کوچ
کرنے کی اجازت نہ دیں اور چند دن رکنے کو کہیں جب کہ میں فی الفور کو انجام دینا چاہتا
ہوں۔“

احمد یوسف نے جنید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”آپ اس قدر جلدی
نکریں، اب آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ سنیں ایک تو ہم دونوں کے درمیان ہم مذہب
ہونے کا رشتہ ہے۔ جو سب سے بڑا تعلق ہے۔ دوسرے یہ کہ میں بھی آپ کی طرح ترک
ہوں اور میرے دادا کے زمانہ سے ہم یہاں گوالیار کے راجاؤں کے پاس ملازمت کر
رہے ہیں۔ موجودہ راجہ بکراجیت انتہائی مخلص اور مہربان ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو
وہ آپ کی اس ہمہ میں آپ کی مدد کرنے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔“
جنید نے کہا: ”نہیں میں اپنی اس ہمہ کو اکیلا سرکروں گا۔ یہ مجھ پر ایک فرض
بن کر عائد ہو چکی ہے۔“

احمد یوسف نے کہا: ”آپ اس قدر عجلت سے کام نہ لیں۔ میں اب آپ
کو دیوان خانے میں بٹھائے بغیر نہ جانے دوں گا۔ آپ راجہ بکراجیت کے تو محسن ہیں
ہی لیکن میرے لیے بھی اب آپ ایک معزز مہمان سے کم نہیں ہیں۔ ذرا کیس میں دیوان
نلنے کا دروازہ کھولتا ہوں۔“

احمد یوسف آگے بڑھا۔ جس مدد ستون کے پیچھے کنپل اور کرن چھپی ہوئی
تھیں۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے جب احمد یوسف دیوان خانے کی طرف مڑا
تو اچانک اس کی نگاہ کنپل اور کرن پر پڑ گئی۔ وہ ان دونوں کو رات کے وقت پہچان نہ سکا
تھا۔ لہذا اس نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا: ”کون تو ہم دونوں؟“

احمد یوسف کی اس آواز پر جنید نے فوراً ایک سخت جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار

جنید نے کہا: "کیا آپ مالوہ کے وزیر مدینی راؤ کے وار وغیرہ کو دیکھتے ہیں اور اسے آپ نے دیکھا ہوا ہے۔"

احمد یوسف نے کہا: "صرف رام دیو کو ہی نہیں، میں نے مدینی راؤ کو بھی دیکھا ہوا ہے۔"

جنید نے کہا: "کیا آپ مجھ سے دونوں کا حلیہ بتائیں گے؟"

احمد یوسف نے کہا: "رام دیو نے جس روز تمہارے باپ اور چچا کو قتل کیا تھا۔"

وہ یہاں گوالیار میں میرے ہی پاس کچھ گھوڑے خریدنے آیا تھا۔ وہ قد میں میرے جیسا ہی ہے۔ سر پر بال کم ہیں اور پیشانی کا زیادہ حصہ نکلا ہے۔ بائیں آنکھ کے نیچے ایک بڑا تل ہے۔ گردن چھوٹی اور ٹھوڑی گڑھے دار ہے۔ کان کا نیچے والا حصہ جسم کے ساتھ بڑا ہوا ہے۔ سامنے والے دو دانتوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے۔ آواز بالکل کوسے جیسی کوخت ہے اور گفتگو میں گنوار بن ہے۔"

مدینی راؤ بھی دراز قد ہے۔ ماتھے اور گال پر زخموں کے نشانات ہیں۔ دونوں

پاؤں کا اگلا حصہ باہر نکال کر چلتا ہے۔ گفتگو میں حکمانہ انداز رکھتا ہے۔ بائیں بازو پر جلنے اور کسی اور وجہ سے سیاہ نشان ہے اور وہاں چمڑی بھی سیاہ رنگ کی ہو چکی ہے۔ منہ چھوٹا اور ناک کا اگلا حصہ خم کھاتا ہوا ہے۔"

جنید نے بڑی احسانمندی سے کہا: "میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ان

دونوں سے متعلق اس قدر تفصیل بتائی۔ میں اب یہاں سے رخصت ہوں گا۔ آپ میری

طرف سے راجہ بکر ماجیت سے معذرت کر دیجئے گا کہ مجھے ان سے ملے بغیر یہاں سے کوچ

کرنا پڑا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ اپنی اس مہم سے فارغ ہو کر واپس جلتے ہوئے

اُن سے مل کر جاؤں۔"

کنپل نے فوراً بولتے ہوئے کہا: "آپ نے میری اور کرن کی جان بچائی اور ہماری

وجہ سے ہی آپ اس عمل کے محسن ہیں۔ آپ مجھ سے ناراض ہوں یا خفا لیکن آپ کو رات کے اس

کھینچ لی تھی۔ کنپل اور کرن دونوں چپکے سے خاموش کھڑی رہیں۔

احمد یوسف جب ان دونوں کے قریب گیا تو انہیں پہچان گیا۔ پھر اس نے بڑی مہربانی اور شفقت بھری آواز میں پوچھا: "کنپل اور کرن بیٹی! آپ دونوں یہاں کے اس وقت؟"

کنپل نے فوراً اپنے دفاع میں بولتے ہوئے کہا: "میں اور کرن دونوں اپنے گھر میں جاگ رہی تھیں کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مجھے اندیشہ ہوا شاید رات کی تاریکی میں ہم سے ملے بغیر ہی چوری چوری یہاں سے کوچ نہ کر جائیں۔ گھر ان کی فکر تھی۔ اس لیے کہ یہ میرے محسن ہیں اور میری جان بچا چکے ہیں۔ میں انہیں رات کے وقت اجنبیوں کی طرح کوچ کر جاتے سے روکنا چاہتی تھی۔ اس لیے کہ ان کا یوں رات کے وقت کوچ کر جانا صرف میرے لئے ہی نہیں۔ اس محل کے ہر فرد کے لیے تکلیف اور دکھ کا باعث ہوتا۔"

کنپل جب خاموش ہوئی تو احمد یوسف نے آگے بڑھ کر دیوان خانے کا دروازہ

کھولتے ہوئے کہا: "جنید اندر آ جاؤ بیٹے! کنپل اور کرن! تم دونوں بھی اندر آ جاؤ۔"

جنید نے فوراً اپنی تلوار نیام میں کر لی اور دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔ کنپل نے

کرن کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا: "چلو اپنے کمرے میں واپس چلی جائیں۔"

کرن نے اس کا کان پکڑ کر مردھتے ہوئے کہا: "اب تو تم ان سے ہمدردی

کا اعلان کر چکی ہو۔ اور اگر ایسا کمرہ ہی چکی ہو تو پھر پورا قدم اٹھاؤ اور ان کے ساتھ جاؤ۔"

کنپل بھاری چپ چاپ آگے بڑھی اور دیوان خانے میں داخل ہو گئی۔ کرن کے

ساتھ ساتھ تھی۔ احمد یوسف نے کمرے میں مشعل روشن کر دی تھی۔

کنپل اور کرن دونوں جنید کے سامنے جا کر بیٹھ گئی تھیں۔ احمد یوسف نے

جنید کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا: "اب آپ پوچھیں، مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے

ہیں؟"

وقت میں یہاں سے کوچ نہ کرنے دوں گی۔ آپ کل صبح میرے ماتا پتا اور بھائیوں کے ملے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی آپ کل اس وقت یہاں سے جا سکتے ہیں۔ اگر وہ لوگ آپ کو رخصت ہونے کی اجازت دیں اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو میں آپ کو کل بھی نہ جانے دوں گی۔

جنید اور احمد یوسف دونوں ہی کنپیل کی گفتگو سن کر حیران اور ششدر رہ گئے تھے۔ اسی بار احمد یوسف نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”جنید بیٹے! اب جب کہ کنپیل نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اب سچ کی رات تم یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو! کنپیل راجہ بکراجیت کی اکلوتی بیٹی ہے اور اس محل کے کسی بھی فرد نے آج تک اس کی بات نہیں ٹالی۔ راجہ نے اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھا ہوا ہے اور اس کی ماتا اس کے پتا سے بھی بڑھ کر اس سے پیار کرتی ہے۔ چند ثانیوں احمد یوسف نے خاموش رہنے کے بعد پھر جنید سے پوچھا۔

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں بیٹے کہ تم کتنے بہن ہو۔ باپ کی مرگ کے بعد تم کس کے پاس رہتے ہو اور اس قدر دور کی ہم کو سر کرنے تم اکیلے کیوں آئے ہو۔ تم میرے ان سوالوں کا جواب نہ جانتا ہے۔ اب چونکہ تم سے ایک تعلق سا قائم ہو گیا ہے۔ اس لیے میں تمہارے تعلق تفصیل سے جانا چاہتا ہوں۔

جنید نے کہا۔ ”میرا باپ مالوہ کا جاگیردار تھا۔ وہ جاگیر بدیتی راؤ نے ان سے چھین لی۔ میں ان دنوں بچہ تھا۔ میرے باپ نے مجھے میری بڑی بہن میرے چچا اور میری ماں کو میرے ناناکے پاس انہی شہر روانہ کر دیا اور خود اپنے ملازم کے ساتھ جاگیر کی واپسی کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ جس میں وہ ناکام ہوئے اور مدینی راؤ نے میرے باپ اور نصرت دونوں کو قید کر دیا۔ ازاں بعد میرے چچا اللہ ویردی اپنے بھائی اور میرے باپ کی رہائی کے لیے اس طرف آئے۔ انہوں نے میرے باپ سمرنگ اور ملازم نصرت کو زندہ سے نکال لیا اور مالوہ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن قہممتی سے گوا لیار سے مالوہ کی طرف اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاتے ہوئے مدینی راؤ کے داروغہ رام دیو نے انہیں دیکھ لیا۔ اس نے

اپنے ساتھیوں کو میرے باپ، چچا اور نصرت پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ میرا باپ اور چچا مارے گئے اور نصرت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو۔ بعد میں نصرت کی آپ سے ملاقات ہوئی اور پھر اس سے بعد کے حالات کا آپ کو علم ہی ہے۔ انہوں نے نصرت بھی زخموں کی تاب نہ لا کر مارا گیا۔ وہ بڑا وفادار اور دردمند ملازم تھا۔ ہمارے ہاں اس کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی تھی۔

ان دنوں ہم اپنے نانا کے ہاں رہتے ہیں۔ ان کا نام شیرم طغانی ہے اور وہ انہی شہر کے رئیس ہیں۔ میرا ایک مامول ہے ان کے دو بیٹے منصور اور تیمور ہیں میری ایک خالہ بھی ہے اس کا نام بولائی ہے اس کی شادی میرے چچا اللہ ویردی سے ہوئی تھی۔ میرا کوئی بھائی نہیں صرف ایک بڑی بہن ہے اس کا نام سیمون ہے اور اس کی شادی میرے ماموں نداد بھائی منصور سے ہو چکی ہے۔ میری ماں کا نام سیدم ہے اور وہ میرے باپ کی ماموں نداد بھی ہے۔ میری ممانی میری حقیقی چھوٹی بھی ہے۔ میں اور تیمور ان دنوں باپ کے لشکر میں شامل ہیں۔

میں باپ کے ہراول کا نائب امیر ہوں جب کہ ہراول کا امیر بابو کا بیٹا ہمایوں ہے۔ ہم نے پنجاب کا آدھے سے زیادہ حصہ فتح کر لیا ہے۔ لاہور اور سیالکوٹ ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان دنوں میں باپ کے ہراول لشکر کا امیر ہوں اس لیے کہ ہمایوں کو کابل میں رہنے دیا گیا ہے۔ میں باپ اور اپنے بھائی تیمور کو بتائے بغیر اس ہم پر آگیا ہوں میری غیر موجودگی میں میرا بھائی سخت پریشان ہو رہا ہوگا۔ لہذا میں اس ہم کو نمٹا کر جلدی سے لوٹ جانا چاہتا ہوں۔

احمد یوسف نے کہا۔ ”اب تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ اب جب کہ کنپیل نے کہہ دیا ہے تو یہ تمہیں ہرگز آج یہاں سے رخصت نہ ہونے دے گی۔“

جنید نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اگر کنپیل کا یہی فیصلہ ہے تو پھر میں کل دن کی روشنی میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔“

جنید اٹھا اور احمد یوسف کے دیوان خانے سے نکل کر وہ راجہ بکراجیت کے محل

میں اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے پیچھے کنپیل اور کرن بھی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ کنپیل کو امید تھی کہ شاید جنید رُک کر ان سے گفتگو کر لے لیکن اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دسواڑہ بند کر لیا تھا۔

کنپیل اور کرن دونوں اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔ کرن نے دروازہ بند کر کے بعد کنپیل کے بستر پر آکر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کنپیل! تم تو اتنا ہی بے باک اور بے خرم تازہ ہوئی ہو۔ کہاں تھوڑی دیر قبل اس کمرے میں بیٹھ کر تمہیں جنید کی طرف راغب رہی تھی اور تم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا چاہتی تھی اور پھر کہاں تمہارے احمدیہ سوسائٹی کے دیوان خانے میں جا کر براہ راست جنید کو مخاطب کرتے ہوئے اسے رات کا وقت کوچ کرنے سے منع کر دیا۔ کنپیل! کنپیل! تمہیں لاج نہ آئی جنید کو کوچ سے روکے ہوئے اور وہ بھی اپنے داروغہ احمدیہ سوسائٹی کی موجودگی میں۔ سنو کنپیل! یہ تم پر دیا گیا جنون طاری ہو گیا تھا۔"

کنپیل نے بڑے حوصلے اور تسلی سے کہا۔ "کرن! کرن! میں صرف شرم کے باعث تم سے ایک بات کہنا بھول گئی تھی۔ سنو! کرن! جنید پہلے جوان ہیں جنہوں نے مجھے ہاتھی کے ہودج سے نکالتے ہوئے میرے جسم کو چھوا تھا اور جوان ایک بار میرے شرم کو چھو چکا ہو، وہی میری زندگی کا ساتھی اور میرے جیون کا سوا میرے جسم کا مالک اور میرا بچا ہو سکتا ہے۔ جنید چونکہ ایک بار میرے جسم کو چھو چکا ہے۔ لہذا یہی میرے مالک اور بچا ہوں گے۔ جنید کے سوا میں اب کسی اور اپنا (جسم) نہ چھونے دوں گی۔"

جنید نے اگر مجھے اپنی تپنی بنا لیا تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی اور اگر انہوں نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں ساری زندگی یونہی بیٹھی رہوں گی۔ کسی اور سے ہرگز شادی نہ کروں گی۔ احمدیہ سوسائٹی کے دیوان خانے میں انہیں کوچ کرنے سے روک کر میں اپنی دانست میں ان کی طرف ایک قدم بڑھایا ہے۔ وہ میرے کہنے پر رُک گئے اور مجھے اُمید ہے میں انہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ سنو کرن!

کوئی عام آدمی نہیں ہیں۔ وہ بابر کے ہرا دل لشکر کے سینا بچی ہیں اور ان کا نانا آخری شہر ہار گیا ہے اور پھر وہ شادی شدہ بھی نہیں اور ابھی نو عمر بھی ہیں۔ کرن! کرن! انہیں حاصل کرنا اب میری زندگی کا مقصد اور میرے جیون کا منشا ہے۔

کرن نے نچل سے لہجے میں جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ کنپیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کنپیل! کنپیل! میری عزیز بہن! میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔ بھگوان کی سونگند تم غظیم اور بلند ہو۔ تمہارے سوا اب کسی اور کو اپنا شریعہ نہ چھوانے کا ارادہ کر کے ایک پوتر دیاں اور بہترین فیصلہ کیا ہے۔ کنپیل! کنپیل! مجھے امید ہے تمہارا یہ فیصلہ کامیاب ہوگا۔ جنید تمہیں اتنا پیار دیں گے کہ تمہارے ہر حرف کی گویائی، ہر سماعت کی خواہش پوری ہوگی۔ تمہارے پیار سے جذبوں پر جنید پریم کی ایک آبشار بن کر آئیں گے۔ اب ہم جنید کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نہ جانے کس سمت کے مسافر ہیں۔"

کنپیل نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "کرن! کرن! میں ریت کے دیوانوں میں اور پیاس کے ارمانوں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ جنید نے میرے شریعہ کو چھو کر میرے بیمار ذہن میں روشنی اور میرے اندھیرے آنگن میں روشن چاتھری کا سیلاب بہا دیا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے آپ کی پہچان دی ہے۔ وہ میرے سانس پیار کی آبشار اور پریم کا گلاب بن کر آئے ہیں۔ میں اب ان کی پرچھائیں بن کر اپنے آپ کو اندھے گونگے لمحوں کی طرح ان کے سامنے مجھکا دوں گی۔"

کنپیل نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ "میں اپنے جسم کی نمکتنی مٹی کو ان پر نہ چھاد کر دوں گی۔ وہ میرے گرم ریت میں ایک گلاب ثابت ہوئے ہیں۔ میں ان کے سنگ پھل کو اپنے آپ کو بے چہرہ کر کے ان کے اپنے سراپا میں دھل جاؤں گی۔"

کرن! کرن! جنید اب میرے جسم و جان کا شعور ہیں۔ کاش! میں انہیں اپنے دل کا حال کھل کر کہہ سکتی۔"

کرنے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو۔ ابھی تو وہ یہیں ہیں۔ تمہیں ان سے
بار گفتگو کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر تم زیادہ ہی فکر مند ہو تو صبح انہیں جگانے خود
اور انہیں اپنے من کی بات کہہ دیتا۔ اب دیکھو رات کیسی خاموش اور گہری ہو گئی
اب ہمیں سو جانا چاہیے۔"

جب کنپل نے اثبات میں گردن ہلا دی تو کنڈن اٹھ کر اپنے بستر پر جا
کنپل نے بھی اپنے سرخ حنائی اور مرمریں جسم پر اپنے لباس کے لقری حاشیوں کو
اور خوشبو کی طرح وہ اپنی مسری پر دراز ہو گئی تھی۔



دوسرے روز صبح سویرے ہی کنپل جنید کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ
ہی تھی اور کنڈن اس کے ساتھ نہ تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سامنے مسری پر جنید گہری
سو یا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک کنپل اپنی جگہ پر خوف زدہ سی کھڑی لڑتی کا منتی رہی پھر
کر کے وہ آگے بڑھی اور جنید کا پاؤں پکڑ کر اس نے انتہائی پیار اور مسکائی سے ہلایا
فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کنپل ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہونٹ بار بار
میں آرہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن کہہ نہ پا رہی تھی۔

جنید نے فوراً اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کنپل! کنپل! کیا تم کچھ
چاہ رہی ہو۔ بلا جھجک کہو اور اعتماد رکھو کہ میں تمہاری کوئی بات بھی رو نہ کروں گا۔
جنید کو اپنے ساتھ مخاطب ہوتے دیکھ کر کنپل بھاری جنید کو دیکھ کر
شرمانی، بھائی، کانپی، معصوم کلی کی طرح کپکپائی، جھرجھری لے کر سنبھلنا چاہا لیکن
احساس جمال اور جنید کے مخاطب کے احساس سے چور ہو کر رہ گئی اور اپنا چہرہ دھانپ
بے بسی کی سی حالت میں اس نے سر جھکا لیا تھا۔ جنید اپنی مسری سے اٹھا اور اپنے
ہاتھ اس نے کنپل کے نازک ریشمی کندھوں پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
"کنپل! کنپل! کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں تمہاری ہر بات سنوں گا اور اس
پورا کروں گا۔"

اپنے دونوں کندھوں پر جنید کے ہاتھ رکھنے سے اور اس کے توانا و جوان شریر
کے لمس سے کنپل بے چاری پر اور زیادہ لرزہ اور کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے اپنے
چہرے سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹائے، ایک نگاہ جنید پر ڈالی پھر اس نے اپنی رس پکاتی
آواز میں کہا۔ "جس ہم پر آپ جانے والے ہیں اس سے فارغ ہو کر نہ دریاں واپس
آئیے گا۔ کوئی شدت سے آپ کا انتظار کرے گا۔"

اتنا کہنے کے بعد کنپل پھول کی پتی کی طرح مڑی اور سرگوشی کی طرح بھاگتی ہوئی،
جنید کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ جنید اپنے کمرے میں کھڑا رہ گیا
تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک کنپل کی آواز کا شہنائیوں جیسا اظہار، انگڑائیوں جیسا بالکین
غزلوں جیسا چلن اور نظموں جیسا نیا پن گونج رہا تھا۔

جنید نہ جانے اس تاثر میں ڈوبا وہاں کتنی دیر کھڑا رہتا کہ چند ہی ثانیوں بعد
کنپل کا بھائی مالدیو اس کے کمرے میں داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے جنید سے کہا۔
"میں نے تو سوچا تھا آپ سفر کی تھکان کے بعد تھکے ہوں گے اور گہری نیند سو رہے
ہوں گے لیکن آپ تو جاگ چکے ہیں۔ آپ کی طہارت کے لیے پانی اور آپ کے لیے
کھانا ملازم لا رہے ہیں۔ آپ کھانا کھا کر فارغ ہوں پھر ہم نے آپ کے لیے ایک
انتہائی مشکل اور اہم کام مونا ہوا ہے۔"

جنید نے تعجب اور فکر مندی سے پوچھا۔ "کیسا کام؟"
مالدیو نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہمارے لیے تو وہ
کام مشکل ہے۔ شاید آپ کے لیے آسان ہو۔ بہر حال آپ پہلے کھانا کھائیں پھر میں خود
آپ کو لینے آؤں گا۔"

مالدیو مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنید کے کمرے میں چار
ملازم داخل ہوئے اور پانی اور خالی چلیچیاں اٹھائے ہوئے تھے اور دوسرے دونوں کے
پاس جنید کے لیے کھانا تھا۔ جنید کا منہ ہاتھ دھلانے اور کھانا رکھنے کے بعد وہ چاروں
چلے گئے۔ جنید خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔

چکا ہو کہ آپ کو اس میدان میں لانے کی کیوں زحمت دی گئی ہے۔

جنید نے کہا۔ ”مالدیو مجھے اس گھوڑے سے متعلق تفصیل سے بتا چکا ہے۔ اس میدان کے اندر میں اس گھوڑے پر سوار ہونے کی پوری کوشش کروں گا اور مجھے امید ہے میں اس میں ناکام نہ ہوں گا۔“

راجہ بکرماجیت نے کہا تو پھر یہ گھوڑا حاضر ہے۔ آپ ہمارے سردار خاندان کے محسن تو پہلے ہی ہیں، اگر آپ نے ہمیں یہ گھوڑا سیدھا کر دیا تو یہ ہم پر آپ کا ایک اور احسان ہو گا۔“

بکرماجیت کے بعد سیو داس اور احمد یوسف نے جنید سے مصافحہ کیا۔ جنید حیران رہ گیا کہ بکرماجیت کا بڑا بیٹا کیدار اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور اس نے جنید کی آمد کا کوئی اثر نہ لیا تھا۔ اس موقع پر مالدیو فوراً جنید کے قریب آیا اور اس کے کان میں کہا۔

”میرا بڑا بھائی کیدار انتہائی انسان بیزار، برہم مزاج اور اکھڑا انسان ہے۔ آپ اس کی کسی حرکت کا برا نہ مانیں۔“

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مالدیو! تم مطمئن رہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

جنید آہستہ آہستہ احمد یوسف کی طرف بڑھا اور اس سے اس گھوڑے کی باگ لے لی۔

احمد یوسف نے بڑی شفقت کے ساتھ جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”فرادیکھ بھال کرو اور گرد و دیوار بنی ہوئی تھی اور میدان شاید گھڑ سواری اور جنگی مشقوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ جنید نے میدان میں داخل ہو کر دیکھا۔ ایک طرف میدان کے اندر سنگ، تختی، نظر ناک، اچھل کود ہی نہیں کرتا اپنے دانتوں سے کلٹنے اور دو لیتوں سے ریزہ ریزہ مرمر کی شہ نشین بنی ہوئی تھی اور اس شہ نشین پر سا گوان کی منقش لکڑی کی چھت تھی۔ اس شہ نشین پر راجہ بکرماجیت، اس کا بڑا بیٹا کیدار، اس کی بیوی شندیل کے علاوہ ایک اور کیرن بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ جب کہ اس کے سامنے احمد یوسف ایک گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا تھا اور احمد یوسف کے قریب ہی کنپیل کا ماموں سیو داس کھڑا تھا۔ جنید جب قریب گیا تو راجہ بکرماجیت نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے یہاں آپ کی رات پر سکون گزری ہوگی۔ شاید مالدیو آپ کے ساتھ ہو گا۔“

کھانے کے بعد جنید اپنا لباس پہن کر مسری پر بیٹھا ہی تھا کہ کمرے میں پھر دوا داخل ہوا اور اس نے جنید سے کہا۔ ”ہمارے اصطبل میں ایک ایسا نوجوان گھوڑا ہے جس کی مال ترکہ نسل اور باپ عربی نسل کا تھا۔ وہ ہمارے اصطبل میں ہی پیدا ہوا اور پلا بڑھا۔ اب وہ جوان ہو چکا ہے۔ انتہائی خوب صورت، توانا اور لمبا و دراز قد گھوڑا ہے۔ لیکن اپنے اُپر کسی کو بیٹھنے نہیں دیتا اور جب کوئی اس پر بیٹھنے کی کوشش کرے تو اپنے چاروں پاؤں پر ایسی اچھل کود کرتا ہے کہ کسی کو اس پر سوار ہونے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس قدر عیار گھوڑا ہے کہ کسی کو اپنی پیٹھ پر ہاتھ تک نہیں لگانے دیتا۔ احمد یوسف ہمارا اصطبل کا پرانا داروغہ اور گھوڑوں کی نضرت کا خوب تجربہ رکھتا ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی تمام تر مہارت کے باوجود اس جوان گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکا۔ میرا پتا جی نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ گھوڑا آپ کے حوالے کیا جائے اور آپ اس پر سوار ہو کر دکھائیں۔ اس مقصد کے لیے سب لوگ محل سے ملحق میدان میں جمع آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور میں آپ کو لینے آیا ہوں۔“ جنید خاموشی سے اٹھ کر مالدیو کے ساتھ ہو لیا تھا۔



پھیرنا چاہا لیکن اس کے ہاتھ پھیرنے سے قبل ہی گھوڑا بری طرح اچھل کود کرنے لگنے کو آیا۔

جنید نے گھوڑے کے منہ پر ایک بھر پود ہاتھ دے مارا اور اس کی نگام کے منہ نے دوسرے ہاتھ سے اس کے نچلے ہونٹ بھی بڑی سختی سے پکڑ کر کھینچ لیے تھے۔ گھوڑا بری طرح اگلے پاؤں اٹھانے اور ہنہانے لگا تھا۔

گھوڑے کے ساتھ ساتھ اب جنید بھی اچھل کود کرنے لگا تھا۔ اس کی بار سے اب یوں لگتا تھا جیسے اس نے سنگ دل وقت کی نفرت اور آنکھیاں اڑھلادیں۔ وہ لرزاں درقصال سایوں اور لہروں پر رواں چاندیوں کی قاشوں کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ لگتا تھا وہ وقت کی آنکھوں کا آشوب بن کر گھوڑے کے بدن کو پایہ پاں اور لہو لہو کر کے اس کی حالت ٹوٹی ہوئی زنجیروں جیسی کر دے گا۔ وہ اپنے کمال فن سار کا اظہار کرنے پر تہل گیا ہوا تھا۔

کنپل بڑے شوق اور حیرت و تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا جنید لمحہ بے لمحہ، سنگ و شر، آگ و بولہ، فسون و تصویر، طلسم خیال کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس کی حرکات میں اب انقلاب کی یلغار، حریت کی اسیری اور تشدد کا فروغ جاری تھا۔

اچانک جنید نے دو اڑانوں کی خواہش رکھنے والے پرندے کی سی جست لی اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک کوندے کی طرح لپکتے ہوئے ادراک کا اصول اور فتح کا رستہ بن کر اس گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا۔

گھوڑے پر بیٹھتے ہی جنید نے رب کبریا کے نام کی گونج بلند کی اور گھوڑے کو ایک سخت اور آہنی مہمیز لگا کر اسے سر پٹ دوڑا دیا تھا۔ کافی دیر تک جنید میدان کے اندر اس گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا کر وحشی انداز میں سر پٹ دوڑاتا رہا یہاں تک کہ گھوڑا بری طرح ہانپنے لگا اور پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا۔

پھر جنید نے گھوڑے کی گردن تھپتھپا کر اسے پیار کیا اور اسے آہستہ آہستہ

ہنگامتا ہوا شاہ نشین کے پاس لایا۔ پھر وہ گھوڑے سے اُترا اور اس کی نگام اس نے احمد یوسف کو دیتے ہوئے راجہ بکرا جیت سے کہا۔

اس گھوڑے کو تھکا کر میں نے زیر کر دیا ہے۔ اب یہ کسی سے بد لگامی نہ کرے گا۔ اسے سوار سے صرف مانوس کرنے کی ضرورت تھی جس کی اس کے لیے ابتداء کر دی گئی ہے۔ اب کوئی بھی بلا جھجک اس کی پیٹھ پر بیٹھ سکتا ہے یہ اعتراض نہ کرے گا۔ راجہ بکرا جیت نے احمد یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "احمد یوسف! اب تم اس پر سوار ہو کر دکھاؤ تاکہ مجھے یقین ہو کر یہ اب اپنے سوار سے مانوس ہو چکا ہے۔"

احمد یوسف پہلے جھجکا پھر گھوڑے کو پُر سکون دیکھ کر وہ بلا توقف رکاب میں پاؤں جاکر اس پر سوار ہو گیا۔ میدان کے اندر احمد یوسف نے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جکڑ لگایا پھر شرہ نشین کے پاس وہ گھوڑے سے اُتر کھڑا ہوا تھا۔

راجہ بکرا جیت اور وہاں بیٹھے دیگر افراد کے چہروں پر سکون تھا۔ کنپل جنید کی اس کارگزاری پر خوش اور نازان تھی۔

راجہ بکرا جیت آگے بڑھا اور جنید کو اس نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اے میرے اجنبی! اور نووارد بیٹے! تو نے اس سرکش اور بد لگام گھوڑے کو یوں ٹھنڈا کیا ہے جیسے کوئی اُندا ہوا سا گر مھر کی پیاس بجھا دے۔ تو نے ایک دہکتے شعلے کو بجھا کر ٹھنڈا کر رکھا ہے۔"

قسم بنگوان کی تمہارے گھوڑے پر سوار ہونے کا انداز میرے لیے نیا اور اجنبی تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا۔ جیسے کوئی نادیدہ پرچھائیوں کا غبار اچک کر گھوڑے پر ہو بیٹھا ہو۔ تم نے گھوڑے کی ساری سرکشی سنگ ظلمات کی دیوار جان کر اندھے خلاؤں میں گمراہ کر دیا ہے۔ تمہارے بچتہ عزم تمہارے جوان ارادوں کو سلام۔ اب یہ عذاب جان گھوڑا۔ بھڑوں کے سنلٹے اور بے دھوپ زمین کی طرح پُر سکون اور بے ضرر ہو گیا ہے۔

جنید نے کہا۔ "مجھے اب یہاں سے کوچ کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ میرے ذمہ جو کام ہے اسے انجام دوں۔"

فر جنین لے کر اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیں۔ پھر اس نے ایک لنگاہ کنپیل پر ڈالی وہ اپنی مال اور کرن کے درمیان یوں کھڑی تھی جیسے آداس رنگوں کی بارش، شکستہ لفظوں کی خواہش۔ وہ بے شجر بے کنار صحرا، ریت کی پیاسی گمراہی اور بے آب آئینوں کی طرح آداس تھی۔ اس کے چہرے پر اجالوں کے پیاسے پرندے، بے صدہم۔ آگ میں جلتے کلاب، اشب کی ٹوٹی کرچوں اور تصویر کی شکستہ لکیروں جیسا غم اور اندوہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں پچھڑے موسم کے ان پرندوں جیسا دکھ تھا جو صحرا میں گبولوں کی طرح طرح لگا لگا کر جھٹکتی آوازوں کا تعاقب کرتے ہیں۔

جنید کوچ کر رہا تھا اور کنپیل بے چاری کا دل اس ایک رات کے مسافر کے لیے آداس تھا جو اس کی جان بچاتے ہوئے اس کے جسم کو چھو چکا تھا اور جس کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کو وابستہ کرنے کا پختہ عہد کر رکھا تھا۔

کنپیل کے کلاب لبوں پر کھنکھارنے کو بیار کی آن گنت داستانیں محل رہی تھیں۔ وہ خبر نہیں کس فکر میں مہوٹ اور کس سوچ میں غرق بس جنید کو دیکھ جا رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اس کے سر سے اس کا پلو ڈھلک گیا تھا اور پل کی سیدھی سیار جیسی اس کی مانگ تنگی ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ تاروں کا عکس اور اس بن کر جنید پر گر جانا چاہتی ہو۔ وہ بس لنگاہی باندھے جنید کو دیکھے جا رہی تھی جو تھوڑی دیر تک اس سے رخصت ہو کر اپنی مہم پر روانہ ہونے والا تھا۔

اس موقع پر جب کہ جنید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور اس کے پہلو میں کنپیل کا بھائی مالدیو تھا۔ راجہ بکر ماجیت نے جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”جنید! جنید! اگر تم پند کرو تو میں اپنے کچھ مسلح جوان تمہارے ساتھ کر دوں جو تمہاری اس مہم میں تمہاری مدد کریں۔“

جنید نے کہا۔ ”میں اکیلا ہی اپنی اس مہم کو سر کر دوں گا۔ ایک تو میں اپنی ذات کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے اس مہم پر کسی کو ساتھ لے جانے سے میرا کام کہیں زیادہ مشکل اور دشوار ہو کر رہ جائے گا۔ بہر حال اس پیش کش کے لیے

بکر ماجیت نے کہا۔ ”میرا ارادہ تو تھا کہ تم یہاں کچھ روز اور روک گے۔ میں تمہیں ساتھ شکار پر لے کر جاتا۔ ہم لوگ ہاتھی سے شیر کا شکار کرتے ہیں۔ ہاتھیوں کو ہم زرا رکھا ہوتا ہے اور ان کے سونڈ میں موٹی اور بھاری زنجیر دے دیتے ہیں۔ جنگل جب شیر قریب آتا ہے تو ہاتھی زنجیر گھما کر اسے ماتلہ ہے اور آدھ موکا کر کے رکھتے ہیں تمہیں جانے کی اجازت تو دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر تم یہاں ہمارے ہاں آؤ اور کچھ روز یہاں قیام کرو۔ میں تمہیں شکار پر لے کر چلوں گا۔“

لیے ایک نیا تجربہ ہوگا۔ اور سنو یہاں سے رواد ہونے کے لیے تمہیں میری تپتی شکل بھی پوچھنا ہوگا کیوں کہ تم اس کی عزیز بیٹی کنپیل ہی نہیں اس کی بھانجی کرن کے عموں ہو کہ تم دونوں کی جان بچا چکے ہو۔“

راجہ بکر ماجیت کی بیوی شکل بھی اٹھ کر ان کے پاس آکھڑی ہوئی تھی اور کے ساتھ کنپیل اور کرن بھی جنید کے قریب آگئی تھی۔ شکل نے کہا۔ ”تم بے شک کوچ کر جاؤ بیٹا لیکن وعدہ کرو کہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹتے ہوئے تم ہمیں مل کر جاؤ گے۔ جھگوان تمہیں تمہاری مہم میں کامیاب کرے۔ ہم تمہاری دعا کا انتظار کریں گے بیٹا!“

جنید نے کہا۔ ”میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اپنی مہم سے فارغ ہو کر میں یہاں سے ہو کر جاؤں گا۔“

مالدیو نے جنید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”آئیں پھر آپ کی تیاری کریں اس میدان سے نکل کر سب محل میں داخل ہوئے۔ احمد یوسف بھاگ کر آئے ہیں جنید کے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا جب کہ مالدیو اندر سے جنید کے گھوڑے کی زین جنین اٹھا لایا تھا۔ کیدار محل کے اندر چلا گیا تھا جب کہ راجہ بکر ماجیت، ہمارا شکل، کنپیل، کرن اور اس کا باپ سیو ماس جنید کو رخصت کرنے کے لیے دیں اور محل کے صدر دروازے کے درمیان حصے میں کھڑے ہو گئے تھے۔

احمد یوسف گھوڑے کو صطبل سے نکال لایا۔ جنید نے مالدیو سے

میں آپ کا شکر گزار ہوں مجھے امید ہے میں بہت جلد اس مہم سے فارغ ہوا
دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔

محل کے صدر دروازے تک سب جنید کو چھوڑے آئے۔ دروازے سے
باہر نکل کر جنیر نے راجہ بکر ماجیت، سیو حاس، مال دیو، احمد یوسف سے مصافحہ
کر کیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر اس نے بانک دیا تھا جب
جنید ان کی نگاہوں سے ادھبل ہو گیا تو وہ سب محل کے اندر آ گئے۔

کنیل بھی ان کے ساتھ تھی لیکن وہ بڑ گئی تھی، تقسیم ہو گئی تھی۔ اس کا جسم
کیس اور تھا اور ذہن کسی اور طرف۔ پہلے اس کی آنکھوں کے آئینوں میں نمی نمودار
ہوئی پھر اُمڈتے سیلاب کی طرح آنسو پھوٹ پڑے۔ جنہیں اس نے فوراً بعد پھیر کر
پونچھ ڈالا اور اپنی لمبی مرمی گرہن دھجکا کر چلنے لگی تھی۔ اس کے حسین ابروؤں کا خم میں
نمنا کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اُسا سی اور اس کے چہرے پر بکھرے منتشر خیالات اور
یادوں کی گہری دھول تھی۔



مغربی افق کے حاشیوں کا رنگ گلاب کے پھولوں جیسا ہو گیا تھا۔ اس لیے، کہ
مورج ان دریاؤں کی طرح غروب ہو رہا تھا جو سمندر میں جا گرنے کی بجائے صحراؤں کی
پیاس میں کھو جاتے ہیں۔ ہر شے کو بالائی گوں ہو گئی تھی مغربی حاشیوں کے رنگ
مشکتہ غدو خال کے ساتھ ایک یا سیت ایک نا آسودگی کے ساتھ ہر سو بکھرنے لگے
تھے۔ اندھیرے کائنات کے خود نگر پاس بان بن کر پھیلنے لگے تھے۔

تیمور شکر میں مغرب کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد جوں ہی اپنے خیمے میں
داخل ہو کر بیٹھا خیمے کے دروازے پر ایک سپاہی نمودار ہوا اور تیمور سے اس نے پوچھا۔
”آقا ظہیر الدین آج ظہر سے امیر جنید کو بلارہے ہیں۔ میں کئی بار ان کے خیمے
میں گیا ہوں لیکن خیمہ خالی ہے اور وہ وہاں نہیں ہیں۔ میں نے خیمے پر پہرہ دینے والوں
سے پوچھا تو ان کا کہنا ہے کہ کئی روز سے امیر جنید اپنے خیمے میں نہیں آ رہے ہیں۔ میں
اس لیے آپ کی طرف آیا ہوں کہ شاید وہ آپ کے خیمے میں ہوں۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ
آپ کے بھائی امیر جنید اس وقت کہاں ہیں تاکہ میں انہیں آقا ظہیر الدین کے پاس جانے
کو کہہ سکوں۔ آقا ظہیر الدین بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔

ورنہ کابل میں بغاوت کھڑی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شکر آج ہی شام واپس کوٹھ کر گیا۔
 بار واپس چلا گیا۔ جنید سے متعلق تفصیلات جان کر تمبیر سا پانی جگہ پر بے چارہ
 گم صم کھڑا رہ گیا تھا۔ علی قلی نے اس کا شانہ بکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا تمہیں، کہاں
 کھو گئے ہو اور یہ جنید کی دھڑ چلا گیا ہے۔“

علی قلی کی بیوی مہر نگار اور بیٹی سیرک بھی اپنے خیمے سے نکل کر ان دونوں کے
 پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ تیمور نے دھڑ سے کہا۔ ”آہ! جنید نہ جانے کہاں چلا گیا۔
 اس کی گمشدگی سے ہمارے گھر میں ماتم، بچھ جانے لگا۔ میں جب اکیلا گھر لوٹوں گا تو میرا
 دادا شیرم طغانی مجھ سے سخت باز پرس کرے گا۔ میرے باپ مجھے کاٹنے کو دوڑے گا۔
 میری ماں مجھے کیا کیا نہ سنائے گی اور میری بھوپھی، آہ! وہ مجھے تو کچھ نہ کہے گی لیکن خود
 دو روکر بلکان ہو جائے گی۔ وہ جنید کو پکار پکار کر بہن کرے گی۔ اور میری بھابی، آہ
 حیفت! وہ بال کھول کر ماتم کرے گی میری غیر ذمہ داری کا بھائی کی گمشدگی کا۔“

کاش میں نے جنید کو تہانہ جلنے دیا ہوتا۔ کاش میں اس کے ساتھ جاتا۔ کاش
 میں نے اس سے یہ جی پوچھ لیا ہوتا کہ وہ کہاں، کس طرف اور کیوں جا رہا ہے۔ کاش میں
 نے اس کے جلنے کے فوراً بعد آقا ظہیر الدین سے اس کی روانگی سے متعلق پوچھ لیا ہوتا۔
 اس اجنبی سرزمین میں اسے میں کہاں تلاش کروں گا۔ خبر نہیں وہ کہاں اور کس حال میں
 ہے۔ کاش میں خود ہی کہیں جھٹک کھو گیا ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں میرا بازو میرے جسم سے
 کاٹ کر فوراً چھینک دیا گیا ہو۔

مہر نگار نے آگے بڑھ کر تیمور کا شانہ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دینے کی
 خاطر کہا۔ ”تمہارا دادا شیرم طغانی، تمہارا باپ اور تمہاری ماں جنید کی گمشدگی پر کنوئیں تمہیں
 مارنے اور کاٹنے کو دوڑیں گے۔“

تیمور نے کہا۔ ”اس لیے کہ میرا دادا اس کا نانا ہے۔ میرا باپ اس کا مامول اور
 میری ماں اس کی بھوپھی ہے۔ میری بھابی اس کی مٹی اور بیٹی بہن ہے اور میرے جنید ہمارے
 خاندان میں سب سے زیادہ عزیز ہے اور دل بہت سمجھ جاتا ہے۔ وہ میرے دادا کی جان

تیمور ٹپ کر اٹھ کھڑا ہوا اس سپاہی سے اس نے کہا۔ ”یتم کیا کہہ رہے
 میرے بھائی! جنید کو تو آقا ظہیر الدین نے خود کسی مہم پر روانہ کر رکھا ہے اور وہ ابھی
 وہاں سے لوٹا ہی نہیں پھر وہ کیوں کر اسے بلا رہے ہیں۔ چلو میں تمہارے ساتھ ان کے
 پاس چلتا ہوں۔“

تیمور جب اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا۔ دائیں طرف سے بار بار
 کے حلقے میں اسی سمت آ رہا تھا۔ ساتھ والے خیمے امیر علی قلی بھی باہر نکل آئے۔ جب
 کہ ان کی بیوی مہر نگار اور بیٹی سیرک خیمے کے پردے کی اوٹ میں کھڑی ہو کر بار کو اپنے
 خیموں کی طرف آتا دیکھ رہی تھیں۔

علی قلی تیمور کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اتنے میں بار بھی وہاں آ گیا اور تیمور کو مخاطب
 کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”میں آج ظہر کے وقت سے جنید کو بلا رہا ہوں لیکن وہ
 مل نہیں رہا کہاں چلا گیا ہے وہ۔ کیا وہ ان خیموں کی طرف نہیں آیا۔“
 تیمور نے پریشانی میں کہا۔ ”آقا! چند روز پہلے جنید یہاں سے کسی نامعلوم
 منزل کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جلتے جلتے اس نے مجھے صرف اتنا بتایا تھا کہ آپ نے
 اسے کسی مہم پر روانہ کیا ہے۔“

بار نے کہا۔ ”ہمیں ہرگز نہیں! میں نے اسے کہیں بھی روانہ نہیں کیا۔ میں
 تو یہی سمجھتا رہا کہ جنید کچھ دن کے لیے کہیں شکار کو نکل گیا ہے کیوں کہ کئی دوسرے کمانڈ
 بھی شکار پر چلے گئے تھے لیکن اب تو سب لوٹ آئے ہیں اور جنید نہیں ہے۔ اب
 تم نے ایک اور انکشاف کر کے مجھے ایک نئی الجھن اور پریشانی میں ڈال دیا ہے۔
 اس اجنبی سرزمین میں جنید پہلی بار آیا ہے۔ اس لیے وہ کہاں جا سکتا ہے۔ بہر حال
 وہ جوں ہی لوٹے۔ اسے میری طرف بھیجو۔ ہم ہند میں مزید پیش قدمی کرنے کے بجائے
 واپس کابل لوٹ رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہمایوں نے ہماری غیر موجودگی میں کابل سے
 نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ دشمنوں پر یلغار کر دی ہے اور بدشال پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے
 کے بعد وہ بخارا اور سمرقند کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے ہمارا لوٹنا ضروری ہو گیا ہے۔“

میرے باپ کا دل اور میری ماں کی روح ہے۔ میرے دو ماموں ہیں۔ ایک کی اولاد نہیں۔ دوسرے کی نہایت اولاد صرف جنید ہے۔ اس لیے میری ماں اسے اپنے بھائیوں اور بھائیوں کی واحد نشانی جان کر اپنے گئے بیٹوں سے بڑھ کر پیار کرتی ہے اور پھر جنید ہے بنی لیا وہ کسی کا دل نہیں دکھاتا لیکن نہ جانے مجھے ان مصیبتوں میں ڈال کر خود کہاں کھو گیا ہے۔ علی قلی نے تیمور کا بازو پکڑ کر کہتے ہوئے کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ خیمے میں رہنا۔ ساتھ کھانا کھاؤ۔ جنید بچہ نہیں جو وہ کہیں کھو جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ماں، ماموں اور نانا سے ملنے اپنے گھر ہی چلا گیا ہو۔ اگر وہاں نہیں گیا تو بھی فکر مند نہ ہو، تم جلد سے ہو۔ اکیلا پانچ پانچ چھ چھ مسلح جوانوں سے نمٹ سکتا ہے پھر اس سے متعلق فکر مندی کیسی؟ آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ جنید خود ہی آجائے گا۔“

تیمور سر جھکانے خاموشی سے علی قلی خان کے ساتھ ہو لیا۔ اگلے روز ان کا لشکر لاہور سے کابل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



طار خیال کی پراشتانیوں کی طرح اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا جنید ایک روز مالوہ شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج کسی آنکھ کے ٹوٹے ستارے کی طرح غروب ہو چکا تھا اور زمین کی خاک کا غرور اندھیرے چاٹنے لگے تھے۔ انتہا درجہ کی گھمبیر اور اپنی رعونت سے لبریز رات دن کے بے داغ خیالوں کو اپنی بے جان ساعتوں کی آگ پر نچوڑنے لگی تھی۔

شہر کے اندر گھوم پھر کر جنید نے پہلے اس محل نما حویلی کا جائزہ لیا جس کے اندر مالوہ کا عیار و فریب کا روز میر مدینی راؤ چندیری رہتا تھا پھر وہ مالوہ کی ایک سرائے میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے رات کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اس کے بعد وہ تیار ہو کر سرائے سے نکل گیا تھا۔

جس وقت جنید مالوہ کی اس سرائے سے نکلا اس وقت رات کافی گہری ہو گئی تھی۔ ہر شے پر سکوت اور چُپ طاری تھی۔ لگتا تھا ہر ذی روح انسانیت کے خیالوں

خیالوں کے معبد، تمدن کی غاروں اور تہذیب کی گھائیوں میں گم ہو کر غیر مربوط خیالات کی طرح اپنی ذات کی موجودگی تک کو فراموش کر گئی ہو۔

جنید نے اپنے گھوڑے کو مدینی راؤ چندیری کی حویلی کے پچھوڑے میں۔ دکان۔ اس نے دیکھا وہاں ایک خوب گھنا پیل کا درخت تھا جو خوب پھیل اور بلند ہو کر حویلی کی چٹ سے بھی اوپر چلا گیا تھا۔ جنید نے اپنے گھوڑے کو اس پیل کے درخت کے ساتھ باندھ دیا کیوں کہ وہاں خوب اندھیرا ہو رہا تھا اور وہاں کھڑا اس کا گھوڑا دور سے دکھائی نہ دے سکتا تھا۔

پھر جب وہ اپنے گھوڑے کی زمین سے کند کھولنے لگا تو اپنے اوپر پیل کے درخت کی اونچائی اور پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ آپ سے آپ رُک گئے۔ اس نے دیکھا پیل کے اس پرانے اور گھنے درخت کی ایک چوٹی شاخ حویلی کی چھت کی طرف چلی گئی تھی۔ کند کو چھوڑ کر جنید اس پیل کے درخت پر چڑھنے لگا تھا۔

رات کے وقت تیز ہوا کے باعث پیل کے پتے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور یوں آوازیں پیدا کر رہے تھے جیسے دُور دیسوں کی مرغبنیں آن گنت ڈیلیاں بجاتی ہوئی۔ ستاروں کے گیت، اور مسکراہٹوں کے نعمات الاپ رہی ہوں۔

پیل کی اس مضبوط ٹہنی کے ذریعے جنید مدینی راؤ کی حویلی کی چھت پر اترتا۔ پھر بیچوں کے بل چلتا ہوا بڑی احتیاط کے ساتھ وہ اس طرف آیا جہاں حویلی کی سیڑھیاں تھیں۔ وہاں آکر جنید نے اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ کمر پر لٹکتی ڈمال اس نے اتار لی۔ اس کے علاوہ اس کی کمر پر تیروں سے بھرا ترکش اور بائیں کندھے پر اس کی کمان لٹک رہی تھی۔ میرٹھیوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے نیچے کا جائزہ لیا۔ نیچے حویلی کے اندر دو پہر دھار دھار آدھرا ٹھل رہے تھے۔

جنید وہاں لیٹ گیا اور ریگ کر سیڑھیاں اُترنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور تاریک رات آہستہ آہستہ گہنی ہوئی گزرتی تھی۔

سب سے خفیہ سیڑھی پر آکر جنید رُک گیا اور ایک بار پھر ان دونوں پہریداروں

کی طرف دیکھا جب ان دونوں کی اس طرف پشت ہوئی تو جنید وہاں سے ٹھہریوں کی اور سے نکلا اور بائیں طرف چھت دار راہداری کی طرف دبے پاؤں اور احتیاط سے بھاگ کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ اب وہ ان دونوں پہریداروں سے اور قریب ہو گیا۔ اچانک جنید نے اپنا بھاری پھل کا خنجر نکالا اور ان میں سے ایک کو حزن بناتے ہوئے اس نے اپنا خنجر زور سے دے مارا۔ تیز اور چھوٹے پھل کا خنجر اس میں سے ایک کے دل کو چیرتا ہوا پار ہو گیا اور وہ ایک گہری اور دبی دبی سی سسکاری لیتا ہوا پار پر گر گیا۔

دوسرا پہریدار اس تبدیلی اور اپنے ساتھی کی لہو لہان حالت پر ششدر رہ کر رہ گیا تھا۔ وہ ابھی اپنے ساتھی کو سنبھال ہی رہا تھا کہ جنید اس کے سر پر جا پہنچا اور اس کی گردن دوپچتے ہوئے اس نے کہا۔ "اگر تم نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو خبردار میں تمہیں بھی تمہارے ساتھی کی طرح چھید کر رکھ دوں گا۔"

وہ پہریدار بڑی طرح لرزنے اور کپکپانے لگا۔ جنید نے اس کی گردن دوپچے دوپچے اس سے اس کی تلوار پھین لی۔ پھر اس نے اس کے دوسرے ساتھی کا جانو پلا۔ وہ مرجکا تھا۔ جنید نے اس کے دل میں پیوست اپنا خنجر کھینچ لیا اور دوسرے پہریدار کی گردن سے پکڑ کر وہ یوں گھسیٹ کر چھت دار راہداری کی طرف لے جانے لگا۔ جب کوئی تندر واپانی پیتی جنگلی بکری کا شکار کرنے کے بعد اسے گھسیٹ کر کھانے کی خاطر پانی سے باہر لاتا ہے۔

اس پہریدار کو گھسیٹتے ہوئے اس چھت دار راہداری میں لاتے کے بعد جنید نے ایک جھٹکے کے ساتھ اسے زمین پر ٹکادیا۔ اس کی گردن اس نے ایسے ہی دوپچے رکھی۔ تاکہ وہ کوئی آواز نہ نکالنے پائے۔ پھر اس نے اس کی گردن چھوڑی اور اس کی چھاتی پر اپنا آہنی گھٹنا اور شدہ رگ پر خنجر کی نوک رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "بتاؤ مالوہ کا وزیر مدینی راؤ اس وقت کہاں ہے اور وہ اس حویلی کے کس کمرے میں ہے؟" وہ پہریدار اپنا سر ادھر ادھر راتے ہوئے کچھ پس و پیش سی کرنے لگا۔

نے اپنا خون آلود خنجر اس کی ناک سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "اپنے ساتھی کے اس خون کو سونگھو کیا اس میں تمہیں اپنی موت کی بو نہیں آتی؟ وہ محافظ لرز کر رہ گیا۔

جنید نے کہا۔ "جو کچھ میں پوچھتا ہوں رُکے بغیر بتاتے چلے جاؤ۔ اگر تم نے چپ سا دھ کر میرا وقت برباد کرنے کی کوشش کی تو سن رکھو! میں کسی اجنبی کے ہاتھوں ذبح ہو جانے والی بچھیا کی طرح تمہارا حلقوم کاٹ کر تمہارے جسم سے تمہاری سانسیں کا رشتہ توڑ دوں گا۔"

پہریدار نے مہکلاتے ہوئے کہا۔ "میرا گلانہ کا ناک نام پوچھو، میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا۔"

جنید نے کہا۔ "تو پھر بتاؤ مالوہ کا وزیر مدینی راؤ اس وقت اپنی حویلی کے کس کمرے میں ہو گا؟"

اس پہریدار نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دائیں جانب دیکھو وہ حویلی میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ اس راستے سے جب حویلی میں داخل ہو تو دائیں طرف دو کمرے چھوڑ کر تیسرا کمرہ مدینی راؤ کا ہے۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ کیا تم اس کے دشمن ہو اور اس سے اپنا کوئی دیرینہ انتقام لینا چاہتے ہو۔ کیا تم اس حویلی میں مدینی راؤ کے لیے برے وقت کا کوئی ہولناک عذاب بن کر آئے ہو؟"

جنید نے اس کے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کہو وہاں کمرے پر کسی کا پہرہ بھی ہے؟"

پہرے دار نے کہا۔ "وہاں اس کمرے پر کسی کا پہرہ نہیں اور کمرہ بھی کھلا رہتا ہے۔" جنید نے کہا۔ "اور مدینی راؤ کے اصطلح کا داروغہ رام دیو کس جگہ رہتا ہے؟" پہریدار نے کہا۔ "جس جگہ تم اس وقت بیٹھے ہو اور یہ راہداری جو بائیں طرف جا رہی ہے۔ یہ سیدھی عمارت کے اس حصے میں جا داخل ہوتی ہے۔ جس میں اس حویلی کے اصطلح کا داروغہ رام دیو رہتا ہے۔ اور سفود مدینی راؤ کی نسبت رام دیو پر ہاتھ ڈالنا ذرا مشکل ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کے تین بیٹے بھی رہتے ہیں جو خوب جوان، توانا اور

اچھے تیغ زن ہیں۔ اگر تمہاری دشمنی رام دیو سے ہے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کا خیال کر دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو تم اکیلے ہو اور رام دیو کے تین بیڑ کوئی سانجی کیلا تمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ بھاگ جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔
انتقام لینا تمہارے بس کا دوگ نہیں۔

ان باتوں کے دوران اس پریدار نے اپنی کمر سے اپنا خنجر نکال لیا اور کر جنید کے سینے میں گھونپ دینا چاہا لیکن جنید اس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً اس کا بازو پکڑ کر موڑ لیا اور خنجر چھین کر اس نے دور پھینک دیا تھا۔

اس کا خنجر چھین کر ایک طرف پھینکنے کے بعد جنید نے اس کے منہ پر اپنے ہاتھ سے ایک بھر پور ضرب لگائی پھر اس نے تن بدن میں لسنہ طاری کر دینے اپنی ہولناک آواز میں پوچھا۔

”کیا تم رام دیو کے رشتہ دار ہو جو تم مجھے اس پر حملہ کرنے سے روک رہا تھا؟“
ہو۔ اور مجھے ڈرا دھمکا کر یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر رہے ہو۔ یاد رکھو، میں کھویا ہوا ہے۔ اٹھ کر بیٹھ کہ میں تیرا دشمن ہوں۔ تیری رُوح کو بے سمت کرنے، تیری اور رام دیو دونوں ہی میرے حدف ہیں اور میں اپنے حدف کو اپنے انتقام کی قربانیاں مروج کرنے اور تیری آتی جاتی سانسوں کا سلسلہ اکھیرنے میں تیری اس حویلی میں داخل کا نشانہ بنائے بنا کیوں کر لوٹ جاؤں گا۔

اس کے ساتھ ہی جنید اپنے خنجر کو حرکت میں لایا اور دوسرے پریدار کا ہاتھ نے خاتمہ کر دیا۔ پھر وہ اٹھا اور پہلے پریدار کی لاش کو گھسیٹتا ہوا وہ راہداری میں لے آیا اور یہ بھی جانی لے کہ تو کس سے مخاطب ہے۔ میں مالوہ کا وزیر مدینی راؤ ہوں اور میری منتھا۔ چند ثانیوں تک راہداری میں ہی کھڑے ہو کر وہ سوچتا رہا پھر کوئی آہنی فیصلہ کرتے ہوئے حویلی کے اندر وئی حصے کی طرف جانے والے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید اس نے پہلے مدینی راؤ سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔

حویلی کے اندر جا کر جنید نے دائیں طرف دو کمرے چھوڑے اور تیسرے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں لیے جنید بے محابا اندر چلا گیا۔ پہلے دروازے کو اس نے اندر سے زنجیر لگا کر پھیرا

بڑھا۔ کمرے کے وسط میں آب نوس کی مسری پر کوئی گہری نیند سو رہا تھا۔ جنید نے کمرے کا جائزہ لیا۔ چھت سے ٹٹکتی کمرے کے اندر بلور کی دو شعلیں روشن تھیں اور کمرے کا پورا فرش اور دیواروں کا کچھ حصہ سنگ مرمر کا تھا۔ جنید نے آگے بڑھ کر اس سونے والے کمرے کے اوپر سے لحاف اٹھایا۔ اس نے دیکھا وہ کوئی ادھیر، غمگین شخص ہے۔ جنید کو یقین ہو گیا کہ یہی مدینی راؤ ہے۔ لہذا لحاف ہٹانے کے بعد اس نے مدینی راؤ کا شانہ پکڑ کر زور سے ہلایا۔

مدینی راؤ ایک دم ہڑبڑا ہٹ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جب اس نے جنید کو تلوار اور ڈھال سنبھالے اپنے پاس ہی کھڑے دیکھا تو اس نے کسی قدر ہٹکاتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو اور رات کے اس وقت مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

جنید نے تیز غراتی آواز اور غضب ناک و وحشت خیز اپنی آواز میں کہا۔
”اے قیمت کے بیوپاری! اپنی ذات کے زندان سے نکل اور مجھے پہچان۔“
شاید لیٹے لیٹے تم پر اب بھی نیند کا غلبہ ہے اور تو ابھی تک خوابوں کے بن باس میں ہو۔ یاد رکھو، میں کھویا ہوا ہے۔ اٹھ کر بیٹھ کہ میں تیرا دشمن ہوں۔ تیری رُوح کو بے سمت کرنے، تیری اور رام دیو دونوں ہی میرے حدف ہیں اور میں اپنے انتقام کی قربانیاں مروج کرنے اور تیری آتی جاتی سانسوں کا سلسلہ اکھیرنے میں تیری اس حویلی میں داخل ہوں۔

مدینی راؤ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے۔ ”اے مودھ انسان! پہلے یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟“
میں مالوہ کا وزیر مدینی راؤ ہوں اور میری منتھا۔ چند ثانیوں تک راہداری میں ہی کھڑے ہو کر وہ سوچتا رہا پھر کوئی آہنی فیصلہ کرتے ہوئے حویلی کے اندر وئی حصے کی طرف جانے والے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید اس نے پہلے مدینی راؤ سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔

حویلی کے اندر جا کر جنید نے دائیں طرف دو کمرے چھوڑے اور تیسرے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں لیے جنید بے محابا اندر چلا گیا۔ پہلے دروازے کو اس نے اندر سے زنجیر لگا کر پھیرا
بجیل اتوانا اور وہ یہہہ گلتا ہے۔ تیرے جیسے کڑیل اور حسین جوان کی کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اگر تو غلطی سے میری اس حویلی میں گھس آیا ہے تو جا لوٹ جا۔ میں تجھے کچھ نہ کہوں گا اور تجھے رات کے اندھیرے میں کرنوں کا کوئی بنجارہ جان کر معاف کر دوں گا۔

بھاگ جایاں سے، ابھی تو نے زندگی کا کچھ نہیں دیکھا۔ ابھی تیرے سامنے سیرے غابوں کے بے انت سلسلے منقطع ہو گئے ہوں۔ پھر جب اس کی گردن پر رکھی اپنی لیے زندگی کے گل رنگ لمحات پڑے ہیں۔ ابھی تیری یادوں کے پتھری کئی پتے پتے ہوں تواری نوک پر جنید نے دباؤ اور بڑھایا تو مدنی راؤ کی حالت ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کے گیت گائیں گے۔ یہاں سے چلے جانا ہی تیری بھلائی ہے۔ مجھ سے ٹکراتا ایک غلاب اندر پرے کسی سرطان زدہ انسان جیسی ہو گئی تھی۔

سے دشمنی ایک پیہم اذیت ہے۔ جا چلا بھی جا۔ ابھی میں تجھے پیار سے کہہ رہا ہوں۔ مدنی راؤ نے جب کوئی جواب نہ دیا اور اس کی گردن جھک سی گئی تو جنید نے اگر تو نے کہا نہ مانا تو پھر پہلے میرے زہریلے حروف ڈسیں گے پھر کئی زہر کو تو اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ دیکھ مدنی راؤ! تو وہ وزیر ہے جس کے ایک اشارے تجھ پر برس کر تیری جیون ریکھا کو لہو لہو کر دیں گی۔

مدنی راؤ جب خاموش ہوا تو جنید نے اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر باجمور اور بے بس ہے۔

ہوئے کہا۔ "میری طرف غور سے دیکھ اور اپنے ماضی میں چند برس پیچھے جا۔ تو نے ایک مسلمان رئیس سمرنگ سے اس کی جاگیر چھین کر اسے دربار کا تو بھی تعین اور بوندینے والا غلامت کا ایک جوہر ہے اور تیرے پاٹے کا وقت آگیا کھانے پر مجبور کیا پھر اسے زندان میں ڈال دیا اور بعد میں تیرے اصطبل کے ہے۔ اس کے ساتھ ہی جنید نے اپنی تلوار لہر کر بلند کی پھر گرانی اور مدنی راؤ کی گردن رام دیو نے اسے اس کے چھوٹے بھائی اللہ دیو اور ان کے ملازم نصرت کاٹ کر رکھ دی۔ مدنی راؤ کا دھڑلہ بستر سے فرش پر گر گیا۔ جنید نے اس کے بستر سے گویا رے قریب ہلاک کر دیا۔

مدنی راؤ! مجھے غور سے دیکھ، میں اسی سمرنگ کا جوان فرزند ہوں۔ جنید پھر اسی بھت دار راہداری کے اندر آیا اور اس کے بیچ و بیچ جس سمت تیرے روم روم کو دھکالنے، تیرے تن بدن کی ہوس کی آگ بجھانے اور تیرے دلہنے والے پریدار نے نشاندہی کی تھی، اسے سمت آگے بڑھنے لگا۔ وہ راہداری دروازے کو بیابان کی ویرانیوں میں ڈالتے ہیں سمرقند کے شہر انحصی سے یہاں تک آیا۔

کیا تو سمجھتا ہے کہ تو کسی کو آواز دے کر اپنی جان بچالے گا، ہرگز نہیں۔ میں ہوں۔ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد جنید اس عمارت میں داخل ہوا۔

دلے تیرے دونوں محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ قبل اس کے کہ رات کی اس تاریکی میں تیری گردن کاٹ کر چلا جاؤں۔ بتا تیرے پاس کوئی جواز ہے تو نے کیوں میرے نیک خواب کو اس کی جاگیر سے محروم کیا۔ کیوں تو نے اسے میں پکڑ کر زندان میں ڈال دیا اور کیوں تو بعد میں میرے باپ اور چچا کے قتل کا جواز بن گیا۔ اگر تیرے پاس ان کے قتل کا کوئی جواز ہے تو بول ورنہ دیکھ میری تلوار میں اگر کیسا انصاف کرتی ہے۔

سمرنگ کا نام سن کر مدنی راؤ ایک باریوں چونک سا اٹھا تھا گویا

جنید دروازے کی طرف ابھی چند ہی قدم بڑھا تھا کہ رام دیو کا ایک بیٹا جاڑا اٹھا اور گڑکتی آوازیں اس نے پوچھا۔ "کون ہو تم اور کس غرض سے ہمارے دروازے میں داخل ہوئے ہو؟"

جنید نے جان لیا تھا کہ رام دیو کے بیٹے جاگ اٹھنے سے اس کے لیے خطرہ اٹرنے شروع ہو گئے ہیں۔ لہذا کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنی تلوار لہراتا ہوا ایسے غصہ انداز میں اس کی طرف بڑھا جس طرح کوئی تیز رو اور طوفانی دریا اپنے دونوں کناروں کی تخریب اور زمین کو ادھیڑنے اور چاک کرنے کا عمل کرتے ہوئے دھڑکتا رہتا ہے۔

جنید کو اپنی طرف اس انداز میں بڑھتے دیکھ کر اس نے اپنی مسہری کے پاس سے لٹکتی اپنی چرمی بیٹی سے اپنی تلوار کھینچ لی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جگمگانے کے لیے انہیں آواز دی۔ جنید کسی دیران کر دینے والی موج کی طرح آگے بڑھا اور رام دیو کے اس بیٹے پر اس نے حملہ کر دیا۔

رام دیو کا بیٹا جنید کے اس خطرناک وار کو روک نہ سکا اور جنید کی تلوار کاٹ کر دو حصوں میں کر گئی تھی۔ اتنی دیر تک رام دیو کے دونوں بیٹے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنید موت کے لاوے کی طرح ان پر بھی حملہ آور ہوا اور ان میں سے بھی ایک کو کاٹ دیا۔ دوسرا اپنی تلوار سنبھال کر رام دیو کے کمرے کی طرف بھاگا۔ جنید نے اپنے کی طرح پھلانگتے ہوئے اس کا تعاقب کیا اور رام دیو کے کمرے میں جا کر اس کی پٹ پر بھی تلوار مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اتنی دیر تک رام دیو بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے کمرے کے فرش پر اپنے بیٹے کی خون آلود لاش پڑی دیکھی تو اس پر جنوں طاری ہو گیا اور اس نے فوراً آلود نظروں سے جنید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم میرے گھر میں کیوں آئے ہوئے ہو اور میرے بیٹے کو تم نے کیوں قتل کیا ہے؟"

پھر رام دیو نے جنید کے جواب کا انتظار کیے بغیر دیوار سے لٹکتی اپنی تلوار

کھینچ لی اور دوبارہ جھجکے جھجکیے کی طرح غراتے ہوئے اس نے کہا۔ "میرے بیٹے کو قتل کرنے کے بعد اب تم یہاں سے بچ کر بھاگ نہیں سکتے۔"

جنید نے رام دیو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تو تم تلوار چلانا بھی جانتے ہو۔ سنو! میں تمہارے ایک نہیں تینوں بیٹوں کو قتل کر کے تمہارے گھر کو حشر زدہ کر چکا ہوں۔ تمہارے بیٹے جاگ کر میرے راستے کی دیوار بننے کی کوشش نہ کرتے تو میں ان سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ میں تو رام دیو تمہیں اجل کی بیڑیاں پہنانے اور موت کے اندھے گڑھے میں دفن کرنے کو آیا تھا۔"

رام دیو! اے رام دیو! میری طرف غور سے دیکھ۔ کیا تو نے گوالیار سے باہر سمرنگ، اس کے بھائی اللہ ویرو اور اس کے ملازم نصرت پر حملہ کر کے انہیں قتل نہ کیا تھا۔ رام دیو! سن میں اسی سمرنگ کا جوان بیٹا ہوں اور انتقام لینے تمہارے پاس آیا ہوں۔

سن، میں نے تیرے آقا مدینی راؤ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش خون میں لت پت اس کے کمرے میں پڑی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارے گھر کی عورتوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور وہ اپنے کمرے میں محفوظ ہیں۔

جنید کہتے کہتے رُک گیا کیوں کہ دھڑا دھڑا کی طرف جہاں اس نے دوپہر دیاروں کو قتل کیا تھا کسی کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ جنید طوفان کی طرح آگے بڑھ کر رام دیو پر حملہ آور ہو گیا۔ رام دیو نے اپنی تلوار سے جنید کے حملے کو روکنا چاہا لیکن بڑی طرح ناکام رہا۔ جنید نے اپنے پہلے ہی وار میں اس کی گودوں کاٹ دی اور تلوار صاف کر کے باہر نکل گیا۔

رام اور اس کے بیٹوں کا خاتمہ کرنے کے بعد جنید جب باہر نکلے تو اس نے دیکھا اس راہ داری کی طرف شور مچا ہوا تھا جس طرف وہ دوپہر دیاروں کی لاشیں رکھ کر آیا تھا۔

جب وہ راہ داری کے اندر ستونوں کی اوٹ لیتا ہوا آگے بڑھا، تو

اس نے دیکھا۔ کئی مسلح جوان ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ شاید وہ ان مرنے والے دوپہر یاروں کے ساتھی جو سو رہے تھے اور اب جاگ کر ان اپنے دوستوں کے قاتل کو تلاش کر رہے تھے۔

راہداری کے مدور ستونوں کی آڑ لیتا ہوا جنید سیرھیوں کے قریب آیا۔ میں ایک محافظ حویلی کے اندر سے نکلا اور بلند آواز میں اس نے کہا۔ "مہاراج مدینہ کو بھی کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اتنے میں حویلی کے اس حصے سے ایک شور اٹھا۔" حوٹے میں رام دیو رہتا تھا اور یہ بلند ہونے والی آوازیں عورتوں کی تھیں۔ رام دیو کے گھر کی عورتیں جاگ گئی تھیں اور رام دیو اور اس کے تینوں بیٹوں لاشیں دیکھ کر شور اور آہ و فغاں کرنے لگی تھیں۔

کچھ محافظ اپنی تلواریں لہراتے اور بھاگتے ہوئے رام دیو کے گھر کی طرف چلے گئے تھے۔ جب وہ جنید کے پاس سے گزرنے لگے تو جنید نے فوراً اپنے آپ ستون کے پیچھے چھپا لیا پھر اس بھگدڑ اور آفراتفری کے عالم سے فائدہ اٹھانے خاطر جنید سیرھیوں کی طرف بھاگا۔ وہ جان گیا تھا کہ خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں وہ از جلد اب مدینہ راؤ کی اس حویلی سے نکل جانا چاہتا تھا۔

جنید ابھی تین چار سیرھیاں ہی چڑھا تھا کہ دور حویلی کے صدر دروازے کے پاس کھڑے ایک محافظ نے بلند آواز سے چلاتے ہوئے کہا۔ "وہ بھاگ رہا ہے۔ قاتل بھاگ رہا ہے، وہ سیرھیاں چڑھ کر چھت پر جا رہا ہے۔ اسے پکڑ لو جانے پائے۔" حویلی کی سیرھیوں پر چوں کہ شعل جل رہی تھی اور وہ روشن تھیں لہذا جنید دیکھ لیا گیا تھا۔ لیکن جنید بڑی تیزی سے حرکت میں آیا تھا اور بھاگ کر وہ حویلی کے تاریک چھت پر چڑھ گیا تھا۔

ابھی وہ چھت پر ہی تھا کہ اس کے پیچھے ایک اور محافظ کی آواز بلند ہوئی۔ "اسے پکڑ لو جانے نہ پائے، اس نے رام دیو اور اس کے تینوں بیٹوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ اس نے رام دیو کی عورتوں کو ان کے کمرے میں بند کر دیا تھا لیکن ان

کمرے کی کھڑکی بند کرنا بھول گیا تھا لہذا عورتوں نے کھڑکی سے نکل لاشیں دیکھ لیں اور شور کرنا شروع کر دیا۔" جنید نے اپنے پیچھے اٹھنے والی کسی آواز پر کان نہ دھرا بھاگ کر وہ پیل کے درخت پر چڑھا پھر تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ جس وقت وہ نیچے اتر کر اپنے گھوڑے کی باگ بھول رہا تھا چھت کے اوپر سے کچھ محافظوں نے اسے دیکھا اور شور کرتے ہوئے واپس بھاگ گئے۔

اس کا تعاقب کرو۔ اس کا پیچھا کرو۔ قاتل بھاگ رہا ہے۔ اس نے حویلی کے کچھ اڑے پیل تلے اپنا گھوڑا باندھ رکھا تھا۔ اس کا پیچھا کرو۔ بھاگنے نہ پائے۔ جنید نے اپنا گھوڑا کھولا اس پر جلدی جلدی سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر بھگا دیا۔ جب وہ شہر سے باہر نکلنے والی سڑک پر آیا تو وہ چونک پڑا۔ اسے اپنے پیچھے کئی گھوڑے بھاگنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ جنید نے مڑ کر دیکھا، اندھیرا ہونے کے باوجود اس نے اندازہ لگا لیا کہ چودہ پندرہ سوار اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔

مالوہ شہر کی کوئی فصیل نہ تھی لہذا اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا جنید شہر سے باہر نکل گیا۔ وہ اسی شاہراہ پر چڑھ گیا تھا جس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے وہ مالوہ شہر میں داخل ہوا تھا۔ شاید وہ گوالیار کا رخ کر رہا تھا۔ کافی دیر تک یہ تعاقب جاری رہا۔ یہاں تک کہ مشرق کی طرف سے صبح کی تجلی کا سیلاب آمد نے لگا تھا۔

پھر سورج طلوع ہوا اور صبح کی نفرتی توبہ میں دھرتی کے شاداب سینے پر رقص کرنے لگی تھیں اور دھوپ تیز ہو کر ٹیلوں کے مکیوں میں اترنے لگی تھی۔ گھنی گھاس کی ٹوکوں پر لہراتے شبنم کے قطرے گھوڑے کے پاؤں سے چور ہونے لگے تھے۔ جنید نے مڑ کر دیکھا تعاقب کرنے والے اس کے بالکل قریب تھے۔

اچانک کچھ فیصلہ کرتے ہوئے جنید نے گوالیار کو جانے والی شاہراہ چھوڑ دی اور اپنے گھوڑے کو اس نے بائیں طرف موڑ لیا اور گھوڑے کو اونچے نیچے اور ناہموار زمین پر وہ تیزی سے بھاگنے لگا تھا۔

یہ تعاقب دوپہر تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ جنید کا تعاقب کرنے والوں نے اپنے اور جنید کے درمیان فاصلہ کچھ اور کم کر کے اس پر تیر چلا دیئے۔ ایک تیر جہیز کا ہوا گوشت میں پیوست ہو گیا۔ جنید نے فوراً تیر پھینچ کر پنڈلی سے نکال دیا۔ آنے والے زخم کو اس نے گھوڑے کے پیٹ کے ساتھ دبا لیا تھا تاکہ خون بہنا بند ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی رفتار اور تیز کر دی۔ وہ فوراً گونے والوں کے تیروں کی زد سے نکل جانا چاہتا تھا جو کسی بھی لمحہ اس کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔

تیر سے آنے والے زخم سے درد کی ٹیسس اٹھنے لگی تھیں لیکن جنید ضبط سے لیتا ہوا گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا کر بھگتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے اور قاتل کے درمیان فاصلہ کچھ زیادہ کر لیا۔ تعاقب جاری تھا۔ تاہم وہ کم از کم کے تیروں سے محفوظ تھا۔

یہ خون کا تعاقب سہ پہر تک جاری رہا یہاں تک کہ سامنے ایک گھنا جنگل آ گیا۔ جنید گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس میں داخل ہو گیا۔ ذرا اندر جا کر جنید نے جب مرکز دیکھا تو اس نے اپنے گھوڑے سے باہر رگ گئے تھے اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنے گھوڑے سے موڑ لیے تھے۔ جنید سمجھا کہ شاید وہ کسی اور راستے سے جنگل میں ہو کر اس پر قابو پانے کی کوشش کریں گے۔ لہذا وہ اپنی اسی رفتار سے جنگل کی بیلوں اور شاخوں سے بچتا ہوا گھوڑے کو بھگاتا رہا یہاں تک کہ جنگل میں تاریکی پھیلنے لگی۔ اصل صفاء اندھیرا ہر شے پر چھانے لگا اور تیز ہواؤں کی ناگینیں بڑی طرح بھنکارنے لگی تھیں۔

جنید نے اندازہ لگا لیا کہ سورج اب غروب ہو رہا ہے۔ جنگل کا معاملہ رات بھر پر آرہی تھی، اجنبی سرزمین تھی اور رات کے وقت جنگل سے نکل کر گوالیار طرف جانے کا راستہ بھی جنید کو معلوم نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ تعاقب کرنے والے بھی غدر شہ تھا کہ نہ جانے وہ جنگل کے کس راستے سے ہو کر اس پر آؤں گے۔ ایک گھنا درخت دیکھ کر جنید نے اپنے گھوڑے کو اس کے نیچے اس

باندھ دیا کہ گھوڑا آڑ میں رہے اور اگر تعاقب کرنے والے ادھر سے گزریں تو انہیں دُور سے دکھائی نہ دے۔ ساتھ ہی اس نے زین سے لٹکتا ہوا اپنا اونی کبل کھول لیا تھا۔ تاکہ اسے اڑھ کر سردی سے بچ سکے۔

پھر جنید نے اپنی ٹانگ کا زخم دیکھا۔ وہ کافی گہرا تھا۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی زین سے لٹکتا مشکیزہ اتارا۔ پہلے اس نے پانی پیا پھر زخم دھو کر خوب صاف کیا۔ اپنی غریب سے مرہم نکال کر اس میں بھری اور اس پر پٹی باندھ دی پھر وہ کبل، پانی کا مشکیزہ اور گھوڑے کی وہ چرمی غریب جس کے اند اس نے خشک پھل، نقدی اور دیگر ضروریات کی چیزیں ڈال رکھی تھیں وہ لے کر اس احتیاط کے ساتھ اس درخت پر چڑھ گیا کہ اگر تعاقب کرنے والے اس طرف آئے تو وہ درخت کے اوپر سے ان پر تیر اندازی کر کے ان کا خاتمہ کر دے گا۔

درخت کے اوپر ایک مناسب جگہ جنید بیٹھ گیا۔ پانی کا مشکیزہ اس نے ایک ٹہنی سے باندھ دیا اور چونکہ وہ پچھلے آٹھ پہر کا بھوکا تھا لہذا غریب سے خشک پھل نکال نکال کر کھانے لگا۔ جب پیٹ بھر گیا تو اس نے مشکیزے سے پانی پیا اور غریب کو بھی اس نے درخت کی ایک ٹہنی کے ساتھ باندھ دیا۔

جنید کو وہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مشرق سے طلوع ہو کر بلند ہوا۔ ہر شے چاندنی میں نہا گئی تھی۔ گہنا تھا پوری اتام ایک الوسی بجلی سے معمور و مخمور ہو گئی تھی۔ چاندنی اور نمی میں ڈوبی ہوئی اب ہوائیں۔ اب ہر چیز کی نظروں میں کر میں اور لیوں پر نمی بکھیرنے لگی تھیں۔ چاند نے طلوع ہو کر یو ہر شے کو اپنی طرف راغب کر لیا تھا جیسے کنواریاں اپنی سہیلی کی بارات کو دیکھتی ہیں۔ جنید کبل اڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔

جنید اسی طرح درخت کے اوپر بیٹھا رہا۔ رات گزرتی رہی۔ صبح کا خلد چاند بلند سے بلند تر ہوتا ہوا تیرگی میں نہاں قدرت کے عناصر کی شوخیاں اور عیاریاں عیاں کرنے لگا تھا۔ گہنا تھا رات چاند کی صورت میں اپنے ہاتھوں میں شعاعوں اور انگاروں بھرا تھا لے

کر قفس کرنے لگی ہو۔

اچانک جنید چونک سا اٹھا اور اس کے بدن پر خوف کی سی پکپی طاری ہو کر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگل کے اندر ہزاروں برس کی سوئی ہوئی عنقریب کسی انسان کی بوجا کر جاگ اٹھی ہوں اور خاموشیوں کے شہر کو صدائوں سے بھر دینا چاہتی ہوں۔ جنگل سے اٹھنے والی ان آوازوں کو جنید نے غور سے سنا۔ ایسی آوازیں تھیں جیسے کئی شیر اپنی غاروں سے نکلے ہوں اور غراتے دھاڑتے اس درخت کی طرف آرہے ہوں جس درخت پر جنید بیٹھا ہوا تھا۔ شیروں کے لگاتار دھاڑنے سے یوں لگ رہا تھا جیسے گردن چشم و لب آوازوں کے طوفانوں میں ڈوب کر تھم ہو جائے گی۔

جنید بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شیر ادھر ہی آ رہے ہیں لہذا وہ نیچے اتر کر اپنے گھوڑے کو بچانا چاہتا تھا۔ گوشتیروں کی موجودگی میں نیچے اتر کر گھوڑے کو بچانا ایک انتہائی خطرناک فعل تھا لیکن جنید شیروں سے اپنے گھوڑے کو بچانے پر مجبور تھا۔ اس لیے کہ وہ بڑی طرح زخمی تھا اور شیروں کے ہاتھوں اس کے گھوڑے کے مارے جانے سے اس جنگل سے اس کا نکلنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائیگا۔ لہذا وہ کسی نہ کسی صورت اپنے گھوڑے کو بچانا چاہتا تھا۔

جنید ابھی تھوڑا سا ہی نیچے اترتا تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ چاندنی رات میں اس نے دیکھا جس درخت کے ساتھ اس نے اپنے گھوڑے کو باندھ رکھا تھا اس کے قریب ہی سات آٹھ جوان توانا اور خوب قد آور اور لمبے شیر بہنرودار ہوئے جنید کا گھوڑا خوف کے مارے بڑی طرح زمین پر پاؤں مار مار کر منہانے اور نتھنے پھر پھرتا لگا تھا۔ شیر آگے بڑھ کر جنید کے گھوڑے پر ٹوٹ پڑے لمحوں کے اندر انہوں نے گھوڑے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور تیزی سے اس کا گوشت کھانے لگے۔ اپنے گھوڑے کی یہ حالت دیکھ کر جنید پر دیوانگی اور ہندون طاری ہو گیا تھا۔ اس کی حالت اس دریا سے مختلف نہ تھی جو چٹانوں سے ٹکرا کر بل کھاتا اور شور کرتا ہوا پیچھے مٹتا ہے اس کے پہرے پرانگارے اور آنکھوں میں موت کے ہیولے قفس کرنے لگے تھے۔

شیر بڑی طرح غراتے ہوئے گھوڑے کے جسم کو ادھیڑ رہے تھے۔

جنید حقیقت کے ایک طوفان اور ہمدردی و انوخت کے ایک لاوے کی طرح حرکت میں آیا۔ اپنی کمان اس نے سنبھالی اس پر تیر چڑھایا اور تاک کر مارا۔ رات کی چاندنی میں نہائی خاموشی کے اندر اس کا تیر سننا تھا اب ایک شیر کے جسم کو چیرتا تھا اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ شیر درخت کی سمت بڑی طرح ہوا میں اچھلا لیکن بے بسی کی حالت میں زمین پر گرہا اور کراہ کر رہ گیا۔ دل میں پیوست تیر کی تکلیف کے باعث وہ گوشت کھانا بھول گیا اور بڑی طرح دھاڑنے لگا۔

جنید نے اب دوسرا تیر مارا جو ایک دوسرے شیر کے جسم میں پیوست ہو گیا اس طرح اس نے ایک طرح سے سارے شیروں کو چھید کر رکھ دیا تھا۔ زخمی ہو جانے کے باعث سارے شیر گھوڑے کا تازہ گوشت کھانا بھول گئے اور بڑی طرح غراتے دھاڑتے وہ جس طرف سے آئے تھے اسی طرف بھاگ گئے۔ جنید بے چارہ سوکے گلشن کے لعنہ کی طرح اداس اداس اس درخت پر بیٹھا رہ گیا تھا۔ اسے اپنے گھوڑے کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہو رہا تھا۔

وہ بے چارہ سوچوں میں کھو کر رہ گیا تھا اور کل مردہ پہاڑوں جیسی تھکا دینے والی رات کو مل و تازہ چاندنی کے ساتھ مل کر وقت کے لمحوں پر تابندگی اور شیلہ جاؤد بکھیرتی ہوئی بھاگتی جا رہی تھی۔

آدھی رات کے بعد جب کہ چاند سر سے مغرب کی طرف ڈھلک گیا تھا جنید درخت سے نیچے اترنے لگا۔ درخت پر بیٹھنے سے وہ سخت سہری محسوس کرنے لگا تھا اور زخم سے تیز ٹیسس اٹھنے لگی تھیں۔ نمی میں ڈوبی ٹھنڈی ہوائیں ماحول کو کمر آلود کرتی جا رہی تھیں شب کے پچھلے پہر کے تارے اپنے تنفس میں اسیر پھڑپھڑاتے ہوئے کائنات کی چشم خوش جمال میں پاکیزگی اور چمک پیدا کر رہے تھے۔

جنید نیچے اترتا۔ اس نے دیکھا اس کے گھوڑے کا پنجر ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔ شیروں نے زمین اور اس سے بندھا سامان چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ چند ثانیوں وہاں کھڑا

ہو کر وہ نہ جلنے کن گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ شاید اپنے گھوڑے کا دکھ کر رہا تھا کہ اس کے سفر کا رفیق اور ساتھی تھا۔

سردی تیز ہو گئی تھی۔ جنید کا جسم ٹھنڈے سے کپکپا رہا تھا۔ اس نے پیٹھ پر بندھانے سے بھرا ترکش درست کیا۔ کمان کندھے سے لٹکائی۔ پانی کا مشکیزہ جس میں اب تھوڑا سا پانی رہ گیا تھا۔ وہ بھی اس نے کندھے سے لٹکالیا۔ چرمی خربجین کو اس نے ترکش کے ساتھ اپنی پیٹھ کے باندھ لیا اور اپنے ہاتھوں میں وہ اپنی تلوار اور ڈھال لیکر اندازے سے وہ اس سمت چل دیا۔ بدھڑ سے اس گھنے اور خوفناک جنگل سے اسے باہر نکلنے کی امید ہو سکتی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ مدینی راؤ کے آدمی کیوں کسان کا تعاقب ترک کر کے لوٹ گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جنگل میں کثرت سے درندے رہتے ہیں۔ لہذا جنید اس میں داخل ہو کر بچ نہ سکے گا۔ وہ ایک طرح سے جنید کو موت کے اندھے کنوئیں میں پھینک کر لوٹ گئے تھے۔

جنید کو چلنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ جبر کر کے چلتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ چلنے سے زخم گرم ہو کر درد کم کر دے گا اور پھر اسے اس جنگل سے بھی تو نکلنا تھا ورنہ وہ جانتا تھا کہ وہ بھوکا پیاسا اس جنگل کی عفریت اور بلاؤں کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد جنید کی حسیات پر گویا تھوڑے برس کر رہ گئے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اپنے قدموں کی بھاری آہٹ کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہی ہو وہ تڑپ اٹھا اور مڑ کر دیکھا۔ دھلی دھلی اور جھپ جھپ کر آتی چاندنی میں اس کی نظر ایک بھورے رنگ کے دیوہیلک رکچہ پر پڑی جو بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ جنید اپنے زخم اور اس میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں کو فراموش کر گیا۔ اُسے تو قوت کے بے رحم جھونکے موت کا لمس اور مرگ کی آندھیلیے ایک بار پھر اس کے سامنے اکھڑے ہوئے اور وہ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

رکچہ قریب آ کر اپنے دونوں پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے اگلے دونوں پاؤں چھاتی بر مارتا ہوا وہ منہ سے انتہائی دہشت ناک انداز میں جھانک نکالتا ہوا جنید کی طرف بڑھا۔

جنید جانتا تھا کہ اس سے مقابلہ کیسے بغیر اور اس کو زیر کر لینے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ ورنہ لہجوں کے اندر اس کا جسم اس کے گھوڑے کی طرح اُدھر کر رہ جائیگا۔ رکچہ پر بڑا اثر ڈالنے کی خاطر جنید خود بھی اس پر حملہ آور ہونے کے لیے تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ جنید کے اس اقدام سے رکچہ ایک جگہ ٹک گیا اور منہ سے بھانک آوازیں نکال نکال کر رات کی خلا کے پراسرار سنائے میں ایک خوف و ہراس اور درخت و بے چینی برپا کرنے لگا تھا۔

جنید جب اس رکچہ کے قریب گیا تو رکچہ نے اپنے دونوں نیچے خوب زور سے لہرا کر اور منہ سے خوشخوار آوازیں نکالتے ہوئے جنید کو دے مارا۔ جنید نے اس کے دونوں نیچوں کو اپنی ڈھال پر روکا۔ پھر اس کی خون آشام حرکت میں آئی۔ پوری قوت سے اس نے اپنی تلوار مار کر رکچہ کی کچھلی ایک ٹانگ کاٹ کر رکھ دی۔ رکچہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور زمین پر گر گیا۔ جنید نے ایک بار پھر تلوار لہرا کر بلند کی اور دوبارہ گراتے ہوئے اس نے رکچہ کی دوسری ٹانگ بھی کاٹ کر رکھ دی۔

اب رکچہ بے ضرر اور حرکت کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ جنید کے چہرے پر فتح و کامیابی کی جھلک آگئی تھی کیوں کہ اس نے رکچہ کو ٹھکانے لگا کر ایک بار پھر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔

جنید پھر اپنی تلوار بلند کر کے رکچہ کی گردن کاٹ دینا چاہتا تھا کہ اس کی حیات پر پھر تھوڑے برسنے لگے اور اس کے ذہن کی کیفیات زیر و بم کا شکار ہو کر نہ لگیں۔ اس نے جنگل کے سرد سنائے میں ایک ساتھ کئی رکچوں کے بھاگنے اور منہ سے غراہٹ آمیز آوازیں نکالتے سنا۔ جنید نے یقین کر لیا کہ ایک ساتھ کئی رکچہ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ لہذا ان سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر وہ زخم سے اٹھنے والے درد کی پرواہ کیے بغیر بڑی تیزی سے ایک درخت پر چڑھنے لگا۔ وہ ابھی درخت پر تھوڑا سا اوپر ہی گیا تھا کہ وہں بارہ رکچہ بھاگتے، غراتے اس درخت کے نیچے آ کر کے جنید تھوڑا سا اور اوپر جا کر اس درخت کے ایک موٹے ٹہنے پر ایک طرح سے ٹیک

لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

دو تپکھ ایک ساتھ منہ نیچے اور بیٹھ اُدپر کر کے اس درخت پر چڑھنے لگا۔
جنید کے لبوں پر اب مسکراہٹ تھی وہ مطمئن تھا کہ اب وہ آسانی کے ساتھ ان زخمی
سے نمٹ سکے گا۔

دونوں تپکھ درخت پر چڑھتے ہوئے جب جنید کی تلوار کی زد میں آئے تو
حرکت میں آیا اور باری باری تلوار مار کر اس نے ان دونوں تپکھوں کی کھچلی ٹانگیں کاٹ
دی تھیں۔ دونوں تپکھ چکراتے ہوئے رے بن زمین پر گر گئے۔ سارے تپکھ ان در
زخمی تپکھوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے انہوں نے ان کا نعلی چائنا شروع کیا۔ پھر وہ ہر
طرح بھیج گئے اور ان دونوں زخمی تپکھوں کو وہ ادھیڑ اور صبح جوڑ کر کھانے لگے تھے
جنید کی طرف سے ایک طرح سے وہ غافل ہو گئے۔

جنید نے ان تپکھوں کو بھگاتے اور ان سے نمٹنے کا ایک اور طریقہ اختیار
رکھا۔ اس نے اپنے ترکش کے اندر سے ایک مضبوط رسی نکالی۔ اس رسی کا ایک ہر
اس نے جس ٹہنے پر وہ بیٹھا ہوا تھا اس سے باندھا اور دوسرا سر اس نے اپنی تلوار
کی چرمی بیٹی سے باندھ لیا تھا۔ پھر وہ نیچے اُترا اور درخت کے تنے پر اس جگہ اُڑا
جہاں سے اگر وہ تلوار لہرائے تو ان تپکھوں تک پہنچ جائے۔

تپکھ اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں ادھیڑ نے میں امن قدر محو تھے کہ
انہوں نے جنید کی طرف دھیان ہی نہ دیا۔ جنید نے ایک ہاتھ سے درخت اور باقی
کمر سے بندھی رسی کو پکڑے رکھا اور پے در پے اپنی تلوار کے وار کر کے اس نے تپ
تپکھوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ باقی تپکھ غراتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ رسی کے سہارے
جنید درخت کے تنے پر اس قدر اُپر ہو گیا کہ تپکھ اگر کھڑا ہو کر بھی پہنچ مارے تو
اس تک نہ پہنچے۔ تپکھ درخت کے گرد غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور جنید
کی طرف لپکنے کی کوشش کرنے لگے۔

جنید نے اب برقی کے کوندوں کی طرح اپنا کام شروع کیا اور پے در پے

ان تپکھوں پر تلواریں برساتی شروع کر دیں۔ اللہ میں سے کسی کا سر اور کسی کے پاؤں لٹ
گئے۔ ہرٹ ایک تپکھ سلامت، بچا باقی سارے تپکھ زخمی اور مردہ حالت میں زمین
پر گر گئے تھے۔ زندہ بچنے والا تپکھ ایک قریبی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ شاید
اس نے گھات لگالی تھی کہ جب جنید درخت سے اُترے اس پر حملہ کر دے۔

چاند کی چاندنی میں جنید اس تپکھ کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ اوپر
گی۔ درخت سے بندھی رسی کھول کر اپنی کمر سے بھی علیحدہ کی اور اسے اپنی ترکش میں ال
لیا۔ پھر وہ نیچے اُترا شروع ہوا۔ وہ جھاڑی میں چھپے ہوئے تپکھ کی طرف بھی غور سے دیکھ
رہا تھا جب کہ تپکھ بھی خوفناک انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کی ایک ایک حرکت کا
جائزہ لے رہا تھا۔

جنید جب درخت سے نیچے کودا تو تپکھ جھاڑی سے نکلا اور جھک کر چلتا ہوا
منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر آگے بڑھ کر جنید پر ٹوٹ پڑا تھا۔ جنید مطمئن اور اس کے اس
حملے کے لیے تیار تھا۔ اس نے اپنی ڈھال آگے کی اور تلوار بلند کر کے گرائی۔ تلوار تپکھ
کے سر پر گری اور تپکھ کی کھوپڑی کو تریبوز کی طرح چیر کر رکھ دیا۔ جنید نے اب دوسرا
دار کیا اور تپکھ کو اس کی کمر سے کاٹ کر رکھ دیا۔ تپکھ کے بالوں سے جنید نے اپنی
تلوار صاف کی اور دوبارہ جنگل سے نکلنے کے لیے ایک سمت کا تعین کر کے چل پڑا۔
اب اس نے اپنی ننگی تلوار اور ڈھال اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی۔

خطرے کے باوجود جنید رات کسی درخت پر بسر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ
وہ جانتا تھا رات کے وقت اکثر درندے سوئے ہوں گے اور جنگل سے اس کے نکل
جانے مواقع ہیں لیکن سورج طلوع ہوتے ہی جب درندے اپنے شکار کی تلاش
میں نکل پڑے تو اس کا بیچ کر جنگل سے نکلنا کسی قدر محال اور ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔
لہذا وہ تیزی سے لنگڑا لنگڑا کر چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

جنید رات کو نہ ہر ملی سرد ہواؤں کی مار میں چلتا رہا۔ ہر چیز خواہوں کے عجیب کے عمل
میں محو تھی۔ چاند اپنی روشنی میں برہنہ چمک رہا تھا۔ ناگن خزاں کی رات اپنے مقدر کے

جزیروں کی تلاش میں پھنکا رہی تھی ریتیرگی کی امین رات جلتے جھٹے خاموش محول کی آواز کی سمت آگے بڑھنے لگا۔

الود کے ساتھ اپنی منزل کی بے نام دھول کی طرف سرکتی رہی۔ پھر مشرق کی طرف سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ رات کے آنسو سی اندھیرے رخصت ہونے لگے۔ پرندے درختوں پر گھبراہٹ سے اڑنے لگے۔ ایک بن کر رہ گئی۔ تھوڑا سا فاصلہ آگے جا کر جنید نے دیکھا وہاں ایک شاہراہ میں اپنے اشیاء کے اندر چھپاتے ہوئے اپنے رب کی حمد گانے لگے۔ سورج چرکی تھی جس پر مغرب کی طرف سے ایک لمبی قطار میں چالیس پچاس بیل گاڑیاں آرہی وقت دور مشرق کی کوہستانی چوٹیوں کے پیچھے سے نمودار ہوا جنید جنگل سے نکل کر اس جنید کے لبوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں روشنی اور چہرے پر سکون کے رنگ باہر آچکا تھا۔

سرد ہوائیں ابھی تک چل رہی تھیں۔ آسمان اب گرے گھنے بادلوں میں چھپنے لگا تھا۔ گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بارش ہونے والی ہو۔ گرے گرے کالے سیاہ بادل آسمان سینے پر دندناتے لگے تھے۔ جنگل سے باہر آکر جنید رُک گیا۔ شاید وہ اس امر کا تعین کر رہا ہو کہ اسے اب جنگل سے نکل کر کس طرف پنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ وہاں کھڑے کھڑے کوئی فیصلہ کرنے کے بعد جنید کسی طرف روانہ ہونے لگا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک مدھم اور دھیمی سی آواز پڑی۔ گانے کی آواز۔ دور کوئی راجہ جمع ہو گئے۔ ان کے پوچھنے پر جنید نے زخمی حالت میں جنگل کے اندر داخل گرا رہا تھا۔ آواز بائیں طرف سے آرہی تھی۔ جنید ادھر دیکھنے لگا۔ اسے کچھ دکھائی نہ آیا، وہاں فیروں کے ہاتھوں اپنے گھوڑے کے مارے جانے اور خونخوار بچھوں کی نظروں کے سامنے درختوں کے جھنڈ آگئے تھے۔ روز و شب کے بے کراں سلسلے کی طرح آواز لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔

اب جنید صاف اور واضح طور پر گانے کے بول سن سکتا تھا۔ کوئی سنگتی شبنم کی آنچ جیسی آواز میں خزاں کو خوشی، مہم کو معروف، نامعلوم کو معلوم اور رُحوں کے زخم کو مندمل کر دینے والا گیت گارہا تھا۔ جنید نے محسوس کیا گانے والے کے بولوں میں قلب کائنات کے گھاؤ جیسا درد تھا۔ گانے والے کی یہ آواز جنید کے لیے خوشبو کا ایک جھونکا، اخوت کا ایک پیغام اور حقیقت کا ایک طوفان ثابت ہوئی۔ وہ مایوس تھا کہ اب اپنی زخمی ٹانگ کو گھسیٹے ہوئے کس طرف کا رخ کرنے لگا۔ وہ بھوکا پیاسا بھی تھا اور زندگی سے مایوس نظر آتا تھا لیکن گانے کی یہ آواز اس کے لیے امیدوں کا رنگ بھرتی ہوئی ایک کرن ثابت ہوئی تھی۔

ان میں سے ایک جوان نے کہا۔ یہ جنگل گوالیار کے راجہ بکرماجیت کی ہے۔ اس جنگل میں انتہائی خطرناک جانور پائے جاتے ہیں۔ راجہ ہرماہ اس میں شکار کرنے آتے ہیں۔ کئی کئی دن یہاں خیمے لگا کر پڑا رہتا ہے اور جنگلی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ یہ سارا علاقہ اس کی عملداری میں شامل ہے۔ ہم سب اس میں رہتے ہیں۔ ہماری بستی یہاں سے دو کوس مغرب کی طرف ہے۔ اس علاقے کے رہائے جنگل کا کچھ حصہ ٹھیکے پر لے رکھا ہے جس سے ہم اس کے لیے لکڑیاں

الود کے ساتھ اپنی منزل کی بے نام دھول کی طرف سرکتی رہی۔ پھر مشرق کی طرف سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ رات کے آنسو سی اندھیرے رخصت ہونے لگے۔ پرندے درختوں پر گھبراہٹ سے اڑنے لگے۔ ایک بن کر رہ گئی۔ تھوڑا سا فاصلہ آگے جا کر جنید نے دیکھا وہاں ایک شاہراہ میں اپنے اشیاء کے اندر چھپاتے ہوئے اپنے رب کی حمد گانے لگے۔ سورج چرکی تھی جس پر مغرب کی طرف سے ایک لمبی قطار میں چالیس پچاس بیل گاڑیاں آرہی وقت دور مشرق کی کوہستانی چوٹیوں کے پیچھے سے نمودار ہوا جنید جنگل سے نکل کر اس جنید کے لبوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں روشنی اور چہرے پر سکون کے رنگ باہر آچکا تھا۔

کاتے ہیں اقدیر لکڑی پھر بڑے شہروں کو جاتی ہے۔

تم ایسا کرو ہمارے ساتھ جنگل میں چلو۔ شام کو لکڑیاں کاٹ کر اپنے آپ کو موت کے اندھے کنوئیں میں گرنے پر تیار کر لے۔ اپنا فیصلہ بدل لو۔ فارغ ہوں گے تو تمہیں اپنے ساتھ اپنی بستیوں کی طرف لے جائیں گے۔ تم مکھیا کے پاس جانا وہ تمہاری مدد کر دے گا اور تم دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے اور اس اجنبی کی موت کا باعث بھی بنو گے یہاں اکا دکا بیل گاڑی سفر نہیں کر سکتی۔ ورنہ ہم تمہیں کہیں پہنچا ہی دیتے۔ کیونکہ جانتے ہو کوئی بھی اکا دکا بیل گاڑی سلامتی کے ساتھ جنگل کے اس پہلو سے نہیں گزر سکتی۔

ہر گاڑی میں دس جوان ہیں۔ اتنی گاڑیوں اور اتنے لوگوں کو دیکھ کر درندے ہلکے ہو جاتے ہیں۔ تم مجھے واپس لے کر چلتے ہو۔ تو سنو! میں زخمی ضرور ہوں لیکن اس سے میری توانائی تو نزدیک نہیں آتے اور ہم آرام سے اپنا کام کر کے شام کو اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ جنید نے کہا۔ "میں زخمی ہوں، میں اس حالت میں کیونکر تمہارا ساتھ دے سکوں گا؟"

ایک جوان اس ہجوم سے نکلا اور جنید سے کہا۔ "کیا آپ زیادہ زخمی ہیں؟" جنید نے اپنا لباس اُدپر کر کے اس کو اپنی پنڈلی کا زخم دکھایا جس پر بندہ

بڑی ساری خون آلود ہو رہی تھی۔ اس جوان نے بڑی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام لیراج ہے۔ میں تمہاری خاطر اپنی آج کی دھاڑی ضائع کر رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اپنی بستی کی طرف لے جاتا ہوں۔ وہاں تم جتنے دن چاہو میسر ہو جائیں گے۔ ہندوؤں کی ادبجی ذات کی بستیوں سے تمہارے لیے میں کھانے کی اشیاء بھی لا دیا کروں گا۔ جب تمہارے زخم ٹھیک ہو جائیں تو تم اپنی منزل چلے جانا۔ اس سارے کام کا کوئی آپ سے میں صلہ بھی نہ لوں گا۔"

ایک اور جوان نے لیراج کو اپنی حیرنگا ہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "لیراج! کیا تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تو خوب جانتا ہے۔ آج تک جو بھی بیل گاڑی ادھر سے گزرا ہے کبھی سلامت گھر نہیں پہنچا۔ جنگلی درندوں نے اس پر حملہ کر کے اس کے بیلوں سمیت چبا ڈالا۔ پھر تم اس اجنبی کے لیے اس قدر بڑا خطرہ کیوں لے رہے ہو۔ یہ شخص مجھے اپنے علیے سے مسلمان لگتا ہے۔ جب یہ ہماری ذات پر حملہ کرے گا تو پھر اس کا خون ہماری زمین سے بہے گا۔"

لیراج نے کہا۔ "میرے پاس لگی ہے کیا پانی نہیں ملے گا۔ میرے ہاتھ زخمی ہیں پانی تھا لیکن یہ رات کا ختم ہو چکا ہے۔ لیراج نے کہا۔ "فرار نہ کرو۔ کچھ دیر آگے ایک باؤلی ہے۔ میں اس میں سے لے رہے ہو۔ یہ شخص مجھے اپنے علیے سے مسلمان لگتا ہے۔ جب یہ ہماری ذات پر حملہ کرے گا تو پھر اس کا خون ہماری زمین سے بہے گا۔"

جنید نے کہا۔ ”کیا تم اپنے پاس بیل گاڑی میں کھانے پینے کا سامان نہیں
صبح سے شام تک جنگل میں کام کرتے ہوئے کیسے بھوکے پیاسے گزارہ کرتے
لیراج نے کہا۔ ”میرے پاس گھر کی گائے کی لسی اور کھانا تو ہے لیکن
ہم شہر میں اور آپ مسلمان، ہمارے ہاں کی چیزیں تو ہندوؤں کی تینوں بڑی
کھائیں تو آپ کیسے اور کیونکر کھالیں گے۔“

جنید نے کہا۔ ”میں مسلمان ہوں، میرا نام جنید ہے۔ ہمارا مذہب لو
فات پات کی تقسیم کے سخت خلاف ہے۔ اچھا انسان وہی ہے جو نیک اور
ہو۔ ہمارا مذہب شرف آدمیت اور انسانیت کی توقیر کا درس دیتا ہے۔ سب
کی اولاد ہیں۔ آدمؑ مٹی سے بنا تھا۔ سب خدا کی مخلوق ہیں اور خدا سے پرند
اس کے بھیجے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں۔ یہ لوگ قابل احترام
پانے والے ہوتے ہیں۔ تم لوگ شہر و دیہات میں پیدا ہوئے۔ تم ہماری طرح باعزت اور
ادب کو گھٹیا سمجھنا خود اپنی ذات گھٹیا ہونے کا اعلان ہے۔“

لیراج نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا آپ ہمارے
کھالیں گے اور ہمارے مٹی کے ٹکڑوں کا پانی پی لیں گے۔“
جنید نے کہا۔ ”تم لاؤ تو سہی مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔“

بیلوں کی باگیں چھوڑ کر لیراج اٹھا اور بیل گاڑی کے چھت دار حصے
پینے کی اشیاء نکال لیا۔ جنید نے دیکھا لیراج اس کے لیے سرنج جگیر میں رکھا
لگی اور تنور کی کچی دو روٹیاں اٹھالیا تھا۔ ساتھ میں سرنج مٹی کی رکابی میں سرسول
کا ساگ اور سرنج مٹی ہی کی ٹھلیا میں گاڑھی لسی تھی۔

جنید نے پہلے لسی پی چھوڑ کر مزے لے لے کر ساگ کے ساتھ باج
روٹی کھانے لگا تھا۔ بیلوں کو ہانکتے ہوئے لیراج نے مڑ کر دیکھا اور بڑے شوق
پوچھا۔ ”یہ ہمارے ہاں کی روٹی، ساگ اور لسی کیسے لگے۔“

جنید نے تیز تیز کھاتے ہوئے کہا۔ ”اس سرزمین میں ہا۔ اس لذت کھانا

پہلی بار کھا رہا ہوں۔“
لیراج نے اپنی مونچھوں کو اونچا کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ میری بہن کشتانے پکایا ہے۔
وہ بہت اچھا کھانا تیار کرتی ہے۔“

جنید نے پوچھا۔ ”تم گھر کے کتنے افراد ہو۔“
لیراج نے کہا۔ ”بس کل تین، ایک میں آپ کے سامنے، دوسری میری چھوٹی بہن
کشتا اور تیسرا میرا باپ، اس کا نام دھرم دھت ہے۔“

جنید نے دونوں روٹیاں کھالیں۔ ساگ اور لسی بھی اس نے ختم کر دی اور خالی
برتن اٹھا کر اس نے گاڑی کے چھت دار حصے میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”لو لیراج! تم آج
بھٹی کرو۔ تمہارا آج کا کھانا تو میں نے کھالیا۔“

لیراج نے کہا۔ ”میں خوش قسمت ہوں کہ آپ نے میرے گھر کا کھانا کھانا۔ ورنہ
ہمارے اونچی فات کے ہندو ہم شہر و دیہات کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے بھگوان نے
میں ان کے پاؤں کی میل سے تخلیق کیا ہو اور ان لوگوں کو آکاش کی۔“

لیراج کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور لڑنے کا پٹنے لگا۔ جنید نے پوچھا۔ ”تم
خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ اور یہ اچانک تمہاری حالت کیوں بدلنے لگی ہے؟“

لیراج نے لکپپاتی آواز میں کہا۔ ”وہی خطرہ سامنے آ گیا ہے جس کا میرے ساتھیوں
نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ شاید ہم دونوں کا اور میرے بیلوں کی زندگی کا یہ آخری دن ہے۔“

جنید نے پریشانی میں پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔ تم اس قدر فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔“
لیراج نے ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ادھر جنگل کی طرف دیکھیں۔“

جنید نے جب مڑ کر دیکھا تو دو جوان چیتے گھات لگائے اور وہ بے پاؤں چلتے ان
کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید وہ بیلوں اور انسان کی ٹوپا کر جنگل سے نکل آئے تھے۔ یا
وہ بیل گاڑیوں کے کاروان دیکھ کر باہر نکلے ہوں اور تب سے وہیں کھڑے ہوں۔ کچھ بھی
ہوا دونوں جوان چیتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جنید نے تسلی کے انداز میں کہا۔ ”لیراج! لیراج! تم دل نہ چھوڑنا، ہمت

نہ ہارنا۔ میں تمہاری تمہارے بیلوں کی ان چیتوں سے حفاظت کروں گا۔ ویکھو! جیتے جوتے جو شاید نہ مادہ ہیں ابھی گھات لگا کر آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے ہاں ہر گر گیا۔

تھوڑی دیر تک وہ ہماری طرف دوڑ پڑیں گے۔ تم دونوں بیلوں کی ڈوریاں مضبوط پکڑ کر رکھو تاکہ چیتوں کو دیکھ کر یہ بے قابو اور بے راہ نہ ہو جائیں۔ اس طرح گاڑی کے اندر چلتے ہوئے اس لیے کہ بوا کے اندر گھومتے لیراج کے کھلاڑے نے اسے شش و پنج میں لٹ جانے کا خطرہ ہے اور ایسی صورت میں ہم ان چیتوں سے اپنا دفاع نہ کر سکیں گے۔ اچھا! ابھی اس کا دھیان بیلوں کے بجائے کھلاڑا گھماتے لیراج کی طرف ہو گیا تھا۔ تم بیلوں کی ڈوریاں پکڑ کر اور اپنا کھلاڑا سنبھال کر کھڑے ہو جاؤ۔ پر فکر مند نہ ہونا۔ یہ جلدی مڑا اور زور سے چلاتے ہوئے اس نے کہا۔ "لیراج! لیراج! میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔"

سنو! جیتے یا تو گاڑی کی پچھلی سمت سے چڑھ کر ہم دونوں پر حملہ آور ہوں گے یا وہ سامنے کی طرف سے بیلوں پر ڈوٹ پڑیں گے۔ میں دونوں طرف سے بے گنجیتے ہوئے اس نے گاڑی روک دی۔ تاہم وہ سوچوں میں ڈوب گیا تھا کہ دیکھوں رہوں گا۔ لیراج! تمہیں کچھ نہ کرنا ہوگا۔ بس تم معمول کے مطابق اپنے بیلوں کو اپنے بیدار کیا کرتا ہے۔ تمہاری طرف کوئی بھی۔

جنید خاموش ہو گیا کیوں کہ دونوں چیتے اب اپنی پوری رفتار سے ان کی طرف ہی پتارہ گیا ہے۔ اب اس سے نمٹنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ جنید کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال تھا۔ وہ دونوں خونخوار چیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو گیا تھا۔ لیراج کا رنگ خوف ہو گیا۔ شاید اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر چیتے نے جنید پر قابو پایا تو اس کا بیچ کر اپنے اور دہشت کے مارے پھلا ہو گیا تھا جب کہ بیل دونوں چیتوں کو اپنی طرف بھاگتے دیکھ کر ہنپنا ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔ نیچے کودنے کے بعد جنید گاڑی کے پیٹے کے ساتھ کر رہی اور بے چینی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

دونوں چیتوں نے بھی خوب عیاری سے کام لیا۔ نہ گاڑی کے سامنے چیتا اس کے سامنے بڑے خونخوار انداز اور انتہائی برہمی کے عالم میں دائیں بائیں میں بیلوں کی طرف آیا جب کہ مادہ گاڑی کے اوپر چڑھ کر جنید اور لیراج پر حملہ آور ایک خط تقسیم پر چکر لگانے لگا تھا۔ وہ اپنے منہ سے غصے اور غمیض سے بھرپور ہونے کے لیے گاڑی کی پچھلی سمت آئی۔ جنید نے چلا کر کہا۔

"لیراج! لیراج! اچھا کھلاڑا ہوا میں گھانا شروع کر دوں تاکہ چیتا سامنے طرف سے اوپر نہ آئے پچھلی سمت سے آنے والے چیتے سے میں نمٹ لیتا ہوں۔ جنید گاڑی کے پچھلے حصے میں اکھڑا ہوا تھا۔ جوہنی مادہ ایک لمبی زندقہ ساتھ گاڑی میں آئی جنید نے اس کے سامنے اپنی ڈھال کر کے اس پر اپنی تلوار برسانے لگا۔

کے لیے وہ پھر جگر کاٹنے اور ٹکے ٹکے غرانے لگا تھا۔ چند ہی ماہوں بعد چیتے نے اس کے اوپر زبردستی لگا دی۔ جنید نے پہلے کی طرح پھر اس کے منہ پر پوری قوت سے مارتے ہوئے اسے دُور کر دیا۔ اپنی دوسری ناکامی پر چیتا ٹپٹا کر اداستہائی سے غرا کر رہ گیا تھا۔

چیتا جب پھر کھڑا ہو کر ایک جنوں اور دیوانگی کے عالم میں پہلے کی طرح لگا تو جنید گاڑی کے پیچھے کی ٹیک چھوڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ چیتے نے بے باکی سے جنید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے جگر لگانے بند کر دیئے اور منہ جگہ کھڑا ہو گیا۔ جنید جب ذرا اس کے نزدیک گیا تو چیتا اس پر جھپٹ پڑا تو منہ کھول کر وہ آگے بڑھا اور جنید کو بچہ مارا۔ جنید نے اس کا بچہ اپنی ڈھال پر لے لیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی ڈھال پر تلوار مار کر چیتے کا بچہ کاٹ دیا۔ چیتا درو کی شدت تکلیف کے کرب کی وجہ سے بُری طرح دھاڑا۔ اب وہ لنگر لے لگا تھا۔ جنید نے اب اسے دم نہ لینے دیا اور آگے بڑھ کر اس نے تار تار سے چیتے کے منہ پر سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔

ایک پتھر کٹ جانے کے باعث چیتا جوابی حملے کے قابل نہ رہا تھا۔ نہ ڈھال سا ہو کر وہ زمین پر گر گیا۔ جنید نے آگے بڑھ کر اس پر اپنی تلوار گرائی اور کی گردن کاٹ دی۔

گاڑی کے اندر کھڑے لیراج کے چہرے پر خوشی اور سکون بکھر گئے تھے اس نے اپنی بلند آواز میں نعرہ مارا جو شاید اس کی طرف سے خوشی اور فتح کا لہر لیراج خوشی سے بے قابو ہو کر گاڑی سے نیچے کودا اور بھاگ کر اس جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہمارا جی بھگوان کی آپ انسان نہیں آپ ایک ناقابلِ تسخیر اتار ہیں۔ آپ نے جس طرح ان دونوں چیتوں پر بے مصلحت مندی سے قابو پایا ہے یہ کسی عام انسان کا کام نہیں ہے۔ بھگوان کی جس شخص کے آپ ساتھی ہوں وہ رات کی تاریکی میں بھی درندوں سے اپنے

اس جنگل سے بے عذاب گزار سکتا ہے۔ لاش آپ کسی راج کے راج کمار، کسی لشکر کے سینا پتی ہوتے۔ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور اجنبی و پرہیزی کی طرح کس طرف چلے جائیں گے لیکن میں آپ کی شجاعت، آپ کی بہادری اور آپ کی جرات کو پر نام (سلام) کرتا ہوں۔ پھر لیراج نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہمارا جی! کیا میں ان دونوں چیتوں کو گاڑی میں ڈال کر اپنے ساتھ نہ لے جاؤں۔ میں ان کی چڑی اتار کر آپ کی شجاعت اور رفاقت کی نشانی جان کر اپنے گھر میں رکھوں گا۔"

جنید نے کہا۔ "لیراج! لیراج! تم میرے دوست، میرے بھائی ہو۔ مجھے ہمارا جی کہہ کر مخاطب نہ کرو۔ میرا نام جنید ہے اور مجھے میرے نام ہی سے مخاطب کرو۔ لیراج نے ایک بار پھر جنید سے پوچھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ جیسے بھائی پر ہمیشہ فخر محسوس کروں گا۔"

جنید نے کہا۔ "اُداس چیتے کی لاش بھی اٹھا کر گاڑی میں رکھیں اور یہاں سے کوچ کر چلیں۔"

دونوں نے مل کر چیتے کو اٹھایا اور گاڑی میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی وہ خود بھی گاڑی میں سوار ہو گئے اور دونوں تیلوں کو ہانک کر وہ مغرب کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ جس شاہراہ پر وہ جا رہے تھے اب وہ شمال مغرب کا رخ کر کے لمحہ بے لمحہ جنگل سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ جنید نے غور سے لیراج کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر شوق اور تجو میں پوچھا۔ "تمہارے ہاں شودر ذات کو کیوں کمترین اور نیچ سمجھا جاتا ہے؟"

لیراج نے دھک سے کہا۔ "یہ ہندو برادری کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ بڑی ذات کے ہندو تو ہمیں اپنے مندر میں دیویوں کے چرن چھونے یا دیوتاؤں کے مندر میں پوجا پاٹ کی اجازت تو ایک طرف وہ ہمیں اپنے مندروں کا رخ بھی نہیں کرنے دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ تو پیار کی بجائے مالالے کر پیدا ہوتے ہیں جب کہ ہم

شوروں کے نصیب شمشان کی آگ جیسے ہیں۔ جانے اس دلیں کے باسیلوں،
تفریق و تقسیم کی چٹائیں کب تک جلتی رہیں گی اور اس دھرتی کے اندھے راز موت کے بس کی آرزو، گلیوں میں بدبو کے دھبے، ٹٹھماتے دیے اور مرد کی صورت
ہماری حالت کب تک پر دیسی لٹیروں اور دیے کے آنسوؤں جیسی رہے گی۔ اپنے پر محبوب ہیں لیکن یہ برہمن لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جب گتھی تاریک گچھاؤں کی طرح
نے تو پورب، پچھم، اتر، دکن پر سب کا حق یکساں رکھا ہے۔ اونچی ذات کے لڑکے سرد جھونکے آتے ہیں تو موت کی وادیوں میں وہ سب کو ایک جیسے عمل سے ہانک
کی نس نس سے ہمارے لیے نفرت و کماہت کا سند لین پھوٹتا ہے۔ وہ اپنے

سوراج اور امر جانتے ہیں جب کہ ہمیں دیوتاؤں کا سراپا جانتے ہیں۔ وہ مذہب
بھجنوں، گیتوں، اشوکوں اور منتروں پر بہار کوئی حق تسلیم نہیں کرتے۔
بڑی ذات کے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس دھرتی پر پہلا انسان پرش
بجلی کے بجالے کی طرح تیز اور روشن تھا۔ جب دیوتاؤں نے قربانی کے لیے اس کی

بھینٹ چڑھائی تو پرش کی چربی سے ہندت، اس کی گرمی سے ایندھن، اس کی
کے عمل سے خزاں پیدا ہوئی۔ برہمن اس پرش کے منہ سے، کھشتری دونوں بازو
سے۔ دونوں رانوں سے ویش اور ہم شوروں کے دونوں پاؤں اور ان کی میاں
پیدا ہوئے۔ پھر بڑی ذات کے ہندو کہتے ہیں اسی پرش کے دماغ سے چاند، آگ،

سورج، منہ سے زندہ اور گنتی، سانس سے دایو، ناک سے ہوا، سر سے آگ
اس کے دونوں پیروں سے یہ دھرتی بنی۔

برہمن کہتے ہیں ابتداء میں نہ است (عدم) تھا نہ ہست (وجود) پانی
پانی تھا جو اتھا گھیر اور گہرا تھا۔ اس وقت نہ موت تھی نہ امر (ابدیت) تاریکی
تاریکی پوشیدہ تھی۔ کائنات میں پانی ہی پانی تھا۔ خواہش ذہن کا پہلا بیج ہے۔
جو موجود ہو کر خلا میں ڈھکا ہوا تھا۔ خواہش کی تیش کی طاقت کے باعث نمودار

یہ مجذوب دماغوں کے غضب ناک گروہ جیسے برہمن کہتے ہیں جسم نہیں آتما امرت
آتما ایک جسم سے دوسرے جسم میں اپنا جیون بدلتی رہتی ہے۔ اس کو روانہ
اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ خواہشوں کے جال سے آزاد ہو جاتی ہے۔
اس کو وہ آواگون کہتے ہیں۔

یہ دیں برہمنوں، کھشتریوں اور ویشیوں کے لیے ہے۔ اس ویش میں ہم شوروں
تفریق و تقسیم کے بس کی آرزو، گلیوں میں بدبو کے دھبے، ٹٹھماتے دیے اور مرد کی صورت
ہماری حالت کب تک پر دیسی لٹیروں اور دیے کے آنسوؤں جیسی رہے گی۔ اپنے پر محبوب ہیں لیکن یہ برہمن لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جب گتھی تاریک گچھاؤں کی طرح
نے تو پورب، پچھم، اتر، دکن پر سب کا حق یکساں رکھا ہے۔ اونچی ذات کے لڑکے سرد جھونکے آتے ہیں تو موت کی وادیوں میں وہ سب کو ایک جیسے عمل سے ہانک
کی نس نس سے ہمارے لیے نفرت و کماہت کا سند لین پھوٹتا ہے۔ وہ اپنے

سوراج اور امر جانتے ہیں جب کہ ہمیں دیوتاؤں کا سراپا جانتے ہیں۔ وہ مذہب
بھجنوں، گیتوں، اشوکوں اور منتروں پر بہار کوئی حق تسلیم نہیں کرتے۔
بڑی ذات کے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس دھرتی پر پہلا انسان پرش
بجلی کے بجالے کی طرح تیز اور روشن تھا۔ جب دیوتاؤں نے قربانی کے لیے اس کی

بھینٹ چڑھائی تو پرش کی چربی سے ہندت، اس کی گرمی سے ایندھن، اس کی
کے عمل سے خزاں پیدا ہوئی۔ برہمن اس پرش کے منہ سے، کھشتری دونوں بازو
سے۔ دونوں رانوں سے ویش اور ہم شوروں کے دونوں پاؤں اور ان کی میاں
پیدا ہوئے۔ پھر بڑی ذات کے ہندو کہتے ہیں اسی پرش کے دماغ سے چاند، آگ،

سورج، منہ سے زندہ اور گنتی، سانس سے دایو، ناک سے ہوا، سر سے آگ
اس کے دونوں پیروں سے یہ دھرتی بنی۔

سفر جاری رہا یہاں تک کہ سامنے ایک دریا آگیا جس کا گہنی جیسا پانی تھا لیراج حیران ہو کر رہ گیا۔ جنید نے دیکھا دریا کے کنارے اس پار کنارے کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں کھدے دوں چلتے میرے روبرو اس جوان نے تنہا مارے ہیں۔ لوگ بھٹی بھٹی لگا ہوں اور دور تک بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیراج جب اپنی بیل گاڑی کو دریا کے پل پر پہنچا تو اس نے جنید سے کہا۔

یہ پل گوالیار کے راجہ کبریا جیت کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے اس جگہ لکڑی کا کھڑا تھا۔ یہ مضبوط پل کوئی دس برس پہلے بنا تھا۔ اس پل کے دونوں طرف مغرب و دروازے ہیں جو رات کے وقت بند کر دیئے جاتے ہیں تاکہ جنگل سے نکل کر کوئی درندہ اس کے وقت ان بستیوں میں داخل نہ ہو۔ اس دریا میں پانی اس قدر گہرا اور تیز بہتا ہے کہ اسے پار کر کے بستیوں کی طرف آنے کی ہمت نہیں کرتے۔ اس پل کے اس پار ایک کھلا اور وسیع میدان ہے۔ گوالیار کا راجہ کبریا جیت جب جنگلی جانوروں کا شکار کرنے آتا ہے تو اسی میدان کے اندر اپنا پڑاؤ کرتا ہے اور یہیں سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر وہ درندوں کے شکار کو نکلتے ہیں۔ یہ راجہ ہمارا راجہ لیراج اس جنگل میں درندوں کا شکار شوقیہ اور تفریح کے طور پر کرتے ہیں۔ راجہ کبریا جیت ہر ماہ دو ماہ بعد اس پل کے اس پار آ کر اپنے خیموں کے ڈیرے ڈالتا ہے اور کئی روز تک یہاں رک کر شکار کرتا ہے۔

لیراج اور جنید نے پہلے دونوں چیتوں کی لاشیں اٹھا کر نیچے رکھ دیں اور اپنے ہی طرف اپنے ایک آدمی سے اس نے چاروں کو بلانے کے لیے کہا تاکہ چیتوں کی لاشیں اٹھا کر لے جائیں۔ لوگ اب آہستہ آہستہ واپس جانے لگے تھے۔ لیراج جب بیل کے اپنے بیلوں کو علیحدہ کرنے لگا تو اس کے باپ دھرم دھت نے کہا۔

لیراج نے کہا کہ میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔ لیراج نے کہا کہ میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔ لیراج نے کہا کہ میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔

لیراج نے کہا کہ میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔ لیراج نے کہا کہ میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔

راپنے آپ کا خاتمہ کر لے گی۔

دھرم دھت نے پیار سے کہا۔ "تو اے میرے بیٹے! کیا تم برداشت کر لو گے کہ تمہاری بہن راند کی جود کے بھلے اس کی داشتہ بن کر رہ جائے۔"

لیراج نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میرے چیتے جی کوئی اسے اپنی داشتہ کیوں کر بنا سکتا ہے۔ میں اس کا بھائی ہوں۔ میں ہر اس ہاتھ سے ٹکراؤں گا جو میری بہن کی طرف بڑھتا ہے۔ تم یہیں مہمان کے پاس رہو باپو! میں راند کے ہاں جاتا ہوں اور اپنی بہن کو لے کر آتا ہوں۔ آج میں ان بد معاشوں سے فیصلہ کر کے رہوں گا۔ یا تو ان کے ہاتھوں مارا جاؤں گا، یا اپنی بہن کو سلامت لے کر آؤں گا۔"

دھرم دھت نے کہا۔ "نہیں بیٹے! ان سے جھگڑا نہیں کرنا۔ تم رکوبیں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور ایک بار پھر ان کی منت کر کے کشتا کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔" لیراج نے سخت غصیلی آواز میں کہا۔ "تم یہیں رہو باپو! میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم ساتھ گئے تو تم مجھے ان کے ساتھ کھل کر بات نہ کرنے دو گے۔" لیراج جب غصے میں باہر نکلنے لگا تو خبیہ نے دروازے کی اوٹ سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"مٹھو لیراج! پہلے میری بات سنو! میں نے تمہاری اور تمہارے باپ کے درمیان پوری گفتگو سن لی ہے۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ راند اور اس کے بھائی تمہاری بہن کشتا کو کیوں اٹھا کر لے گئے ہیں۔ کیا تمہاری ان سے کوئی دشمنی ہے یا کوئی اور گھریلو رقابت ہے۔"

لیراج نے کہا۔ "ہماری ان سے کوئی دشمنی اور عداوت نہیں ہے۔ یہ ہماری اپنی برصغری ہے کہ میری بہن کشتا بہت خوب صورت اور حسین ہے۔ راند اسے پسند کرتا ہے۔ اس نے کئی بار ہم سے کشتا کا رشتہ مانگا لیکن ہم نے اس پر انکار کر دیا کہ کشتا اسے ناپسند ہی نہیں اس سے شدید نفرت کرتی ہے۔ راند نے ہمیں دھمکی دی تھی کہ اگر کشتا کی اس سے شادی نہ کی گئی تو وہ کشتا کو اٹھا کر لے جائے گا اور آج وہ باپ اپنے بھائیوں کے ساتھ آیا اور کشتا کو اٹھا لے گیا۔"

خبیہ نے پوچھا۔ "راند کے اور کتنے بھائی ہیں۔"

"لیراج نے خبیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ایک کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "بابا کچھ پریشان ہیں، نہ جلنے انہیں کیا ہوا ہے۔ آپ ذرا بیٹھیں میں ان کی بات پہلے وہ کبھی ایسے پریشان اور غمغمو نہ ہوئے تھے۔ آج خبر نہیں انہیں کیا ہوا۔" لیراج باز نکلا اور باپ سے پوچھا۔ "کشتا کہاں ہے وہ کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔" نے اپنی چھوٹی بہن سے متعلق پوچھا تھا۔ خبیہ مسہری سے اٹھ کر دروازے کی اوٹ پر چلا گیا اور ان کی گفتگو سننے لگا۔

دھرم دھت نے کہا۔ "میں کشتا سے متعلق ہی تو تم سے بات کرنے والا ہوں۔ سن! تیرے یہاں سے جانے کے بعد تیری بہن کشتا کو راند اور اس نے بھائی کو لے گئے ہیں۔ میں نے ان سے ڈھیر سماجرت کی لیکن بے رحم نکلے اور کشتا کو لے جانے اپنے گھر بٹھا لیا ہے۔ میں پنچایت کے لوگوں کو ان کے ہاں لے کر گیا تھا لیکن نے پنچوں کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ پنج خود ان بد معاشوں ڈرتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا اگر کسی کی ہمت ہے تو کشتا کو شام سے پہلے پہلے اگر جائے ورنہ کشتا کا بیاہ راند سے کر دیا جائے گا۔"

انہوں نے یہ بھی کہا تھا اگر کشتا نے اس بیاہ سے انکار کیا تو ان کے گھر کی حیثیت راند کی ایک داشتہ کی سی ہو کر رہ جائے گی۔ میری مانو تو تم خود ان کے اور ان کی منت سماجرت کر کے اپنی بہن کو اپنے ساتھ لے آؤ اور اگر وہ کشتا کو واپس تو پھر ہم شام سے پہلے پہلے ہی کشتا کو راند سے بیاہ دیں گے تاکہ وہ کم از کم ان کے ایک داشتہ کی زندگی بسر کرنے سے توبہ سکے۔ آہ میں کیسا مجبور ہوں کہ دکھ غم اور تکلیف اپنی بیٹی کی میں کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا۔ کاش یہ دن دیکھنے سے پہلے میرے دہت جاتے یا میرا سر یہ ہی تباہ ہو گیا ہوتا۔"

لیراج نے انتہائی غصے، بیزاری اور نفرت میں کہا۔ "ہرگز نہیں، میری کشتا کی شادی راند سے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ راند سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اگر آپ نے اس کی شادی راند سے کرنے کی کوشش کی تو وہ گلا خور جائے گی۔"

لیراج نے کہا۔ ”وہ کل پانچ بھائی ہیں۔“

جنید نے کہا۔ ”کیا وہ ایسے ہی متہ زور ہیں کہ وہ پنچوں کی بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے یہ تمہاری پوری سستی ہی ان پانچوں کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔“

لیراج نے کہا۔ ”آپ کا کہنا کسی حد تک درست ہی ہے۔ ایک توفہ پاچوں بھائی ہیں ہی طاقتور، پانچوں پہلوان نما اور بڑے زور آور ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بستی کے مکھیا کے بھانجے ہیں۔ بستی کا مکھیا خود ان کی حرکتوں سے بیزار ہے لیکن ان کے خلاف کچھ کر نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وہ خود ان سے ڈرتا ہے۔ بستی کے تقریباً سبھی لوگ ان سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اس بستی میں تین بھائی لکڑہارے تھے۔ ان کے ان باب مرچکے تھے۔ ران تینوں لکڑہاروں کی ان پانچوں بھائیوں سے کسی امر پر تکرار ہو گئی اور انہوں نے ان تینوں لکڑہاروں کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ لکڑہارے بھی بڑے طاقتور اور جوان تھے۔ پر یہ بد معاش ان پر غالب آئے۔ جب سے انہوں نے ان تینوں لکڑہاروں کو قتل کر لیا ہے تب ہی سے پوری بستی ان سے خوفزدہ اور متنفر ہے۔ پر کوئی ان کے خلاف آواز بلند نہیں کرتا۔“

جنید نے کہا۔ ”چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ دیکھتے ہیں وہ کیسے اور کیوں کہ کشتا کو واپس نہیں کرتے۔“

لیراج نے بڑی مثنویت سے کہا۔ ”نہیں، نہیں۔ آپ زخمی ہیں اور پھر پہلے ہی ان دو چیتوں سے مجھے بچا کر کیا آپ کے مجھ پر کم آسمان ہیں جو میں اس کام میں بھی آپ کو شریک کر دوں۔ آپ ہمیں رہیں باپو آپ کے پاس بیٹھتے ہیں میں اکیلا کشتا کو لینے جاتا ہوں۔ اگر لوٹ کر نہ آ سکا تو سمجھ لینا لیراج اپنی بہن کی عزت اور لاج کی خاطر موت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔“

جنید نے لیراج کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تم ایسی باتیں کر کے وقت ضائع کر رہے ہو۔ چلو میرے ساتھ اور مجھے ان کے گھر کی رہنمائی کرو۔ کشتا

مرد اپنے گھر میں واپس آئے گی۔ لیراج چپ چاپ جنید کے ساتھ ہو لیا۔ ایک پنختہ اینٹوں کی بنی ہوئی حویلی کے سامنے آتے ہوئے لیراج نے کہا۔ ”ان پانچوں بھائیوں کی حویلی ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”تم رک کیوں گئے ہو۔ اندر داخل ہو۔ فکر مند نہ ہو کہ ہم سچائی پر ہیں۔“ جنید کی رہنمائی کرتا ہوا لیراج حویلی میں داخل ہوا۔ سامنے حویلی کے پرکڑے میں پانچ بٹے کئے جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی جنید نے پوچھا۔ ”ان میں رانندوں ہے اداپنے بھائیوں میں اس کی کیا حیثیت ہے۔“

لیراج نے کہا۔ ”جو سب سے بائیں طرف ہے وہی رانندہ ہے اور اداپنے بھائیوں میں سب سے بڑا ہے۔“

لیراج کو دیکھتے ہی رانندہ نے پوچھا۔ ”تم اپنی بہن کو لینے آئے ہو یا مجھ سے بیاتے۔“ لیراج نے کہا۔ ”میں اپنی بہن کو لینے آیا ہوں۔“

رانندہ نے پوچھا۔ ”کیا تو نے میرے علاوہ اس کے لیے کسی اور تہی کا انتخاب کر لیا ہے“ لیراج نے کہا۔ ”ہاں میں اسے تم سے نہ لیا ہوں گا۔“ رانندہ نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم اس جوان کو اپنی بہن کے برے کی حیثیت سے ساتھ لاؤ گے؟“

لیراج نے کہا۔ ”ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔“

رانندہ ہانگھتے ہو کر کھڑا ہوا اور دھڑاتی آواز میں اس نے کہا۔ ”تم دونوں لے دو دفع ہو جاؤ۔ ورنہ اس گھر سے تم دونوں کی لاشیں اٹھیں گی۔ کشتا کو اب اس سے کوئی نہیں لے سکتا۔ جاؤ چلے جاؤ، اسی میں تم دونوں کی بہتری ہے۔“

لیراج اپنے ہاتھ میں اپنے کھاناڑے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے کچھ کہنے والا کمرے سے پہلے ہی جنید کے رانندہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے کشتا کو کہاں بارکھایا ہے۔ اسے باہر نکالو پھر دیکھو میں اسے کس طرح اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوں۔“ رانندہ بائیں طرف ایک کمرے کی طرف بڑھا اور اس کے دروازے کی زنجیر کھولتے

کشتا نے ایک بار غور سے جنید کی طرف دیکھا اور علیحدہ ہو کر آہستہ آہستہ وہ چوہلی کے پردہ دروازے کی طرف لپکی۔ جنید نے کہا۔ "لیراج تم بھی چلو بہن کے ساتھ، میں ان سے نمٹ کر آتا ہوں۔"

لیراج نے اپنا کھانا اٹھاتے ہوئے کہا۔ "خواہ آپ تلوار مار کر میری گردن ہی کیوں نہ کاٹ دیں۔ میں یہاں آپ کو اکیلا چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا۔ یہ آپ کو میری بہن کا چچا اور برہمچکے ہیں۔ پھر کیونکر میں آپ سے پہلے موت کو گلے نہ لگا لوں گا۔"

جنید نے کہا۔ "ہم تینوں میں کوئی کیوں موت کو گلے لگائے۔ ان پانچوں نے اگر ہماری راہ روکنے کی کوشش کی تو موت خود ان کے گلے کا ہار بن جائے گی۔" پھر جنید نے لیراج کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "آؤ باہر چلیں۔"

جنید جب لیراج کے ساتھ جانے کے لیے مڑا راند نے اپنی تلوار پیچھی اور جنید کی طرف بڑھا۔ اس کے بھائیوں نے بھی اٹھ کر اپنی تلواریں نکال لی تھیں۔ جنید راند کی طرف یوں مڑا جیسے قدرت کے تخریبی عناصر نوح انسانی کو دھواں دھواں اور دھائے عالم کے ذرہ ذرہ کو لہو لہو کرنے پہلے ہوں۔

جنید راند پر قیامت کی آندھی اور طوفان و تلاطم کی طرح حملہ آور ہوا۔ راند نے ان کے وار روکنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اور جنید کی تلوار راند کو اس کے کندھے سے چیرتی ہوئی پیٹ تک چلی گئی تھی۔ راند کے منہ سے ایک بھیانک اور خوفناک چیخ نکلی پھر اس کا جسم بے جان ہوتا ہوا بے بسی کی حالت میں زمین پر گر گیا۔ اس کے جسم سے گارٹھا سرخ خون نکل کر زمین کو رنگین کرنے لگا تھا۔

کشتا صدر دروازے کے پاس جا کر رگ گئی تھی۔ جنید لیراج کے ساتھ پھر مڑ کر بلانے لگا تو راند کے ایک بھائی نے کسی خوشخوار مر کھنے میل کی طرح رانہ پھٹے ہوئے بھیانک آواز میں جنید سے کہا۔

"ہمارے بھائی کو قتل کرنے کے بعد اب تم کہاں جاتے ہو؟ یہاں سے بھاگنا اب آسان نہ ہوگا۔ تم کیا سمجھتے ہو، راند کا خاتمہ کر کے تم اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہو۔ تم

ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا۔ کشتا باہر آ جاؤ۔ تمہارے بھائی لیراج نے تمہارے پر تمہارا پتی چن لیا ہے اور وہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں۔"

کمرے سے کشتا نکلی۔ وہ گیتوں کے دھنک جاو، نکھری صبح، الفاظ کی خوشبو، نور کے کوندے اور مسرت کی قوس قزح جیسی خوب صورت تھی۔ اس کا حسن جیسے کائنات چاہتوں کی بدلیاں، کونپلوں کے تن میں گھلا امرت، قطرہ قطرہ شبنمی خواب، جیسے جگمگاتے ستاروں کا مسکن۔ وہ کمرے سے یوں باہر آئی تھی جیسے ضیاء نور کی کوئی گڑیا۔ یا یوں کی کوئی امیر پری قوس قزح کے رنگوں کا چھڑکاؤ کرتی نمودار ہوئی ہو۔ اس کی نشیلا جھل جھل آنکھوں میں مسرتوں کی بشا ریتیں اور بے آواز تمناؤں کا فسون پنہاں تھا۔ اس کی چال کی نفسمی آہ گویا فرات کے تاریک غامدوں میں پڑائی داستانوں اور قدیم اساطیر کا جاوہر گہرا ہو۔ اس کے بدن کی حشر سامانی رگ رگ میں سن سن اور روم روم میں زندگی کا شہد بڑکا رہی تھی۔

کمرے سے نکل کر چند قدم شبنمی آنچ کی طرح دھیمے دھیمے اور آہستہ آہستہ چلی پھر وہ تیز بھاگی اور باہر پھیلا کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کی باہوں کے پھیلاؤ میں بھی رنگوں کا ایک سیلاب تھا۔

راند نے اس بار جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی! میں نے تمہیں کشتا دکھا دی ہے، اب اگر تم میں ہمت ہے تو اسے لے جاسکتے ہو۔"

جنید نے کہا۔ "اے خبیث رعوں کے گمشتے! میں اسے لے جا رہا ہوں۔ تم پانچوں میں اگر ہمت ہے تو روک کر دکھاؤ۔"

راند نے جنگلی میل کی طرح رانہ پھٹے ہوئے کہا۔ "ذرا کشتا کے ساتھ یہاں سے باہر نکل کر دکھاؤ۔"

جنید نے پہلی بار کشتا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کشتا! تم اپنے بھائی علیحدہ ہو کر اور بے فکر ہو کر چوہلی سے نکلو اور اپنے گھر جاؤ، لیراج! تم بھی کشتا کو لے کر چلو، میں ان سے نمٹ لیتا ہوں۔"

تینوں کی بدبختی تو اب ہم شروع کریں گے۔ اب بھی ہم کہتے ہیں کہ کشتا کو کوئی بھی
سے نہیں لے جاسکتا۔ اب یہ ہم چاروں میں سے کسی کی بیوی بنے گی۔

جنید نے اپنی خول آلود تلوار ان کی طرف لہراتے ہوئے کہا۔ ”تم چاروں ذر
میری طرف آگے تو بڑھو پھر دیکھو تمہاری یہ بے معنی بحث و فکرا، بے دانش و علم
کی باتیں، لالچنی منطق کے جھگڑے اور تمہارا لاحاصل و بے کار تکلم میں کیسے دیر
کنی دھول اور تم چاروں کے سینے کا غبار بنا کر اٹا تا ہوں۔ میری طرف آؤ، میں تم
کے سینے کا غبار بنا کر اٹا تا ہوں۔“ میری طرف آؤ، میں تم چاروں کو ایک ساتھ
کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہارا ہر فقرہ خالی اور تمہارا ہر جذبہ جھپٹ
تمہارا سارا تعصب تمہارا سارا غضب میرے یقین اور میری سچائی کے سامنے بچ
آئے گا۔

میری طرف آؤ کہ میں اپنی تلوار اور ڈھال سے تم پر نندہ یوں کی خواہش
کی پھانس اور حوادث کا طوفان طاری کروں۔ میں جانتا ہوں تم لوگ ننگ و ناموس
ہو ساسی لیے تمہارا اخلاقی زوال قدیم کھنڈرات جیسا اور تمہارے خصائل کا انحطاط ایک
منحوس اور فرسودہ علامت ہے۔ شاید تمہارے گھر میں تمہاری کوئی ماں کوئی بہن اگر
ہو تو تم کسی اور کی بیٹی کسی اور کی بہن کو یوں اٹھا کر اپنے ہاں نہ لے آتے۔“

راند کے بھائی نے کہا۔ ”ہم ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں۔ دیکھو
پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اپنا آپ بچا سکتے ہو تو بچا دکھاؤ۔“

جنید کو مخاطب کرنے والا آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کے تینوں
اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آئے۔ جنید نے لیراج سے کہا۔ ”لیراج! ہم وہاں کشتا
جاکر کھڑے ہو جاؤ۔ پھر دیکھو میں ان کی کیا درگت بناتا ہوں۔“

لیراج نے کہا۔ ”میں آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں گا۔ ورنہ یہ چارے خوار
آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔“

جنید نے کہا۔ ”تمہارے پاس نہ تلوار ہے اور نہ ڈھال، تم پیچھے ہٹ جاؤ۔“

لیراج نے کہا۔ ”میرے پاس میرا کلہاڑا تو ہے۔ یہ لکڑیاں کاٹ سکتا ہے تو ان
بے ماشوں کو دکاٹے گا۔ رہی ڈھال تو ان چاروں کے پاس بھی تو کوئی ڈھال نہیں ہے۔
جنید خاموش ہو گیا کیونکہ وہ چاروں اب کندھے سے کندھا ملا کر حملہ آور ہونے
کے لیے قریب آگئے تھے۔ جنید زخمی ہونے کے باوجود ماضی کے کسی سائے اور بن کے
بھوت کی طرح حرکت میں آیا اور آگے بڑھتے ہوئے اس نے ان کے دائیں جانب حملہ
کر دیا۔ قبل اس کے وہ سب دائیں طرف سمٹتے، جنید نے سب سے دائیں طرف والے کی
تلوار اپنی ڈھال پر روکنے کے بعد اس کی ٹانگیں اپنی تلوار سے کاٹ دیں۔ وہ انتہائی کرب
کی حالت میں چیخ مارتا ہوا گر گیا۔

خوئی کے اس ماحول میں ایک وحشت ناک، ایک تنگی اور بے رحم حادثہ کی خونی
دھنوں لکیریں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

جنید اب فکر کے کندھے اور جذبول کے بھڑکاؤ کی صورت ان تینوں پر حملہ آور
ہو گیا تھا۔ اس کے بھراؤ میں حملوں کی ایک نئی تشکیل، اس کی آنکھوں میں طوفانوں کا جھجکا
اور اس کے انداز میں حوادث کے بے رحم نقوش تھے۔ وہ ایسے خوفناک انداز میں حملہ آور
ہوا تھا جیسے کوئی بارودی سرنگ اچانک ہی پھٹ پڑی ہو۔

اپنے تیز حملوں سے اس نے ان تینوں پر خوف و تشکیک اور ایک بے نام اذیت
طاری کر کے رکھ دی تھی۔ ان کی تلواروں کو اپنی ڈھال پر روکتا اور ان پر جیز اور جان لیوا
حملے کرتا ہوا جنید ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے ہر حملے میں ایک تنظیم ایک سبھاؤ تھا۔ گتھا تھا وہ ذات کی ساری زنجیروں
توڑ کر اور مرگ کے سارے دائروں کو اپنی گرفت میں لے کر ہر شے کو اس کے سرے کا۔
دنیا جنید کی تلوار ان میں سے ایک کی گردن پر گری اور اسے کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

اپنا پتیرا بدلنے کے لیے جنید ذرا پیچھے ہٹا۔ راند کے زندہ بچنے والے دونوں
بھائیوں کے سینے میں اب غموں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ان کی حالت اس تشکستہ جیسی
تھی جو سطح دریا کے اہل میں لرزاں ہو کر رہ گئی ہو۔ ان کی نظروں میں بے بسی کا اعلان اور

ذہن دھواں دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔

جنید نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے دیکھا تمہارے ان تینوں بھائیوں کی شیطنت کا کیا انجام ہوا۔ سنو! تم دونوں بھی اب بیک بھر کے مہمان ہو۔ اب تم صرف دو ہو، اب جب میں تم پر حملہ آور ہوں گا تو تمہاری خون چسپیدہ زبانیں سوا جائیں گی اور تمہارے بدن کی ہر ہڈی ٹوٹ جائے گی۔“

جنید پھر آگے بڑھا اور ان پر حملہ آور ہو کر وہ ان کے بدن پر حملہ آوروں کے نقش قدم کرنے لگا تھا۔ ان دو کو اب وہ بُری طرح اپنے تیز اور جان لیوا حملوں سے اپنے آگے آگے چکر دینے لگا تھا۔

اپنے گھر کے علاوت بخش سکون میں ہی ان دونوں کے چہرے آندھی میں بھج جاتے والے چراغ جیسے ہو رہے تھے۔ اپنے مولناک حملوں سے ان کی ہرمت، اُن کی ہر جانب بننے والے دام اور شرارے پچھا کر رکھ دیتے تھے۔

ان دونوں کے چہروں پر تھکن کے آثار اب نمایاں ہو کر دکھائی دینے لگے تھے جب کہ جنید ابھی ویسا ہی تازہ دم تھا جیسے کوئی نئے اور انوکھے جذبوں کی لہر دل کا گلا سے نکل کر طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔

لیراج چاہتا تھا کہ اس کام میں وہ بھی جنید کی مدد کرے۔ لہذا وہ آہستہ آہستہ ان دونوں کی پشت پر گیا تاکہ پیچھے سے ان پر حملہ آور ہو لیکن اسی لمحے جنید نے ان میں سے ایک پر زنجیریں تک کاٹ دینے والی ایسی ضرب گراں لگائی کہ اس کا جسم دھوڑوں میں گھٹ گیا۔ آخری نچنے والا اپنی جان بچانے کی خاطر دائیں طرف مڑا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جنید نے اس کا پیچھا کیا۔ جب وہ ایک کمرے میں داخل ہو کر اس کا دروازہ بند لگا تو جنید نے اپنی تلوار بلند کر کے اس پر گرائی اور اس کی زندگی کا دیا بھی اس نے بچھا دیا اس جوئی کا صحن ان کے اپنے ہی خون سے رنگین ہو گیا تھا اور بستی کا کوئی بھی فرد ان کی کونہ آیا تھا۔

جنید اب اس کے پاس آیا جس کی سب سے پہلے اس نے ٹانگیں کاٹی تھیں!

نے دیکھا۔ وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ جنید نے اس کے کپڑوں سے اپنی تلوار صاف کر کے نیام نیام کی اور لیراج سے کہا۔ چلو اب چلیں۔ یہ کہتے تھے کشتا کو یہاں سے کوئی لے جانیں نہیں سکتا۔ لیراج! میں نے کہا تھا ناکشتا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کیا میں نے اپنا کام سچ نہیں کر دکھایا۔“

لیراج نے آگے بڑھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ بھگوان کی قسم مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کسی شہر طلسمات اور چاند کی بستی کے باسی ہوں اور اس دھرتی سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ایسا جوان دیکھا ہے جو اپنے دشمن کو بڑبڑکا کر کے طوفان میں اُٹا دے۔

حصین کشتا جس کے چہرے پر تھوڑی دیر قبل تک پھیکا مجروح کن حزن اور یکلون پر آشوب لرزاں تھے وہاں اب اس کے چہرے پر نعمات کا رس اور معصوم آنکھوں میں ہر تون کی قوس قزح کے رنگ ناچ رہے تھے۔ وہ فطرۃً شبنم میں لہرائی سرخ کیردوں اور حصین قوسوں کے دل نشین زاویوں کی طرح اور زیادہ پرکشش اور سحر انگیز ہو گئی تھی۔

وہ دروازے کے پاس کھڑی جنید کی اس کامیابی پر یوں مسکرا رہی تھی۔ جیسے نرم ہوا کے خوش کن جھونکوں میں ٹہنی ٹہنی پھول اور پات پات کلی لہرائی مسکاتی ہے۔ پھر وہ کونوں کرائی ہوئی برسات میں کوندتی برقی کی طرح آہستہ آہستہ جنید اور لیراج کی طرف بڑھی۔ وہ اس حصین انداز میں چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی، گویا پھول مہک کر، کوئی گیت گھنک کر، کوئی لہو کوئی سوپ، کوئی زمر، کوئی جہل بہک کر اور جھنکار کی کوئی آہنگ اور آوازوں کا کلی نقش حصین کونوں کے آنچل پر لہرایا گیا ہو۔

قرب آ کر کشتا نے اپنی مدد بھری آنکھوں میں شبنمی آنچ لیے جنید کی طرف دیکھا پھر غلط فہم ہوئی شام اور ساحل کی منجمل ریت جیسے نرم سہلنے انداز میں اس نے جنید سے کہا۔ ”اے مہربان اجنبی جان! آپ نے کیا خوب ان کے تعصب کے اندھیروں کو روشنی کی لہری آبشاروں سے کاٹا۔ ان کی قمرتوں کو صدیوں کے بعد میں بدل دیا۔ اپنے آپ کو کمرش اور ناقابلِ تسخیر بننے لگے تھے۔ کیا خوب آپ نے ان کی ہستیاں کے سارے مکبر کو

ان ہی کی علمت کے تابوت میں بند کر دیا ہے۔ میں جیون بھر آپ کی احسانمند ہو گی کہ آپ نے نہ صرف میری آبرو کی حفاظت کی بلکہ میرے بھائی کی جان بھی بچائی۔ میرے بھائی لیراج اکیلے مجھے لینے آتے تو یہ دردندے اب تک ان کا خاتمہ کر دیتے۔ کشتا جنید کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ جنید کے محسوس کیا کہ اس کے سرخ ہاتھ کے کورے برتن جیسے پنڈے سے جنم جنم کی پائیں بجھاتی ایک خوشبودار اس کی سانسوں گلوں کی مہک اٹھ رہی تھی۔ چند ثانیوں تک کشتا خاموش رہی اور اپنے پورے اہرام ایشیا اور محویت سے جنید کو دیکھتی رہی پھر اس نے پیار کی مٹی کی تڑپ بکھیتی آواز میں کہا۔ ”آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں۔ ہمارے باپو آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“ بھگوان کی سونگہ آپ نے وہ کام کیا ہے جو ہماری بستی کا مکھیا اور بیچ نہ کر سکے۔“

لیراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کشتا! میری بہن! ان کا نام جنید ہے۔ یہ ہوا گھر سے ہو کر اور باپو سے مل کر آئے ہیں۔“ پھر وہیں کھڑے کھڑے لیراج نے جنید کی پادستان اور راستے میں چپتوں سے اس کی جان بچانے کی ساری تفصیل سنا ڈالی۔ جب لیراج خاموش ہوا تو کشتا نے فکر مندی اور پریشانی میں پوچھا۔

”کیا آپ زخمی ہیں اور ابھی تک کسی نے آپ کے زخم کی مرہم پٹی نہیں کی بھلا پناہ، اگر آپ نے زخمی ہوتے ہوئے ان پانچوں کو اس قدر آسانی سے ختم کر دیا ہے! اگر آپ اچھے ہوتے پھر تو ان جیسے دس بھی آپ کے سامنے بھیج تھے۔ کیا میں آپ کاڑ دیکھ سکتی ہوں۔“

لیراج نے نیچے جھک کر جنید کی پنڈلی سے اس کا لباس ہٹایا تو کشتا نے دیکھا کہ پنڈلی پر پٹی بندھی تھی اور وہ ساری خون سے رنگین تھی اور خشک ہو چکی تھی۔

کشتا نے اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں فوراً گھر چلنا چاہیے اور ان کے زخم کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ پنڈلی کے اس زخم کی وجہ سے انہیں زیادہ چلنا پھرنہ بھی نہیں چاہیے۔“

لیراج نے جنید سے کہا۔ ”جنید! میرے بھائی! چلو گھر چلیں، باپو ہمارے متعلق سخت فکر مند ہو رہے ہوں گے۔“

راند کے مکان سے باہر بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے لیکن وہ اندر نہ آ رہے تھے۔ جنید، لیراج اور کشتا جب باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا ساری گلی مرد عورتوں سے بھری تھی اور لوگ راند اس کے بھائیوں کے قتل پر چرمیوں کر رہے تھے۔

جنید نے وہاں جمع سب مرد عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”سنو لوگو! میرا ہم جنید ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ راند اور اس کے بھائیوں نے کشتا کو اس کے گھر سے اٹھا کر جرم کیا تھا اور اس جرم میں ان پانچوں کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ اگر ان کا کوئی رشتہ دار مجھ سے انتقام لینا چاہے تو وہ گواہ کے راجہ بکرما جیت کے پاس آ جائے میں دہاں ملوں گا۔“

لیراج نے تعجب سے پوچھا۔ ”آپ راجہ بکرما جیت کے جانتے والے ہیں۔“ جنید نے کہا۔ ”ہاں۔“

لیراج فخر سے جنید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لوگ انہی چرمیوں میں راند اس کے بھائیوں کے قتل پر اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ جنید، لیراج اور کشتا لوگوں کے درمیان سے نکل کر گھر کی طرف جا رہے تھے۔

جنید، لیراج اور کشتا جب گھر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا بوڑھا دھرم دت اپنے گھر کے صحن میں ادھر ادھر بے میننی سے ٹہل رہا تھا۔ آسمان پر بادل اور جھک آئے تھے اور گرج چمک ہونے لگی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی کشتا بھاگی اور رات دن کے بیقرار گرداب کی طرح اپنے باپ سے لپٹ گئی تھی۔ دھرم دھت نے پیار اور شفقت سے کشتا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کیا راند اس کے بھائیوں کو ہماری حالت پر رحم آگیا جو انہوں نے مجھے تیرے بھائی اور جنید کے ساتھ بھیج دیا ہے۔“

کشتا نے دھرم دھت سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”باپو! وہ مجھے کیا آنے

ہوئے ہیں۔ ان میں نیک اور خالق کے ہاں برگزیدہ وہی ہے جو ان راستوں کی پیروی کرتا ہے۔ جو سارے جہانوں کا رب بندوں کے لیے اپنے رسولوں اور نبیوں کے ذریعے متعین کرتا ہے۔ آپ مجھے بتا کہ کہہ کر پکاریں مجھے خوشی ہوگی۔

دھرم دھت نے خوشی اور سکون سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا بیٹے! اگر اس میں تیری خوشی ہے تو میں تمہیں بتا کہ کہہ کر ہی پکارتا ہوں۔ کشتا اور لیراج جو دونوں قریب ہی کھڑے تھے جنید اور دھرم دھت کی اس گفتگو پر کھل کر مسکرا رہے تھے۔

لیراج نے مسکراتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔ "باپ! آپ کی باتیں تو بوجھ ہیں۔ جنید بھائی زخمی ہیں۔ زخم ان کی ٹانگ پر ہے۔ میں نے ابھی کھول کر دیکھا نہیں۔"

دھرم دھت نے چونک کر کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی جنید کو اندر کمرے میں بٹھاؤ میں مرہم اور پٹی لاتا ہوں۔ جلدی کرو کشتا تم ایک کٹورے میں زخم دھونے کے لیے پانی بھی رکھ دو۔"

کشتا جاگتی ہوئی دائیں طرف کٹڑی کی اس گھڑونجی کی طرف چلی گئی جس پر پانی سے بھرے کپے مٹی کے برتن گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ پانی کا کٹورہ لے کر کشتا جب کمرے میں داخل ہوئی تو جنید مسہری پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دوسری مسہری پر لیراج بیٹھا جنید کی پٹلی کے زخم پر بندھی پٹی کھول رہا تھا۔

پانی کا کٹورہ کشتا نے فرش پر رکھ لیا اور لیراج کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنے میں دھرم دھت اندر داخل ہوا اس کے پاس پٹیاں اور کٹڑی کا پیالہ تھا جس میں مرہم تھی دھرم دھت نے نیچے فرش پر ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیراج! تم چھوڑ دو! میں خود پٹی کھول کر دیکھتا ہوں اور مرہم لگا کر پٹی بدلتا ہوں۔"

دھرم دھت نے زخم پر بندھی ٹول آلود پٹی اتار دی۔ اپنی پٹیوں کے اندر رکھی اس نے رونی نکالی اور اسے پانی میں ڈبو ڈبو کر پیدے زخم خوب صاف کیا پھر اس نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "پیدے تم نے کسی سے اچھی مرہم پٹی کرائی ہے۔ زخم خراب نہیں ہونے پایا اور پھر یہ اتنا کراہی نہیں۔ دو چار روز تک بالکل ٹھیک ہو جائیگا۔"

دیتے۔ پھر کشتا نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آج یہ نہ پہنچے باپو تو ابھی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھ سکتے۔ میں نے رات آنے پر ان کے ہاتھوں بے اکروہ کے بجائے اپنے آپ کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر کیلک پانچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بھیا ان کی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

باپو! آج اگر یہ نہ ہوتے تو ہمارا گھر برباد اور ویران ہو جانا۔ بھیا نے مجھ سے لینے کیلئے ضرور جانا تھا اور انہوں نے بھیا کو ضرور نقصان پہنچا کر چھوڑنا تھا۔ یہ مہمان ہمارے گھر میں خوش قدم ہیں کہ انہوں نے ہم دونوں بہن بھائی کی جان بچا دھرم دھت چند ثانیوں تک گہرے ممنونانہ جذبات میں جنید کو دیکھتا رہا پھر وہ آگے بڑھا اور ایک دم اس نے جنید کے پاؤں پر گر پڑے ہوئے کہا۔ "آپ ہیں اوتار ہیں۔" جنید نے ایک دم جھک کر دھرم دھت کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کو میرے پاؤں بڑے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کوئی اتنا بڑا معرکہ آپ کے لیے تو سر نہیں کیا جس کے لیے آپ یوں میرے پاؤں پکڑیں؟"

دھرم دھت نے احتراماً جنید کے دونوں ہاتھوں کو پوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہمارا راج! اس گھر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا معرکہ ہو سکتا ہے جو آپ ہماری خاطر انجام دیا ہے۔ ہم تینوں ساری عمر آپ کی خدمت کرتے رہیں تو بھی اس کا حق ادا نہ کر سکیں۔"

جنید نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "آپ مجھے ہمارا راج نہ کہیں۔ لیراج مجھے بھائی کہتا ہے۔ آپ مجھے بتا کہہ کر پکاریں۔ میرے لیے یہ رشتہ فخر کا باعث ہوگا۔" دھرم دھت نے کہا۔ "کہاں آپ کہاں ہم شودرجن کو پاؤں کی میل اند گلیوں کی گندگی سے بھی کمتر سمجھا جاتا ہے۔" جنید نے کہا۔ "یہ آپ کا دم ہے۔ سب انسان ایک سے اور مٹی سے ہیں۔"

اپنے اصل حالات سناتا ہوں۔

اس کے بعد جنید نے مالوہ میں مدینی کے ہاتھوں اپنے باپ کی جاگیر چھپنے، اپنے باپ، چچا اور نصرت کے قتل، باہر کے لشکر میں شامل ہونے، لاہور سے گوالیار واپس مالوہ میں مدینی راجہ اور رام دیو کے قتل اور پھر تعاقب کرنے والوں سے بچنے کی خاطر جنگل میں داخل ہونے، شیروں کے ہاتھوں اپنے گھوڑے کے مارے جانے اور جنگل میں رات کے وقت اپنے آپ پر پتھروں کے حملہ کرنے کی ساری کتھا اور کافی تفصیل اور حقیقت کے ساتھ سنا دی تھی۔

جنید جب خاموش ہوا تو لیراج نے کہا۔ ”آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہم پر اعتبار کر کے اپنے اصل حالات ہم سے کہے۔“

جنید نے کہا۔ ”لیراج! میرا جلدی لوشا بہت ضروری ہے۔ میرا بھائی تیمور بڑی بے چینی سے میرا منتظر ہوگا۔ اگر وہ مجھے تلاش کرتا ہوا گھر چلا گیا اور میری ماں کو میری گمشدگی کی خبر ہوگئی تو اس پر قیامت بیت جانے کی اس لیے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ میں جنگ میں مارا جاؤں تو وہ صبر کر سکتی ہے لیکن میری گمشدگی اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔“

لیراج اپنی جگہ پر سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں پھر جاتا ہوں، جلدی ہی لوٹ آؤں گا۔ میں چاروں سے بھی بات کر آؤں گا اور آپ کے لیے کوئی گھوڑا بھی دیکھ لوں گا۔“ لیراج باہر نکل گیا۔ دھرم دھت اور کشتاویں جنید کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تھے۔ ایک دم جنید کو کوئی خیال گزرا اور لیراج کے پیچھے بھاگا۔ وہ ابھی بیرونی دروازے سے باہر نکلا ہی تھا۔ جنید نے اسے پکارا۔ ”لیراج! گھوڑا زین اور اپنے ساز سمیت ہو۔“

لیراج نے کہا۔ ”آپ بے فکر رہیں ایسا ہی ہوگا۔“ جنید پھر دھرم دھت اور کشتاویں کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا۔

کافی دیر تک جنید اور دھرم دھت آپس میں باتیں کرتے رہے کشتا بھی ان

جنید نے کہا۔ ”زخم پریر پٹی میں نے جنگل سے اندر خود ہی باندھی تھی۔ میں پاس مرہم پٹی کا پودا سامان رکھتا ہوں اور یہ مرہم میں خود ہی بنا تا ہوں۔“ سنو مجھے میرا نام لے بتایا تھا۔ ان کا نام شیرم طغانی ہے اور کبھی وہ ایک عمدہ حنیل ہوتا کرتے تھے۔ دھرم دھت نے زخم میں مرہم بھر کر پٹی باندھ دی تھی۔

فرش سے اٹھ کر جنید کے ساتھ مسہری پر بیٹھتے ہوئے دھرم دھت نے بار بار کہا۔ ”بیٹے! تمہارے اور جنید کے جانے کے بعد چار آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کھالیں چینی ہوں تو ہمیں دے دیں۔ ہم ان کا معقول معاوضہ دیں گے۔“

لیراج نے کہا۔ ”باپو! جیتنے کی کھال بڑی مہنگی بکتی ہے۔ وہ یہ کھالیں کسی کھیا کے پاس جا کر بیچیں گے اور بڑی رقم کمائیں گے۔“

دھرم دھت نے کہا۔ ”جو کچھ وہ دیتے ہیں لے لو، پچاروں سے وہ بھی لوگ ہیں ان سے اپنی روزی کمالیں گے۔“

لیراج نے کہا ٹھیک ہے باپو! میں تھوڑی دیر تک ان کے پاس جاؤں گا اور جو کچھ وہ اپنی خوشی سے دیں گے وہ لے کر کھالیں انہیں دے دوں گا۔“

جنید نے کہا۔ ”جب تم باہر جاؤ تو میرا بھی ایک کام کرنا۔ یہاں تمہاری بیٹی سے اچھا گھوڑا مل جائے تو مجھے بتاؤ میں اسے خرید لوں گا۔ اگر یہ کام آج ہی ہو جائے تو بہت کیوں کہ میں کل یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں۔“

دھرم دھت نے کہا۔ ”کیا تم واقعی کل یہاں سے کوچ کر جاؤ گے بیٹا؟ دن رکو گے نہیں۔“

جنید نے کہا۔ ”میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ پھر بھی یہاں آؤں گا۔ میں کو بھولوں گا نہیں۔ میں زیادہ دن یہاں قیام نہیں کر سکتا۔ میں یہاں سے سیدھا گالیا جاؤں گا۔ وہاں مجھے شاید راجہ بکرماجیت کے ہاں بھی کچھ روز رہنا پڑے۔“

سنو لیراج! جب تم مجھے اپنے دیگر لکڑہاروں کے ساتھ جنگل سے باہر لے کر اپنے حالات تم لوگوں کو سناتے ہوئے میں کچھ حقائق کو نظر انداز کر گیا تھا۔ اب میں

کے پاس بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی کیوں کہ سورج غروب ہونے والا تھا اور وہ کھانا تیار کرنے لگی تھی۔

سورج غروب ہونے تھوڑی دیر پہلے لیراج لوٹا اور جنید سے کہا: "میرا آپ کے لیے چار بہترین گھوڑے پسند کیے ہیں۔ ان میں سے آپ جو چاہیں سارے لے سکتے ہیں۔ راند کے مکان سے باہر جمع ہونے والے لوگوں سے آپ نے جو یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان کا کوئی انتقام لینے والا ہو تو اسے راجہ بکرماجیت کے پاس بھیج دیں اگر کالوگوں پر خاطر نہ اترے۔ وہ آپ کا احترام اور عزت کرنے لگے ہیں۔ میں نے جس سے بھی بات کی وہ آپ مفت گھوٹا دینے پر رضامند ہو گیا۔ میں نے ان میں سے چار گھوڑوں کو پسند کیا۔ ان کے مالک اپنے گھوڑوں کو لے کر میرے ساتھ ہی آگئے ہیں اور باہر گلی میں کھڑے ہیں۔ چاروں گھوڑے اپنے ساز سمیت ہیں آپ اٹھ کر گھوڑے دیکھ لیں اور جو پسند آئے لے لیں۔"

جنید اور دھرم دھت لیراج کے ساتھ اٹھ کر باہر گلی میں آئے۔ چار عمدہ نسل کے توانا گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے مالکوں نے ان کی بالیں پر رکھی تھیں۔ جنید نے گھوڑے دیکھنے لگا۔ ایک بار وہ ان کے آگے سے اور ایک بار ان کے پیچھے سے گزرا۔ پھر وہ ان کی زین ہٹا کر ان کی پیٹھ دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک بے قد اور سرخ رنگ کے گھوڑے کی طرف اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ گھوڑا ٹھیک ہے۔ باقی گھوڑے تم لے جا سکتے ہو۔ تینوں مالک اپنے گھوڑوں کو لے کر چلے گئے۔ جنید نے جس گھوڑے کو پسند کیا تھا اس کے مالک سے پوچھا: "کیا لوگے اس کا؟" اس نے کہا: "آپ راجہ بکرماجیت کے آدمی ہیں۔ ہم آپ کی پر جاویں گے۔ اسے کچھ نہ لڑی گا۔ یہ گھوڑا میں آپ کو تحفہ پیش کرتا ہوں۔"

جنید نے سختی سے کہا: "دیکھو! میں مول چکلے اور قیمت دیے بغیر گھوڑا نہ لوں گا۔ میں مفت کیوں لوں۔ تم اس کے مالک ہو۔ تم نے اس کی خدمت کے پاس بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی کیوں کہ سورج غروب ہونے والا تھا اور وہ کھانا تیار کرنے لگی تھی۔"

جنید نے سختی سے کہا: "دیکھو! میں مول چکلے اور قیمت دیے بغیر گھوڑا نہ لوں گا۔ میں مفت کیوں لوں۔ تم اس کے مالک ہو۔ تم نے اس کی خدمت کے پاس بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی کیوں کہ سورج غروب ہونے والا تھا اور وہ کھانا تیار کرنے لگی تھی۔"

تم اس کا مول حاصل کرنے کے حقدار ہو۔"

جنید کو خفا دیکھ کر گھوڑے کا مالک نے کہا: "میں اس کا مول کیا لگاؤں گا۔ آپ جو دیں گے لے لوں گا۔"

جنید اندر گیا اور کمرے میں رکھی اپنے گھوڑے کی چرمی خرچین کے اندر سے اس نے نقدی کی تھیلی نکالی۔ اس میں سے اس نے کچھ سنہری سکہ لیے اور باہر آیا۔ وہ اپنے جنید نے گھوڑے کے مالک کو دیتے ہوئے کہا: "میں نے گھوڑے کو دیکھ کر اس کی قیمت لگائی ہے۔ اس کے باوجود اگر تم یہ محسوس کرو کہ یہ قیمت کم ہے تو کہو میں تمہیں اور دے دوں گا۔"

گھوڑے کے مالک نے کہا: "مجھ کو ان کی قسم آپ نے گھوڑے کے مول سے مجھے زیادہ رقم دے دی ہے۔"

جنید نے کہا: "تو پھر کھلو۔ میں نے اتنی رقم اپنی خوشی سے تمہیں دی۔ تم نے اس گھوڑے کی خوب خدمت کی ہے۔ تم اس کے حقدار ہو۔"

سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ گھوڑے کا مالک چلا گیا۔ لیراج نے گھوڑے کو اندر لے کر اس جگہ باندھ دیا جہاں ان کی گائے بندھی ہوئی تھی اور اس کی زین اتار کر اسے دانہ چارہ ڈال دیا تھا۔

کشتا کھانا تیار کرتی رہی۔ جنید، دھرم دھت اور لیراج پھر کمرے میں بیٹھ کر اس میں باتیں کرنے لگے تھے۔ باہر اب ہلکی ہلکی بوند باندی شروع ہو گئی تھی۔ پھر کشتا کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ کھجور کے پتوں سے بنی لال اور سبز رنگ کی جنگیر میں اس نے انواع و اقسام کے کھانے جمائے ہوئے تھے۔

کھانے کی جنگیر اس نے مسہری پر رکھ دی پھر ایک چادر فرش بچھانے کے بعد جنگیر اس پر رکھ دی۔ دوبارہ وہ باہر گئی اور لال مٹی کی کوری تھلیا میں پانی لے آئی۔ ساتھ ہی سرخ مٹی کے خوب پکے ہوئے خوب صورت پیلے بھی تھے۔

دھرم دھت نے اٹھتے ہوئے جنید سے کہا: "چلو بیٹا! کھانا کھائیں۔ جنید اور

لیرا ج اُٹھ کر دھرم دھت کے ساتھ فرش پر بچھی ہوئی چادر پر بیٹھ گئے جب کہ
پر بیٹھ گئی تھی۔

جنید نے کشتا کو مخاطب کر کے کہا: ”کیا تم کھانا نہیں کھاتی ہو؟“
جنید کے اس سوال پر کشتا یوں ہنس دی جیسے ستاروں کا دامن توڑوں۔
”کیا ہو۔ ساتھ ہی اس نے کہا۔“ کیا میں انسان نہیں جو کھانا نہیں کھاتی؟“
جنید نے کہا۔ ”تو پھر ہمارے ساتھ آ کر کھاؤ۔“
دھرم دھت نے بھی کہا۔ ”آ جاؤ بیٹی! کشتا ابھی اور ان کے ساتھ
بیٹھ کر کھانے لگی۔ باہر بارش اب تیز ہو گئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھ
اس دوران کشتا نے اسی کمرے میں سب کے لیے بستر لگا دیے۔ بارش کے
سردی بڑھ گئی تھی لہذا وہ اپنے اپنے بستر میں گھس گئے تھے۔
رات کے پچھلے حصے میں کہیں بارش تھم گئی تھی۔ لیرا ج صبح سویرے
منہ ہی جنید کو گھمانے دریا کی طرف لے گیا۔ وہیں ان دونوں نے ہاتھ منہ دھو لیا۔
جنید اس کے ساتھ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا۔ دھرم دھت گائے کا دودھ دھو رہا تھا
گائے کے تھنوں سے نکلتی ہوئی دودھ کی شیریں دھاریں مٹی کی ٹھلیا میں پڑ رہی تھیں
جو دھرم دھت نے اپنے دونوں گھٹنوں کے اندر دبا رکھی تھی۔ قریب ہی حسین کن
جھکی گرم تنور کی کوکھ سے روٹیاں نکال کر اور انہیں کپڑے سے جھاڑ جھاڑ کر چنگیز
رکھتی جا رہی تھی جب کہ گائے کی چھوٹی سی اور پیاری سی بچھیا گائے کے قریب ہی بندھ
تھی اور دودھ پینے کی خاطر وہ بار بار اپنا منہ گائے کی طرف بڑھا رہی تھی۔
جنید لیرا ج کے ساتھ چھپر میں گیا اور اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا تھا۔
کھانے کے بعد جنید نے اپنا گھوڑا نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں اب کوچ کو
ہوں۔ میں آپ لوگوں ممنون ہوں کہ آپ لوگوں نے میری اس قدر خدمت کی۔“
دھرم دھت، لیرا ج اور کشتا جنید کی اس رخصتی پر اداس ہو گئے تھے۔
دھت نے کہا۔ ”ہم نے تمہاری کون سی خدمت کی ہے بیٹے! بلکہ تم ہمیں اپنا کھانا



کے بعد اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور داروغہ احمدیہ سفت ان کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جا رہا تھا۔ آؤ ہم دونوں بھی ان کے پاس چلتے ہیں۔
کرن کے ساتھ کنپل چپ چاپ باہر آئی۔ ان دونوں نے دیکھا۔ راجہ بکر جیت مالویہ کنپل کی ماں شکل ابھی تک اصطبل کے قریب ہی کھڑے جنید سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کرن کا باپ سیو داس ایک طرف سے آیا اور جنید سے مصافحہ کرنے لگا۔

کنپل اور کرن جب ذرا قریب گئیں تو کنپل کی ماں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا: تم دونوں دور دورہ کر شرما کیوں رہی ہو! آج او جنید آیا ہے اس سے ملو۔

کنپل اور کرن دونوں آگے بڑھیں اور قریب جا کر انہوں نے جنید کو دلکش انداز میں پرنام کیا۔ شکل نے جنید سے کہا۔ جب سے تم یہاں سے مالوہ کی طرف گئے ہو تمہاری غیر موجودگی میں کنپل ہر وقت تمہاری بہادری، شجاعت اور شرافت کی تعریف کرتی رہی ہے۔

کنپل کچھ شرمائی لیکن جلد ہی وہ اپنے آپ پر قابو پا گئی۔ جنید کے آنے پر اس کی حالت اس گہرائی جیسی تھی جس سے چاہت کی لہریں اٹھتی ہوں۔ وہ اس ساحل کی لہجہ بوری ہی تھی جس کی نرم گودی میں آن گنت لہروں کے نغمے اواز مزمزے نہاں ہوں۔ جنید کے آنے پر اس کی ساری کھوٹی ہوئی ساعتیں، بکھرے خواب، اور ادھوڑے لمحے سمیٹ کر پیار کی آڑ کی طرح ایک تنوع، ایک تازگی، ایک جدت طرازی اور ہلکی ترنگ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

جنید کے آنے پر وہ ساری احساساتی، جبلی، منطقی، عقلی، وجدانی اور ایمانی سرحدیں پھلانگ کر اپنے من کے اندر ہی اندر سمندر کے کنارے پھیل جانے والی لہروں کی طرح تازہ اٹھتی تھی۔ جنید کے آنے پر اس کی آرزوں کا صنم خانہ تروشن ہو گیا اور وہ اس نے ایک نگاہ بھر کر جنید کی طرف دیکھا۔ اس کے کپڑوں پر سفر کا

سرمایہ گہری ہوتی شام سردی کی طویل رات سے گلے ملنے والی تھی۔ گھروں میں بھگملاتے تیل کے چراغ۔ چربی کی موم بتیاں اور کافور شمعیں روشنی شروع ہو گئی تھیں۔

کرن بھاگتی ہوئی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی پچھلتی ساڑھی میں اس نے کہا۔ کنپل! کنپل! تمہارے وہ آگئے۔

کنپل فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کسی قدر خوشی ملے جذبات میں اس نے پوچھا۔ کون آگئے؟

کرن نے کہا۔ میرے ساتھ اتنی بنا نہ کرو۔ سب کچھ جانتے ہوئے انجان بن جاتی ہو، جنید بھائی آگئے ہیں۔

کنپل نے بھاگ کر کرن کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔ کہاں ہیں وہ؟

کرن نے کہا۔ وہ ابھی ابھی محل میں داخل ہوئے ہیں۔ جس وقت میں اپنے کمرے سے نکل کر انہیں دیکھا۔ اس وقت تمہارے پتا، مالویہ اور تمہاری ماں کے قریب کھڑے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ جب کہ تمہارا بڑا بھائی کیدار ان سے

گردوغبار تھا۔ اتنے میں سیو داس نے پوچھا۔ "جنید! یہ تمہارے پاس دوسرا کیا تم نے اپنا گھوڑا بیچ کر بیٹے لیا ہے؟"

جنید نے کہا۔ "نہیں میرا گھوڑا مارا گیا ہے۔"

راجہ بکرماجیت نے فکر مندی سے پوچھا۔ "کیسے؟"

جنید کچھ کہنے والا تھا تھا کہ رانی شنگل نے بولتے ہوئے کہا۔ "پہلے آرام کرو دیوان خانے میں بیٹھیں پھر جنید سے کچھ پوچھیں۔ یہیں اصطبل کے پاس ہی اسے کھڑا کر لیا ہے۔"

راجہ بکرماجیت نے فوراً ایک نادم سے جذبے میں کہا۔ "ہاں ہم اس احساس ہی نہیں کیا۔ چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" سب دیوان خانے میں آئے اور انہیں سارے پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات کہہ رہا تھا۔

جنید جب خاموش ہوا تو راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "تمہاری ہم نوا جنید! اب کل سے ہماری ہم کی شروعات ہوں گی۔"

جنید نے پوچھا۔ "کیسی ہم؟"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "شاید میں نے اس سے پہلے بھی تم سے ذکر کیا میں اپنے مصاحبین اور شکر کے ایک حصے کے ساتھ تقریباً ہر ماہ دو ماہ بعد شکار جاتا ہوں۔ جس جنگل میں شکار ہوتا ہے یہ وہی ہے جس کا تم نے اپنے واقعات میں ہے۔ اس جنگل کے مغرب میں جو دریا بہتا ہے۔ اسی دریا کے کنارے پل کے پار میدان میں ہمارا پڑاؤ ہوتا ہے۔ شاید میں نے تم سے پہلے بھی کہا کہ شیر اور جیتے کا ہاتھیوں کی مدد سے کیا جاتا ہے اور عام کھانے والے جانوروں کو ہنکارا گیا شکار کیا جاتا ہے۔"

شیر اور جیتے کا شکار کرنے والے ہاتھی کئی کئی ماہ کی تربیت کے بعد جلتے ہیں پھر جا کر کہیں یہ شیر کا سامنا کرتے ہیں۔ جنگل میں ان ہاتھیوں کی سوا لوسہ کی خاصی فزنی زنجیریں تھما دی جاتی ہیں اور جب شیر یا جیتا قریب آتے ہیں

اتھی انہیں زنجیری لہرا کرتے ہیں۔ لیکن شیر کی اس قدر دہشت ہے کہ سدھانے کے باوجود بیابان ہاتھی جنگل میں داخل ہوتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ شیر کا شکار شروع ہونے والا ہے۔ لہذا خوف اور دہشت سے لگاتار لید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

جنید! اس بار تم ساتھ ہو تو یہ شکار زیادہ دلچسپ ہوگا۔ اگر تم سفر کے عہد نکلتے ہو تو میں کل صبح ہی صبح یہاں سے شکار کے لیے کوچ کا انتظام کروں۔" جنید نے کہا۔ "آپ میری تھکاوٹ کا کوئی خیال نہ کریں۔ میں کل پوری طرح آپ کا ساتھ دوں گا۔"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "یقین جانو! مجھے تم سے ایسے ہی مثبت جواب کی اُمید تھی۔ جنید نے کہا۔ "لیکن میری ایک شرط ہے کہ میں آپ کے ساتھ صرف دو دن شکار میں حصہ لے کر واپس سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ میری ماں، میرے بھائی اور میرے بھائی میرے لیے پریشان ہوں گے اور وہ ہر روز شہر سے باہر نکل کر میری راہ دیکھتے ہوں گے۔" راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "میں تمہاری شرط تسلیم کرتا ہوں لیکن تمہاری یہ شرط ماننے کے لیے میری بھی ایک شرط ہے۔"

جنید نے پوچھا۔ "کیسی شرط؟"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "شکار کے پڑاؤ سے دو دن بعد میں اس شرط پر تمہیں بلانے دوں گا کہ تم وعدہ کر کے جاؤ کہ پرولسی اور اجنبیوں کی طرح ہمیں بھول نہ جاؤ گے اور یہاں ہمارے ہاں آتے جلتے رہو گے۔ اور سنو جنید! اس گھر سے میں غمگین تمہیں ایک خوش خبری سناؤں گا۔"

جنید نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو بھولوں گا نہیں اور یہاں آکر ہوں گا۔"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "اب جب کہ تم نے یہاں آتے رہنے کا وعدہ کر لیا ہے تو میں وہ خوشخبری بھی تم سے ابھی کہے دیتا ہوں جس کا میں نے تم سے نوکر کیا ہے۔ راجہ بکرماجیت رکا پھر اس نے اپنی بیٹی کنپل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کنپل! تم خود ایک

توجہ دے لیے کپڑوں کا انتظام کرو۔ تمہاری ماں کہہ رہی تھی کہ اس نے جنید کے لیے کپڑے سلوا کر رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے کسی ملازم سے کہو کہ وہ جنید کے اثاثہ کے پانی کا انتظام کرے تاکہ اس کے سفر کی تھکاوٹ دور ہو اور یہ کل دلچسپی سے شکار میں سکے۔ "کنپل کچھ کہے بغیر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

کنپل جب چلی گئی تو راجہ بکر ماجیت نے کہا۔ جنید! اس وقت یہاں اس میں کنپل کی ماما خندکل، کنپل کا بھائی مال دیو، اس کا ماموں سیو داس اور ماموں زاد بھائی علاوہ ہیں اس کا باپ بیٹھا ہوا ہوں۔ کوئی اجنبی نہیں، ہر ایک سے خون کا رشتہ ہے میں تم سے کہنے والا ہوں اس کا ان سب کو علم ہے۔

سنو جنید! کنپل ایک انتہائی حساس لڑکی ہے۔ تم نے کنپل کی جان بچاؤ چونکہ اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر ہاتھی سے اتار دیا تھا اور تم نے اس کے بدن کو چوم لہذا کنپل نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم چونکہ اس کے بدن کو چھو چکے ہو لہذا وہ تمہیں ہی اپنے حیثیت سے قبول کرے گی اور اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ ساری عمر بیاہ نہ کرے کنپل نے یہ بات اپنی ماں سے کہی اور اس کی ماں نے مجھ سے ذکر کیا۔ لہذا ہم مل کر فیصلہ کیا ہے کہ کنپل تم سے بیاہی جائے گی۔

تم کبھی اپنی ماں کو یہاں لے کر آؤ اور کنپل کو بیاہ لے جاؤ۔ تمہاری مرضی خواہ اسے اپنے ساتھ سمرقند لے جاؤ یا یہیں گوالیار میں شادی کے بعد میرے ساتھ سینا پتی بن کر رہو۔ یہ سب تمہاری صوابدید پر چھوڑا جاتا ہے۔ کیا تمہیں فیصلہ منظور ہے اور تم کنپل سے شادی پر رضامند ہو؟

جنید نے کہا۔ "کنپل ایک انتہائی سلیجھی ہوئی خوب صورت دسیرت لڑکی ہے۔ میں کیوں کر اس کے ساتھ شادی سے انکار کر سکتا ہوں۔

راجہ بکر ماجیت نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم بات کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ سنو جنید! کنپل صرف اپنا حق چھونے کی وجہ سے وابستہ نہیں ہو رہی بلکہ اب وہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ گورا جاؤں کی

نمائش کرنے کی خاطر ان کے لیے سوئبر رچائے جاتے ہیں لیکن کنپل کے لیے ایسے کسی سوئبر انتظام نہ ہوگا۔ تم جب اور جس وقت چاہو کنپل کو بیاہ کر لے جاسکتے ہو۔ گو میرے لیے لڑکے کی راجہ کو تمہارے مسلمان ہونے پر اعتراض ہوگا کیوں کہ وہ کٹر مذہبی انسان ہے اور اس رشتے کی مخالفت کرے گا لیکن اس شادی کو میرا فیصلہ جان کر وہ کچھ نہ بولے اور میرے فیصلے کو آخری سمجھے گا اس لیے کہ وہ میری انتہائی عزت اور احترام کرتا ہے۔

راجہ بکر ماجیت کہتے کہتے رک گیا کیونکہ حسین کنپل جنید کے لیے نئے کپڑے لے کر دیوانے میں داخل ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی راجہ بکر ماجیت نے کہا۔ آ جاؤ بیٹی! آ جاؤ! ہم سب نے مل کر تمہارے متعلق ہی ایک فیصلہ کیا ہے۔

کنپل خاموشی سے آکر اسی نشست پر بیٹھ گئی جہاں سے وہ اٹھ کر گئی تھی اور بندہ کے کپڑے اس نے اپنی گود میں رکھ لیے تھے۔ راجہ بکر ماجیت نے پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کنپل! تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے تمہاری زندگی کا ایک اہم فیصلہ لیا ہے۔ دیکھو تم شرم کے باعث اٹھ کر بھاگ نہ جانا بلکہ یہیں بیٹھ کر میری پوری گفتگو سننا بیٹی! ہاں کوئی اجنبی نہیں سب تمہارے اپنے ہیں۔ سنو! میں نے آج سے تمہیں جنید کے ساتھ نمونہ کر دیا ہے۔ آج سے نہیں بلکہ ابھی سے یہ تمہارا اور تم اس کی منگیت رہو۔"

کنپل بچاری کی گردن شرم کے باعث جھک گئی تھی۔ اپنی ذہانت کے اس نئے عنوان پر اس کے ذہن کے سارے جموں ختم ہو گئے تھے۔ وہ بارش کے قطروں سے لہری لہریوں کی طرح جھک گئی تھی اور اس کے من کے منجد اندھیاروں میں روشنی کی گہری رقص کرنے لگی تھیں۔ شرم کے باعث وہ یوں ہو گئی تھی جیسے برگ گلاب پر شبنم کے قطروں میں سورج کی پہلی کرن داخل ہو کر انہیں منور اور رنگین بنا گئی ہو۔ اس کے ہرے پڑاٹے جسم جیسا نکھار اور نورشید کا اولین لمس برداشت کرتے قطروں جیسی خوب صورتی اور کشش حلال کر گئی تھی۔

راجہ بکر ماجیت نے پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کنپل! میری

بیٹی! تم جب اور جس وقت چاہو جنید سے مل سکتی ہو۔ صرف اپنے بھائی کیلئے کرنا۔ وہ کٹر آدمی ہے۔ شاید اعتراض کر بیٹھے مجھے تم دونوں پر مکمل بھروسہ ہے۔ اتنے میں دواؤں پر ایک خادم نمودار ہوا اور اس نے کہا۔ "میں نے کے اشنان کے لیے پانی گرم کر دیا ہے۔"

بکرماجیت نے جنید سے کہا۔ "جنید! تم اٹھو بیٹے! ہمارا لباس تبدیل پھر کھانا کھا لیں۔"

کنپل نے اٹھ کر لباس جنید کو تھما دیا اور جنید غسل کے لیے اس خادم چلا گیا۔

راہو بکرماجیت نے اس بار اپنی بیوی شمنگل سے کہا۔ "دو ایک روز قبل مجھ سے کہا تھا کہ تم نے جنید کے لیے کچھ تحائف تیار کر رکھے ہیں جو اس کے اداس گھر والوں کے ہیں۔ وہ تم ابھی اسے دے دو کیونکہ رات کے پچھلے حصے میں با کوچ کریں گے اور کل طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائیں گے۔" تھوڑی دیر تک ایک ہرکارے کو دریا کے کنارے نموداروں کی بستریوں کے ساتھ مکھیا کی طرف روانہ کرتا ہوں کہ وہ جنگل میں ہنکارے کے لیے آدمی تیار رکھیں۔ شمنگل نے کہا۔ "میں بھی کل آپ کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوں گی۔" کے لیے جمع کی ہوئی ساری چیزیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور وہیں اسے رخصت کر دوں گی۔

اس بار کنپل نے بولتے ہوئے کہا۔ "اس بار میں بھی شکار کے لیے آپ ساتھ جاؤں گی اور کرن بھی چلے گی۔"

راہو بکرماجیت نے کہا۔ "لیکن تم دونوں نہیں تو آج تک کبھی شکار نہیں گئیں۔ کنپل! تم تو مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ تمہیں شکار سے ہول آتا ہے۔ پھر آنا کیسے ہمارا ساتھ دینے پر رضامند ہو گئی ہو۔"

شمنگل نے کہا۔ "کنپل! شاید جنید کی وجہ سے شکار پر جانے کے لیے تیار ہو جاؤں گی۔"

دوسرے روز جب کہ ابھی رات پوری طرح گزری نہ تھی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ جنید گری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔ جنید جب جاگا تو اس نے دیکھا اس کی مسری کے قریب حواس کے شعبوں کی طرح حسین کنپل کھڑی ہوئی تھی۔ جنید نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔" غیرت تو ہے۔

کنپل نے کہا۔ "سب خیریت ہے۔ آپ اٹھ کر تیاری کریں تھوڑی دیر بعد کوچ ہونے والا ہے۔ صبح کا کھانا وہیں جا کر کھایا جائے گا۔ آپ اٹھیں میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کے لیے پانی گرم کر چکی ہوں۔"

کنپل جب جانے لگی تو جنید کو قہراً گویا کوئی بات یاد آگئی اور اس نے پکارا "کنپل! کنپل! میری بات سنو۔" کنپل مڑی اور دوبارہ اس کے سامنے اکھڑی ہوئی جنید نے سامنے رکھے دیوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹھو اور میری ایک بات سنو۔"

کنپل جنید کا کہنا مانتے ہوئے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ جنید نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جو میرا اور تمہارا رشتہ طے ہوا کیا یہ تمہاری مرضی اور منشا سے ہوا

ہے۔ "کنپل کے چہرے پر شیشوں کے شرکی دکش گلیوں جیسی جیا آمیز مسخری پھیل گئی
اس کی گردن جھک گئی۔

جنید نے پھر اسے پکارا۔ کنپل! کنپل! میں تمہاری زبان سے کچھ سن رہا ہوں۔
شاید پھر میں یوں تمہاری اور علی گ کے لمحات میسر نہ ہوں کہ میں پرسوں کوچا
جاؤں گا۔"

کنپل ایک روشن لکیر کی طرح حرکت میں آئی۔ ایک بار اس نے غور سے ہند
کی طرف دیکھا پھر اس نے اپنی تنکست وریخت اور لرزتی کانپتی آوازیں کہاں
ہاں، یہ سب کچھ میری رضا مندی سے طے ہوا ہے۔"

جنید نے چند لمحوں کے تفکر کے بعد کہا۔ "کنپل! کنپل! میرا گھر سمرقند کے قریب
احسی شہر میں ہے۔ تم جانتی ہو میرا باپ مارا جا چکا ہے۔ میری ایک شادی شدہ بڑی بہن
ایک ماں ہے۔ اس حویلی میں میرا نانا، ماموں، چچو بھی، خالہ اور دو ماموں زاد بھائی
رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک میرے ساتھ بابر کے لشکر میں شامل ہے اور دوسرا میرے
نانا اور ماموں اور اپنے واذا اور باپ کے ساتھ اپنے باغات اور فصلوں کی نگرانی
کرتا ہے وہ میری بہن سیمون کا شوہر بھی ہے۔ ہمارا گزارا کھیتی باڑی اور باغات کے پھلوں کی
آمدنی پر منحصر ہے۔ تم نے یہاں گوالیار میں ایک اچھے اور خوش کن ماحول میں پرورش
پائی ہے۔ کیا تم میرے ساتھ وہاں ان سنگلاخ کو ہٹانوں سے گھری وادیوں کے اندر
کر لو گی؟"

میری ماں کو ابھی میرے باپ کے قتل ہو جانے کا علم نہیں ہے۔ آہ جب اسے
یہ خبر ملے گی تو اس بے چاری پر نہ جانے کیا گزرے گی۔ کیا تم اسے منہ ہال سکو گی۔
کنپل! یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ میں یہ باتیں تم سے اس لیے کہہ رہا
ہوں کہ میرے ساتھ احسی شہر کی طرف جانے سے پہلے وہاں کے پورے حالات تمہارے
ذہن میں ہوں۔ کنپل! کنپل! میں تمہیں کسی دھوکے اور خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا
میں تمہیں عزت، وقار اور وہ مقام دینا چاہتا ہوں جو تمہاری ہستی اور شخصیت کے مطابق

کنپل سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔ اس کی معصوم آنکھوں میں کچھ کچھ دکھ کا
شائبہ تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ خود اپنی ذات سے لڑ کر اپنے آپ کو سنبھال رہی ہو۔
پھر جنید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دکھ سے کہا۔ "مجھے دکھ ہوا آپ کو ایسی باتیں
نہیں کہنی چاہئیں تمہیں مجھے آپ پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ تبھی میں نے اپنے
آپ کو آپ سے وابستہ کر دیا۔ آپ کے نانا تو احسی شہر کے رئیس ہیں اداں کی
اپنی ٹھیکتیاں اور باغات ہیں۔ بھگوان کی قسم یہ سب کچھ نہ بھی بڑا تو ہیں آپ کے ساتھ
ایک بے چھت کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں بخوشی رہنے کو تیار ہوں۔ مجھے کسی
مال و متاع کی ضرورت نہیں۔ میری کل پونجی آپ ہیں۔ گو میں نے ساری زندگی ان محلول
میں گزار دی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ غریبی کی مانوس خوشیوں سے خوب واقف ہوں۔ میں اکثر
ان دکھیا بواؤں کے پاس بھی بیٹھی ہوں جو اپنے گھروں کے کچھ اڑے اُپلے تھاپتی
ہوئی روتی ہیں۔

آپ بے فکر رہیں میں انتہائی عسرت اور تنگی میں بھی آپ کے ساتھ گزارہ
کر لوں گی اور شکایت کا حرف تک زبان پر نہ لاؤں گی۔ میں اوروں کی امداد پر بھروسہ
کرنے کی قائل نہیں ہوں اور پھر اپنے آپ سے الگ ہر شے واہمہ ہے۔ آپ بے
فکر رہیں۔ میں آدھی طوفان، دکھ، تکلیف، آسائش و خوشی، بعد و مایوسی ہر حالت
میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ میں اپنی ہستی، اپنی ذات پر بھی آپ کو ترجیح دوں گی۔
میں صدائوں کے کارواں کی طرح ہر حال میں آپ کے ساتھ رواں دواں رہوں گی۔
جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کنپل! کنپل! میں ہمیشہ تم پر فخر کرتا رہوں گا
میں پرسوں یہاں سے کوچ کروں گا اور گھر جا کر اپنی ماں اور بہن سے تمہارا ذکر کروں
گا۔ میری ماں اور بہن مجھ سے بے انتہا محبت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ میں اپنی ماں کا اکلوتا
بیٹا اور بہن کا واحد بھائی ہوں۔ وہ تمہارے متعلق سن کر بے حد خوش ہوں گی۔"

کنپل نے کہا۔ "میں آپ سے ایک بات کہنا بھول گئی تھی۔ آپ ابھی تک
کسی سے یہ ذکر نہ کریں کہ آپ بابر کے لشکر میں ہرا دل کے نائب سالار ہیں۔ میرا باپ

اور یہاں کے لوگوں کے خیالات بابر کے خلاف ہیں۔ بابر تین چار بار ہند پر حملہ کر چکا اور یہاں کے لوگوں کو خطرہ ہے کہ وہ ایک روز ہمارے خلاف جنگ کی ابتداء دے گا۔ لہذا یہاں کے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ یوں بھی میرے پتاجی کا جھگڑا کے سلطان ابراہیم لودھی کی طرف ہے۔ دونوں میں آپس میں تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اور ہم سب گھر والے کئی بار آگرہ میں سلطان ابراہیم کی ماں اور اس کے دیگر واروں کے ساتھ ان کے محل میں جا کر رہے ہیں۔ ان دنوں ویسے بھی میرے پتاجی اور ابراہیم لودھی کے درمیان بابر اور رانا سنگا کے خلاف اتحاد و تعاون کے پیغام رسانی ہو رہی ہے۔ اگر میرے بھائی لیدار کو خبر ہوگئی کہ آپ بابر کے لشکر ایک امیر ہیں تو وہ میری راہ کا پتھر بن جائے گا۔

اس کے علاوہ میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ میں نے اپنی ماں سے مشورہ کر اپنے اسٹبل کے داروغہ چچا احمد یوسف سے آپ کے دین کی تعلیم حاصل کرنا بھی کر دی ہے۔ میں چاہتی ہوں جب میں آپ کے ساتھ سمرقند کی طرف جاؤں تو مسلمان کی حیثیت سے کوچ کروں۔

جنید نے کہا۔ ”مجھے تم پر فخر ہے کنپل!“
کنپل نے کہا۔ ”جلدی کیجئے۔ باتوں باتوں میں کافی وقت نکل گیا۔ ورنہ لوگ تیار ہو کر ہمارا انتظار کرنا شروع کر دیں گے۔ آپ ہاتھ منہ دھو کر تیاری کریں میرے ساتھ آئیں۔“ جنید اٹھا اور کنپل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر وہ گوالیار سے کوچ کر رہے تھے۔

○

راجہ بکر ماجیت اپنے مصاحبین اور چھوٹے سے ایک لشکر کے ساتھ جیراج اور کشتا کی بستی کے پاس دریا کے کپ کے عین سامنے پہنچا تو وہاں اس شکار کے لیے سدھائے تھی پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور ارد گرد کی سب بستیوں کو وہاں موجود تھے۔

بکر ماجیت کے لشکریوں نے پہلے راجہ کا خیمہ نصب کیا۔ وہ ایک پورا محل نما خیمہ تھا جو باہر سے چمڑے کا اور اندر اس کے خوب صورت دبیز چمڑے لگے ہوئے تھے۔ چمڑے کی ہی دیواروں کے ساتھ خیمے کو کئی کمروں میں تبدیل کر دیا تھا اور خیمے کے فرش پر پہلے دریاں اور ان پر موٹی دبیز قالینیں بچھا دی گئی تھیں۔

راجہ کا خیمہ نصب ہونے کے بعد اس کے چاروں طرف ان گنت خیمے مصاحبین اور لشکریوں کے لیے نصب کر دیے گئے تھے۔ راجہ بکر ماجیت کے ساتھ اس کا چھوٹا بیٹا مالو بھی آیا تھا جب کہ نظم و نسق سنبھالنے کی خاطر بڑا بیٹا کیدار گوالیار میں ہی رہا تھا۔ اپنا خیمہ نصب ہونے کے بعد بکر ماجیت، کنپل، مالو، شنکل، کرن اور سید واس کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے ان بستیوں کے مکھیا کو طلب کیا اور شکار کے لیے ہنکارا کرنے والے آدمیوں سے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

لیراج بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنے باپ دھرم دھت کو بکارتے ہوئے اس نے چلا چلا کر کہا۔ ”باپو! باپو! جنید آگئے، جنید آگئے!“
دھرم دھت اور کشتا تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکلے اور دھرم دھت نے کسی قدر ڈانٹ کے انداز میں پوچھا۔ ”کیا ہو گیا ہے تمہیں جو تم یہ شور کیے جا رہے ہو“
لیراج نے کہا۔ ”باپو! جنید آگئے ہیں۔“

دھرم دھت نے کہا۔ ”یہ تم کیا ہانک رہے ہو۔ تم اپنے سواں میں تو ہو۔“
جنید کل ہی تو یہاں سے گیا ہے پھر آج وہ واپس کیسے آگیا اور اگر آ ہی گیا ہے تو وہ یہ کہاں اور تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر آئے ہو۔“

لیراج نے کہا۔ ”میں دریا کی طرف گیا تھا۔ وہاں بستی کے مکھیا نے سب جوانوں کو بلایا تھا۔ راجہ بکر ماجیت کے شکار اور تفریح کے لیے جنگل میں ہنکارہ کرنے کی خاطر راجہ بکر ماجیت کے ہاتھی رات کے پچھلے حصے میں ہی وہاں پہنچ چکے تھے لیکن راجہ اپنے لشکریوں کے ساتھ ابھی ابھی وہاں پہنچا ہے۔ وہ میرے دیکھتے دیکھتے وہاں آیا ہے۔“

باپو! وہاں میری موجودگی میں راجہ کا بہت بڑا اور محل نما خیمہ نصب پھر جانتے ہو باپو کیا ہوا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ہاں باپو میں نے اپنی آنکھوں سے جنید کو راجہ بکرماجیت کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ سنا باپو! راجہ بکرماجیت نے بڑے پیار سے جنید کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ان کے پیچھے کچھ عورتیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا وہ بکرماجیت کی رانی اور اس کی بیٹی مان کے لباس اور چال ڈھال سے تو ایسا ہی لگتا تھا اور ہاں باپو میں اپنا کھانا لایا ہوں۔ آج کوئی بھی لکڑیاں کاٹنے نہیں جا رہا۔ سب راجہ کے ساتھ شکار کے لیے ہنکارہ کرنے کو جا میں گئے۔

دھرم دھت نے بڑی آس بڑی امید میں کہا۔ "لیراج! تم جنید سے تو سہی اداسے گھر آنے کو ہی کہتے۔"

اس موقع پر کشتانے بولتے ہوئے کہا۔ "باپو! لگتا ہے جنید راجہ سب سے اچھے مصاحب، یا اس کے لشکر میں کسی اعلیٰ عہدے پر ہیں۔ ایسا ہا شیر دل جوان ہمارا جوں کے ہی ساتھ رہنے کے لیے ہے۔ بھیلانے اچھا کیا ہو گھر آنے کو نہ کہا۔ اور پھر یہ انہیں کہہ بھی کیسے تھے جب وہ راجہ بکرماجیت کے ساتھ تھے۔ کون بھیتا کو راجہ کے پاس جانے دیتا۔ اگر ان کو ہمارا کچھ خیال تو وہ خود ہی ہمارے ہاں آئیں گے۔"

لیراج نے جلدی میں کہا۔ "ہاں باپو! کشتا ٹھیک ہی تو کہتی ہے کہ ہمارا کچھ خیال ہوتا تو وہ خود ہی ہم سے ملنے ہمارے گھر میں آسکتے۔"

لیراج نے اپنا کھانا لایا اور دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "جا رہا ہوں باپو! اب شام ہی کو لوٹوں گا۔"



وہاں صبح کا کھانا کھانے کے بعد راجہ بکرماجیت، جنید، کنپل، والدیو اور سیوداس کے ساتھ اپنے خیمے سے نکلا خیمے کے باہر راجہ بکرماجیت

دس ہاتھی تیار کھڑے تھے۔ بکرماجیت نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شکل! تم اور سیوداس دونوں بہن بھائی میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کنپل! تم بندے کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور والدیو کے ساتھ کرن بیٹھ جائے گی۔ باقی سات ہاتھی والدیو بیٹے! تم اپنی مرضی سے اپنے شکاریوں میں بانٹ دو۔"

والدیو فوراً گیا اور راجہ کے شکاریوں کو ہدایات جاری کر کے لوٹ آیا۔ پھر راجہ کے ہاتھی کی سیڑھی لگائی گئی اور بکرماجیت، شکل اور سیوداس کٹڑی اور لو کی بیٹی مضبوط پانکی کے اندر بیٹھ گئے۔ پھر جنید اور کنپل اپنے ہاتھی کی پانکی میں سوار ہوئے اور انہیں والدیو اور کرن بیٹھے پھر راجہ بکرماجیت نے روانگی کا حکم دیا۔

سب سے آگے آگے ہنکارہ لگانے والے دریا کے کنارے کی ان بستیوں کے سینکڑوں جوان تھے جو اپنے ہاتھوں میں ڈھول تاشے، کلہاڑے اور برچھے اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے راجہ کے سدھائے ہوئے ہاتھی اور انہیں راجہ کے گھوڑ سوار لشکر تھے۔ جنگل کے پاس جا کر ہنکارہ کرنے والے سب لوگوں کو اور راجہ کے گھوڑ سوار لشکریوں کو جنگل سے باہر ہی روک دیا گیا۔ صرف راجہ کے شکار کے لیے سدھائے ہوئے دس ہاتھی جنگل میں داخل ہوئے اور کافی دیر تک جنگل میں آگے بڑھتے رہے۔

راجہ بکرماجیت اپنے ہاتھی کو جنید کے ہاتھی کے قریب لایا اور جنید سے کہا۔ "جنید میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ پہلے صرف ان ہاتھیوں سے درندوں کا شکار ہو گا اس کے بعد ہمارے کی مدد سے دوسرے کھانے والے جانوروں کا شکار کیا جائے گا۔ اس جنگل کے اندر کچھ غصوں جگہیں ہیں جہاں شیر اور چیتا ہوتا ہے۔ ابھی ہم ان ہی جگہوں کی طرف جا رہے ہیں اور ہاتھیوں اور ان کے مہات کو بھی ان جگہوں کا پتہ ہے۔ میں تم اور والدیو تو صرف تماشہ دیکھنے والوں میں ہوں گے ورنہ شکاریہ شکاری کریں گے جو ہمارے ساتھ سات ہاتھیوں پر سوار ہیں۔ یہ سب پرانے اور منجھے ہوئے شکاری ہیں اور اپنے بھالے برچھوں سے درندوں کا شکار کرنے میں بڑے ماہر اور تجربہ کار ہیں۔"

راجہ کے حکم پر جب اس کے ہاتھی کے مہات نے ہاتھی کو جنید کے ہاتھی کے

اور قریب کیا تو بکراجیت نے کہا۔ "جنید بیٹے! کنپل کا خیال رکھنا۔ جو صرف زور سے آج شکار کے لیے آئی ہے۔ ورنہ اس کام سے ایسی خوفزدہ ہے کہ اور کون بھی پسند نہیں کرتی۔"

جنید نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں، میں اسے ہنبھال لوں گا۔"

بکراجیت نے پھر کہا۔ "یہ شکار کوئی اتنا آسان نہیں ہے۔ شیر اور انتہائی پھرتیلے ہیں۔ ان ہاتھیوں کی زنجیر کی ضرب سے اکثر بچ جاتے ہیں۔ بہتر موقع پر اس طریقہ کار سے ہم نے ان ورنہوں کا شکار کیا ہے۔ اکثر وہ بھڑکے گھومنے کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

راجہ بکراجیت خاموش ہو گیا اور جب اس کا ہاتھی آگے بڑھ گیا تو کپال اس اور شہد بھرے انداز میں جنید سے کہا۔ "میں صرف آپ کی موجودگی کی وجہ سے اس طرف آئی ہوں۔ ورنہ اس کام سے مجھے سخت نفرت اور بیزاری ہے۔ یہ خیال کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ہمارے سامنے کوئی شیر یا چیتا نمودار ہو گا میرے جسم میں ایچہ لپکپی اور خوف طاری ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

اچانک کنپل کہتے کہتے خاموش ہو گئی اور پھر چیخ مار کر وہ بری طرح جنید کی طرف سے لپٹ کر اور اپنا سر اس کے کندھوں پر رکھ کر ایک طرح سے جنید کے پیچھے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی تھی کیوں کہ اس نے ایک بھیڑ یا دیکھ لیا تھا جو ہاتھ دیکھ کر درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر بھاگ نکلا تھا۔

جنید نے مکرراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا کنپل!"
کنپل نے کہا۔ "مجھ کو جانور تھا جو ابھی درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بھاگا مجھے اس نے اچانک نمودار ہو کر پریشان اور خوفزدہ کر دیا ہے۔"

جنید نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بس اتنی سی بات ہے؟ وہ تو بھیڑ یا ہاتھیوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔"

کنپل نے شکوہ کرتے کے انداز میں کہا۔ "کیا آپ میری بزدلی اور کمزوری کو"

ہیں۔" جنید نے کہا۔ "ایسی بات نہیں۔ اب جب کہ تم اس جنگل میں آہی گئی ہو تو پھر کچھ حوصلہ بھی رکھو۔"

کنپل نے پوچھا۔ "جب شیر نکلا تو وہ کہیں پھلانگ لگا کر ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھے لوگوں پر حملہ تو نہ کر دے گا؟"

جنید نے کہا۔ "اگر وہ پھلانگ لگا کر ہاتھی کی پیٹھ پر آ بھی جائے تو کیا کر لے گا۔ ہمارے ہاتھی پر بیٹھا ہر کوئی لوہے اور لکڑی کی بنی اس پنجرہ نما پالکی میں محفوظ ہے۔ ہذا شیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" کنپل کچھ مطمئن ہو کر خاموش ہو گئی اور وہ آگے بڑھتے رہے۔

دو میل آگے جانے کے بعد اچانک بالکل ان کے قریب ہی شیر ایسے انداز میں دھاڑا کہ سارا جنگل لرز کر رہ گیا۔ کنپل نے پھر کانپتے ہوئے جنید سے پوچھا۔ "ہم اس پالکی میں محفوظ تو ہیں نا۔ شیر اسے کوئی نقصان تو نہ پہنچاے گا؟"

جنید نے کہا۔ "کنپل! تم بالکل بے فکر ہو کر شیر اور ہاتھیوں کا یہ تماشہ دیکھو۔ ہم اس پالکی میں محفوظ ہیں شیر یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" کنپل کا حوصلہ کچھ بڑھ کر اور ادھر ادھر نظر میں گھماتے ہوئے دھاڑنے والے شیر کو دیکھنے لگی تھی۔

شیر کی دھاڑ سننے ہی ان شکاری ہاتھیوں نے فوراً ایک نیم دائرے اور توپوں کی شکل اختیار کر لی تھی اور ان کے ہمارے توپوں نے ان کے آگے لوہے کی زنجیریں پھینک دی تھیں جو انہوں نے اپنے اپنے سونڈ میں تھام لی تھی۔ اب ان کے عین سامنے شیر بڑی طرح دھاڑا اور جب ذرا اور وہ آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ دو نر مانہ شیر تھے اور دونوں کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے۔

راجہ بکراجیت نے زور سے چلاتے ہوئے اپنے شکاریوں سے کہا۔ "یہ دونوں نر مانہ شیر اور ان کے دونوں بچے اب جانے نہ پائے۔ بچوں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو۔ ان کو پال لیں گے۔"

کودے میں۔ شیر بھی زمین پر گریا اور بے جان ہو گیا۔

راجہ بکرماجیت نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شکاریوں سے آج ہم خوش قسمت ہیں کہ اتنی جلدی و شیروں کا شکار کر لیا۔ یہ اپنے بچوں کی سہ ہمارے سامنے ایسے بے بس اور مجبور ہو گئے تھے۔ ورنہ کبھی ہاتھ نہ آتے۔

مہے بچے کو بھی پکڑ لو جو بالکی گر گئی ہے اسے یہیں رہنے دو اور اس کے شکاری دوسرے قیدوں کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ اس بے بالکی کے ہاتھی کی پیٹھ پر مرنے والے ان دونوں وہ شیر کو لاد کر باندھو اور واپس چلیں آج کا کام اتنا ہی کافی ہے۔ کل شکار کے لیے آگے بڑھیں گے۔ شیر کا دوسرا بچہ بھی کمند میں پھنسے اپنے بھائی کے پاس آکھڑا ہوا۔ زمین پر گری ہوئی بالکی کے شکاری فوراً حرکت میں آئے۔ بالکی کا دروازہ کھول کر وہ نکلے اور شیر کے دوسرے بچے کو بھی پکڑ کر انہوں نے قابو کر لیا۔

پھر انہوں نے دونوں شیروں کو ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر باندھ دیا اور مختلف پالکیوں بٹ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے دونوں بچوں کو بھی پالکی میں بٹھالیا گیا تھا۔ پھر وہ اسی راستے واپس جا رہے تھے۔ جس راستے وہ جنگل میں داخل ہوئے تھے۔

جنگل میں داخل ہوتے وقت بھیڑیے سے ڈر جانے والی کنبیل نے اب اپنے کو غنیمت کی موجودگی میں خوب سنبھالا تھا اور ڈر کر چھپنے کے بجائے اس نے ہاتھوں اور لیے شیر کا شکار بڑے شوق اور محبت سے دیکھا تھا۔ جنگل میں اب گہرا سناٹا اور وہ واپس جا رہے تھے۔

جنگل سے باہر نکل کر راجہ بکرماجیت نے ہاتھیوں کو کیمپ کی طرف واپس بھجوا دیا۔ پھر وہ اپنے لشکر اور ہنکارہ کرنے والوں کے ساتھ پانچ میل آگے جا کر جنگل میں آئے۔ جہاں درخت کم اور گھاس زیادہ تھی اور جس کے درختوں پر شیر لہر مار رہے تھے۔ یہاں ایک طرف گھوڑوں پر راجہ بکرماجیت، جفید، مال دیو، سیو داس کنبیل کمرن اور شندیل بھی گھوڑوں

ہاتھیوں نے آگے بڑھتے ہوئے دونوں زمانہ شیر کے گرد ایک دائرہ سا بنایا اور اب سارے ہاتھی اپنی سونڈوں میں دبائی آہنی زنجیروں کو ایک گول چکر میں لپیٹے۔ شیر وہاں سے ادھر ادھر بھاگنے نہ پا رہے تھے اس لیے کہ ان کے بچے وہاں نہ مل رہے تھے۔ لہذا ان کے ارد گرد ہاتھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتے اور زنجیروں کے ہونے اپنا حلقہ تنگ کرنے لگے تھے۔

کنبیل اب کسی قدر بے خوف ہو کر یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ایکڑ کو نہ جانے کیا سوچ رہی کہ اس نے بالکی کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کے بچے پر کمند پھینک دی۔ بچے کی گردن کمند میں پھنس گئی اور شکاری نے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اپنے بچے کی یہ حالت دیکھ کر دونوں شیر بچھڑ گئے اور انہوں نے ایک اس شکاری کی پالکی پر چھلانگ دی جس نے بچے کو کمند لگا کر کھینچا تھا۔ دونوں شیر پالکی سے اس قدر زور سے ٹکرائے تھے اور بالکی کا تنگ ٹوٹ گیا اور بالکی چار شکار ہاتھی کی پیٹھ سے نیچے گر گئی۔ جس کمند میں شیر کا بچہ پھنسا ہوا تھا اس کا سر شکاری زمین پر گر کر نلے کے بعد پالکی سے باندھ دیا اور خود محفوظ ہو کر اپنے ہاتھوں کے ساتھ کے اندر بیٹھ گیا۔

دونوں شیروں نے آگے بڑھ کر بالکی کو بڑی طرح بھنبھوننا شروع کر دیا۔ پالکی ایسی مضبوط تھی کہ وہ اس کے اندر بیٹھے شکاریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ آٹھ تک دوسرے ہمارے ہاتھوں نے اپنے ہاتھوں کا نسخ اس طرف کر دیا تھا۔ ایک ہاتھی نے کو بھنبھونتی شیرنی کی پشت سے اس زور سے زنجیر لہا کر ماری کہ زنجیر شیرنی کی کمر پر پڑی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ کر رکھ دیا۔ کمر پھنسے کے انداز میں شیرنی ایک ہولناک انداز میں دھاڑی اور زمین پر گر کر ختم ہو گئی۔

شیر نے اس ہاتھی پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ وہ اس کی سونڈ کو اپنے لے کر چیر بھاڑ دے کہ دواور ہاتھی آگے بڑھے اور بیک وقت انہوں نے اپنا

پہ سواران کے ساتھ تھے۔ دوسری طرف سے ہنکارہ کرنے والے جب شور کرتے اور پریٹ پریٹ کر جانوروں کو ہانکتے ہوئے اس طرف لاتے تو شکاری اپنے گھوڑوں کی گھڑیاں پر ٹوٹ پڑے اور کمندیں پھینک کر اور اپنے درمیان گھیر کر انہوں نے کئی بارہ گنگھے، نیل گائے، جنگلی مینڈھے اور ان کے بچے پکڑ لیے تھے۔ جنگل کے اس حصے میں شام تک شکار ہوتا رہا اور پھر شکار کیے جانے والے رسیوں میں جکڑ کر وہ واپس جا رہے تھے۔ دوسرے روز بھی اسی طرح شکار کوئی شیر یا چیتا تو شکار نہ کر سکے تاہم کھانے کے لیے انہوں نے چرنے والے کانہ شکار کر لیے تھے۔

○

دھرم دھت، لیراج اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھے تھے اور کشتا ان کے کھانے کے برتن رکھ رہی تھی۔ باہر سرنام کی تیز ہوائیں اشجار کے پتے گرا گرا کر گھسیٹتی ہوئی دورے جا رہی تھی۔ اپنے باپ اور بھائی کے سامنے کھانا رکھ کر کشتا کی ٹھیلی لائی تھی۔ ابھی اس نے ٹھیلیاں رکھ کر کھانے کے لیے بیٹھنا چاہا ہی تھا کہ دروازہ دار دستک ہوئی۔

وہ دروازے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ لیراج نے کہا۔ ”تم بیٹھو میں خود دیکھتا ہوں“

کشتا بیٹھ گئی۔ لیراج باہر آیا۔ اس نے جیب دروازہ کھولا تو دروازے پر جنید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور اپنے دونوں کندھوں اس نے دوسری طرف کے بچے اٹھا رکھے تھے۔ لیراج جنید سے گلے ملنے لگا تھا۔ اس نے اندر سے دھرم دھت کی آواز آئی۔ لیراج اتم باہر جا کر چپ کیوں ہو، کون آیا ہے؟

لیراج نے بلند آواز میں کہا۔ ”جنید آئے ہیں باپو!“

دھرم دھت نے ڈانٹ دینے کے انداز میں کہا۔ ”تو اندر لاؤ نا باہر

کھڑا کر دیا ہے۔“

جنید مکان میں داخل ہوا۔ گھوڑے کی باگ لیراج نے اس سے لے لی تھی اتنی دیر تک دھرم دھت اور کشتا بھی باہر آگئے۔ کشتا نے جنید سے پوچھا۔ ”یہ آپ نے اپنے کندھوں پر کیا اٹھا رکھا ہے؟“

جنید نے ہرنی کے دونوں بچوں کو نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہرنی کے دو بچے ہیں ایک تمہارے لیے ایک لیراج کے لیے۔ چاہے تو دونوں بہن بھائی انہیں کھالو چاہے انہیں اپنے ہال رکھ کر پال لو۔“

کشتا وہاں بیٹھ گئی اور ہرنی کے دونوں بچوں کو اس نے پیار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ان دونوں کو پالوں گی۔ پھر کشتا ان دونوں بچوں کو اس چھتر کی طرف لے گئی۔ جہاں ان کی گائے اور بچھیا بندھتی تھی۔ وہاں اس نے ان دونوں بچوں کو باندھ دیا اور ان کے آگے ہری ہری گھاس ڈال دی تھی۔

لیراج جب جنید کا گھوڑا بھی باندھنے کے لیے چھتر کی طرف لے جانے لگا۔ تو جنید نے کہا۔ لیراج! میرا گھوڑا یہیں رہنے دو۔ میں رکوں گا نہیں۔ جلدی میں ہوں اور ابھی لوٹ جاؤں گا۔“

دھرم دھت نے کہا۔ ”گھوڑا بیشک یہیں کھڑا رہنے دو بیٹا! پر تم ذرا دیر کو ہمارے ساتھ کمرے میں بیٹھو تو سہی نا۔“

دھرم دھت کی بات مانتے ہوئے جنید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کمرے کے اندر چادر پر کھانے کے برتن لگے تھے۔ دھرم دھت اور لیراج کے ساتھ وہاں بیٹھ گیا۔ اتنی دیر تک کشتا بھی ہرنی کے دونوں بچوں کو باندھ کر وہاں آگئی تھی۔ دھرم دھت نے کہا۔ ”ہمیں خبر ہو گئی تھی کہ تم راجہ بکر ماجیت کے ساتھ یہاں آئے ہو۔ جس روز تم یہاں پہنچے اسی روز لیراج نے تمہیں راجہ بکر ماجیت کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے گھر آ کر فوکر کیا۔ تو میں نے کہا۔ ”تم جنید کو ساتھ ہی لے آئے۔ لیکن ان دونوں میں کشتا نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا۔ یہ بار بار مجھے

سننے کو کہتی تھی کہ جنید اب ہمارے ہاں نہ آئیں گے اس لیے کہ وہ راجہ بکرمہ جیتا رہا ہے اور راجہ بکرمہ جیتا کبھی پسند نہ کرے گا کہ ان کا کوئی ساتھی، کوئی مصاحب شہر کی بستی میں ان کے گھر جا کر اٹھے بیٹھے اور کھائے پئے لیکن تم نے ہمارے گھر آکر سارے شکوے، سارے گلے دھو کر رکھ دیئے ہیں۔ اب یہ تمہارے متعلق ہو نہیں دے سکتی۔

جنید نے کہا۔ "کتنی ایک لحاظ سے ٹھیک ہی کہتی ہے۔ راجہ کے رہوئے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ خود راجہ بکرمہ جیتا اور اس کے سب مصاحب شہر کے سخت خلاف ہیں اور انہیں جنم کا پلید اور ناپاک جلتے ہیں۔ راجہ بکرمہ جیتا کی بیٹی کنپل ہی ایک ایسی ہے جو ہندو معاشرے میں ذات پاد اس تقسیم کے سخت خلاف ہے۔ اسے میں بالکل صحیح بتا کر آیا ہوں کہ شہر والوں کے کچھ لوگوں نے میری مدد کی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ شہر والوں سے بھی کتنی ہے۔ میری غیر موجودگی میں اگر راجہ بکرمہ جیتا نے مجھے بلایا تو وہ بہانہ کر کے ٹال دے گی کہ میں سیر کے لیے دریا کی طرف گیا ہوں، اس لیے میں یہاں رکوں گا۔ لوٹ جاؤں گا۔"

دھرم دھت نے کہا۔ "تم بیٹھ کر کھانا تو کھاؤ بیٹے!"

جنید نے کہا۔ "پڑاؤ سے جیب میں چلا تو کھانا تیار ہو رہا تھا۔ اس لیے راجہ کے ساتھ جا کر کھانا کھانا پڑے گا کیوں کہ اگر میں نے کھانا یہاں کھالیا تو راجہ بکرمہ کا کھانے پر کیسے ساتھ دے سکوں گا۔"

اس بار کتنے کہا۔ "آپ بیٹھیں تو سہی نا۔ کچھ یہاں سے کھالیں کچھ کے ساتھ بیٹھ کر کھالیں گے۔ اس طرح آپ پر دونوں طرف سے کوئی شکوہ نہ رہے۔ جنید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں ایک تو آپ لوگوں کو ہرنی کے یہ دو دل دینے آیا تھا۔ دوسرے میں یہ بتلنے آیا ہوں کہ کل صبح ہی صبح میں یہاں اس پڑاؤ واپس اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

دھرم دھت نے بکھرنے لہجے میں پوچھا۔ "ہمیں پھر کب ملو گے؟" جنید نے کہا۔ "آپ لوگوں کو خبر ہے کہ میں باہر کے لشکر میں شامل ہوں۔ ہم لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ کر چکے ہیں۔ پنجاب کا بیشتر سرسبز و آباد علاقہ ہمارے قبضے میں ہے اور اب ہم ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کریں گے اور جب میں ادھر آیا، تو آپ لوگوں سے ضرور ملوں گا۔"

جنید نے فریب گوشت اور میدے کے بنے نان کے چند ٹکڑے جلدی جلدی لیے پھر دھرم دھت اور لیراج سے مصافحہ کر کے وہ باہر آیا۔ اپنے گھوڑے کو مکان سے نکال کر وہ اس پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی تھی۔

جنید جب راجہ بکرمہ جیتا کے خیمے میں داخل ہوا تو کنپل شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ایک کمرے سے نکلی اور جنید سے کہا۔ "پتا جی تین بار آپ کا پوچھ چکے ہیں۔ میں نے ان سے یہاں کر دیا تھا کہ آپ فرار دریا کی طرف گئے ہیں۔ کھانا لگ چکا ہے اور آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر تک اور نہ آتے تو پتا جی آپ کی تلاش میں کسی کو آپ کے پیچھے روانہ کرنے والے تھے۔ اب آئیں میرے ساتھ کھانے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہو گا۔" جنید چپ چاپ کنپل کے ساتھ ہوا۔



دوسرے روز جنید وہاں سے کوچ کی تیاری کر چکا تھا۔ کنپل اس کے گھوڑے کی غریبوں میں وہ سب کپڑے اور تحائف ڈال چکی تھی جو انہوں نے جنید کے گھر والوں کے لیے بنائے تھے۔

گود بھاگ بھاگ کھال کے کوچ کی ہر تیاری کو آخری شکل دے رہی تھی لیکن اندھ ہی اندھ جنید کی دوریوں کے غم میں اس کی حالت بن کے مندر کے بیماری جیسی ہو رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر اُداسی اور غم کی لہریں صاف ظاہر تھیں اور چوب نمناک کی طرح وہ اندھ ہی اندھ سلگ رہی تھی۔ آخری بار وہ جنید کے گھوڑے کی خر جیسی میں ریلے سیدب اور گہرے رنگ کے سنگترے ڈال کر آئی تھی اور پھر اس کمرے میں آکر بیٹھ

گئی تھی جو اس کے اور کون کے لیے مخصوص تھا۔ کرن پہلے سے وہاں موجود تھی کہیں ٹوٹی پھوٹی سی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس کی پیشانی کی تحریموں سے لگتا تھا کہ اس میں اپنی ذات، اپنے بدن کو اندر ہی اندر جلا رہی ہو اور اس کے لمبوں کی حرکت بجا بننے لگی ہو۔ کرن بچاری بڑی ہمدردی اور شفقت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی کہیں کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ خاموش تھی گویا اس کے لبوں کو نطق عطا نہ ہوا ہو۔ وہ قدم قدم خرام نغمہ ادا اپنی گفتگو سے آتشا بدوں کی نغمگی کھڑی کر دینے لڑکی سپنوں کی سبھا اور خوابوں کے صنم خانے کی طرح خاموش، چپ اور ادا لگتی تھی۔ جیسے وہ لٹ گئی ہو، یادوں کی بھیگی آنکھوں اور خاموشی کی آخری پونجی۔ علاوہ اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا ہو۔

کرن نے بڑے پیار سے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ "کنپل! کنپل! یہ تم اپنی حالت کیا بنالی ہے۔ خود ہی جنید بھائی کے کوچ کی تیاریاں بھی مکمل کرتی رہو اور اب اس قدر اُداس لگ رہی ہو۔ جیسے برسوں کی مریض۔ جنید بھائی ہمیشہ کے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی جستجو میں یہاں سے جا رہے ہیں۔"

اس خود سید لگتا اور مہ تبا لڑکی نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اوپر اٹھائی اور گردن طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوالیہ اور استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ "کرن! کرن! میری خوشی کی تکیاں جلد کیوں اُڑ جاتی ہیں۔ سنہرے خواب ٹوٹ پھوٹ کیوں جاتے ہیں۔ گہری نیند براگندہ کیوں ہو جاتی ہے، بٹنے والے بچھر کیوں جاتے ہیں۔"

کنپل ذرا چپ ہوئی پھر اس نے دوبارہ حصارِ فکر میں ڈوبی اپنی اجنبی ترانہ آواز میں کہا۔ "گرن! میں جو پرانی اور قدیم راج کمار یوں کے جنم ستوپ کے قصبے کرتی تھی ان جیسی حالت میں اب میں خود مبتلا ہو گئی ہوں۔"

کرن! کرن! میرا دل ڈوب رہا ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ہر جلتے چراغ کی طرح جنید کی صورت کو ترستی رہوں گی اور یوں ہی اس میں بھیگی ہو جیسی دوریوں کی اس دلیز میں میرا جسم اک لمس تخی کی آس میں ٹوٹ بکھر جائے گا۔

خود ہی کسی روز مرگ کے سکوت میں ایک کھنڈر آباد جسم جیسی ہو جاؤں گی۔ کرن نے کہا۔ "کنپل! کنپل! میری عزیز بہن! تم اپنے آپ کو سنبھالو! میں تمہیں جنید کی یہ جدائی تمہارے لیے ناقابل برداشت ہے لیکن پھر بھی اے میری جان کا یہاں سے جانا تم دونوں کا ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا بن جانے کا ایک خیمہ ہے۔ تم جنید بھائی کے کوچ کے وقت اس طرح تو۔۔۔۔۔"

کنپل! کنپل! باہر آؤ بیٹی! جنید جا رہا ہے۔ کنپل بے چاری تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کرن کے ساتھ باہر آئی۔ کنپل نے بھائی اپنے جنگی لباس میں انتہائی پُرکشش اور باوقار لگ رہا تھا اور اس کے ہاتھ بولیں۔ سب خیمے سے باہر آئے، وہاں جنید کا گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ سب کے گھوڑے گئے پاس آکھڑے ہوئے۔ پھر شکل نے جنید کو مخاطب کرتے بے کہا۔

"جنید بیٹے! ہم سب بے چینی سے تمہارا انتظار کریں گے۔ اگر تمہاری ماں کی وجہ سے نہ آسکے تو تم اکیلے آکر کنپل کو جب چاہو لے جا سکتے ہو۔ یہ اب تمہارے لیے تمہاری امانت ہے۔"

پھر شکل نے اپنا منہ جنید کے کان کے قریب لے جا کر کہا۔ "جنید! میرے بھائی! صرف تمہاری خاطر اور تمہیں خوش رکھنے کے لیے اپنے اطمینان کے وارڈ کو دیکھو! اس کے تسلیم بھی حاصل کر رہی ہے۔"

جنید کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور جب شکل بھیجے ہوئی تو اس نے بکرمات سیدو اس اور مالدیو سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد کنپل پر ایک اوداعی نگاہ ڈالی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ کنپل وہاں بہت کی طرح کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ذہن انسانی کے گنگنا عمل کی

بول بے باکی کے ساتھ اسے دیکھنے اور پہچاننے کے بعد انتہائی مشکوک لگا۔ وہ یہاں
میں کسی اور تصادم میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ لہذا وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور
اسے اپنے لگا دی لیکن ابھی وہ غصہ مٹی دھڑکیا تھا کہ دس کے قریب سواروں نے اس
کا قاب کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا تھا۔

وہ سب مندر سے متصل ایک احاطے سے بچلے تھے۔ جنید نے ایک دم اپنے
گھوڑے کو بائیں طرف ذرا ذرا فاصلے پر کھڑی چٹانوں کی طرف موڑ لیا تھا۔ شاید ان کے
آگے آگے بھاگ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے بجائے اس نے ان سے نمٹ
لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

چٹان کی اوٹ میں ہوتے ہی جنید نے کندھے پر لٹکتی اپنی کمان سنبھال لی اور
بشت پر بندھے ترکش سے تیر پھینچ لیے تھے۔ پھر جب اس نے محسوس کیا کہ تعاقب
کرنے والے تیر کی مسافت میں آگے ہیں تو اس نے ان پر آدھی کی طرح تیروں کی نگاتار
بوچھاڑ کر دی تھی۔ چھ آدمیوں کو اس نے اپنے تیروں سے چھید کر رکھ دیا تھا اور
وہ اپنے گھوڑوں سے گر کر دم توڑ گئے تھے۔

باقی زندہ بچنے والے چاروں سوار اسی چٹان کے ساتھ آگے جس کی اوٹ میں
نود جنید چھپا ہوا تھا۔ پھر جنید نے اوٹ میں رہتے ہوئے دیکھا وہ چاروں ڈو ڈو
کی ٹولیوں میں بٹ گئے تھے اور دائیں بائیں سے چٹان کے گرد گھوم کر جنید کی طرف
بڑھنے لگے تھے۔

جنید نے فوراً کوئی فیصلہ کیا۔ اپنی کمان اس نے کندھے سے لٹکالی۔ ہاتھ
میں پکڑے ہوئے دو تیر اس نے واپس ترکش میں ڈال دیے اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال
لی۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بائیں ہاتھ بڑھا۔ اب وہ ان دو کی طرف
بڑھا جواس کے زامہ قریب تھے اور جن کا اس پر پہلے حملہ آور ہونے کا امکان تھا۔
اپنے گھوڑے کو تیزی سے بھاگاتا ہوا جنید ان پر وارد ہوا۔ پہلے ہی وار میں اس نے
ساننے والے کو کاٹ دیا۔ دوسرے نے سنبھل کر جنید کا پہلا وار اپنی تلوار پر روک لیا۔

طرح اچھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی جیسے شیشہ زخاں سے
ٹکرا دیا گیا ہو اور نیم کے کڑوے پیر کی طرح چُپ اور اُداس کھڑی جنید کو ہار
دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے اشکوں کے سوتے پھوٹ نکلتے جنہیں
کی نظریں پھا کر اپنے پلو سے خشک کر رہی تھی۔

○

جس وقت سائے لمبے اور دھوپ مدھم ہو رہی تھی جنید اپنے گھوڑے
دوڑاتا ہوا اس ندی کنارے آ کر کاٹھا جس کے اس پار مندر کے مخافظوں
کا جھگڑا ہوا تھا اور پروہت کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے مندر کے احاطے
بائیں کاٹ لیا تھا۔ گھوڑے کو روک کر جنید نیچے اترا اور گھوڑے کو پانی پلا
وہ دوبارہ سوار ہوا اور ندی عبور کرنے لگا تھا۔

سرمہ کے باعث ندی میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا۔ درمیان میں ہار
زنجیر جیسی پانی کی ایک لکیر تھی جو دور تک چلی گئی تھی۔ جنید نے جب گواہی دے
ہوئے ندی کو عبور کیا تھا تو اس وقت سرمہ کی بارشوں کے باعث ندی اپنے کنارے
تک بہہ رہی تھی لیکن اب خشک سالی کے باعث ندی کا زیادہ حصہ خشک
ہوا تھا۔

جنید نے ندی عبور کرنے کے بعد زمین سے لٹکتی اپنی چھال کا جائزہ لیا
بالکل خالی تھی۔ جنید سیدھا مندر کی طرف اس جانب گیا جہاں مندر کے بائیں
بائیں کے جھنڈ کے پاس ڈول لگا ایک پنگھٹ تھا۔ جنید نے دیکھا مندر کا
جس سے جاتی بار وہ جھگڑا کر کے گیا تھا مندر سے باہر کھڑا تھا۔ اس نے شاید جنید
دیکھا اور پہچان لیا تھا۔ لہذا وہ مندر کے اندر چلا گیا تھا۔ جنید نے ڈول کے ذریعہ
پنگھٹ سے پانی کھینچ کر پہلے خود پیا پھر وہ اپنا مشکیزہ بھرنے لگا تھا۔

دفعاً مشکیزہ بھرنے کے بعد جنید کی نگاہیں مندر کی طرف اٹھ گئیں۔ ان
دیکھا وہ پڈت اندر جانے کے بعد ایک بار پھر باہر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جنید کا

لیکن اسی لمحہ جنید نے اپنی ڈھال اس کے منہ پر دے ماری۔

جس وقت وہ اپنے گھوڑے سے لڑکھڑا کر نیچے گرنے لگا تھا۔ جنید نے اپنی تلوار برساتی اور اسے کاٹ دیا۔ اب جنید چٹانوں سے ٹکرانے والے تیز کی طرح مڑا اور دوسرے دونوں کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر تک وہ دونوں کے قریب آگئے۔ جنید ایک لمحہ منافع کیے بغیر ان پر حملہ آور ہو گیا۔

ان دونوں کے پاس تلواروں کے علاوہ ڈھالیں بھی تھیں اور انہیں جنید کے مہلک وار روکنے کے علاوہ اس پر جوابی حملے بھی شروع کر دیئے۔ مقابلے کو طویل پڑتے دیکھ کر جنید کی حالت بدلنے لگی۔ اس کے ہر جہانگیر جذبے، ہر سمت کو تسخیر کرنے کی دھول، کتاب انقلاب کے ادراک، عزم اور زہرہ و پروین پر کنڈیں ڈالنے کی لہریں پھیلنے لگی تھیں۔ پھر قدرت باقا عدلی کی طرح اس کی جوانی میں دیوانی اور جذبات میں طغیانی پھیل گئی۔ شوق و طرب اور وہی پرانے اندازِ خوب میں حملہ آور ہوا اور ان دونوں پر جھپٹ کا اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

پھر جنید کے حملوں میں وہی طوفانی تاخوتوں کا عمل، سوصلوں کا اعتبار کا کہنہ، محنت و سعی کا وقار اپنے عروج پر آ گیا۔ ایک کا وار اس نے اپنی پرو کا اور دوسرے کے حملہ کرنے سے قبل ہی جنید نے اس زوردار تیزی سے اپنی تلوار گرائی کہ وہ لکڑی کی طرح کٹ گیا اور ایک ہولناک جھنج کے ساتھ پھیرا پرو کر گیا۔ آخر میں اکیلا بچنے والا ایسا پریشان اور بدحواس ہوا کہ وہ جنید کا ایک وار بھی نہ روک سکا اور جنید کی تلوار اسے بھی خون میں نہلا گئی تھی۔

وہاں تھوڑی دیر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے جنید نے کچھ سوچا۔ نے اپنی تلوار نیام میں کو لی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ مندر کی طرف واپس چلا تھا۔ سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ اندھیرا زمین اور فضاؤں میں سرگوشی کا آترنے لگا تھا۔ رقامس حسن اور کسی مہر بہ برہم طرب کی طرح شفق نے آسمان

مغربی ماسیوں پر اپنا رنگین آئینہ لہا دیا تھا۔

گھوڑے کو باہر باندھ کر جنید جب مندر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہ پنڈت جس نے اس کے پیچھے اپنے آدمی لگائے تھے مندر کے اندر مشعلیں اور کافر کی شمشیریں روشن کر رہا تھا۔ پاؤں کی آہٹ پا کر پنڈت پٹا اور جب اس نے جنید کو اپنی خون آلود تلوار پرے اپنے سامنے دیکھا تو اس کے منہ سے خوف میں جھنج بک کر رہ گئی۔ ہاتھ میں پڑی مشعل اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ آسیدب ندہ کی طرح کانپنے اور تیز آنکھوں میں کھڑے درخت کی طرح لرزے لگا تھا۔

جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنی آواز کی پوری گھن گرج میں کہا۔ یہاں سے گوالیار کی طرف جاتے ہوئے جب تم نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی تھی تو میں تمہارے ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد تمہیں معاف کرتے ہوئے زندہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس بار تم نے میرے تعاقب میں اپنے آدمی لگا کر اپنی غلیظ فطرت، گندی مرثت اور عیاری طبع کا اظہار کیا ہے۔ اب میں کیوں کر تجھے معاف کر سکتا ہوں۔ پھر جنید آگے بڑھا۔ تلوار مار کر اس نے پنڈت کو کاٹ دیا۔ باہر آکر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر اپنی منزل کی طرف اس نے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔



ایک روز اُسی شہر میں داخل ہونے کے بعد تیمور اپنے گھوڑے سے اترتا اور اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ملول اور غم گین تھا۔ شاید جنید کی کمٹنگ نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔

دروازے پر دستک دینے کے بعد اس نے اپنے آپ کو اس خیال کے تحت کچھ سنبھالا کہ شاید جنید گھر ہی آ گیا ہو۔ اتنے میں حویلی کا دروازہ کھلا اور دروازہ کھولتے والا اس کا باپ میرم تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی میرم نے باہیں پھیلایا اور اس کے لگا کر چومنے لگا۔

جنید کی بہن اور منصور کی بیوی سیمون یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ شور کرنے لگی
 ”انا! امی! بھو بھئی! جنید اور تیمور آ گئے۔“

غیرم طغانی، منصور، سدم، بولانی، یورث اور خود سیمون بھی جہاں تھے وہاں پر آئی۔ اتنی دینک میرم، تیمور سے گلے مل کر علیحدہ ہو چکا تھا۔ پھر شرم طغانی اور پشاکر پیار کر رہا تھا۔ میرم نے حویلی سے باہر جہانکا وہاں صرف تیمور کا گھوڑا کھڑا اور جنید نہ تھا۔ ایک جستجو اور فکر مندی سے میرم نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

”جنید کہاں ہے؟“

تیمور کی گردن جھک گئی اور اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا: "اے باپ! میں آپ لوگوں سے کیا کہوں کہ جنید کہاں ہے؟"

جبید کی ماں سدھم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی خیر کی خبر نہ آئے۔“
 بچے! ”جبید کی بہن سیمون، پچھو بھی یورٹ اور خالہ بولائی کی حالت بھی نہیں آئی۔“
 تھی۔ بوڑھا شیرم طغائی بھی کہہ رہے تھے اور منصور کے چہرے پر فکر مندی کے
 نمودار ہو گئے تھے۔

میرم نے بگڑتے اور خفا ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو تم کھل کر کہو
 تیمور نے ایک بار سب کو غور سے دیکھا۔ پھر اس نے کابل سے جنگ
 لیے روانہ ہونے، سیالکوٹ اور لاہور فتح کرنے اور لاہور سے حیدر کے چاکر
 ہو جانے کے سارے واقعات تفصیل سے بتا دئے تھے

میرم نے گھڑتے ہوئے کہا - ”تم کبواس کرتے ہو۔ وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔ تم نے اسے اکیلا جانے کیوں دیا۔ یہ اس کی نہیں تمہاری غلطی ہے۔“

جنید کی پھو پھی اور تیمور کی ماں نے کھا جانے والی نگاہوں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم ہمیں اس کی گم شدگی بتاؤ گے، ہو کہ ہم سب اس کی گمشدہ اور جدائی پر مر مٹیں۔ اس کے چلے جانے پر روئیں اور ماتم کریں۔ کیا تم نے اسے ہو کہ میرے بھائیوں کی آخری نشانی بھی ہم سے کھو گئی ہے۔“

تیمور نے کہا: "اے میری ماں! اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا عزیز بھائی یوں، مجھ سے اچانک جُنا ہو جائے گا تو میں اسے اپنی نظروں سے اوجھل ہی کیوں ہونے دیتا؟" تیمور کی ماں اور پیدش نے ایک زوردار تھپڑ تیمور کے منہ پر مارتے ہوئے کہا: "تم کب اس کرتے ہیں۔ اس میں تمہاری مستی شامل ہے۔ جب وہ تمہیں بتا کر کہتا تو تم اس کے ساتھ جاتے، اس کا پیچھا کرتے کہ وہ کدھر کا رخ کرتا ہے۔"

تیمور نے احتجاجاً کہا۔ " ماں ! تم تو ایسی گفتگو کر رہی ہو جیسے وہ مجھے عزیز نہ
 مایا وہ میرا بھائی نہ تھا۔ بخدا میں اپنی ذات اپنی ہمتی تک اپنے اس بھائی پر قربان
 کر دوں۔ سنو ماں ! اس نے جنگ میں بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لہذا
 بنے اسے اپنے ہر اول لشکر کا نائب سالار مقرر کر دیا تھا۔ اس عہدے کو تندر نظر
 رکھتے ہوئے مجھے اس کی بات ماننا پڑی تھی۔ کاش میں اپنے بھائی کا تعاقب کرتا۔ اس
 نے پیچھے جاتا۔

سیدم، سیمون اور بولائی تو پہلے ہی سسک سسک کر رو رہی تھیں۔ یورٹ نے جی دروازے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ آہ! پہلے میرے بھائی سمر بیگ اور اللہ ویر دی مارے گئے اور جنید بھی کھو گیا۔ ہائے حیف! میرے باپ کی نسل بھی ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ میں کاسے کو اس دن کے لیے زندہ تھی۔ کسی چٹان سے ٹکرا جاتی۔ کسی تاریک اندھے کنوئیں میں کود گئی ہوتی۔“

تیمور نے بوجھل دینے والی آواز میں پوچھا - "یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماں! ماموں سمر بیگ اور اللہ و پردی کب اور کسے مارے گئے؟"

اس بار شیرم طغائی نے بولتے ہوئے کہا - "اے میرے بچے! تمہیں یاد ہوگا سترہ سوسے ایک تاجر کیا تھا جس نے مجھ سے علیحدگی میں گھٹنگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا - اس نے علیحدگی میں مجھ سے یہی کہا تھا کہ مالوہ کے وزیر مدینی راؤ نے سمر ہنگ اور نصرت کو بڑے قید میں ڈال دیا تھا - پھر اللہ ویردی کسی طرح ان دونوں کو جیل سے نکال کر لے آیا گا - ہر مدینی راؤ کے وار وند نے ان تینوں کو روک کر موت کے گھاٹ اتار دیا - میں

میرے دونوں بھائی نہ رہے۔ میرے بھائی کا واحد اور عزیز فرزند جنید ہمارے پاس نہ رہا۔ اب میرے لیے کیسی قسقی اور کیسی ڈھارس ہو سکتی ہے۔ جنید میرے ماں باپ کی طرف سے ایک نشانی تھی۔ میرے خاندان کا ایک ورثہ تھا۔ اس کے کھوجانے کی خبر ملے کہ تم لوگوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

اس بار جنید کی ماں سیدم آگے بڑھی اور یورث کو اپنے ساتھ لپٹتے ہوئے لہا۔ اے میری بہن! تو جانتی ہے جنید مجھے کیسا عزیز اور پیارا ہے۔ وہ میری آنکھوں کا نور، میری زینت کی مضبوط لائٹھی، میرے خمیر کا اطمینان، میرے دل کا قرار اور میرے منتقل کی امید ہے۔ پر دیکھو میری بہن! میں اس کے غم میں رو نہیں رہی۔ اس لیے کہ میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا زندہ ہے اور میں جانتی ہوں وہ کہاں ہے۔

یورث نے چونک کر پوچھا۔ اے میری بہن! اگر تو جانتی جنید کہاں ہے، تو پھر ہمیں کیوں نہیں بتاتی؟

شیرم طغانی، بولانی، سیمون، منصور، میرم اور تیمور بھی آگے بڑھ کر سیدم کے قریب آکھڑے ہوئے اور اس طرح سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ یہ وہ ان کے لیے کسی بہت بڑی خوشی کا اعلان کرنے والی ہو۔

سیدم نے کہا۔ میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا زندہ ہے۔ جس روز سمرقند کا وہ بوڑھا تاجر بابا کے پاس سمر بیک، اللہ ویردی اور نصرت کے مارے جانے کی خبروں پر ملے گا یا تھا اور اس نے بابا سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس روز ہم سب لوگ یہاں صحن میں کھڑے تھے لیکن بابا جب اس تاجر کو لے کر دیوان خانے کی طرف چلے گئے تو جنید بھی پانی پینے کا ہاتھ کر کے اس کی طرف چلا گیا تھا۔ میرے خیال میں اس نے بابا اور اس تاجر کے مابین ساری گفتگو سن لی تھی اور اسے خبر ہو گئی تھی کہ اس کا باپ اور چچا مارے گئے ہیں۔ اس واقع کے بعد وہ مجھ سا گیا تھا اور جب چپ رہنے لگا تھا۔ تاہم میری موجودگی میں وہ زبردستی اپنے آپ کو معمول کے مطابق لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں اس معاملے میں ضرور اس سے بات کرتی پر اگلے روز

نے کچھ عرصہ اس خبر کو چھپائے رکھا۔ پر یک تک میں ایسا کر کے اندر ہی اندر تنہا۔ آخر تمہارے اور جنید کے جلنے کے بعد ایک روز یہ بُری خبر میں نے سب سے دی۔ بیٹے! تمہارے اور جنید کے جلنے کے بعد ہم نے ایک اور فیصلہ کیا ہے اور سیمون و دونوں میاں بیوی کو ہم نے بولانی کے حوالے کر دیا ہے۔ اب کوئی بچہ سکتا کہ بولانی کے اولاد نہیں ہے۔ منصور اس کا بیٹا اور سیمون اس کی بہن اور پھر شیرم طغانی رکا اور ایک آہ بھرتے ہوئے وہ بے چارہ بوڑھا سیما کہہ رہا تھا۔ اس گھر میں سمر بیک، اللہ ویردی اور نصرت کی موت کا غم کچھ کم تھا لیکن آج تم نے اسے فرزند! جنید کی گم شدگی کی خبر دے کر اس زخم کو دوبارہ کھولا ہے۔ کاش میرا بچہ جنید کہیں کھونہ گیا ہوتا اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا قدرت کا یہی فیصلہ ہے کہ میری دونوں بیٹیاں اپنی نرینہ اولاد کی نسل آگے بڑھ سکیں تو میں شیرم طغانی کیا کر سکتا ہوں۔

میں ہر ایک سے جنگ کر سکتا ہوں، خود اپنی ذات سے لڑ سکتا ہوں قدرت کے ایسے فیصلوں کے خلاف میں کیسے اور کیوں کر بغاوت اور کڑھ ہوں؟ پھر شیرم طغانی کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور گردن جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ آہ! میرا بیٹا! میرا فرزند! میرا جنید! تو کہاں کھو گیا میرے شیرم طغانی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرم اور منصور کی آنکھیں بھی گئی تھیں۔ یورث، بولانی اور سیمون سسک سسک کر رونے لگی تھیں۔ تاہم کی ماں بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ کھڑی سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ تیمور روتی ہوئی اپنی ماں یورث کی طرف بڑھا اور اسے اس کے دونوں کندھوں سے ہونے اس نے ڈھارس اور تسک دینے کی خاطر کہا۔ اے میری ماں! مطمئن رہو، تم بھائی کو تلاش کروں گا۔ اسے ڈھنڈنے کی خاطر میں ہند کی سرزمین کا ایک ایک چھان ماروں گا۔

یورث نے تیمور کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جھپٹتے ہوئے کہا۔ دُور رہو مجھ سے۔

بابر کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے یہاں سے کوچ کر گیا اور میں اس کے چہرے کی وجہ نہ جان سکی۔

جب بابا نے مجھے اس کے باپ اور چچا کی المناک موت کی خبر دی پھر بڑے سے آپ معلوم ہو گیا کہ جنید اس دن طول اور اداس کیوں تھا۔ اس نے اس دن باپ اور چچا کے مرنے کی اطلاع اسی تاجر سے سُن لی تھی اور لاہور شہر میں تیمور جدا ہو کر وہ اپنے باپ اور چچا کا انتقام لینے کی خاطر یقیناً مالوہ کی طرف چلا گیا۔ سیدم ذرا رُک کر پھر اس نے اپنے باپ شیرم طغانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اے میرے باپ! میرا دل کتنا ہے میرا بیٹا مدینی راؤ اور رام دیو سے باپ اور چچا کا انتقام لینے میں کامیاب رہے گا۔ اے میرے باپ! میں نے کبھی تو نہیں لیکن اس دوران میں اپنے بیٹے سے متعلق کو خواب کثرت سے دیکھتی رہی ایک خواب میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہواؤں میں اٹھا تھا اور میری طرف اُڑا کر مسکراتا تھا۔

دوسرے خواب میں اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کیے وہ میرے سامنے تھا اور اس کے چہرے پر کامیابی اور فوز مندی، طہارت و تسفی، فرحت و مسرت شادمانی و انبساط کے جذبات پُرجا کرتے تھے۔

اے میرے باپ! پہلے خواب کی تعبیر میں یہ نکالتی ہوں کہ میرا بیٹا بابر کے میں ترقی کر کے ہراول کا نائب امیر ہو گیا اور اس کے لیے وہ میری طرف مسکرا کر دوسرے خواب کی تعبیر میں یہ نکالتی ہوں کہ میرا بیٹا مدینی راؤ اور رام دیو کو قتل کر کے بعد اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کر کے توصیف، مدح و ستائش و آفرین میری طرف دیکھتا ہے۔ اے میرے باپ! میرا بیٹا زندہ ہے اور عنقریب وہ لاہور اور رام دیو کے قتل کی خبر لے کر ہمارے پاس آئے گا۔

شیرم طغانی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”تیری زبان جیسا کہ ہمیں جس روز میرا بیٹا یہ خبر لے کر گھر لوٹا میں اپنے رب کی راہ میں سو بکریاں قربان کر دوں گا۔“

پھر بوڑھا شیرم طغانی وہیں صبح کی سخت زمین پر سجدے میں گر گیا اور بلند آواز میں سُبْحَانَ رَبِّیْ اَلْعَلِّیٰ پکار کر اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔ بوڑھا شیرم طغانی جب سجدہ شکر سے اُٹھا تو میر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بابا! کیا میں آج ہی جنید کی تلاش میں روانہ نہ ہو جاؤں۔ میں جب تک اسے گھرنہ دیکھ لوں مجھے اطمینان نہ ہوگا۔“

شیرم طغانی کے بولنے سے قبل ہی تیمور نے کہا۔ ”بابر قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ پھر ہندوستان کا رخ کرے گا۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔ اور بابر سے مسلح جوانوں کا ایک دستہ حاصل کر کے وہاں اپنے بھائی کو تلاش کروں گا۔“ اس بار منصور نے بولتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی تیمور کے ساتھ روانہ ہوں گا اور ہم دونوں بھائی مل کر جنید کو تلاش کریں گے۔ جنید کے بل جانے پر یہ دونوں تو بابر کے لشکر میں ہی رہ جائیں گے جب کہ میں گھرا کر اس کے بخیریت ہونے کی خوشخبری دوں گا۔“

شیرم طغانی نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”ہاں یہ ٹھیک ہے کہ تیمور اور منصور دونوں بھائی جنید کی تلاش میں جائیں۔ میرم! تم میرے پاس رہو۔ مجھے تمہاری بہال ضرورت رہے گی۔ شاید ان دونوں کو ہندوستان جلنے کی ضرورت بھی نہ پڑے اور جب یہ بابر کے پاس کا بل جائیں تو جنید اپنے لشکر میں واپس آچکا ہو۔“

تیمور نے فوراً شیرم طغانی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”دادا ٹھیک کہتے ہیں۔ بابا! جنید کی تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اور منصور بھائی جائیں گے اور انشاء اللہ بہت جلد اپنے گھر کے لیے خوش خبری لائیں گے۔“

اس کے بعد وہ سب تیمور کو حویلی کے اندر لے گئے۔ دوسرے روز تیمور اور منصور کا بل کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

○
جس روز منصور اور تیمور کا بل شہر کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا بابر کا لشکر

قندھار شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے کابل شہر سے باہر کوچ کے لیے تیار تھا۔ دونوں جب اس جھڑپ میں آئے جہاں امیر علی قلی کا توپ خانہ تھا تو انہوں نے دیکھا۔ امیر علی قلی خان ادھر ادھر بھاگتے ہوئے اپنے چھوٹے کماندروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ دائیں طرف سے بابر اور اس کا بیٹا ہمایوں بھی اپنے محافظ دستوں کے ساتھ علی قلی کی طرف آرہے تھے۔

منصور اور تیمور کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بابر اور ہمایوں علی قلی کے پاس جا کر کسی موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ان دونوں کے قریب جا کر تیمور نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے منصور سے کہا۔ "اے میرے بھائی! وہ سامنے جو ہیں ٹھہر کھڑے ہیں ان میں دائیں طرف والے بابر اور اس کا بیٹا ہمایوں ہیں اور بائیں طرف توپ خانے کے امیر علی قلی ہیں۔"

ان کے قریب جا کر تیمور اور منصور نے ان تینوں سے مصافحہ کیا۔ پھر تیمور نے کہا۔ "یہ میرے بڑے بھائی منصور ہیں۔"

علی قلی نے پوچھا۔ "کیا یہ بھی لشکر میں شامل ہوگا؟" تیمور نے کہا۔ "نہیں یہ میرے ساتھ جنید کو تلاش کرنے آئے ہیں۔ ہمارے گھروالے اس سے متعلق سخت فکر مند ہیں۔" پھر تیمور نے مختصراً اپنے ماموں سمریک اور اللہ دیردی کے حالات اور جنید کے قاتلوں سے انتقام لینے کے خدشات اظہار بابر، ہمایوں اور علی قلی سے کر دیا۔

بابر نے تاسف کرتے ہوئے کہا۔ "کاش! یہ حالات تم نے مجھے پہلے پہنچاتے تو میں لاہور ہی سے اپنے چند دستے جنید کی تلاش میں روانہ کر دیتا۔ بہر حال اس وقت ہم قندھار کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ وہاں سے واپسی پر میں اپنے لشکر کے ساتھ پھر ہندوستان کا رخ کروں گا اور وہاں جنید کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔" میرے ہراول کا نائب امیر ہے اور لشکر میں مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ تیمور نے بھائی علی قلی کے ساتھ ہی کام کرو۔

بابر اور ہمایوں آگے بڑھ گئے۔ علی قلی نے منصور اور تیمور کو اپنے ساتھ لے کر قندھار کی طرف کوچ کر رہا تھا۔



بابر کے لیے قندھار پر حملہ آور ہونے کے حالات انتہائی سازگار تھے اس کا حریف شیبانی خان ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ ایک جنگ کے دوران ہار چکا تھا۔ بابر اسماعیل صفوی کی بے پناہ قوت سے بھی خوفزدہ تھا لیکن قدرت نے اس کو یہ انتظام کیا۔

اسماعیل صفوی نے اس قدر قوت جمع کر لی تھی کہ وہ اپنے ہمسائے حکمرانوں کے خلاف میں دخل اندازی کرنے لگا تھا۔ آخر قدرت نے اسے اس کی سزا دی اور ترکی کے سلطان اور عثمانی ترکوں کے فرزند عظیم سلطان سلیم سے اسماعیل صفوی کی جنگ چھڑ چکی۔ سلطان کے مقام پر سلطان سلیم نے اسماعیل صفوی کو ایسی ہولناک اور قیامت خیز شکست دی کہ اسماعیل صفوی اپنی ساری چوڑیاں اور منصوبے بھول گیا سوہ اپنی سرحدوں اور محمد یوگیا اور آئندہ کسی کو پریشان کرنے کی جرأت نہ کی۔

قندھار پر شیبانی خان نے ایک طرح سے قبضہ کر لیا تھا لیکن اسماعیل صفوی کے خلاف حرکت میں آنے کی وجہ سے وہ قندھار کو چھوڑ کر چلا گیا اور قندھار کے امیر شاہ بیگ ارغون نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان حالات میں جب ایک جنگ کے دوران شیبانی خان مارا جا چکا تھا اور ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی نے ترکی کے سلطان سلیم نے توڑ کر رکھ دی تھی، بابر کے لیے قندھار پر حملہ بڑا آسان ثابت ہو سکتا تھا۔

بابر نے بڑی برق رفتاری سے قندھار کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ حاکم قندھار شاہ بیگ ارغون کو بھی بابر کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ لہذا وہ اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کے مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکل کر صف آراء ہو گیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد بابر نے پڑاؤ کیا۔ لشکر کو ہراول، قلب، میمنہ، میسرہ اور توپ خانہ پانچ

جھٹوں میں تقسیم کر کے اپنی صفیں درست کیں۔

جنگ میں حصہ لینے کے لیے اس نے ہراول، قلب، میمنہ اور میسرہ تیار کیا۔ توپ خانے کو علی قلی کی کمانداری میں اس نے ایک محفوظ جگہ سے علیحدہ رکھا۔ منصور اور تیمور بھی اسی محفوظ جگہ میں شامل تھے۔

باہر نے سب سے پہلے اپنے ہراول، میمنہ اور میسرہ کو لگے بڑھایا۔ اپنے قلب کے ساتھ بھی دشمن پر ضرب لگانی شروع کر دی تھی۔ منصور توپ خانے کے محفوظ کستوں کی حیثیت سے ذرا فاصلے پر بڑی دل چسپی سے جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔

وہ دونوں بھائی علی قلی کے قریب ایک چٹان پر بیٹھے تھے اور بڑوں سے اس جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ جواب لمحہ بہ لمحہ سختی اور تندی اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا انسانیت کے شعور اور لاشعور میں ایک تھکناؤ ایشیا کی ان گناہ کو ہتانی وادیوں کے اندر ایک کہرام ایک شورا اٹھ کھڑا تھا۔ انسانی خون ندی نالوں کی پتلی گزرگاہ کی طرح بہہ نکلا تھا۔ میدان جنگ میں ہراول و فالحوں کے کالے تابوت کی طرح موت و زیت کے دھندلے نظر آنے لگے۔

باہر نے اپنے حملوں میں جب باد و باران جیسی سختی اور آتے جاتے باران تسلسل پیدا کر دیا تو قندھار کا حاکم شاہ بیگ ارغون ان حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ اپنے لشکر کو اس نے پسا ہو کر شہر کے اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لینے کا حکم دیا تھا۔ شاہ بیگ ارغون کے اس حکم پر اس کے لشکر کی تلخ زدہ شام میں پتوں کے اڑتے پتوں کی طرح شہر کی طرف بھاگنے لگے تھے۔

دفعۃً منصور نے چونکتے ہوئے کہا۔ "تیمور! تیمور! میرے بھائی! دیکھو کیا وہ ہمارا بھائی جنید نہیں ہے؟" منصور نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا ہوئے کہا۔ "تیمور نے اس سمت غور سے دیکھا پھر ایک طرح سے اس نے فریاد ہوئے اور بے پناہ خوشی میں چلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھراوہ ہمارا بھائی جنید

قریب بیٹھے علی قلی نے حیرت زدہ لمحے میں پوچھا لیکن یہ اچانک کیا کہاں سے تھوڑی دیر پہلے جب جنگ کے لیے صفیں درست ہو رہی تھیں تو یہ شکر میں شامل تھا اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ ہراول شکر کی کمانداری کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے اپنے اسے کہیں پھنسا رکھا ہو اور بوقت ضرورت اسے باہر نکال کر اس سے یہ کام لینے کا ارادہ کیا ہو۔

منصور اور تیمور نے علی قلی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس لیے کہ وہ دونوں بھائی بڑی محویت سے جنید کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ علی قلی بھی اب بڑے انہماک سے جنید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو شہر کے دروازے کی طرف بھاگتے دشمنوں پر ان کی اطراف سے ضربیں لگا رہا تھا۔

ان تینوں نے دیکھا جنید کے حملہ آور ہونے کے ہر رنگ میں قیامت، ہر جھپٹ میں جلال و احتشام تھا۔ وہ ان زہرہ جبین، رشک نجوم اور خورشید ساز جوانوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا جو معرکہ ہست و نیست میں سنان سنان اجل کے سائے، تیغ تیغ فتح کی دھول، سپر سیر ارتقا کے جھکاتے اُفتی، انجم انجم شبستان خیال، شعلہ شعلہ محبت کا نول اور سایہ سایہ نگاہوں کا سکون کھڑا کر کے شجاعت کے روح روان کی طرح ہر طرف ہر سمت مثل خورشید و متاب اپنی تازگی لانعال بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔

جنید کے حملوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے سچائیوں کی عصمت سے جھوٹ کے آسیب کو کاٹتے ہوئے آوازوں کے عکس کو پاہ زنجیر کرنے لگا ہو۔ اس کی ضربوں کے سلسلے دشمن کے لشکریوں کی حالت پیاسے شجر، اڑتی بے رنگ مٹی بے چراغال مزاراؤ شہر غزال کے طاقول کی ویرانی اور محرابوں کے سلسلے جیسی ہو گئی تھی۔

شاہ بیگ ارغون کے لشکر کی حالت اب عجیب ہو گئی تھی۔ بائیں طرف سے ہمایوں آرمیوں کے کالے سفر بے رنگ خیالات کی طرح اُڑا رہا تھا۔ سامنے کی طرف سے خود باہر زمین پر برسے والی سورج کی کرنوں کی طرح ان پر نازل ہو کر ان کے دفاع کے حصار کو آب گینوں کے اونچے محل کی طرح ریزہ ریزہ اور ان کی ہر تدبیر کو زخم زخم کر رہا تھا۔

جب کہ دائیں طرف سے جنید نے ان پر قاتل لہروں اور مداوتوں کے بھرپور طوفانوں کی ان پر حملے شروع کر دیئے تھے۔

تین اطراف کے اس دباؤ سے شاہ بیگ ارغون کے لشکر کی بدحواسی کی طرف بھاگے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو بابر، ہمایوں اور جنید بھی اپنے کے ساتھ ان کے اندر گھس کر ان کا قتل عام کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ موقع پر شاہ بیگ نے عقلمندی سے کام لیا اور وہ اپنے لشکریوں کے ساتھ شہر میں نہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ شہر میں داخل ہو جانے کے بعد وہ محصور ہو جائے گا اور ایک روز شکست کھا کر اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔ لہذا وہ اپنے مختصر سے ساتھیوں کے ساتھ جنگ سے بھاگ کر بلوچستان اور وہاں سے سندھ کی طرف بھل گیا تھا۔ شہر کے اندر دیر کی جنگ کے بعد قندھار پر بابر کا مکمل قبضہ ہو گیا تھا۔

جنگ جب ختم ہو گئی تو منصور اور تیمور اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے شہر داخل ہوئے۔ وہ اپنے امیر علی قلی سے اجازت لے کر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ کا رخ اپنے لشکر کے وسط میں اس جگہ تھا جہاں بابر، ہمایوں اور جنید کھڑے آپس لگتے کھڑے رہے تھے۔

قریب جا کر منصور اور تیمور اپنے گھوڑوں سے اترے پھر وہ بھاگ کر بادشاہ جنید سے گلے ملنے لگے۔ بڑے بھائی کی حیثیت سے منصور نے کچھ کچھ جواب طلب میں پوچھا۔ "جنید! میرے عزیز بھائی! تم کہاں چلے گئے تھے۔ کہہ کر کھو گئے تھے تمہاری وجہ سے دادا، بابا، اماں، چھو بھیاں اور سیموں سخت پریشان ہیں۔ میں نے تمہارے گم شدگی پر دادا کی آنکھوں میں زندگی میں پہلی بار آنسو دیکھے تھے۔ وہ بہت پریشان ہیں ہم دونوں کو انہوں نے تمہاری تلاش میں روانہ کیا تھا۔"

جنید نے ہلکی سی مسکراہٹ میں کہا۔ "تم دونوں کے آنے سے قبل میں آنا اپنے ہی حالات سن رہا تھا۔ میں لاہور سے مالوہ کی طرف چلا گیا تھا۔ شاید تم دونوں خبر نہ ہو کہ میرا باپ اور چچا مارے جا چکے ہیں۔"

منصور نے کہا۔ "ہمیں اور سب گھروالوں کو اس کا علم ہے۔ دادا کے پاس جو ایک بار سمرقند کا تاجر آیا تھا وہ یہی مخصوص خبر لایا تھا۔ اس خبر کو کچھ عرصہ دادا نے راز میں رکھا پھر تم دونوں بھائیوں کی روانگی کے کچھ روز بعد سب کو تاکر اپنا پوچھ بھلا کر لیا۔"

جنید نے کہا۔ "اس تاجر کی گفتگو چوری چھپے میں نے بھی سن لی تھی۔ لہذا میں لاہور سے تیمور بھائی کو غلط تاثر دیتے ہوئے مالوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے حقیقت کہی تو اولاً تو تیمور مجھے جلنے ہی نہ دے گا۔ ورنہ میرے ساتھ جانے پر ضد کرتا اور میں ایسا نہ چاہتا تھا۔ میں نے مالوہ میں داخل ہو کر مالوہ کے وزیر مدینی راؤ اور اس کے داروغہ رام دیو کو قتل کر دیا۔ یہی دونوں میرے باپ، چچا اور نصرت کے قاتل تھے۔ اب میں پرسکون ہوں کہ میں نے اپنے باپ اور چچا کا انتقام لے لیا ہے۔"

اس بار تیمور نے حیرت سے پوچھا۔ "تم اپنے لشکر میں کب داخل ہوئے جنید؟" جنید نے کہا۔ "مالوہ سے میں لاہور گیا۔ وہاں سے تیر چلا کہ آگے بڑھنے کے بجائے لشکر کا بل جا چکا ہے۔ جب میں کابل میں داخل ہوا تو خبر ہوئی کہ لشکر قندھار شہر پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کر گیا ہے۔ لہذا میں بھی ادھر روانہ ہو گیا۔ میں اُس وقت یہاں پہنچا جب میدان جنگ میں دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ آقا نے مجھے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا پر میں نے بعد ہو کر جنگ میں حصہ لیا ہے۔"

منصور نے چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد بابر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آقا! کیا کچھ روز کے لیے ہم دونوں بھائی جنید کو اپنے ساتھ گھر لے جاسکتے ہیں۔ اس کی گم شدگی پر ہمارے گھر کا ہر فرد ملول اور غم گین ہے۔ اس کے وہاں جانے پر ہمارے گھر میں خوشی اور اطمینان کی بہار آجائے گی۔"

بابر نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کچھ روز کے لیے منصور اور تیمور کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔ لیکن جلد لوٹ آنا۔ میں بھی صرف چند روز یہاں قندھار میں قیام کروں گا اور اپنے بیٹے عسکری کو یہاں کا حاکم مقرر کر کے کابل روانہ ہو جاؤں گا۔ منو! تم جلدی کابل آنا۔ کیوں کہ میں ہندوستان پر حملے کی ابتدا کرنا چاہتا ہوں اور یہ ہمارا

آخری اور فیصلہ کن حملہ ہوگا۔

جنید نے ان بات میں سر ملاتے ہوئے کہا۔ ”آپ فکر نہ کریں، میں بہت لوٹ آؤں گا۔“

بابر آفر ہمایوں وہاں سے ہٹ گئے۔ اتنی دیر تک علی قلی وہاں اکیلا کو گلے لگا کر بٹنے لگا اور شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھنے لگا۔ ”تم کہاں کھو گئے تھے بھائی؟“ جواب میں جنید نے اپنی داستان مختصر کر کے سنا ڈالی تھی۔ جنید جب خاموش ہوا تو منصور نے علی قلی سے کہا۔ ”ہم نے آقا بابر سے اجازت لے لی ہے۔ جنید کو لے کر ہم قلعہ دیر تک یہاں سے اپنے گھر کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ یہ دونوں بھائی چند روز گھر رہیں گے پھر لشکر میں لوٹ آئیں گے۔“

علی قلی نے منصور اور جنید سے کہا۔ ”تم دونوں بھائی میری ایک بات سنو۔“ تیمور اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا جب کہ جنید اور منصور کو ذرا فاصلے پر لے جاکر سے گفتگو کرنے لگا تھا۔ جنید کبھی کبھی چورنگا ہوں سے تیمور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ شاید علی قلی کی گفتگو کا موضوع تیمور ہی تھا۔

اپنی گفتگو ختم کر کے علی قلی نے بلند آواز میں کہا۔ ”تم تینوں پہلے میرے ساتھ کھانا کھاؤ پھر یہاں سے گھر روانہ ہونا۔“

تینوں خاموشی سے علی قلی کے ساتھ چل پڑے۔ راستے میں جنید نے علی قلی کی نگاہیں ہچا کر تیمور کے کان میں کہا۔ ”تم خوش ہو امیر علی قلی اپنی بیٹی سیرک تم سے بیاہنے کی پیشکش کرتا ہے۔ تم فکر مند نہ بنائیں تمہیں ماموں اور نانا سے اس کی اجازت لے دوں گا۔“ جواب میں تیمور کے ہونٹوں پر خوش کن مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ تینوں نے علی قلی کے ساتھ کھانا کھایا پھر وہ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ ان کی روانگی سے قبل بابر نے مال غنیمت سے ان کا حصہ ان تینوں کو بھجوا دیا تھا۔

○
جنید، منصور اور تیمور ایشیا کی ان گناہم کو چھانی وادیوں میں سفر کر رہے تھے

جس کے اندر ندی نالوں کی نیل نیلی گزر گائیں تھیں۔ انہی شہر کی طرف جلتے ہوئے وہ ان ہی بن والے پہاڑوں سے گزر رہے تھے جو زمانہ قدیم میں غارت گرا اقوام کا ماضی نبی رہی تھیں اور وہ بہتر پناہ کا مہول اور مرغزاروں کی تلاش میں قدرت کی سی باقاعدگی سے اپنے بٹ جانے والے خمیوں اور چمڑے کے سینہ بندوں کے ساتھ شمال کی بھیا تک سرزمینوں سے نکل کر جنوب کی ان وادیوں کا رخ کرتی رہی تھیں۔

یہی وہ وادیاں تھیں جن کے شمال سے لوار، بلغار، مہن، سیتھیں، آرین، ترک منگول اور دیگر غارت گرا اقوام نے خروج کیا اور اپنی بھولی بھری یادوں کے ساتھ انہوں نے ہر دو تہذیبوں کے اندر ایک طغیانی اور قہر لسی کا سا طوفان کھڑا کر رہا تھا۔ یہی وہ راستے تھے جن پر قدیم فاتح خوانین و سلطان بڑے بڑے یورت والی صحرائی خیمہ نشین اقوام کے ساتھ شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی طرف دھندلے جزیروں اور زمین کے زرخیز ٹکڑوں کی تلاش میں آوارہ گرد و مخومیوں کی طرح سفر کرتے رہے۔ اور اب بھی ان علاقوں میں ان نیم تاریک صحرائی اقوام کے نشانات زندہ تھے۔ اب بھی دریائے یورال سے لے کر آرمینیا تک کا نیم صحرائی علاقہ جو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جو جی کی ملکیت تھا اس پر ازبک کے نام سے اس کے وارث قابض تھے۔ جب کہ وسط ایشیا کا قلب جو سطح مرتفع تربت کے اوپر واقع ہے وہاں اب بھی چنگیز خان کے بڑے بیٹے چغتائی کی اولاد آباد تھی اور مسلمان ہو کر وہ اپنے اندر بڑی تیزی سے تبدیلیاں کر رہے تھے۔ ان دونوں اقوام کے درمیان قدیم بت پرست کرغیز اور جنگلی قزاق قبائل آباد تھے جو اب قدیم ہندیب کا لبادہ آوار کر نئی روشنی کی طرف آرہے تھے۔

جاڑہ اپنے عروج پر تھا۔ برف پھیل پھیل کر اور کوہستانی برفانی چوٹیوں سے برقی ہوئی میچے وادیوں میں شاہ واز کے باغات تک پھیل گئی تھی۔ آمد و رفت کے بڑے بڑے برف دے برف باری سے بند ہوتے جا رہے تھے۔

کوہستانوں کے اندر نیلے پانی کی دھاریں جم گئی تھیں۔ بھیریں اور کالی پہاڑی بکریاں گھاس کو ترسے لگی تھیں۔ شاہین، جرسے اور دوسرے کوہستانی پرندے اپنے عقبی

کے خطرات سے بے نیاز برفانی سرزمینوں سے اڑ کر فطرت کے تجسس کی طرح جنوب کی طرف سرزمینوں کا تسخ کر رہے تھے۔

قدیم خانہ بدوش قبائل اپنی چری چھو لہریاں اپنے گدھوں اور خچروں پر لاد کر نفیریاں اور وئیں بجاتے ہوئے بڑی تیزی سے شمال کے برفناؤں کو انوعا کرتے ہوئے جنوب کی طرف جارہے تھے۔ ان ہی علاقوں اور سرزمینوں میں سفر کرتے ہوئے ایک راجہ جنید، منصور اور تیمور انجمنی شہر میں داخل ہوئے اور اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دے دیا۔ میرم نے جب حویلی کا مدانہ کھولا اور منصور اور تیمور کے ساتھ اس نے جنید کو کھڑے دیکھا تو وہ بھاگ کر باہر نکلا اور جنید کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ جو علیحدہ ہو کر وہ زور زور سے شور کرنے لگا۔ ”بابا! سیدم! یورٹ! بولائی! سیمن! باہراؤ! دیکھو کون آیا ہے، میرا بیٹا آیا ہے، جنید آیا ہے۔“

سب سے پہلے بوڑھا شیرم طغانی اس تیزی سے باہر آیا کہ اس کے عملے کے پیچھے بھاگنے سے ڈھیلے ہو گئے تھے۔ اس کے پیچھے پیچھے سیدم، یورٹ، بولائی اور سیمن بھی بھاگ رہی تھیں۔

شیرم طغانی نے آگے بڑھ کر جنید کو اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر وہ بڑی طرح اس کا گال، آنکھیں، ناک اور پیشانی چوم رہا تھا۔ شیرم طغانی کے بعد سیدم، یورٹ، بولائی اور سیمن کو گلے لگا کر پیار کر رہی تھیں۔ اس دوران تیمور نے تینوں گھوڑوں کی سبیل پر ہانڈ دیا تھا۔

سیدم پیار سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنے والی تھی کہ شیرم طغانی نے جنید کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ ”سیدم! سیدم! میری بیٹی! یہاں جنید سے کچھ مت کہنا۔ پہلے سب دیوان خانے میں چل کر بیٹھتے ہیں پھر جنید کے احوال اس سے سنتے ہیں۔“ حویلی کا دروازہ بند کر کے سب دیوان خانے میں جا بیٹھے تھے۔ شیرم طغانی نے جنید کو اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا پھر پیار سے اس نے اپنا بازو جنید کی کمر کے گرد ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اتنے دن میرا بیٹا کہاں رہا۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا بیٹے! نانا پریشان ہو گا۔ ماں بھی“

نالا اور بہن تیری جدائی پر رو رہی ہوں گی۔ ماموں میرم غم کین اور بھائی تیرے لیے بے چین ہوں گے۔“

جنید نے کہا۔ ”نانا! میں نے اس تاجر سے سارے حالات سن لیے تھے جس نے علیحدگی باپ کو میرے باپ اور چچا کے قتل کی اطلاع دی تھی۔ میں مدینی راؤ اور رام دیو سے انتقام لینے کی خاطر لاہور میں تیمور سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ نانا! میں نے مدینی راؤ اور رام دیو دونوں کی گردنیں کاٹ دی ہیں۔“

سیدم نے اٹھ کر جنید کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ ”خدا کی قسم! مجھے اپنے بیٹے سے ایسی ہی امید تھی۔ بد بیٹے! میں تیری ماں ہوں۔ وہاں جانے کے لیے تو نے کم از کم مجھے زحمت دینا لیا ہوتا کہ ہم لوگ تیرے فراق میں یوں پریشان نہ ہوتے۔“

قریب بیٹھی یورٹ پیار سے جنید کی کمر پر ہاتھ پھیر رہی تھی جب کہ اس کی بہن سیمن اس کے بالوں میں اپنی لمبی لمبی خوب صورت انگلیوں سے کنگھی کر رہی تھی۔ جنید اپنی ماں سیدم سے کچھ کہنے والا تھا کہ شیرم طغانی نے کہا۔ ”مجھے اپنے پورے حالات تفصیل سے سناؤ بیٹا!“

جنید نے اپنا گلا صاف کیا پھر اس نے تیمور سے علیحدہ ہو کر لاہور سے اپنی راجگی۔ مند میں پرودہت کی تنبیہ کے باوجود بانس کاٹنے۔ گوالیار میں راج کمار کی کینل کی جان بچانے، راجہ بکرا جیت کی طرف سے کینل سے شادی کی پیش کش، مدینی راؤ اور رام دیو کے قتل، جنگل میں اپنے گھوڑے کی موت۔ لی راج کے ساتھ دو جیتوں سے مقابلہ، لی راج کے ہاں قیام۔ اس کی بہن کشتا کی مدد اور راجہ بکرا جیت کے ساتھ شکار کے سارے حالات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔“

جنید خاموش ہو گیا۔ بوڑھا شیرم طغانی کچھ سوچنے لگا تھا۔ اس دوران جنید کی بڑی بہن سیمن نے جھجک کر جنید کے کان میں کہا۔ ”جنید! جنید! میرے عزیز بھائی! کینل کیسی لڑکی ہے۔ کیا وہ بہت خوب صورت ہے۔ ہندوستان کی رعایتی راجکاری کی طرح اور کیا وہ تمہارے ساتھ شادی کرنے کے بعد یہاں ہمارے اندر انجمنی شہر میں ایک

عام مسلمان لڑکی کی طرح زندگی بسر کرے گی۔

ننان میں بھی کوئی فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکتی ہوں۔
شیرم طغائی نے کہا۔ بے شک میری بیٹی! تو اس کا حق رکھتی ہے تو جو چاہے
کر سکتی ہے۔

کے کان میں کہا۔ اے میری بہن! وہ یہاں ایک سادہ سی لڑکی بن کر رہے گی اور
کی خدمت کرے گی وہ بہت۔

یورث نے نقدی کی ساری تھیلیاں اٹھا کر اللہ ویردی کی بیوہ، شیرم طغائی کی
بولی بیٹی اور جنید کی خالہ بولائی کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ آج سے اس گھر کا سارا اثاثہ
بولائی کی نگہبانی میں رہے گا۔ جس کو ضرورت ہوگی اسی سے مانگے گا تاکہ اسے احساس ہو
کہ گھر اس کا اپنا ہے اور وہ اس کی کلی طور پر مالک ہے۔ میں یہ تھیلیاں سیدم کی گود
میں بھی رکھ سکتی تھی لیکن سیدم کا جنید جیسا نایاب بیٹا اور سیمون جیسی لا جواب بیٹی
ہے اسے کوئی احساس محرومی نہیں لہذا میں نے اسی لیے یہ تھیلیاں بولائی کی گود میں
رکھ دی ہیں۔

جنید خاموش ہو گیا اور سیمون کے کان سے اپنا منہ بٹایا کیوں کہ اس کے
شیرم طغائی نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ جنید! میرے بیٹے! ہمارے
طرف سے تمہیں اجازت ہے تم جب اور جس وقت چاہو اس راہبکھاری سے شادی کرنا
ہو۔ اس گھر کے کسی فرد کو اعتراض نہ ہو گا اس لیے کہ ہم نے ابھی تک تمہاری اذیتوں
شادی کا کہیں سلسلہ شروع نہیں کیا لیکن ایک خیال رکھنا بیٹے! ہو سکتا ہے وہ
اور شودر لڑکی کتنا بھی تمہاری ہمدردیوں اور چاہت کی طلب گار ہو۔ اگر تم کبھی
کہو کہ اس کا جھکاؤ اس کا میلان تمہاری طرف ہے تو اس غریب لڑکی کا دل زنا
ایسی صورت میں تمہیں اجازت ہوگی تم دونوں سے شادی کر سکتے ہو۔
جنید نے بات کا رخ موڑتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
بھائی! میرے گھوڑے کی خرچینیں کہاں ہیں؟

سیدم نے یورث کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا۔ یورث!
یورث! میری بہن! تم عظیم ہے۔ خدا کی قسم حسن سلوک میں تم اپنے بھائی سمریک
اور اللہ ویردی جیسی ہو۔

میرم کے آگے بڑھ کر یورث کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تمہارے
برائی بہنوں کا ایسا خیال کیا۔ بخدا مجھے تم جیسی بیوی پر فخر ہے۔

تیمور نے اپنے قریب ہی رکھی دو چرمی خرچینیں اٹھا کر جنید کے سامنے رکھ
ہوئے کہا۔ یہ رہی دونوں خرچینیں، میں تمہارے گھوڑے کی زین سے اتار لایا تھا۔
جنید نے ایک خرچین سے نقدی کی دو تھیلیاں نکال کر اپنے نانا شیرم طغائی
کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ نانا! یہ وہ نہری سکہ ہیں جو جنگ کے دوران مال غنیمت
میرے حصے میں آئے ہیں۔

تیمور اور منصور نے بھی اپنی نقدی کی تھیلیاں نکال کر شیرم طغائی کی گود میں
دی تھیں۔ شیرم طغائی نے ساری تھیلیاں اٹھا کر یورث کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔
یہ سنبھال لو بیٹی! تم اس گھر کی بڑی اور میرے بیٹے کی ساتھی ہو۔
یورث نے تھیلیاں سنبھالتے ہوئے شیرم طغائی سے کہا۔ کیا ان تھیلیوں سے

پھر شیرم طغائی نے بولتے ہوئے کہا۔ یورث! میری بیٹی! تم نے واقعی اس
گھر کی بڑی خاتون ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ تم نے میری بچی بولائی کو احساس محرومی سے
بجا کر میرے دل کے زخموں پر مرہم اور میرے ضمیر پر سکون کے سائے ڈال دیئے ہیں۔ خدا
نہایتی و نعمت تیری عظمت، تیرے وقار میں اور اضافہ کرے گا۔

شیرم طغائی جب خاموش ہوا تو جنید نے اپنی دوسری چرمی خرچین سنبھالتے
ہوئے کہا۔ نکیل اور اس کی ماں نے ہم سب کے لیے کچھ تحائف بھی روانہ کیے ہیں۔
پھر جنید نے خرچین کے اندر کپڑوں کا ایک جوڑا نکال کر شیرم طغائی کو بھجواتے ہوئے
کہا۔ نانا! یہ آپ کے لیے ہے۔

اس کے بعد اس نے میرم، منصور، تیمور، سیدم، یورث، بولائی اور
کو بھی ان کے کپڑے دیئے اور اپنے کپڑے جو سب سے قیمتی تھے نکال کر ایک
رکھ لیے۔ پھر اسی خرچہ میں سے اس نے جواہرات جڑے سونے کے لنگن نکال
سیدم، یورث اور بولائی کو دیئے اور جواہرات ہی جڑا ایک ہار اپنی بہن
کو دیا۔ پھر سیمون، سیدم، یورث اور بولائی کھانا تیار کرنے کے لیے وہاں سے
گیئیں جب کہ شیرم طغانی، میرم، جنید، منصور اور تیمور وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے
اس بار منصور نے شیرم طغانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دادا بابر کے راز
میں علی قلی نام کا ایک امیر توپ خانہ ہے۔ اس کی ایک بیٹی ہے جس کا نام سیرک
وہ بہت حسین اور نیک ہے۔ علی قلی اپنی اس بیٹی کا رشتہ تیمور کو دینے کا خواہ
ہے۔ اس نے اس بارے میں مجھ سے اور جنید سے بات کی تھی۔ میں نے اسے
کہ میں اپنے باپ اور دادا سے بات کروں گا۔

پنجاب کا حاکم دولت خان بابر سے شکست کھانے کے بعد قلعہ بلوٹ،
کوٹلی، قلعہ منگورہ اور ان سے وابستہ شہروں اور علاقوں کے حاکم غازی کے پاس چلا
قائد۔

بابر جب ہندوستان کی اپنی مہم کو ادھور چھوڑ کر کابل واپس چلا گیا، تو
دولت خان اور غازی خان دونوں حرکت میں آئے۔ انہوں نے مل کر ایک بہت بڑا
لڑتیار کیا اور سیالکوٹ کی طرف بڑھے۔ سیالکوٹ پر انہوں نے اس قدر سخت
رہنڈی حملہ کیا کہ سیالکوٹ میں بابر کا حاکم ولی زلی اس حملے کی تاب نہ لاسکا اور شہر
باہر کے بھاگ گیا۔

سیالکوٹ کی فتح کے دولت خان اور غازی خان کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ
انہوں نے اپنے لشکر کی قوت میں اور اضافہ کیا اور ابراہیم لودھی کے تاج و تخت پر
لڑنے کے لیے خاطر وہلی کی طرف کوچ کیا۔

انہوں نے اچانک وہلی کا محاصرہ کیا لیکن ابراہیم لودھی نے باہر نکل کر اس
نامہ کو توڑا اور دولت خان اور غازی خان کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ وہ



پانی پت کے راستے بھاگ کر اپنی عملداری کی طرف چلے گئے۔

بابر کو جب خبر پہنچی کہ سیالکوٹ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو وہ بڑا بے اور بغیر کسی تاخیر کے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے ہندوستان کی طرف کابل سے نکل سے دریائے پارک کے کنارے بڑی برق رفتاری سے بڑھا۔ نیلاب کے گھاٹ سے اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور دریائے سندھ چھ منزل دور بال ناٹھ جوگی نامی کوہستانی سلسلے کے اندر اس نے ایک ندی کے پڑاؤ کیا۔ وہاں اپنے لشکر کے ساتھ بابر نے ایک روز قیام کیا۔

وہاں سے وہ شمال کی طرف بڑھا اور جہلم شہر کے پاس سے اس نے جہلم کو عبور کیا اور پڑاؤ کئے بغیر آگے بڑھتے ہوئے وہ دریائے چناب کے کنارے پور خالصہ میں آکر۔ وہاں سے بابر طوفانی انداز میں پھر آگے بڑھا اور اپنے حملے میں اس نے سیالکوٹ شہر کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ دولت خاں اور غازی کے لشکر جو سیالکوٹ کی حفاظت پر مامور تھے وہ اپنی جانیں بچاتے ہوئے قلعہ کی طرف بھاگ گئے۔

ایک روز بابر اپنے گھوڑے پر سوار اپنے ایک مختصر لشکر کے ساتھ شمالی اور مغربی حصوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ بہایوں، جنید، علی قلی اور کچھ دیگر اس کے ساتھ تھے۔

بھٹیالوں کے بازار میں سے گزرتے وقت اچانک ایک بوڑھا نر اور بابر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے بادشاہ! ہم تمہارے تھے۔ پھر غازی خان اور دولت خاں نے اس شہر پر قبضہ کر کے لوگوں کے ساتھ کا سا سلوک کیا۔ اس نے اس شہر کے لیے جو عمال مقرر کیے وہ کمزور تھے جنہیں نتیجے میں شمالی کوہستانیوں کے وحشی جاٹوں اور گوجروں کی بن آئی اور انہوں نے پر حملے کر کے لوگوں کی عزت و مال اور گائے بھینسیں لوٹنا شروع کر دیں۔ سیالکوٹ کے کمزور حکمران نشاط و رقص اور نگار جنگ و رباب

وہ شراب میں مست رہے اور شمال کے یہ کوہستانی وحشی دھکے کے سیاہ صحرا بن لوگوں پر بے چیرگی کے وار کرتے رہے۔ وہ رات کے علاوہ دن دھاڑے بھی طوفانی انداز میں حملہ آور ہوتے اور لوگوں کو مٹی کے زنگار جان کر کاٹ دیتے۔ اے بادشاہ! ان کے حملے اب بھی جاری ہیں۔ کیا آپ ان سے اس شہر کے لوگوں کی حفاظت نہ کریں گے۔ اے بادشاہ! اگر ان وحشیوں کی سرکوبی نہ کی گئی اور شہر پر انہوں نے اپنی ترکناز اور غارت گری جاری رکھی تو ایک روز یہ شہر خالی اور ویران ہو کر رہ جائے گا۔

بابر نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”اے میرے بزرگ! میں اپنی رعایا سے خوب دعا کرتا ہوں۔ اب میرا ارادہ اس سرزمین سے واپس جانے کا نہیں۔ میں یہیں ہوں گا اور ہر اس طاقت کا سرکچلوں کا جو مظالم اور قہرمانیت کو جنم دیتی ہے۔ اے میرے بزرگ! آپ جائیں اور چند ایسے جوانوں کو لے کر آئیں جو شمال کے لوگوں تک میرے لشکر کی راہنمائی کر سکیں۔“

اس بوڑھے نے بڑی عاجزی اور انکساری میں کہا۔ ”اے بادشاہ! میں ابھی بڑی بڑی جنگ چھڑائی ہے جو انوں کو آپ کے پاس لاتا ہوں۔ جو ان وحشیوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان سے سخت نالاں ہیں اور ان کے کوہستانی ٹھکانوں سے بھی واقف نہ ہو۔ بوڑھا مڑا اور چلا گیا۔

بابر نے بائیں طرف مڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار جنید کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”میرے بیٹے! تم نے سنا جو کچھ اس بوڑھے نے کہا۔“ جنید نے کہا۔ ”میرے آقا! جو کچھ اس بوڑھے نے کہا۔“ اُسے میں غور سے

بابر نے کہا۔ ”تم پھر وہ بوڑھا جن جوانوں کو لانے کیا ہے ان کی راہنمائی میں نہ لانا۔ ان کے ساتھ شمال کے ان وحشیوں کی سرکوبی میں نکل جاؤ۔ ان کے مسلح جوانوں کو قتل کرو اور ان کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ تاکہ

میں انہیں ایسی سزا دوں جو اوروں کے لیے بھی عبرت ہو اور آئندہ کوئی مظالم مار کی طرف توجہ نہ کرے۔“

جنید نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے آقا! میں ان غارت گروں سے خوب نمٹوں گا اور آئندہ کسی کو ان کی طرف سے لوٹ مار اور سامنا نہ کرنا پڑے گا۔“

اتنی دیر تک وہ بوڑھا بھی اپنے ساتھ دو جوانوں کو لے کر آگیا اور باہر آپ کی اس مہم میں یہ دونوں جوان ان دُشمنوں تک آپ کی راہنمائی کریں۔“

باہر نے ان دونوں جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم شمال دُشمنوں کے ٹھکانوں سے واقف ہو جو اس شہر کو اپنے مظالم اور قہرمانیت کاڑھیں۔“ ان دونوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم کو بہتانوں کے اندر ان بستیوں کی راہنمائی کریں گے جن کے اندر وہ خونخوار بھیڑیے رہتے ہیں۔“

باہر وہاں سے اپنی لشکر گاہ میں آیا اور جنید کو ہراول کے ساتھ ان دونوں کی راہنمائی میں اس مہم پر روانہ کر دیا۔

○

جنید نے ایسی رفتار سے سفر کیا کہ وہ رات کے پچھلے حصے میں ان کو بہتا اندر داخل ہوا۔ جن کے اندر سیاح کوٹ شہر کی لوٹ کھسوٹ کرنے والے دُشمن رہتے تھے۔ شکر کے ساتھ جنید نے رات کی گہری تاریکی میں ایک کھلی وادی کے اندر قیام کیا۔ جوانوں کو طلب کیا جو اس مہم کی راہنمائی کر رہے تھے۔

جب وہ دونوں جوان جنید کے سامنے آئے تو جنید نے پوچھا۔ ”ان غارت گری بستیوں کس طرف ہیں۔“

ان میں سے ایک نے کہا۔ جہاں اس وقت ہم نے پڑاؤ کیا ہوا ہے اُس طرف کو بہتانوں سے گھری ہوئی ایک کھلی وادی کے اندر ان کی ان گنت بستیوں کے چاروں طرف بلند پہاڑ ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ حملہ آوروں سے اپنا دفاع

ذکریتے تھے۔

جنید نے سر جھکاتے ہوئے کچھ سوچا پھر اس نے پوچھا۔ ”کیا کو بہتانوں سے گھری وادی میں داخل ہونے کے لیے مخصوص راستے ہیں۔“

اس جوان نے کہا۔ ”ان کو بہتانوں کے اندر ان کی بستیوں تک جانے کے لیے اترے ہیں۔ ان دروں کے راستے وہ باہر نکال کر غارت گری کرتے ہیں اور لوٹ کر کے ان ہی دروں سے اپنی وادی میں داخل ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ ان دروں پر دن رات محافظ رہتے ہیں۔ جوان دروں کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ ان کی وادی میں داخل نہ ہونے پائے۔“

جنید نے پوچھا۔ ”یہ درے ان کے کس کس سمت ہیں؟“ اس جوان نے کہا۔ ”یہ درے شمال جنوب اور مغرب میں ہیں۔ ان کے مشرق اور کو بہتان سلسلہ ہے جو اس طرف سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔“

رات کی تاریکی میں جنید حرکت میں آیا اور سارے دروں کے محافظوں کو ترغیب دے کر ان تینوں دروں پر قبضہ کر لیا اور ہر درے پر اس نے اپنے تیر انداز رکھ دیے تھے۔ پھر وہ مغربی درے سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر کے انتظار کرنے لگا تھا۔

رات کے آخری حصے میں مشرق سے چاند طلوع ہوا اور اپنی روشنیوں کے حسین بر زمین میں پیوست کر دیئے۔ فضا کے دروہام پر محیط رات میں روشنی کی اڑانیں زمین، ناکدان کو نور سامان کرنے لگی تھیں۔ شب کے صحرائیں اجالوں کے ثمر بکھرنے لگے تھے۔ عجب خیالوں کے خوش نما رنگ کی طرح ہر شے یوں نمایاں ہونے لگی تھی۔ جیسے جنگل کے صفر میں روشنی کے ستارے۔

جنید انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ نیل لگن کے مشرقی حاشیوں پر نہرے عکس بکھرنے لگے۔ اس وقت اس نے اپنے لگن سے اٹھ کر فضاؤں کے اندر اپنے گیتوں کا رس بکھرنے لگے۔ اس موقع پر جب کہ ان بستیوں کے غارت گر نیند سے بیدار ہو کر اپنے روزمرہ

ذی حصار

کے کاموں میں مصروف ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ جنید اپنے لشکر کے ساتھ
دوسرے سے اس وادی میں داخل ہوا اور بستیوں پر حملہ کر دیا۔

جنید کا یہ حملہ ایسا اچانک اور زوردار تھا کہ وہ غارت گرا اس وقت
جنید ان کی ساری بستیوں پر چھا گیا اور ہر سمت بجتے رباب اور ہتے دریا کی طرح
آوازوں کے پرچم بلند ہونے لگے تھے۔ رنگ رنگ پرندے اور قوس قوس چٹانیں و
ہو کر رہ گئی تھیں۔ اپنے تیز حملوں سے جنید ان پر نیلگوں آسمان اور ہواؤں کے
طرح چھا گیا تھا۔ اس کے حملوں میں راوی کی لکار، جناب کی تہر سامانی،
رست نیزی، جہلم کی چنگھاڑ، تلج کی گہرائی اور بیاس کی گیرانی تھی۔

اپنے ان جان لیوا حملوں سے اس نے، اشک اشک ستارے ڈھلے اور
فتح کی زرخیزی پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔ جس وقت مشرق کی نرمی ہائے لب لا
سورج اپنی تاریخی چنگاریوں کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔

جنید مکمل طور پر ان دشمنوں پر چھاتے ہوئے ان کا قتل عام شروع کر چکا
موقع پر اچانک جنوبی بستیوں سے ان غارت گروں کا ایک بہت بڑا لشکر نمودار
جنید کی پشت کی طرف سے انہوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ جنید کا سامنے والا لشکر
طرح سے جنید نے قتل عام شروع کر دیا تھا اپنے نئے ساتھیوں کے آنے پر
گیا اور بڑھ چڑھ کر جنید کے لشکر پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔

سامنے اور پشت کے لشکر اب آہستہ آہستہ جنید کے لشکر کو گھیرنے لگے
ایسا لگتا تھا جیسے جکی کے پاٹوں کی طرح جنید کو اس کے لشکر سمیت پس
سامان کر چکے ہوں۔

اچانک جنید نے اپنے حملوں کا رخ بدلا۔ اپنے لشکر کے ساتھ
خیال اور مثل خورشید ابھرتے ہوئے اس نے اپنی پوری قوت سے دائیں طرف
ہوتے ہوئے دشمن کے بننے اور مضبوط ہوتے حصار کو توڑ ڈالا۔ پھر ایک دفعہ
ہٹے ہوئے وہ میدان جنگ میں نئے داخل ہونے والے لشکر کی پشت پر آیا

ذی حصار
میں حملہ آور ہوا۔ اپنے لشکریوں کے ساتھ وہ دشمن پر اپنی تلواروں سے انوکھی تحریروں
یوں میں دوسرے الفاظ کی دستک دے رہا تھا۔ وہ بے حد بے کنار ہو کر کسی سحر شناس
یوں میں حملہ آور ہو رہا تھا۔ جیسے اندھیروں میں مہتاب کی کرنیں پھیل گئی ہوں، جیسے
یوں میں حملہ آور ہو رہا تھا۔ جیسے اندھیروں میں مہتاب کی کرنیں پھیل گئی ہوں، جیسے
یوں میں حملہ آور ہو رہا تھا۔ جیسے اندھیروں میں مہتاب کی کرنیں پھیل گئی ہوں، جیسے

انہوں میں جنید نے رزم گاہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔
اس نے اپنے حملوں سے ہر جالے میں خوشبو اور ہر رنگ میں مہک بھری تھی
اس نے لشکر کی حالت ایسی ہونے لگی تھی۔ جیسے ان کی تقدیر جل گئی ہو یا ان کی ساری خوشیاں
ناک ہو کر رہ گئی ہوں۔

جنید کے حملوں میں ایسی وافت گئی تھی جو پھول کو شعلہ اور خود غرض ذہن کے خد
مال کو روشن کتاب کی طرح صاف اور عیاں کر کے رکھ دے۔ لاجوردی فضاؤں کے اندر
جب تاروں کا سحر ختم اور مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس وقت جنید نے لشکر

کی آدمی سے زیادہ تعداد کو کاٹ کر باقی ماندہ لشکر کو اپنے آگے آگے یوں بھگا چکا
تھا جیسے شام کو گھر لوٹتے وقت کوئی چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریڑ کو ہانکتا ہے۔
وہ نیا لشکر بھاگ کر گرانے لشکر کے ساتھ جا رہا لیکن جنید نے اپنا طرز عمل

یہ رکھا۔ اور وہ ہمیں آواز کے اڑتے طیور اور آندھیلوں کے طوفانی سفر کی طرح ان
کو اپنے آگے ہانکتا رہا۔ جب دونوں لشکر آپس میں مل گئے تو جنید نے کہے سمندر میں
بلند ہونے والی پر شور موجوں کے انداز میں اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کیں اور دونوں لشکروں
کی اس نے پرکھنے اور خشک پودوں کی طرح کانٹ چھانٹ شروع کر دی تھی۔

تھوڑی دیر تک ایک بار پھر دونوں لشکر جم کر لڑتے رہے اور جنید دشمن پر
یوں وارد ہوتا رہا جیسے گلوں پر پڑی اوس پرشعلے گرتے ہیں۔ جیسے اندھیروں کے اندر
مہتاب کی کرنیں نازل ہوتی ہیں جیسے فسموں کی گونج کسی شے سے ٹکراتے ہوئے گشت
میں تبدیل ہو کر فضاؤں میں بکھرتی ہے لیکن جلد ہی جنید کے جان لیوا حملوں کے سامنے
ان تمام لشکر کی حالت بھی اس دریا جیسی ہو گئی جو صحراؤں میں کھو جاتا ہو۔ ایک باجنید

نے پھر اس متحدہ لشکر کو اپنے آگے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنید سے عبرت خیز شکست کا سامنا کرنے کے بعد وہ غارت گراہنے کی طرف بھاگے لیکن ان کی بد قسمتی میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب وہ دھولہ قریب گئے اور جنید کے تیر اندازوں نے ان پر ساندھا دھند تیر برسانے شروع کر دی تھی۔

اب سامنے کی طرف سے جنید کے تیز انداز اور پشت کی طرف سے خود ہیز دشمن کا صفایا کرنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک جنید نے دشمن کا مکمل طور صفایا کر دیا اور ان کے کچھ سرکردہ سرداروں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ پھر جنید نے ان دھرم کی بستیوں کو مکمل طور پر لوٹ لیا اور مال غنیمت ان ہی کے جانوروں پر لاد کر وہ گروں کی اس وادی سے واپس سبالکوٹ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

بابر کو جب جنید کی اس فتح کی خبر ہوئی تو اس نے جنید کا زبردست استقبال اور عبرت کی خاطر سب لوگوں کے سامنے غارت گروں کے سرداروں کے جموں کئی کئی حصوں میں کٹوا کر رکھ دیا تھا۔



ہند کا سب سے طاقتور ہندو حاکم راجہ رانا سانگا اپنے مرکزی شہر چوڑے وسط میں بنے کشتیوں کے میدان سے مختلف علاقوں کے پہلوانوں کی کشتیاں دیکھ کے بعد جب باہر نکلا تو ایک جوان جو اپنے حلیے اور جسمانی ساخت سے پہلوان نہ تھا راجہ کے سامنے آیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور سر پر اس آن گنت بیچوں کی دستار باندھ رکھی تھی۔

اسے دیکھ کر رانا سانگا اپنے اہل کاروں کے ساتھ رُک گیا اور اس پوچھا "کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟"

اس جوان نے کہا۔ اے راجہ! میرا نام اللہ بخش ہے اور میں لاہور سے آیا ہوں۔ ایک عرصے سے میں نے سن رکھا تھا کہ آپ اچھے پہلوانوں کی قدر کرتے ہیں۔

پہلوانوں کا مقابلہ کرنے آیا ہوں۔

راجہ نے اللہ بخش کو تھوڑی دیر تک بغور دیکھنے کے بعد کہا "تمہارا قد خوب ہے لیکن جسم کے کچھ ہلکے لگتے ہو۔ سنو! میرے پاس دو ایسے پہلوان ہیں جنہیں آج تک کسی نے جیت نہیں کیا۔ دونوں ہی رستم ہیں اور رشتے میں ماموں بھانجہ ہیں اور اللہ بخش نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ "اے راجہ! پھر تو میں دونوں پہلوانوں سے ہی مقابلہ کروں گا۔ ان دو کے علاوہ اور کسی چھوٹے موٹے پہلوان سے میں کشتی نہ کروں گا۔"

رانا سانگا نے کہا۔ "سوچ لو۔ وہ دونوں ایسے پہلوان ہیں کہ اگر غصے میں آئیں تو اپنے مقابل پہلوانوں کے اعضاء توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔"

اللہ بخش نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور اپنی چھاتی تان کر اپنے آپ کو خوب نمایاں کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے راجہ! اگر انہوں نے دوران کشتی میرا کوئی اعضاء توڑ دیا تو میرا کسی پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ میں ان دونوں سے ہی کشتی لڑوں گا چاہے اس مقابلے میں مارا ہی کیوں نہ جاؤں۔"

رانا سانگا نے کہا۔ "اگر تم ایسا ہی عزم لے کر لاہور سے آئے ہو تو سنو! میں تمہیں ایک ماہ کی مہلت تیاری کے لیے دیتا ہوں۔ اپنے آپ کو خوب تیار کر لو۔ پھر پھر سے ایک ماہ بعد چوڑے کے اسی میدان میں تمہارا مقابلہ ہوگا۔ اب تم اپنی خوراک کو جو تم روز استعمال کرو گے۔"

ساتھ ہی راجہ نے اپنے ایک اہل کار سے کہا۔ "اللہ بخش جو اپنے لیے روزانہ کی خوراک لکھتا ہے لکھ لو اور وہی اسے ہر روز ملنی چاہیے۔"

اپنی روزانہ کی خوراک میں اللہ بخش نے اس قدر گوشت، دودھ، بادام اور دیگر اشیاء لکھا دیں کہ رانا سانگا دنگ رہ گیا۔ ایک بار اس نے اپنے اہل کار سے لے کر کھانے کی فہرست دیکھی پھر تعجب سے اس نے اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارے ساتھ تمہارے اہل خانہ بھی ہیں؟"

اللہ بخش نے کہا: "نہیں مہاراج! میں اکیلا ہی ہوں۔"

رانا سانگنہ نے حیرت و پریشانی میں کہا: "پھر اس قدر کھانے کی اشیاء تم روزانہ اکیلے کیسے کھا لو گے۔ اتنی خوراک تو میرے دونوں رستم پہلوان بھی مل کر نہیں کھاتے۔" یہ دس آدمیوں کی خوراک ہے جو تم نے لکھائی ہے۔"

اللہ بخش نے کہا: "مہاراج! میں کام بھی دس آدمیوں سے بڑھ کر کھاؤں گا۔ اگر آپ کو کوئی شک ہو تو مجھ پر اپنا کوئی نگران مقرر کرو جس کی موجودگی میں روزانہ میں یہ ساری خوراک کھاتا رہوں۔"

رانا سانگنہ نے کہا: "ذرا کو! پھر رانا سانگنہ اپنے ایک مشیر کے پاس آیا اور اس کے کان میں کہا: "یہ شخص مجھے پہلوان نہیں لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے یہ کھانے کا بہت شوقین ہو اور ایک ماہ تک ہمارے ہاں اس قدر خوراک کھانے کے بعد کشتی کے موقع پہلے ہی یہاں سے بھاگ جائے گا۔ تم ایسا کرنا اس پر کوئی نگران مقرر کرو۔ جو اس کا دیکھ بھال کے علاوہ اس کی خدمت بھی کرے۔"

پھر اپنے مشیر کی طرف سے کوئی جواب سننے سے قبل ہی رانا سانگنہ نے پوچھا: "بھئیالہ کے اس مسلمان پہلوان کا کیا نام ہے جو آج اس میدان میں کشتی ہار گیا ہے؟" اس مشیر نے کہا: "اس کا نام کریم خان ہے۔"

رانا سانگنہ نے کہا: "تو پھر اسی کریم خان کو اس اللہ بخش کا نگران اور خادم مقرر کرو اور اسے یقین دلاؤ کہ اس کام کا اسے خوب معاوضہ دیا جائے گا۔ ساتھ ہی کشتی کے اس میدان کے قریب ہی اللہ بخش کی رہائش کا محلہ انتظام کرو۔ کریم خان بھی اس کے ساتھ رہے گا۔"

رانا سانگنہ اپنی رائیوں، بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا جب کہ اس کا وہ مشیر اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ کشتی کے میدان سے ملحقہ بنی بلند عمارت کی طرف اللہ بخش کو لے جا رہا تھا۔

کشتی کے میدان سے ملحقہ عمارت میں اللہ بخش کو ایک صاف ستھرا مکان مہیا کر دیا گیا تھا۔ راجہ رانا سانگنہ کا مشیر اپنے اہل کاروں کے ساتھ اللہ بخش کو سارا مکان دکھا کر جب چلا گیا تو تھوڑی دیر بعد اس مکان میں ایک پہلوان نما جوان داخل ہوا۔ اللہ بخش کے قریب آ کر اس نے سلام کہا پھر مصافحہ کے لیے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

اللہ بخش جان گیا کہ آنے والا مسلمان ہے لہذا اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے پرہوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ آنے والا اللہ بخش کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا: "میرا نام کریم خان ہے۔ مجھے یہاں آپ کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔"

اللہ بخش نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "خدمت کے لیے یا نگرانی کے لیے کہ میں راجہ کے رستم پہلوانوں سے ڈر کر کہیں راشن پانی کھا کر مقابلہ کے روز سے پہلے ہی نہ بھاگ جاؤں۔"

کریم بخش نے بڑی عاجزی اور سادگی میں کہا: "راجہ نے جس کام کے لیے بھی مجھے بھیجا گیا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ آپ مسلمان ہیں اور میں بھی مسلمان ہوں۔ میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں اور میں یہاں تمہارا ایک خدمت گار کی حیثیت سے رہوں گا اور سنو اللہ بخش! اگر تم مقابلے کے روز سے بچنے کی خاطر یہاں سے پہلے ہی بھاگ جانا چاہو تو بھی میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

ذرا رک کر کریم خان نے پھر کہا: "اور سنو اللہ بخش! میں بھی یہاں راجہ کے پہلوانوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا تھا لیکن میں اس کے ایک رستم جبر سنگھ سے ہار گیا۔ اس کے دربار میں دو رستم ہیں جن کا آپس میں مقابلہ نہیں ہوتا۔ دونوں ماموں بھانجے ہیں۔ ماموں کا نام جبر سنگھ اور بھانجے کا نام کپور سنگھ ہے۔ دونوں لاجپوت اور اچھے پہلوان ہیں۔ آج تک ان دونوں کو کوئی چٹ نہیں کر سکا۔"

کریم خان نے کہا: "اس سے قبل تم کتنے پہلوانوں سے کشتیاں کر چکے ہو۔" کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ بخش نے بڑی نرمی اور شفقت میں کہا: "سنو کریم خان! میرا وطن مولود لاہور ہے۔ میرے خاندان کا پیشہ ہی پہلوانی

ہے۔ میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہ میرا باپ مر گیا۔ میری بیوہ ماں، میرے چچا اور میرے بھائی مجھ پر خوب محنت کی۔ پہلے مجھے مذہبی تعلیم کے لیے ایک عالم کے پاس چھوڑا پھر مجھے اکابر کی طرف لائے۔

کریم خان! میں قرآن و حدیث اور دیگر مذہبی علم سے بھی خوب بہرہ مند ہوں۔ کریم خان! تم دیکھو گے مقابلے کے اندر جبر سنگھ اور کپور سنگھ میرے سامنے مقابلے کا میدان میں جیت پڑے ہوں گے مجھے ایک عرصہ ہو گیا ہے کشتیاں کتے ہوئے، آج تک مجھے بھی کوئی زیر نہ کر سکا۔

کریم خان جواب میں کچھ کہتے والا تھا لیکن خاموش رہا۔ کیوں کہ اس مکان میں اس کے کچھ کارندے داخل ہوئے جو اللہ بخش کی فرست کے مطابق اس کی خوراک کا سامان بیکار ہوئے تھے۔ کریم خان کے کتے پر وہ سامان ایک طرف رکھ کر چلے گئے۔ کریم خان اٹھا اور اللہ بخش کے لیے کھانے کا انتظام کرنے لگا تھا۔

راجہ رانا سانگا اور اس کے ساتھی بھی سمجھتے رہے کہ اللہ بخش ابھی خوراک کھا چکا تھا کہ روز سے پہلے ہی بھاگ جانے کی کوشش کرے گا۔ اور ان کا یہ شک اس وقت اور بھی بخت ہو گیا۔ جب انہیں یہ اطلاعات ملیں کہ اللہ بخش نے روزانہ کے لیے جو خوراک لکھا تھا وہ اپنی خوراک تو کھا لیتا ہے لیکن کوئی ورزش، کوئی مشقت اور کوئی ریاضت نہیں کرتا اور سارا دن سویا رہتا ہے۔ رانا سانگا حیران تھا کہ اللہ بخش اتنی خوراک کیسے اور کیوں کر منہم کر جاتا ہے۔

دوسری طرف اللہ بخش بھی اپنے کام میں پوری طرح مصروف تھا۔ وہ دن بھر کھا پی کر سویا رہتا لیکن ساری رات وہ ورزش کرتا، ڈنڈ پیتا اور دوڑ لگاتا رہتا تھا۔ چوں کہ شہر سے باہر ایک راستہ بل کھاتا ہوا فوجی بستیوں کی طرف جاتا تھا۔ وہاں راستے کے اندر ایک بڑی چٹان تھی جسے کسی نے اکھاڑنے کی زحمت نہ کی تھی اور راستے کے اندر اس کی وہ سے ایک بل اور خم آ گیا تھا۔ اللہ بخش شہر سے نکل کر دوڑ لگاتا پھر اس چٹان کے ساتھ جا کر زور آزمائی کرتا تھا کہ ایک رومہ اس نے وہ چٹان اکھاڑ کر ایک طرف ہٹا دی اور راستے کو بڑا

کر دیا تھا۔
اللہ بخش کے اس عمل سے علاقے کے لوگوں میں ایک دہشت سی پھیل گئی اور وہ یافا میں پھیلانے لگے کہ یہاں اس علاقے میں رات کے وقت کوئی جتن نکلتا ہے جس نے ہفتے میں اگر چٹان کو اکھاڑ کر ایک طرف پھینک لیکن اللہ بخش ان افواہوں سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف رہا۔
اس طرح ایک ماہ پورا ہو گیا۔ راجہ رانا سانگا کی طرف سے اللہ بخش کو جو خوراک تھی وہی دن بھر کھا پی کر اللہ بخش سو رہتا اور رات کو اپنے ریاض میں لگ جاتا۔

○
مقابلے کے روز چوتھو شہر میں کشتی کا وہ میدان کھینچ بھرا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ پورے شہر کے لوگ میدان میں آ جمع ہوئے ہوں۔ راجہ رانا سانگا، اس کی رانیاں، اس کے بیٹے، بیٹیاں، اس کے وزیر اور صلاح کار سب اپنے اپنے مراتب کے مطابق شہ نشین پر بیٹھ چکے تھے اور میدان کے وسط میں جہاں مقابلے کے لیے زمین کھود کر خوب بھر بھری کر دی گئی تھی۔ وہاں راجہ رانا سانگا کے دونوں رستم پہلوان جبر سنگھ اور کپور سنگھ اپنے کندھوں پر اپنے بھاری گمڑ رکھے کھڑے ہوئے اس اکھاڑے کے ارد گرد جھکر لگا رہے تھے۔
اتنے میں اللہ بخش بھی میدان میں اترا، وہ موڑے اور کھلے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس کے ہاتھ میں اپنا گمڑ تھا اور کریم خان اس کے ساتھ تھا۔ جس وقت اللہ بخش میدان میں اترا تھا جبر سنگھ نے اپنے بھانجے کپور سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اس سے میں کشتی لڑوں گا۔"
کپور سنگھ نے غصہ کرتے ہوئے کہا: "نہیں ماموں! میرا اور اس کا مقابلہ ہو گا۔"
جبر سنگھ نے کہا: "نہیں، یہ میرا شکار ہے۔ میں اسے لمحوں کے اندر رگید کر لے دوں گا۔"
کپور سنگھ نے کہا: "نہیں ماموں! اس سے میں نمٹوں گا اور پلک بھیکتے میں ہن کر کے رکھ دوں گا۔"

جبر سنگھ نے بڑی شفقت کے ساتھ کپور سنگھ کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ
کوہوں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہیے۔ اور راجہ کے پاس چلتے ہیں۔ جسے وہ کہے دیں۔
اجنبی پہلوان سے مقابلہ کرے۔

کپور سنگھ نے کہا۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" پھر وہ دونوں اس شہر تشریف لے گئے۔
چل دیئے جس پر رانا سانگا بیٹھا ہوا تھا۔

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں رانا سانگا کے سامنے آکھڑے ہوئے اور
نے رانا سانگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! ہم دونوں میں ایک تکرار ہے
میرا بھانجہ کپور سنگھ کہتا ہے کہ اس اجنبی پہلوان سے میں کشتی لڑوں گا جب کہ میں ہمارے
کہ اس سے یہ میدان میں جیتوں گا۔ ہماری اس باہمی تکرار کو ختم کرنے کے لیے آپ فیما
کہ کون اس اجنبی پہلوان سے مقابلہ کرے گا۔"

رانا سانگا کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ
ہی اس سے مقابلہ کرو۔ پہلے جبر سنگھ تم میدان میں آؤ پھر کپور سنگھ کی باری ہوگی۔
اس کے سامنے احتیاط سے میدان میں آؤنا۔ اسے جو دس آدمیوں کی خوراک ملتی رہے
وہ پوری کھاتا رہا ہے اور ایک چیز بھی اس نے نہیں پھینکی۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے
دن بھر سوتا رہا اور رات رات بھر اپنی ریاضت میں لگا رہا ہے۔"

جبر سنگھ نے بڑے کبر و تفاخر میں کہا۔ "مہاراج! فکر مند نہ ہوں، میں
کو لہذا نہ ہونے دوں گا۔ صرف چند ہی لمحوں کے اندر اندر اسے میدان میں چٹا کر
اس کی چھاتی پر اپنا پاؤں رکھ دوں گا۔"

رانا سانگا نے کہا۔ "اب تم دونوں جاؤ تاکہ کشتی شروع ہو۔"

جبر سنگھ اور کپور سنگھ پھر اکھاڑے کے پاس آکھڑے ہوئے۔ ان کے سامنے
اللہ بخش نے اپنے کپڑے اتار کر کریم خان کو دیئے۔ اب وہ اپنے پہلوانی کے جوتے پہنا کر
میں تھا۔ کریم خان اس کے کپڑے لے کر میدان سے باہر نکل گیا۔

اللہ بخش نے زمین پر لیٹ کر چند ڈنڈے پھیرے اور قریب پہنچا۔

کپور سنگھ کے اندر اللہ بخش کا جسم تو کچھ خاص نہ لگتا تھا اور وہ ایک عام سا پہلوان
کی تو اس کا جسم خوب ابھرتا تھا۔ وہ لڑائی میں لگتا تھا۔ اکھاڑے کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے وہ
کبھی کبھی موج میں آکر بڑی زندہ دلی سے اپنے گرز کو اپنی ران پر مارتا تھا۔ اور
ایسا لگتا تھا جیسے لوہے کی اہرن پر وزنی تھوڑے برستے لگے ہوں۔

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں ماحول بھانجا اللہ بخش کو اب ایسے انداز میں دیکھ
رہے تھے جیسے ان کا سامنا کسی عفریت سے ہو گیا ہو۔

اللہ بخش کے انداز و اطوار سے ایسا لگتا تھا۔ جیسے وہ اپنے عہد کا صحرا سوار ہر
نے کو اپنے اندر سمو لینے کی کنجائش رکھتا ہو۔ ان دونوں کو اللہ بخش کی صورت میں آہنی
توڑوں کا جنون دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے سارے اُجالوں کے رنگ شکستہ خواہشوں میں
ادراں کے وجود کی ہچان غم کی دھوپ سے بدل گئی تھی۔ وہ اداس منڈیروں کی طرح افسردہ
اداس پتھر جیسے طول ہو گئے تھے جو رو بھی نہ سکتا ہو۔

پھر جبر سنگھ یوں مخاطب ہوا جیسے اس کی آواز تنہائی کے غامدوں سے نکلی ہو
اس نے اپنے بھانجے کپور سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی نوجوان ہو۔ تمہارا خون
بھسے زیادہ گرم ہے۔ تم ہی اس کی سے مقابلہ کرو۔ اس بلا پر تم ہی قابو پاسکتے ہو۔"

کپور سنگھ نے پھٹی پھٹی اور ادھڑی ادھڑی آواز میں کہا۔ "ماموں! تم اس دنیا
کا بہت کچھ دیکھ چکے ہو۔ میرے سامنے دیکھنے کے لیے ابھی دنیا کے وسیع تر حجابات بکھرے
ہوئے ہیں مجھے ابھی زندہ رہنا ہے۔ یوں لگتا ہے یہ اجنبی پہلوان ہماری ہڈیوں کو دیزہ
دینے کو دے گا۔ اس سانڈ سے مقابلہ کرنے کو تم ہی میدان میں آؤ ماموں!"

جبر سنگھ نے بہت اور بے ہمت سی آواز میں کہا۔ "کپور سنگھ! اس سے مقابلہ
تم ہی کرو۔ تم بھگوان کی اس کے سامنے میں اب اپنے آپ کو یوں ہلکا اور بے حیثیت بنائیں

یہاں نے مجھے ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا ہے اور میری پہلوانی کا سارا بھرم کھول دیا۔ یہی بھی طریقے سے جیب بھی مجھ سے بن پڑائیں اللہ بخش کو جان سے مار دوں گا۔ بنے جڈنائیوں میں مجھے ہر اکہ اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں چھوڑ شہر میں رہ سکوں۔

ہار دوں گا۔ غور نہ مار سکا تو کسی اور سے اسے قتل کرادوں گا۔ جبر سنگھ نے کہا۔ "کپور! کپور! تم احمق ہو۔ آہستہ بولو اور جذبات میں نہ آنا۔ اللہ بخش ایک اچھا اور اپنے فن کا ماہر پہلوان ہے۔ اس نے بغیر کسی دھوکہ کے یہ راوا اور طاقت سے تمہیں زیر کیا ہے۔ اگر رانا سانگا کو خبر ہو گئی کہ ہار جانے کے تمہارے خیالات کیا ہیں تو وہ تم کھڑے کھڑے کی کھال اتروا کر رکھ دے گا۔ اگر تم اللہ بخش سے انتقام لینا ہی ہے تو چپکے اور زار واری سے اپنا کام کرو۔ کپور سنگھ کچھ منہ بول چکا تھا لہذا وہ خاموش رہا۔

اللہ بخش میدان جیتنے کے بعد منصفوں کے ساتھ جیب رانا سانگا کے سامنے لڑا ہوا تو رانا سانگا انتہائی خوشی اور اطمینان کا مظاہرہ کرتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور جیل کو اس نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے چھوڑ شہر میں آج تک تم جیسا کوئی لڑائی نہیں دیکھا۔ کپور سنگھ ناقابلِ تسخیر تھا۔ تمہارے لمحوں کے اندر اسے چپ کر کے لایا۔ میں تمہیں اس قدر انعام سے نواز دوں گا کہ تم ساری زندگی بے فکری سے بسر کرتے رہو۔ اس کے علاوہ تمہیں میرا ایک کام بھی کرنا ہو گا۔ جس وقت کپور سنگھ سے ان کے کتے جیتی اسی وقت ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ کام تم ہی کر سکتے ہو۔"

اللہ بخش نے بھولے پن سے پوچھا۔ "کام کی نوعیت کیا ہو گی؟" رانا سانگانے کہا۔ "تم میرے ساتھ محل میں چلو، وہاں میں تمہارے ساتھ ساری تفصیل طے کر دوں گا۔"

اللہ بخش نے اشارے سے کریم خان کو اپنے پاس بلایا اور اس سے اپنے کپڑے لے کر اس نے بنے بنے لیے۔ پھر اللہ بخش نے کریم خان کو اپنے ساتھ لیا اور راجہ کے ساتھ چلے گئے۔

کو رہا ہوں جیسے دریا کے سامنے قطرہ، بستی کے سامنے ایک گھر توں دتر زرد ایک رنگ اور کوہتانوں کے سامنے صرف ایک چٹان۔ کپور سنگھ! قبل اس رانا سانگا تک ہماری اس بے بہتی کی خبر جا پہنچے میدان میں اتر کر مقابلہ کرو۔"

کپور سنگھ عجیب سی حیرانگی اور مایوسی میں جبر سنگھ کی طرف دیکھتا تھا۔ اللہ بخش میدان میں اترتا۔ اپنا گرز اس نے اکھاڑے سے باہر رکھ دیا تھا۔ اگلے داخل ہو کر اس نے اپنی دائیں ران پر ہاتھ مار کر جبر سنگھ اور کپور سنگھ کی طرف ہونے مقابلے کے لیے للکارا۔ اتنی دیر تک راجہ کے منصف بھی وہاں آگئے۔ پھر دل پر جبر رکھتے ہوئے کپور سنگھ میدان میں اترتا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اللہ بخش نے کپور سنگھ کا ہاتھ اس زور سے دبا یا کہ کپور سنگھ کو یوں محسوس ہوا اس انگلیوں کی پوریں پھٹ جائیں گی اور خون وہاں سے تیز دھار کی صورت بہہ نکلے گا۔

ایک بار کپور سنگھ کا ہاتھ چھوڑ کر اللہ بخش نے اسے جھل دے کر کپور کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اس کی نینل میں دے کر ایسی قوت سے اسے اچھالا کہ کپور خوب ہوا کے اندر بلند ہو کر انتہائی بے بسی کے عالم میں اکھاڑے کی نرم زمین پر کپور سنگھ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اللہ بخش نے کسی خوشخوار چیتے کی طرح اس پر چھلکا لگا دی اور زور لگا کر کپور سنگھ کی پیٹھ اس نے زمین سے لگا دی تھی۔

راجہ کے منصفوں نے اللہ بخش کو فاتح قرار دے دیا اور پھر ایک منصف جبر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اللہ بخش سے کشتی نہ لڑو گے؟" جبر سنگھ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے مقابلہ کیے بغیر اپنی شکست کرتا ہوں۔"

وہ دونوں منصف اللہ بخش کو اپنے ساتھ لے کر رانا سانگا کی طرف چلے گئے۔ کپور سنگھ اکھاڑے سے باہر نکلا اور اپنے ماموں جبر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے اس انتہائی قہر آلود انداز میں کہا۔ "میں اس اللہ بخش کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس میدان

لینا کی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو رانا سانگنا نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ "جو وفد ہماری طرف حمایت کا یقین دلانے جائے گا اس کے ساتھ اللہ بخش نام کا دان بھی جائے گا جس نے آج کپور سنگھ کشتی جیتی ہے۔ بابر بن پہلوانی کا دان پہلوانوں کی قدر کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں کئی ایرانی پہلوان ہیں۔ ان دنوں وہ کہ اپنے لیے ایک اچھا مقام پیدا کر لے گا اور وہاں وہ بابر کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے گا اور سارے حالات کی خبر ہمیں کریم خان کے ذریعے پہنچے گا۔"

ایک مشیر نے پھر پوچھا۔ "کیا اللہ بخش اور کریم خان اس امر پر آمادہ ہو جائیں

رانا سانگنا نے طنزاً کہا۔ "مسلمان کو اگر دولت کی جھلک، عہدے کا لالچ یا کسی باگیر کا وعدہ دیا جائے تو وہ اپنے ہی بھائی کی جان لینے کے بھی درپے ہو جائے گا۔ اسے اگر کسی کو میرے اس منصوبہ سے اختلاف ہو تو وہ کھٹک کر کہے۔ اس میں اگر فانی ہوئی تو میں فراخ دلی سے اس کا اعتراف کروں گا۔"

رانا سانگنا کے سب مشیر خاموش رہے اور کسی نے کچھ بھی نہ کہا۔ رانا سانگنا ان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم سب میرے اس منصوبے سے اتفاق نہ ہو تو پھر جاؤ تاکہ میں اللہ بخش اور کریم خان کو یہاں بلواؤں اور ان دونوں کو اللہ بخش کے کہ اپنے اس کام کے لیے رضا مند کرنے کی کوشش کروں۔ رانا سانگنا کے سارے مشیر اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اللہ بخش اور کریم خان کو رانا سانگنا کے سامنے لایا گیا۔ رانا سانگنا نے ان دونوں کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ ان نشستوں پر بٹھایا جن کو فی قبل اس کے مشیر وزیر بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر رانا سانگنا نے ایک دلا کو اواز دے کر بلایا۔

جب وہ پہرے دار اندر آیا تو رانا سانگنا نے اسے کہا۔ "میرے محافظ دستے

رانا سانگنا نے اللہ بخش اور کریم خان کو اپنے محل کی انتظار گاہ میں بٹھوایا۔ پھر اس نے اپنے مشیروں کا اجلاس طلب کیا۔ جب سارے مشیر جمع ہو گئے تو انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم جلد سے ہو کابل کا بادشاہ ظہیر الدین بابر کی طرح ہندوستان کے اندر بڑھتا آ رہا ہے۔ پہلے کی طرح اس بار اس کا ارادہ وہاں کا نہیں ہے۔ اب اس نے لاہور اور سیالکوٹ پر اپنا تسلط قائم کر کے مغربی علاقوں کے اندر اپنی حالت مضبوط اور مستحکم کرنی شروع کر دی ہے۔ مجھے غرض ہے کہ دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کے ساتھ اتحاد کر کے ہمارے خلاف نہ اٹھ کر اسیسا ہوگا تو ہند کے اندر ہمیں کہیں بھی سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ بابر کی طرف روانہ کروں اور اسے یقین دلاؤں کہ اگر وہ سلطان ابراہیم دہلی کا تخت حاصل کرنا چاہے تو ہم اس کے حلیف بن کر اس کے لشکر میں ہوں گے اور اس کی خاطر ابراہیم لودھی سے جنگ کریں گے۔"

ایک مشیر نے احتجاجی انداز میں کہا۔ "کیا آپ واقعی اپنا شکریہ لے کر صفوں میں جا شامل ہوں گے۔"

رانا سانگنا نے کہا۔ "تم احمق ہو۔ پہلے میری پوری بات تو سنو! ہمیں صرف یقین دلائیں گے۔ عملی طور پر ہم کچھ نہ کریں گے۔ ہماری طرف سے دہانی پر بابر ہماری طرف سے اپنے آپ کو محفوظ خیال کرنے لگے گا اور انہی بولہ ہنماک وہ ابراہیم کے ساتھ جنگ کرنے میں صرف کر دے گا اور تم جانو جب ابراہیم دونوں آپس میں ٹکرائیں گے تو دونوں ہی ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ ہوگی وہ تو خود بخود ہی ختم ہو جائے گا اور جوان دونوں کی جنگ میں کامیاب ہو بھی عسکری قوت اس قدر ٹوٹ پھوٹ جائے گی کہ ہم اس کے خلاف صفیں جمائیں گے اور اس پر حملہ کر کے محلوں کے اندر اسے کچل کر رکھ دیں گے۔ ہم ہند کے بغیر شکر، غیر حکمران بننے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

رانا سانگنا کے سارے مشیروں نے اس کی اس جھوٹ کو سراہتے ہوئے اپنا

کے ونیش سنگھ اور ہری سنگھ کو بلا کر لاؤ۔

وہ پریدار سر جھکتا ہوا باہر نکل گیا۔ پھر رانا ساٹگانے شہری سکنے
بھڑی ہوئی ایک بڑی تھیلی اٹھائی اور اللہ بخش کی گود میں رکھتے ہوئے کہہ
تمہارا آج کا مقابلہ جیتنے کا انعام ہے۔ اللہ بخش نے چپ چاپ تھیلی منبھال لی۔ رانا
نے نقدی کی ایک چھوٹی تھیلی کریم خان کو تھمتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے لیے ہے۔
نے بہتر طور پر ایک ماکہ اللہ بخش کی خدمت اور دیکھ بھال کی ہے۔ کریم
نے بھی تھیلی کچھ کہے بغیر رکھ لی۔

رانا ساٹگا چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر اس نے اللہ بخش اور کریم
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر تم دونوں میں کو میرا ایک کام کرنے کا عہد کر دو تو
دونوں کو زندگی بھر کے لیے مال مال کر دوں گا۔

اللہ بخش نے بڑی عاجزی سے کہا۔ آپ کام بتائیں ہم اسے ہر ملال
کی کوشش کریں گے۔

رانا ساٹگانے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو سنو! کابل کا بادشاہ بابر ہندو
ہو چکا ہے۔ اس نے لاہور اور سیالکوٹ تک وسیع علاقہ اپنے زیر تسلط کر لیا ہے۔

کے دربار میں اچھے اچھے ایرانی سپہان بھی ہیں۔ تم وہاں ان سے مقابلہ کر کے بابر
اپنے لیے ایک اچھا مقام پیدا کر سکتے ہو۔

اللہ بخش وہاں رہتے ہوئے تم بابر اور اس کے لشکر پر کڑی نظر رکھو
کے ہر نئے فیصلے اور حرکت کی مجھے اطلاع کرتے رہو۔ تمہارے پیغامات کو
پاس لے کر آیا کرے گا اور پھر واپس تمہارے پاس چلا جایا کرے گا۔ تم وہاں
لشکر میں ہی رہنا۔ کیا تم دونوں میرے لیے یہ کام کرنے کا عہد کرتے ہو۔

کریم خاں حیرت و استعجاب سے اللہ بخش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
اللہ بخش نے کسی توقف کے بغیر کہا۔ اے راجہ! ہم تمہارا یہ کام اپنی پوری
یا کریں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ ہم آپ کی توقعات اور بھروسہ پورے

رانا ساٹگا کچھ کہتے ہی والا تھا کہ دو جوان اندر داخل ہوئے۔ رانا ساٹگانے انہیں
نے آگے آنے کو کہا۔ جب وہ نزدیک آئے تو رانا ساٹگانے اللہ بخش اور کریم خان
ان دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ ونیش سنگھ اور ہری سنگھ ہیں۔ دونوں بھائی ہیں اور میرے غلط
نے سب سے زیادہ شجاع اور سرگرم سپاہی ہیں۔ یہ دونوں بھی تمہارے ساتھ میرے
ہیں کہ جائیں گے اور بابر کو میری طرف سے یقین دہانی کرائیں گے کہ ہم ہند کے اندر
ہیں باہر کے حلیف کی حیثیت سے اس کی صفوں میں شامل ہوں گے۔ لیے غرض سمجھیں
پھر رانا ساٹگا اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا۔ تم چاروں میرے ساتھ آؤ۔ میں تم چاروں
ہم تمہیں تفصیل سے سمجھاتا ہوں اور تمہاری روانگی کا انتظام بھی کرتا ہوں۔

اللہ بخش اور کریم خان اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رانا ساٹگا چاروں کو
راہر نکل گیا۔

اسی روز سہ پہر کے بعد اللہ بخش، کریم خان، ونیش سنگھ اور ہری سنگھ نے چٹوڑ
بالکوٹ کی طرف کوچ کیا جہاں بابر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اللہ بخش اور

پہان اپنے عام سے سادہ کپڑوں میں تھے جب کہ ونیش سنگھ اور ہری سنگھ اپنا بہترین
لباس پہنے ہوئے تھے۔

دن کا وہ حصہ اور اگلی پوری رات وہ سفر کرتے رہے۔ دوسرے روز جس وقت
انہوں نے اپنے گھوڑے کو روکے ہوئے اللہ بخش نے ونیش سنگھ کی طرف

کہے ہوئے کہا۔ ونیش سنگھ یہاں تھوڑی دیر رک نہ جائیں۔ ہم دونوں نماز ادا کر لیں گے
پھر بھی تھوڑی دیر چر کر سٹالیں گے۔

ونیش سنگھ نے اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے کہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو اللہ بخش
ہم دونوں دریا پر وضو کر کے یہاں آکر نماز ادا کر لو۔ پھر میں اور ہری نشان کرنے جائیں
گے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں سے زمینیں اور ان سے بندھا ہوا سامان آمار دیا۔ اور
گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اللہ بخش اور کریم خان دریا پر جا کر وضو کر گئے

اور کنارے سے ہٹ کر جہاں ان کا سامان پڑا تھا وہاں چٹانوں کے اندر نماز ادا کرنے لگے۔
 ونیش اور ہری وہیں بیٹھ کر نماز سے ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگے تھے۔
 اللہ بخش اور کریم خاں جب نماز ادا کر چکے تو ونیش اور ہری اٹھ کھڑے ہو کر
 ونیش نے کہا۔ "تم دونوں اب یہیں سامان کے پاس بیٹھو۔ میں اور ہری اشتان کو
 کھانا کھاتے ہیں۔"

ونیش اور ہری سنگھ دریا کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد
 نے اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اللہ بخش مجھے تمہارے کچھ اعمال اور افعال
 ہے۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تم میرے اعتراضات کا جواب
 اللہ بخش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے ایسے اعتراضات کی بہت بات
 رکھتا تھا۔ پہلے اٹھ کر دیکھو وہ دریا کی طرف پلے گئے ہیں یا نہیں پھر مجھ سے بات
 کریم خاں اٹھا اور ایک چٹان پر کھڑے ہو کر اس نے دریا کی طرف دیکھا
 ونیش ہی دریا کے کنارے اسے نظر آیا۔ اس نے اللہ بخش سے کہا۔ "دریا کے کنارے
 ونیش ہی ہے۔ ہری نہ جلتے کدھر ہے۔"

اللہ بخش نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں یہ سارے واقعات بابر سے جا کر
 اللہ بخش نے لاپرواہی سے کہا۔ "وقع کرو اسے ادھر ادھر ہو گیا ہو گا
 کے لیے۔ تم آؤ میرے پاس بیٹھو اور کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔" اللہ بخش کے سامنے
 کریم خاں نے کہا۔
 "اللہ بخش میں سمجھتا ہوں بابر کے لشکر میں رہ کر رانا سانگا کے لیے کام کرنا
 حامی بھر کے تم نے انتہائی پُر ذلت اور احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ سنو اللہ بخش! ہم پہلے
 بعد کو عربی، ترکی، افغانی اور ہندی ہیں۔ سب مسلمان ایک مضبوط دستور ملانے
 ہیں اور جو مسلمان اس عمارت میں تقب زنی کا کام کرتا ہے۔ وہ مسلمان نہیں
 بے ایمان ہے۔ ونیش اور ہری کی موجودگی میں مجھے تم سے کھل کر بات کرنے کا
 تھا۔ لیکن اب میں اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں اس مذکور
 تمہارا ساتھ نہ دوں گا۔ مسلمان خواہ دہلی کا یا لاہور کا۔ حتیٰ کہ کامو یا گوالیار کا۔"

ہری کو بخار حالت میں تلوار لہراتا ہوا ان دونوں کی طرف بڑھا۔ اللہ بخش اور کریم
 ہری کو ہتھکڑی پریشانی اور حسرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھے جا رہے تھے۔
 ہری سنگھ نے اپنی تلوار لہرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور ونیش کو پہلے
 ۰

ہی تم دونوں پر شک تھا اور رانا سا نگانے بھی ہمیں تم پر کڑی نگاہ رکھنے کی تیاری تھی۔ میں اور ونیش جانتے تھے کہ تم دونوں علیحدگی میں ضرور کوئی اہم مشورہ کرنے کو روکے۔ لہذا ونیش دریا کی طرف چلا گیا اور میں تم دونوں پر نظر رکھنے کی خاطر قریب ہی چٹانوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ میں نے تم دونوں کی پوری گفتگو سُن لی ہے۔ اب کوئی تمہیں میرے ہاتھوں سے بچا نہ سکے گا۔ ونیش کے آنے تک دونوں کو میں خون میں نہلا چکا ہوں گا۔ تم نے ہم دونوں بھائیوں کے ساتھ بنا اور سرکشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سنو! پہلوا کرنا آسان ہے لیکن تلوار کا کھیل مشکل ہے جس سے شاید تم دونوں ہی نا آشنا ہو۔ ہری سنگھ تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ماحول پر عجیب سی کشاکش نظر وسکوت طاری تھی۔ اللہ بخش اور کریم خان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے شکستہ ہرول کا عکس وہ اس بزدل کی طرح پریشان حال تھے جس کی چھاؤں اس سے کھو گئی ہو۔ وہ دونوں اس سطر کی طرح ٹول تھے جس کے اندر لکھے پیار کے حروف مٹ گئے ہوں۔ ان دونوں کی بے کسی و بے بسی سوارہ تھکن اور زخمی لہروں جیسی بے سمت دبے آواز ہو گئی تھی۔

سری سنگھ اب اور زیادہ قریب آ گیا تھا۔ اچانک تمناؤں کی طرح بکھرا ہوا اللہ بخش سنبھل سا گیا۔ یوں لگا جیسے اس کے باطن میں مہم توں کے رنگ لوٹ آئے ہوں یا اس نے تکلم کی نرم چھاؤں اور انہی اڑان کو درست کرنے کا راز پالیا ہو۔ یادہ اچانک تاریک زمان میں آنکھوں کو مانوس کرنے اور آک کو گلنار کر دینے کا فن جان گیا ہوا اچانک اللہ بخش زمین کی طرف سمجھکا ایک پتھر اٹھایا اور ہری سنگھ کو دے مارا۔ ہری سنگھ کے سر پر لگا اور وہ چکر اکر زمین پر گر گیا۔ اس کے ہاتھ سے اس کی تلوار چھوٹ گئی۔ اللہ بخش نے بھاگ کر اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا۔

ہری سنگھ پتھر بی زمین پر بے سدھ سا پڑا تھا کہ کریم خان آگے بڑھا اور اس کی نبض کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا۔ "اللہ بخش! اللہ بخش! یہ تو مر چکا ہے۔"

اللہ بخش نے لا پرواہی سے کہا۔ "اس جیسے فتنہ گر کو مرنا ہی چاہیے تھا۔ اسے مارنے کے لیے ہی تو پتھر میں نے اس کے سر پر دے مارا تھا۔ ورنہ یہ ہم دونوں کا خاتمہ کر چکا ہوتا۔ میں بہت سرتا تھا۔ بار بار تلوار لہرا کر کہ میں دھمکاتا تھا۔ پر ایک ہی پتھر کی ضرب برداشت نہیں کر سکا۔"

کریم خان نے کسی قدر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جیسے کڑوے اور خوشخوار پہلوان کی ضرب کون برداشت کر سکتا ہے۔ تم یہیں رکو اللہ بخش! میں اس چٹان پر چڑھ کر ونیش سنگھ کو دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

اللہ بخش نے کہا۔ "میں تو تلوار چلانا نہیں جانتا کیا تم اسے چلا سکتے ہو۔"

کریم خان نے کہا۔ "میں کسی جنگیوب پاہی کی طرح اس کا ماہر تو نہیں ہوں۔ تاہم میں اس کے ساتھ تھوڑے بہت ادھر ادھر ہاتھ چلا ہی لیتا ہوں۔ پر تم فکر نہ کرو کریم خان! ونیش سنگھ کو اب ہم اپنے لیے خطرہ نہ بننے دیں گے۔ اس سے نمٹ کر ہم فوراً یہاں سے باہر لے کر کی طرف کوچ کر جائیں گے اور اسے رانا سانگا کے اسل مقابلہ سے آگاہ کریں گے۔"

کریم خان بھاگ کر ایک قریبی چٹان پر چڑھ گیا اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے کہا۔ "اللہ بخش! میرے بھائی! ونیش سنگھ آ رہا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

اللہ بخش بھی چٹان پر چڑھ گیا اس نے دیکھا ونیش سنگھ دریا میں اُٹھان کرنے کے بعد اب ان کی طرف آ رہا تھا۔ اللہ بخش نے کہا۔ "کریم خان! میرے بھائی! تم ہری کی لاش گھسیٹ کر ایک طرف کر دو اور اپنے سامان کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔ ونیش سے میں اکیلا ہی نمٹ لوں گا۔"

کریم خان نے کہا۔ "لیکن تم اکیلے اس سے کیسے نمٹو گے۔ اس کے سامنے تلوار کوٹ کر ڈانا۔ ورنہ وہ تم پر حاوی ہو جائے گا۔ پر میں سامان کی طرف نہیں جاتا۔ وہاں

بیٹھا بیٹھا میں فکر مند ہوتا رہا۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہتا ہوں۔ دونوں بھائیوں کو ونیش سے نمٹ لیتے ہیں۔

اللہ بخش نے کہا: تم فکر مند نہ ہو کریم خان! تم ہری کی لاش گھسیٹ کر ایک طرف کر دو اور مطمئن ہو کر اپنے سامان کے پاس بیٹھ جاؤ پھر دیکھو میں کیسے ونیش کی قلابازی لگاتا ہوں۔

اللہ بخش کا کہنا مانتے ہوئے کریم خان چٹان سے اتر آئے۔ پہلے ہری کی لاش گھسیٹ کر اس نے ایک طرف کر دی پھر وہ اپنے سامان کے پاس بیٹھ گیا اور فکر مندی سے اللہ بخش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اللہ بخش بھی چٹان سے اتر آ اور جس راستے سے ونیش نے اپنا تھا۔ اس راستے کے کنارے وہ ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کریم خان نے دیکھا ونیش اس راستے پر نمودار ہوا تھا۔

کریم خان کچھ فکر مند سا لگ رہا تھا۔ تاہم احتیاط کے طور پر اس نے جنگالی صورت حال سے نمٹنے کی خاطر تین چار خوب نوکیلے پتھر اپنے پاس جمع کر لیے تھے۔ پر ان پتھروں سے کام لینے کی نوبت نہ آئی کیوں کہ کریم خان نے دیکھا جب ونیش سنگھ چٹان کے پیچھے چھپے اللہ بخش کے پاس سے گزر کر اس کی طرف بڑھا تو ناگاہ اللہ بخش اپنی گھات سے نمودار ہوا اور دبے پاؤں ونیش کے قریب آ کر اس نے اپنی تلوار کی آں پر ایسی ضرب لگائی کہ ونیش سنگھ دو حصوں میں کٹ کر ختم ہو گیا۔ اللہ بخش نے ونیش سنگھ کے لباس سے اپنی تلوار پونچھ لی اور پھر کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا: ”کریم خان! میرے بھائی! کیسا معاملہ کیا میں نے ونیش سنگھ کے ساتھ؟“

کریم خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتے ہوئے کہا: ”تم نے اس کے ساتھ خوب داؤد کھیلنا اللہ بخش ورنہ میں تو فکر مند ہو رہا تھا اور احتیاط کے طور پر ونیش کو مارنے کے لیے میں نے اپنے پاس پتھر بھی جمع کر لیے تھے پر ان سے کام لینے کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ بخش! آؤ اب اپنی تیاری کریں اور یہاں سے کوچ کر جائیں۔“

دونوں نے مل کر پہلے کھانا کھایا پھر گھوڑوں پر زینیں ڈال کر وہ سوار ہوئے۔ وہاں سے کوچ کر گئے۔ ونیش اور ہری سنگھ کے گھوڑے، ان کا سامان اور دار بھی انہوں نے اپنے ساتھ لے لی تھیں۔

ایک روز اللہ بخش اور کریم خان سیالکوٹ شہر سے باہر کے لشکر میں داخل ہوئے۔ یہ چاروں طرف دور دور تک پھیلے خیموں کا ایک شہر تھا۔ لشکر میں داخل ہوتے ہی اللہ بخش نے ایک سپاہی سے بارے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سپاہی ان دونوں کی رہنمائی رہا ہوا باہر کے خیمے کے پاس لے آیا۔

اللہ بخش نے باہر کے اس خیمے کے باہر کھڑے سپہ سالاروں سے ایک ہمتی آم کام کے سلسلے میں بارے ملنے کی استدعا کی۔ اس سپہ سالار نے کہا: ”اس وقت نا اپنے جرنیلوں کے ساتھ کسی نئے حملے متعلق صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ تم بیٹھ جاؤ جب وہ فارغ ہوں گے تو میں اندر جا کر تمہارے لیے اجازت حاصل کروں گا۔“

اللہ بخش نے کہا: ”جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ ایک اہم اور جنگی نوعیت کا پیغام ہے۔ تم اندر جا کر میری خواہش کا ذکر تو کرو۔“

اس سپہ سالار نے ایک بار غور سے اللہ بخش اور کریم خان کی طرف دیکھا پھر وہ باہر کے اس محل نما خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سپہ سالار باہر آیا اور اللہ بخش سے کہا: ”تم دونوں اندر جاؤ۔“

اللہ بخش اور کریم خان نے اپنے گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں اور آگے بڑھ کر وہ باہر کے خیمے داخل ہوئے خیمے کے اندر باہر کے ساتھ ہمایوں، جنید، علی تللی خان اور دیگر جرنیل بیٹھے ہوئے تھے۔ باہر نے اللہ بخش اور کریم خان سے مصافحہ کر کے ایک خالی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو باہر نے پوچھا: ”تم دونوں کہاں سے آئے ہو اور میرے لیے کس نوعیت کا پیغام لائے ہو۔“

جواب میں اللہ بخش نے لاہور سے چھوڑ کر کشتی کرنے کے لیے روانہ کی کریم خان سے

ملاقات کشتی کے سارے واقعات، رانا ساگکا کی پرفریب باتیں اور راستے میں دشمنانہ قتل کے قتل کے سارے واقعات خوب تفصیل سے کہہ دیئے تھے۔

بابر نے کہا۔ "میں تمہارا ممنون ہوں۔ تم نے میرے ہاں رانا ساگکا کے لیے کام کرنے کے بجائے میری خاطر اس کے دونوں آدمیوں کو مار ڈالا اور مجھے اصل حالات سے آگاہ کر دیا۔ اللہ بخش نے کہا۔ رانا ساگکا چاہتا ہے کہ ہند کی سرزمین میں مسلمان کو دروازہ اور وہ سارے جہنم کا واحد حکمران بن جائے۔

بابر نے کہا۔ ایسا نہیں ہوگا میں اپنی قوت جمع کر رہا ہوں۔ رانا ساگکا کو ایک روز میرے سامنے جھکنا ہوگا۔ اب تم دونوں آرام کرو دو دن بعد میں تم دونوں کی شتیاں دیکھو گا۔ تم اب مستقلاً میرے لشکر میں رہو گے۔ میرے پاس بڑے بڑے سوار قسم کے ایرانی پہلوان ہیں مجھے اُمید ہے ان کے ساتھ تمہارے مقابلے دلچسپ رہیں گے۔

بابر کے کہنے پر علی کلی خاں ان دونوں کو باہر لے گیا۔ چند ہی یوم میں اللہ بخش نے بابر کے سارے ایرانی پہلوانوں کو پھار کر رکھ دیا اور بابر کا منظورِ نظر پہلوان ہو گیا تھا۔



سرپرست محل رہی تھی، گوالیار کا راجہ بکرماجیت اپنے محل سے محققہ تربیت کے محلے میدان میں اپنے اصطل کے گھوڑوں کے کرتب دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف اس کی بیوی شنگل، بڑا بیٹا کیدار اور اس کی بیوی کا بھائی سیلو واس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بائیں طرف اس کی حسین بیٹی کنپل، اس کا بیٹا مالدیو اور اس کی منگیتہ کرن بیٹھے تھے۔

وہ سب گھوڑوں کے کرتب سے غمخوڑ ہو رہے تھے کہ بکرماجیت کا ایک محافظ ایک گھوڑ سوار کو اپنے ساتھ لایا اور اس کے سامنے کسی قدر جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ "ہمارا جی! یہ سوار سلطان ابراہیم لودھی کی طرف سے آپ کے لیے کوئی اہم پیغام لایا ہے۔"

بکرماجیت اٹھ کھڑا ہوا اور آنے والے اس اجنبی سے جس نے اپنے گھوڑے کی بل پکڑ رکھی تھی براہِ راست مخاطب ہوئے پوچھا۔ "سلطان ابراہیم کی طرف سے تم ہمارے لیے کیا پیغام لائے ہو؟"

ابراہیم لودھی کے اس ایلچی نے کہا۔ "میرے پاس زبانی کہنے کو کچھ نہیں۔ میرے ہاں آپ کے نام دو خط ہیں ایک سلطان ابراہیم لودھی کا اور دوسرا ان کی ماں سلطانی بیگم کا ہے۔" اس ایلچی نے دونوں خط نکال کر راجہ بکرماجیت کو تھا دیئے۔

بکرماجیت نے دونوں خط لے لیے اور ایچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
نے اپنے محافظ سے کہا۔ "اسے مہان خانے میں لے جاؤ۔"

وہ محافظ براہیم لودھی کے ایچی کو لے کر چلا گیا۔ بکرماجیت دونوں خواتین
کو پڑھنے لگا۔

راجہ بکرماجیت نے دونوں خط پڑھنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے کیدار کو
اور وہ بھی انہیں پڑھنے لگا۔ خود بکرماجیت گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اس کی بیوی
نے فکر مندی میں پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔"

بکرماجیت نے کہا۔ "سلطان ابراہیم نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ عفر
باہران کے خلاف صف آرا ہوگا۔ لہذا انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے لشکر
ساتھ ان سے آمون تاکہ متحد ہو کر بابر کے خطرے کو ہند سے رفع کیا جاسکے۔

دوسرا خط سلطان ابراہیم کی ماں سلطانی بیگم کا ہے۔ وہ ان دونوں
آگرہ کے محل میں مقیم ہے اور تم سب لوگوں کو اس کے وہاں بلایا ہے اور خواہش
کی ہے کہ جب تک بابر کے ساتھ جنگ کا خاتمہ نہیں ہو جاتا تم لوگ اس کے پاس
آگرہ میں رہو۔"

شکل نے کسی قدر طول ہوتے ہوئے کہا۔ "سلطانی بیگم کے پاس جا کر رہنا
کوئی نئی بات نہیں۔ ہم پہلے بھی ماں بیٹی کئی بار اس کے پاس رہی ہیں۔ وہ بڑا
اور مہمان نواز خاتون ہیں لیکن آپ کو جو لشکر سمیت سلطان ابراہیم نے دیا
میں اس سے متعلق فکر مند ہوں۔ اس کا مطلب ہے بابر کی وجہ سے ہند کے حالات
ہونا شروع ہو گئے ہیں۔"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "ہمیں اپنے لشکر کے ساتھ سلطان ابراہیم
مغلوں میں شامل ہونا پڑے گا ورنہ ہماری اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ تم جانتے
ہو رانا سانگا ہمارا انلی دشمن ہے۔ وہ ہماری طرف صرف اس لیے نکلا اٹھا کہ ہم
دیکھتا کہ ہمیں سلطان ابراہیم کی حمایت اور طرف داری حاصل ہے۔ ورنہ وہ بھی

یہ راستہ پر حملہ کرے گا لیکن اپنی عملداری میں شامل کر چکا ہوتا۔ وہ صرف سلطان
براہیم کی وجہ سے ہم پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ ہمیں ہر حال میں سلطان ابراہیم کے لشکر میں
لے جانا ہوگا۔

ہم صرف دو دن اس تیاری پر صرف کریں گے۔ میں شکر کو لے کر دہلی روانہ ہو جاؤں
سیاست کے امور کی دیکھ بھال کے لیے کیدار ہمیں رہے گا۔ اس کی مدد کے لیے سید داس
گوالیار ہی میں رہے گا۔ تم، کنپل، کرن، سلطانی بیگم کے پاس آگرہ چلی جاؤ۔ مالدیو تم
دل کے ساتھ ہوگا۔ ایک محافظ دستہ بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

بکرماجیت فرار کا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری غیر موجودگی
میں رانا سانگا گوالیار پر چڑھائی کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے تم کنپل اور کرن اپنے
مقام قیامی اثاثے اپنے ساتھ آگرہ لے جانا۔ مجھے امید تو ہے کہ سلطان ابراہیم کے خوف
میں رانا سانگا گوالیار کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ ویسے میں
والیار کی حفاظت کے لیے اپنے لشکر کا ایک حصہ کیدار کے پاس بھی چھوڑ جاؤں گا۔
بب تک میری طرف سے تم لوگوں کو کوئی پیغام نہ ملے تم چاروں آگرہ میں سلطانی بیگم کے
پاس ہی رہنا۔ بابر کی وجہ سے حالات اتنے ہیں تبھی سلطان ابراہیم نے ہمیں بلایا ہے۔
اور نہ مجھے لشکر کے ساتھ نہ بلاتے۔ اگر ایسا ہے تو رانا سانگا بھی مصروف ہوگا۔ وہ بھی
بابر کے خلاف جنگی تیاریوں میں لگ گیا ہوگا ایسی صورت میں گوالیار کی طرف وہ کم ہی
نہیں دے گا۔"

شکل نے پوچھا۔ "ہمیں کب تک یہاں سے آگرہ کی طرف روانہ ہونا ہوگا۔"
راجہ بکرماجیت نے کہا۔ "دو ایک روز تک ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔
آگرہ تک آگئے جائیں گے۔ وہاں سے میں اپنا لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو جاؤں گا
نہیں شکل خیر نہیں جنگوں کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔ کون کس پر غلبہ رہے
اور آگرہ کے لیے حالات کیا رخ اختیار کریں۔ احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے تم اپنے محل کا
کام لاکھتھی اثاثہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہاں سلطانی بیگم کے پاس تمہاری ہر شے محفوظ

ہوگی۔ اگر سلطان ابراہیم لودھی غالب رہا تو بابر کے لشکر سے فراغت پانے
وہ لانا سانگا کا رخ بھی کرے گا۔ کیوں کہ وہ ایک عرصہ سے لانا سانگا پر نگاہ
رہے اور ہند میں لانا سانگا کو وہ اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ گردانتا ہے۔
بابر کے بعد ابراہیم کا دوسرا حدف لانا سانگا ہوگا۔ ایسی صورت میں گوالیار
ہماری پوری ریاست جنگ کا ایک اکھاڑہ بن جائے گی۔

اور اگر سلطان ابراہیم لودھی پربابر غالب رہا تو بھی لانا سانگا حالات
فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور فوراً ہماری ریاست پر حملہ آور ہو کر اس پر
کے بابر کے مقابلے میں اپنی عملداری کو وسیع اور قوت کو مضبوط کرنے کی کوشش
غرضیکہ دونوں صورتوں میں ہمارے لیے خطرات ہی خطرات ہیں۔ لہذا تم اپنے
مزدوری اثاثہ اور قیمتی اشیاء اپنے ساتھ آگرہ لے جاؤ۔ میں اب لشکر گاہ میں
تاکہ یہاں سے کوچ کے انتظامات مکمل کر سکوں۔ سب اٹھ کر تربیت کے
سے نکلتے ہوئے اپنے محل کی طرف جا رہے تھے۔

تیسرے روز راجہ بکرماجیت اپنے لشکر کے ساتھ گوالیار سے کوچ کیا۔
مالدیو، ان کی ماں شنکل اور کرن بھی ان کے ساتھ تھے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر
آگرہ تک سب اکٹھے گئے۔ یہاں سے بکرماجیت اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جمنا
کنارے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

کپنل، کرن، شنکل اور مالدیو کی حفاظت کے لیے وہ ایک دستہ ان
کو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ کئی چھریں بھی تھیں جن پر ان کی ضرورت کا
اور قیمتی مال و متاع لدا ہوا تھا۔
دریائے جمنا کے کنارے کھڑے مالدیو، کپنل، کرن اور شنکل ابھی تک
بکرماجیت کو اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ ان
کی طرف سے کچھ سوار آئے اور ان کے پاس آکر رکے۔ پھر ان سواروں کے اندر
سلطان ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم نمودار ہوئی۔ وہ عمر کی دھلی ہوئی مگر چہرہ

مجد کے ذریعے شمال کے وحشی کوستانی لیٹروں کا صفایا کرنے اور سیالکوٹ شہر
نظارے کے بعد بابر نے لاہور کے سابق حاکم دولت خان اور قلعہ لنگوٹہ، کو قلعہ قلعو
اداس سے وابستہ دیگر علاقوں کے حاکم غازی خان کی طرف توجہ کی۔ ان دونوں نے
بے قصور کن جنگ کرنے کے لیے ایک جوار لشکر جمع کر لیا تھا۔
دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی ابھی تک اس لیے خاموش تھا کہ وہ چاہتا کہ اگر دولت
اور غازی خان دونوں مل کر بابر کو ہند کی سرزمین سے بھگا دیں تو بعد میں اس کے لیے
انایت آسان ہوگا کہ وہ غازی خان اور دولت خان پر حملہ کر کے ان کی ساری کچی اور سر
درست کر دے۔ اسی امید پر وہ ابھی تک خاموش تھا اور عملی طور پر وہ بابر کے
نہ حرکت میں نہ آیا تھا۔
دوسری طرف بابر کو بھی اس کے جاسوس خبر کر چکے تھے کہ غازی خان اور دولت
خان ایک جوار لشکر کے ساتھ کلانور شہر کی میدہ میں دریائے راوی کے کنارے اپنے لشکر

ساتھ خیمہ زن ہیں اور انہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جو نہی بابر دریائے راوی کو عبور کرے
بعد کنارے پر اترے اس پر ایسا زور دار اور پُر ہول حملہ کیا جائے کہ اسے عبرت آکر
دے کہ اس کے لشکر کو راوی میں ڈبو کر رکھ دیا جائے۔

بابر کو جب خبر ہوئی کہ دولت خاں اور غازی خاں اس کے ساتھ فیصلہ کر رہے ہیں
کے لیے دریائے راوی کے اس پار کلاں اور شہر کی سیدھ میں خیمہ زن ہیں تو وہ سب کو
نکالا اور برقی رفتاری سے اس نے مشرق کی طرف کوچ کیا۔

بارشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جانے کے باعث کوئی
موسم سازگار نہ تھا۔ اس کے باوجود بابر بڑی تیزی سے دشمن کی طرف بڑھا۔ اسے فوراً
اس نے دولت خاں اور غازی خاں سے نمٹنے میں تاخیر کی تو ہو سکتا ہے ابراہیم
سائیکا کے ساتھ اتحاد کر کے میرے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور دشواریاں کا
سلسلہ شروع ہو جائے لہذا بابر نے کوچ کرنے میں تاخیر نہ کی تھی۔

دریائے راوی کے غریب کنارے بابر اس جگہ آکر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ
جہاں اس نے سلسلے دریا کے کنارے دولت خاں اور غازی خاں کا متحدہ لشکر پڑا
ہوئے تھا۔

دن کی روشنی میں بابر نے دو ایک بار دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن دشمن
اندازوں نے اندھا دھند اور تیز ہیر اندازی کر کے بابر کی دریا پار کرنے کی کوشش کو ناکام
تھا۔ بابر کو اس کا سخت قحط ہوا۔ تاہم جب رات ہو گئی اور اندھیرا پھیلنے لگا تو
اہمیت کے زبردست فیصلے کیے۔

اس نے ہمایوں اور جنید کو مقدمہ الحبش دے کر شمال کی طرف روانہ کر دیا
تنبیہ کی کہ شمال میں اوپر جا کر مناسب جگہ سے دریا پار کر کے دشمن کے قریب
میں بیٹھ جائیں اور جب صبح ہو تو اس پر حملہ کر دیں۔ خود بابر نے جنگل سے لڑنے
کو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ پُل بنا کر شروع کر دیا تھا۔ رات کے پچھلے حصے
نے پُل مکمل کر لیا اور اسے رستوں سے باندھ دیا تاکہ مناسب وقت پر اسے کھلا

جائیں اور جنید نے دس میل تک دریا کے کنارے کنارے اوپر جا کر دریائے راوی کو
پار کیا۔ دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے وہ دشمن کے
پیش قدموں کا ٹکڑا کر بیٹھ گئے تھے۔

فنون طراز اور دلفنوں جیسی تاریک رات اک نغمہ ربانی گاتی سحر کی طرف بھاگتی رہی
نہ کہ کتاب اپنے حیا آمیز رنگوں میں دوریوں اور بعد کی طرف دعاں رہا۔ رات کی
پہچانداروں کی کرنیں مدھم مدھم ہوتی گئیں۔ تاریکی کا غبار کم ہونے لگا پھر کائنات میں
بال بھرنے لگیں۔ ہر شے ستاروں کی طرح روشن ہونے لگی۔ رات کے اندر پوشیدہ چاندنی
ت و نظائر کے جزیرے اور وصل کی ادھوری خواہشوں کا انجام ہو گیا۔ کیوں کہ
اسے سورج طلوع ہوا تھا اور کل تو بہار و شجر سایہ دار گہرے سمندر میں دعاں موج
چاگ لگنا اٹھتے تھے۔

سورج کے طلوع ہوتے ہی ہمایوں نے اپنے مقدمہ الحبش کو حبش سے صلاح
کے بعد دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ ہمایوں کے پاس اور دوسرا جنید کی
پیش قدموں کو دیا گیا تھا۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ دشمن کے شمال کی طرف سے
پیش قدموں کو دونوں سمتوں سے دشمن پر حملہ کر کے اس کو دریا کی طرف سے غافل کر دیں۔
بابر کو دریا پار کرنے کا موقع مل جائے۔

پہلے ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکلا اور شمالی حصے میں دشمن کے لشکر
کا پیرا پیرا کر ہوا جو دریا کے کنارے سے ہٹ کر تھا۔ اس حملے سے دولت خاں
غازی خاں کے لشکر میں ایک افراتفری اور کھلبلی مچ گئی تھی۔

دریا کے اس پار بابر بھی چوٹا ہو گیا تھا اور اس کے کنارے کے ساتھ بندھے
کے ساتھ کھول دیئے کا حکم دے دیا تھا۔ رستے کھلتے ہی لکڑی کے بھاری بھر کم پُل کا
پہاڑا اور ایک دوسری سمت جا لگا تھا اور بابر کے لشکر کی اس پر اپنے گھوڑے دوڑاتے
کے لیے راوی کو عبور کرنے لگے تھے۔

دولت خان اور غازی نے بھی فوراً پیش بندی کرتے ہوئے اپنے لشکر کو رات میں تقسیم کر دیا۔ غازی خان نے ہمایوں کو روکا۔ جب کہ دولت خان اس لشکر میں رہا گیا تھا جو بابر کی سرکردگی میں لکڑی کے اس پل کو عبور کر کے دریائے راوی کے اس پار پہنچ گیا تھا۔ دولت خان اور غازی خاں اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ انہوں نے بابر اور دونوں باپ بیٹے کے سامنے مزاحمت کھڑی کر دی ہے لیکن اس وقت ان دونوں اوسان خطا ہو گئے جب جنید نے اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکل کر دشمن کے پر حملہ کر دیا جو دریا کے کنارے کنارے بابر کی پیش قدمی روکنے لکڑی کے پل بڑھ رہے تھے۔

جنید ایک طرف چہرہ شناسی، ہیجان انگیزی اور تادیب و تعزیر کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کے حملے سے دریا کے کنارے کنارے بابر کی طرف پیش قدمی کرتے دشمن روک گئے تھے۔ جنید کے طوفانی حملے سے انہیں یوں محسوس ہوا جیسا کہ کسی کے انتظار چپ ساعتمیں بے حرف صداؤں کے ساتھ اپنی بے بسی پر جھنجھلا اٹھی ہوں۔

○

جنید ایسے انداز میں دریا کے دریا کے کنارے دشمن کے اندر تک گھتا چلا جیسے اس نے اپنی راہ میں حائل ہونے والے بڑے بڑے فرعونوں کو زیر کر دینے کو شکستہ سیاروں میں بدل دینے کا عزم کر لیا ہو۔ اس نے دشمن کے لشکر یوں پل کی چٹکاریاں پھیل کر انہیں دشمنوں کی قبا پہنانا شروع کر دی تھی۔ وہ پل پار کر لشکر یوں کی حفاظت پر اس لفظ نگار کی طرح تل گیا تھا جو فطرت کو مال جان کے سرہری لفظوں سے ہر سمت ہر پہلو سے اس کا دفاع کرے۔

لمحوں کے اندر جنید نے دریا کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے دشمن کو کاٹ دیا۔ ان میں سے اکثر جنید کے لشکر کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ کچھ دریا میں ڈوب اور جو بچے وہ پسپا ہوتے ہوئے دریا سے دور بھاگنے لگے تھے۔ جنید نے اب بڑھتے ہوئے دولت خان کے فانی لشکر پر دباؤ ڈالتا شروع کر دیا تھا۔

دربار کے کنارے کنارے جنگ کرنے والے دولت خان کے لشکر کی جیب پسپا ہونے لگی تھی تو دریا کا کنارہ خالی ہو جانے کی وجہ سے پل پر دباؤ کم ہو گیا اور بابر اپنے لشکر کے ساتھ دریا عبور کر کے بھوکے شاہین کی طرح دولت خاں اور غازی خاں کے سر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

اب شمال مشرق سے ہمایوں، شمال مغرب سے جنید اور جنوب مغرب سے خود ہاتھ بندوں کی گمراہی اور سچائی کے عکس کی طرح حملہ آور ہوتے ہوتے دشمن کی دیوار آگیزی، ریاکاری اور درشت گوئی پر انگڑی اور متزلزل کرنے لگے تھے۔ ان نے مل کر اپنے تیز طوفانی حملوں سے دولت خاں اور غازی خاں کے لشکر کی حالت بگڑی تھی جیسے کسی سیاہ دل نجیل اور موذی کمینہ فطرت انسان کی ساری جھتیں، سارے نفع اور کردار کی ساری کمزوری بڑے حرم و احتیاط کے ساتھ کسی نے دھوکھنناں کر دی ہو۔ وہ تینوں دشمن کے لشکر کے اندر پستی میں بلند ہو کر غازی کے اندر موج زنی کر رہے تھے۔

غازی خان نے جیب دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کے لشکر میں پسپائی اور ہزیمت کا آثار نمودار ہونے والے ہیں تو اپنے چند محافظوں کے ساتھ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ غازی خان کے فرار سے لشکر پر بڑا برا اثر پڑا۔ لہذا دولت خان نے لشکر کے ہر دست ہمتی توصلوں کو دیکھتے ہوئے میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی اور میدان سے بھاگ کر وہ قلعہ بلوت میں جا کر محصور ہو گیا تھا۔

بابر نے دم لیے بغیر اپنے سارے لشکر کے ساتھ پنجاب کے اس سابق حکمران کو خان کا تعاقب کیا۔ گو دولت خان بلوت کے قلعہ میں محصور ہو کر وقتی طور پر اپنے دشمنوں کو محفوظ خیال کرنے لگا تھا لیکن بابر نے چاروں طرف سے اس قلعہ پر بلبل دیا اور قلعہ کی فصیل ایک طرف سے توڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ قلعہ کے لوگوں نے بابر کی فوج قبول کر لی۔ دولت خان کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔

پہلے بابر نے فیصلہ کیا کہ دولت خاں کو بھیرہ کے قلعہ میں قید کر دیا جائے لیکن

بعد میں جنید، علی قلی خاں اور ہمایوں کے کہنے پر بابر نے دولت خاں کو آزاد کر دیا۔ اسے رعایت دے دی کہ وہ جہاں چاہے سکونت اختیار کر سکتا ہے لیکن اس کی اجل شاید جنگ کے بجائے حالت امن میں اس کی منتظر تھی۔ بابر سے اسے ملنے کے بعد جب وہ شہر سلطان آباد میں داخل ہوا تو موت نے اسے آجیو اس شہر میں وہ انتقال کر گیا۔

قلعہ بلوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد بابر نے طوفانی انداز میں ترکستان اور غازی خان کے دیگر شہر نندور، مکملز اور روپڑ پر بھی اس نے قبضہ کر کے اپنے میں لے لیا تھا۔ ان سارے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کرنے کے لئے سرہند شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

○

ایک روز گوالیار کے راج مندر سے راجہ بکرم جیت کا بیڑا بٹیا کیدار جیہ پاٹ کے بعد مندر کی سیرٹھیاں اُتر کر نیچے آیا تو پیچھے سے کسی نے اسے آواز دینے پکارا۔ "کیدار! کیدار! ٹھہرو! رکو میری بات سنو!"

کیدار نے جب مڑ کر دیکھا تو راج مندر کا بیڑا پروہت گوند اسے آواز دینے کو رکنے کو کہہ رہا تھا۔ کیدار رگ کرنا انتظار کرنے لگا۔

پنڈت گوند نے مندر کی سیرٹھیاں اُتر کر کیدار کے کندھے پر ہاتھ رکھے۔ بڑی محبت اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیدار! کیدار! میں کئی روز سے ایک موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہ رہا تھا لیکن تم سے کہیں مل بیٹھنے کا اتفاق ہی نہیں رہا تھا۔"

کیدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر اب کہہ لیجئے۔"

پنڈت گوند نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میرے ساتھ آؤ۔ کیدار خاموشی سے پنڈت گوند کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھالتے مندر کے احاطے کے اندر سے اس کمرے میں لے آیا جو اس کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

کیدار نے کہا۔ "آپ پر چھپیں، جو سچ ہو گا اسے میں سچ ہی کہوں گا۔"

پنڈت گوند نے کہا۔ "تم جنید کو جانتے ہو؟"

کیدار نے جلدی میں کہا۔ "کون جنید؟"

پنڈت گوند نے خود سے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی! وہی جنید ام کا مسلمان جوان جس نے گوالیار شہر میں داخل ہو کر سیخ پابا تھیوں سے تمہاری بہن کنپل کو تمہارے چھوٹے بھائی مالدیو کی منگیتر کرنا کو بچایا تھا۔"

کیدار نے چونکنے والے انداز میں کہا۔ "ہاں، اس جنید کو تو میں خوب جانتا ہوں۔ وہ پراشجاع اور اچھا جوان ہے اور کچھ روز ہمارے محل میں رہا بھی ہے۔"

پنڈت گوند نے کہا۔ "کیدار! میں نے اسی جنید سے متعلق ایک ایسی بات سنی ہے جو ایک پنڈت کی حیثیت سے میرے لیے سخت ناگوار اور باعث اشتعال ہونے کے علاوہ ہماری دھرم ریت کے بھی سراسر خلاف اور منافی ہے۔ میں نے سنا ہے راجہ بکرم جیت نے تمہاری بہن اور اس ریاست کی راجکاری کنپل کو جنید سے بیاہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

کیدار کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا اور اس نے کہا۔ "مجھے اس فیصلے کا علم نہیں ہے اور نہ میرے پتانے اس سے متعلق کوئی صلاح مشورہ ہی لیا ہے۔"

پنڈت گوند نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم سے صلاح مشورہ کیا ہو یا نہ کیا ہو نہیں اس رشتے کا علم ہو یا نہ ہو پر کنپل کو جنید سے بیاہ دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس فیصلے کے لیے بہانہ یہ بنایا جا رہا ہے کہ جنید نے چونکہ کنپل کو ہاتھی سے اتارتے وقت اس کے سر پر کوچھوٹا تھا لہذا یہ کنپل کا فیصلہ ہے کہ جس جوان نے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا وہ اب وہی اس کا بچہ اور پرینے گا۔ اگر یہ بات ہے تو اس جنید نے مالدیو کی منگیتر کرنا

کو بھی تو پکڑ کر ہاتھی سے اتار دیتا تھا۔ اس نے اس کے سر پر کو بھی چھوٹا تھا۔ لہذا اس کا بایاں جنید ہی سے کر دیا جائے۔

کیدار نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ ”اگر میرے پتا یہ فیصلہ کر بھی چکے ہیں تو بھی میں کی صورت یہ شادی نہ ہونے دوں گا۔“

پنڈت گوند نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ”تم یہ شادی ہونے دو یا نہ ہونے لیکن کنپل کی شادی ایک مسلمان سے ہونا دھرم کا ایمان ہے اور میں یہ دھرم اور میرے دونوں کا۔ اگر ایسا ہوا تو میں پُرچاکو راجہ کبرماجیت کے خلاف کر دوں گا اور پھر کی بات راجہ کو ماننا ہوگی۔“

سنو کیدار کنپل کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ وہ اس راج کی راجکمار ہے اس کی شادی اپنے دھرم کی رسومات کے مطابق ویسے ہی ہوگی جیسے راجکمار یوں کی شادی ہوتی ہے۔ اس کی شادی کے لیے باقاعدہ سوئمیر چایا جائے گا اور جو جوان بھی یہ سوئمیر جیتے گا کنپل کا ہاتھ اس جوان کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس سوئمیر میں کوئی مسلمان حصہ نہیں لے سکتا۔ کنپل اس پورے راج کی لالچ ہے شرم و لالچ ہی دھرم ہے اور ہم ہندو ہو کر اپنے دھرم کی خوب حفاظت کریں گے۔ کیدار نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”پنڈت گوند! اس معاملے میں ہونا طرح میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کنپل کی شادی جنید کے ساتھ کسی صورت بھی نہ ہو جائے گی۔ یہ میرا عزم ہے جو آخر تک رہے گا۔“

پنڈت گوند نے اس بار انتہائی رازداری سے کہا۔ کیدار! اگر تم میری انفراد مجھ سے اتفاق کرو تو اس الجھن کو سلجھانے کا میرے پاس ایک اور حل بھی ہے۔“

کیدار نے کہا۔ ”کیسا اور کون سا حل؟“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”وہ یہ کہ اس بار جب جنید کنپل سے ملنے گا البتہ تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسے خبر نہ ہوگی کہ کنپل ان دنوں آگرہ میں ہے۔ ظاہر ہے وہ اگر آیا تو ہمیں گواہیوار میں ہی اُسے گا۔ لہذا بہتر ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ اس

ساری الجھنیں ہی دور ہو جائے گی۔“

کیدار نے خوفزدہ سی کیفیت میں کہا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے خیال رکھنا کہ اگر کنپل اور میرے چاکو پتہ چل گیا کہ جنید کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہے تو میرے پتا مجھے بھی قتل کر دیں گے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو کم از کم مجھے راج کے معاملات سے قطعاً ہی بے دخل کر کے رکھ دیں گے۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”تم فکر مند کیوں ہوتے ہو۔ جب بھی کنپل سے ملنے جنید گواہیوار آئے تم اپنے بھروسے کا کوئی آدمی بھیج کر مجھے اطلاع کر دینا پھر دیکھنا میں کیسے حرکت میں آتا ہوں۔ میں جنید کے پیچھے ایسے آدمی لگا دوں گا جو اسے دور ویرانوں کے اندر اس طرح قتل کر دیں گے کہ کسی کو خبر ہی نہ ہوگی کہ کس نے کب اور کہاں جنید کو قتل کر دیا ہے۔ بولو کیدار ہے گا یہ؟“

کیدار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہے تو خشک لیکن اس ساری کارروائی میں کہیں میرا نام نہ آئے۔ اگر میرے ماتا پتا اور میری بہن کو خبر ہوگئی کہ جنید کا نقصان میری وجہ سے ہوا ہے تو سنو پنڈت گوند میں انہوں کی ہی نظروں میں ایسا گروں گا کہ پھر کبھی سنبھل نہ پاؤں گا۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”تم فکر اور چیتا نہ کرو کیدار! میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دوں گا کہ جنید کے قتل میں مجھے تمہاری مدد و حمایت بھی حاصل ہے۔“

کیدار اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”میں اب چلتا ہوں۔ اس سلسلے میں ہر قسم کی معاونت ملنا کرنے کے لیے تیار ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری بہن کی شادی کسی کشتہ تری جوان کے ساتھ ہو اور وہ بھی باقاعدہ سوئمیر رچنے کے بعد۔ یہی طریقہ کار راجکمار یوں کے شایان شان ہے۔“

کیدار مندر کے احاطے سے باہر نکل گیا جب کہ پنڈت گوند اپنے اس سکونتی کرے سے نکل کر مندر کے اندر وئی حصے کی طرف جا رہا تھا۔

جاڑا اپنے جنوں پر آرہا تھا۔ بہاروں کا فصول غزاؤں کے پُر فریب جالوں میں کھو گیا تھا۔ ہر شے گویا زانوئے حبیب چھن جانے پر خاموش و افسردہ تھی۔

ایک روز جب کہ سورج ابھی طلوع ہی ہوا تھا۔ جنید گویا راجہ کے محل میں داخل ہوا۔ صمد دوانے کے قریب ابھی وہ اپنے گھوڑے سے اتر رہا تھا کہ ایک طرف سے محل کے اصطل کا داروغہ احمد یوسف بھاگتا ہوا آیا اور جنید سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "کاش اگر کچھ یوم پہلے آئے ہوتے۔ اس محل کے ہر فرد کو بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار تھا۔"

جنید نے فکر مندی سے پوچھا۔ "اور اب یہ سارے افراد کہاں چلے گئے ہیں؟" احمد یوسف کہہ رہا تھا۔ دہلی سے سلطان ابراہیم لودھی اور آگرہ سے ان کے ماں سلطان بیگم کے خطوط ملے کہ ایک قاصد آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے راجہ کو اجابہ کو لکھا تھا کہ اپنا لشکر لے کر دہلی میں ان سے آئے جب کہ سلطان بیگم نے اس محل کے دیگر افراد کو بلایا کہ وہ بکرماجیت کی واپسی تک آگرہ میں آکر رہیں۔ کنپل، اس کی راکرن اور مال دیو آگرہ جا چکے ہیں جب کہ راجہ بکرماجیت اپنے لشکر کے ساتھ دہلی جا چکے ہیں۔ شاید دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کو خطرہ ہے کہ مستقبل قریب میں اسے بابر سے جنگ کرنا پڑے گی اس لیے اس نے اپنے سارے حریفوں کو ان کے لشکروں کے ساتھ دہلی طلب کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں اس محل میں اب صرف کیدار اور اس کا مومن سیو داس ہی رہتے ہیں۔ بلکہ ان دنوں محل میں کیدار اکیلا ہی ہے کیونکہ سیو داس کچھ دنوں کے لیے شکار پر گیا ہوا ہے۔"

اچانک جنید کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھی اور اس نے دیکھا محل کے ایک ستون کے پاس کیدار کھڑا تھا۔ احمد یوسف نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ جب جنید کی نگاہیں کیدار سے جا پڑیں تو آگے بڑھ کر جنید سے ملنے کے بجائے کیدار بیزاری کے عالم میں محل کے اندر چلا گیا تھا۔ احمد یوسف نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی ہمدردی اور شفقت میں کہا۔ "جنید! میرے عزیز! تم اس کیدار کے رویے کو دل میں جگہ نہ دینا۔ یہ پیدا

ہوا اور جنم کا ذیلی ہے۔ اس کا سلوک عموماً مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ بھی اکثر اوقات بیزاری اور نفرت کا اظہار ہی کرتا ہے۔ پر میں نے کبھی اس کی کسی بات کو دل پر نہیں بٹھایا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں اس کی رگ رگ میں فساد اور روم روم میں رفتہ رفتہ آگ لگی ہوئی ہے۔"

جنید نے احمد یوسف سے اپنے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا۔ "یوسف! یوسف! بڑے بزرگ! میں جن سے ملنے آیا تھا وہ یہاں ہیں ہی نہیں لہذا میں یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔" احمد یوسف نے کہا۔ "نہیں میں تو نہ سہی، میں عود آپ کی خدمت کروں گا۔" جنید نے کہا۔ "سنو میرے بزرگ! تم نے دیکھا نہیں کیدار مجھ سے بیزاری کا اظہار کر کے واپس محل کے اندر چلا گیا ہے۔ اگر تم نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا تو وہ تم پر عتاب بن کر پڑے گا اور میں نہیں چاہتا میری وجہ سے میرے بعد تم پر کوئی مصیبت آئے۔ یاد رکھو تم میرے بزرگ ہو۔ میری نگاہوں میں تمہاری عزت اور وقار ہے لہذا میں تمہیں مصیبت اور اذیت میں نہ دیکھ سکوں گا۔"

جنید کی بات شاید احمد یوسف کے دل کو بھاگتی تھی۔ لہذا وہ خاموش رہا۔ جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور محل سے نکل کر اس نے ہمیز لگاتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دوڑا دیا تھا۔

گویا اسے نکل کر آگرہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر جنید اپنے گھوڑے کو درمیان لڑی سے بھگا رہا تھا۔ ابھی اس نے پانچ میل ہی کی مسافت طے کی ہوگی کہ وہ ٹھٹھکا اور اپنے گھوڑے کو فوراً روکتے ہوئے اس نے جب مڑ کر دیکھا تو چار سوار اپنے گھوڑوں کو اپنے پراپر لگاتے، مارتے، بھگاتے اور سرپٹ دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ جنید کا ماتھا ٹھٹھکا اس نے اپنے گھوڑے کو شاہراہ کے کنارے کھڑا کر لیا۔ اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے دستے پر اور ایسا ہاتھ مچال پر جا کر جم گیا تھا۔

جنید کے قریب آکر ان چاروں سواروں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور وہ گھور گھور کر جنید کو دیکھنے لگے تھے۔ جنید نے تنبیہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔ "تم چاروں کون ہو؟"

مجھ سے کیا چاہتے ہو۔

ان میں سے ایک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ تم نے ایک راجا کے لئے
کر کے ہمارے دھرم کا اپنا لکھا ہے۔ سو اس جرم میں ہم چاروں تم سے انتقام لیں گے
جنید نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی لوٹ جاؤ
یہاں تمہیں کسی اور ہی رنگ کی فضاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوٹ جاؤ اسی میں تمہارا
بہتری اور فلاح ہے۔

ان میں سے ایک اور نے کہا۔ تم اکیلے ہو کر ہم چاروں کو لوٹ جانے کی روک تھام
ہو۔ سنو! تم اپنی پستی میں بندھی کا دھوکہ کھا رہے ہو۔ تم جانو ایک قطرے سے دریا ایک
سے بستی اور ایک رنگ سے قوس قزح تو نہیں بن سکتی۔

جنید نے کہا۔ میں ایک قطرے کو دیا، ایک گھر کو بستی اور ایک رنگ کو قزح
قزح میں تو نہیں بدل سکتا لیکن تم چاروں اگر تھرا اور لوہے کے انسان نہیں ہو تو میں اپنی تلوار
تمہارے جسموں کو نہ مندل ہونے والے زخموں سے ضرور داغ دوں گا۔ سنو! میں تمہارا
لیے انسانی عظمت کا طلب گار ہوں۔ قبل اس کے کہ میں تمہیں غم کے حصار اور موت
صحرا میں جکڑوں واپس لوٹ جاؤ کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ قسم ہے مجھے اپنے
کی جو صرف کُن کہہ کر فرش کو عرش کا جامہ پہنا سکتا ہے۔ تم چاروں میری صورت میں
لیے اُن جان موموں کی سختی اور غم و دکھ کی ہولناکی دیکھو گے۔

ان میں سے ایک نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ تو پھر بیچلو اور
ہم کیسے تمہاری می کے پاگل بچھی کے پر کاٹ کر اپنے سامنے مجبور و بے بس کرتے ہیں۔
اس کے ساتھی ابھی اپنی تلواریں بے نیام ہی کر رہے تھے کہ اس نے اپنے گھوڑے کو اڑا
کہ جنید پر حملہ کر دیا۔

جنید برق رفتاری سے حرکت میں آیا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار ڈھال سنبھال لی۔
اس حملہ آور کا وار اس نے اپنی ڈھال پر روکا اور برق کے کوندے کی طرح جوابی حملہ کیا۔
اس کا منہ مقابل روک نہ سکا اور جنید کی تلوار اس کو دو حصوں میں کاٹی ہوئی نکل گئی۔ فضاؤں

ایک کرناک چیخ بلند ہوئی اور پھر اس حملہ کرنے والے کے جسم کے دونوں ٹکڑے گھوڑے
پسے زمین پر گر گئے تھے۔ جنید نے اپنی خون پیکاتی تلوار ان کی طرف لہراتے ہوئے غراتی
آواز میں کہا۔ تم قینوں کا انجام بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہو گا۔

اچانک ان میں سے ایک نے اپنا خنجر نکال کر جنید کو دے مارا۔ جنید نے خنجر کے
سامنے اپنی ڈھال کے ٹوک لیا لیکن جس دقت پہلا اپنا خنجر پھینک رہا تھا اس کے ساتھ
ای دوسرے نے بھی اپنا خنجر جنید کو دے مارا۔ جنید نے اپنا آپ سمیٹ کر بچنا چاہا پر تیز
دھار کا خنجر اس کی کشمکش میں جنید کے بچنے کے گھوڑے کی گردن میں آپوست ہوا تھا۔
جنید گھوڑے کو خنجر گھسنے پر کچھ پریشان ہو گیا لیکن اسکی ساری فکر مندی اس وقت رفع ہو گئی
جب اس نے خنجر کھینچا اور دیکھا کہ خنجر گھوڑے کی گردن میں پیوست نہ ہوا تھا بلکہ گردن
کے اوپری حصے میں گھوڑے کے گھنے بالوں کے اندر پھنس گیا تھا۔

جنید نے وہی خنجر پھیل سے پکڑ کر لہرایا اور ان میں سے ایک کو جس کا وہ خنجر تھا
بے حدت نالتے ہوئے اس نے خنجر اس زور اور قوت سے لگا تھا کہ وہ اس
کی زہ کو چیرتا ہوا اس کے دل میں جا پیوست ہوا تھا۔ اور وہ چکراتا، بل کھاتا اور اپنے
پٹھے پٹھے حلقوم سے ایک بھیا نک اور کرناک چیخ بلند کرتا ہوا اپنے گھوڑے سے
گڑ گیا تھا۔

جنید نے پھر غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ اب تم دونوں کی باری ہے اور دیکھو میں
کیسے تمہارے حریف انتظار میں تمہاری موت کی شمع کو روشن کرتا ہوں۔ پھر جنید بھرے
آبشاروں اور طغیانی پر آتے ہوئے دریاؤں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے ان دونوں پر
حملہ آور ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے تیز طوفانی حملوں سے اُن کے سارے حوصلوں کی اڑان
شکستہ کرتے ہوئے ان کے دل میں اندیشوں کی آگ اور پریشانی کے خزاں سے پھر دیئے تھے
ان دونوں کو اپنے سامنے تھال کی طرح بجانے لگا تھا۔

ان دونوں نے ان لمحات کو اپنے لیے آخری موقع جانتے ہوئے دایں بائیں بھر پور
ٹھکرتے ہوئے جنید پر تباہی پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی ہوئی تھی۔ جنید

چلتے ہوئے جنید محل کے اس حصے کی طرف آیا جس میں کنپل، اس کی ماں شنگل، بھائی
اور اس کی منگتر کرن کوٹھرایا گیا تھا۔ اس حصے کے باہر کھڑے ایک پریدار سے جنید
کو پوچھا ہی جاتا تھا کہ ایک طرف سے مال دیو، کنپل اور کرن گھوڑے دوڑاتے ہوئے
آئے۔ انہیں دیکھتے ہی جنید گھوڑے سے اتر گیا۔

جنید کو دیکھتے ہی حسین کنپل کی حالت خوشی میں ایسی ہو گئی تھی جیسے نیلم کے
انگینے میں اس چھلک گئی ہو۔ وہ چھلکاتی بھیلوں کے پانی، نم نہ خم زلفوں کے
فناؤں اور لاجوردی فضاؤں کی ستارہ گری کی طرح پرکشش اور خوشنما ہو گئی تھی۔ وہ
اپنے گھوڑے سے فوراً اتر گئی تھی اور یوں جنید کو دیکھے جا رہی تھی گویا ابھی تک اسے
جنید کی آمد کا اعتبار نہ ہوا ہو۔ پھر جنید کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گھنٹیوں کی نغمہ
برائی، بھیل کی طرح فصول ساز اپنی آواز میں پوچھا۔ ”آپ کب آئے آپ کے گھر
والے کیسے ہیں؟“

کنپل کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے جنید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مال دیو
اپنے گھوڑے سے کودا اور بھاگ کر جنید سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ جنید اور مال دیو کو
لے ملتے دیکھ کر کنپل بدھ مت کے اشلوک اور عیسیٰ علیہ السلام کے سرمن کی طرح
نوشاں، شگفتگی کے حسین شستوں کی طرح پریشاں، پریم کتھا کی طرح پرکشش اور ہنٹوں
پرکھنے تبسم کے کنول جیسی سکون ریز ہو گئی تھی۔

اتنی دیر تک کرن نے بھی آگے بڑھ کر جنید کو پرنام کیا۔ جنید اور مال دیو جب
لیجھو ہوئے تو کنپل نے اک ادائے مہتابی کے ساتھ اپنی پوری شگفتگی سے پوچھا۔ ”آپ
ہنرمیں کب داخل ہوئے، آپ کے گھر والے کیسے ہیں اور ابھی آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟“
جنید نے کہا۔ ”ان سوالوں کا جواب تو میں کہیں آرام سے بیٹھ کر دے گا پہلے
بجائے ہمارے تمہارے گھوڑے دوڑاتے ہوئے کدھر سے آئے ہو۔“

مال دیو نے کہا۔ ہم ہر روز گھڑ سواری کرنے نکلتے ہیں اور ابھی وہیں سے لوٹ
آئے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں، ماما جی آپ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوں گی۔ وہ

ان کے حملوں سے اپنا دفاع کرنے کے علاوہ ان پر تیز طوفانی حملے بھی کر رہا تھا۔ اپنا
ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اور ان سے لڑتے لڑتے اپنا
گھوڑے کو ان دونوں کے بائیں پہلو میں لایا۔ پھر ایک کاوارا اپنی ڈھال پر دوڑنے
دوسرے پھاس نے برق کے کوندے کی سی تیزی سے اس طرح تلوار گرانی کہ وہ اپنا
نہ کر سکا۔ اور جنید کی تلوار اسے خون میں نہلاتی ہوئی نکل گئی تھی۔

اپنے ساتھی کے اس طرح کٹ جانے پر دوسرا طول اور پریشان ہو گیا تھا اور
اس نے اپنے آپ کو سمیٹ کر جنید کے سامنے صرف اپنا دفاع کرنے تک اپنے
کو محدود کر لیا تھا لیکن اب اس اکیلے پر جنید کے حملے یوں تابڑ توڑ اور آگے بڑھ
طرح برسنے لگے تھے کہ اسے اپنا دفاع تک مشکوک نظر آنے لگا تھا۔ پھر اسی خون
دہشت کی کیفیت میں وہ جنید کا ایک وار صحیح طرح سے روک نہ سکا اور جنید کی تلوار
نے اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ جنید نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کر لی۔ ان چاروں نے
گھوڑوں کو اس نے ہانکا اور وہاں سے وہ کوچ کر گیا تھا۔



ان چاروں کے گھوڑوں کو راستے میں فروخت کرنے کے بعد جنید ایک روز
دریائے جمن کے کنارے اس چوراہے پر آ کر جہاں سے ایک شاہراہ سیدھی آگے
اور پانی پت کی طرف چلی گئی تھی۔ دوسری سڑک گواہا کی طرف، تیسری رنچھورا اور جنید
اور چوتھی بنارس کی طرف جا رہی تھی۔ اپنے گھوڑے کو اس چوراہے پر روک کر جنید
سوچتا رہا۔ شاید وہ اپنی منزل کا یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس چوراہے پر اپنے گھوڑے کو روک کر جنید گری سوچوں میں کھویا رہا۔
شاید وہ کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنے گھوڑے کو ایسا
اگرہ شہر کی طرف دوڑا دیا تھا۔

اگرہ شہر میں داخل ہونے کے بعد جنید اس محل کے پاس آیا جس کے اندر سلطان
ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم اپنے ان گزشت رشتہ داروں کے ساتھ قیام کرتی تھی۔

ہر روز کسی نہ کسی بہانے آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں اور بات بات پر کہیں
متعلق پوچھ لیتی ہیں۔
کہیں آگے بڑھی ایک ہاتھ میں اس نے پہلے ہی اپنے گھوڑے کی بال
تھی اور دوسرے سے اس نے جنید کے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا۔
چلیں۔ جنید چپ چاپ ان تینوں کے ساتھ ہو گیا۔ وہ ابھی چند قدم ہی گئے
دروازے کی طرف بڑھے تھے کہ کچھ پہریدار بھاگتے ہوئے آئے اور سارے گھر
کو لے کر وہ محل کے اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔

مالدیو اور کرن جنید کو دیوان خانے کی طرف لے گئے جب کہ کہیں
محل کے اندرونی حصے کی طرف گئی اور بلند آواز میں چلانے لگی۔ ماما جی!
دیکھو کون آیا ہے۔
محل کے ایک کمرے سے شنگل نکلی اور اس نے بڑے پیار سے کہیں
دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کون آیا ہے بیٹی!

کہیں نے شرماتے بجاتے کہا۔ وہ آگے ہیں ماما جی! وہ آگے ہیں۔
شنگل نے ہنستے مسکراتے اور زور دیتے ہوئے پوچھا۔ وہ کون آگے
کہیں نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ جنید آگے ہیں ماما جی!
شنگل نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ وہ کب آدرا
آیا ہے اور تو اسے کہاں بٹھا آئی ہے بیٹی!

کہیں نے کہا۔ ماما جی! میں، مالدیو اور کرن گھر سواری سے لوٹ رہے
تو وہ محل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ شاید یہ پہریداروں سے کچھ پوچھنا چاہتے
تھے مگر آپ سے ہم تینوں آگے۔ مالدیو اور کرن انہیں دیوان خانے میں لے
اور میں آپ کو بلانے چلی آئی ہوں۔

شنگل نے دیوان خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ
کہیں اور شنگل دونوں ماں بیٹی دیوان خانے میں داخل ہوئیں شنگل

ہر روز کسی نہ کسی بہانے آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں اور بات بات پر کہیں
متعلق پوچھ لیتی ہیں۔
کہیں آگے بڑھی ایک ہاتھ میں اس نے پہلے ہی اپنے گھوڑے کی بال
تھی اور دوسرے سے اس نے جنید کے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا۔
چلیں۔ جنید چپ چاپ ان تینوں کے ساتھ ہو گیا۔ وہ ابھی چند قدم ہی گئے
دروازے کی طرف بڑھے تھے کہ کچھ پہریدار بھاگتے ہوئے آئے اور سارے گھر
کو لے کر وہ محل کے اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔

مالدیو اور کرن جنید کو دیوان خانے کی طرف لے گئے جب کہ کہیں
محل کے اندرونی حصے کی طرف گئی اور بلند آواز میں چلانے لگی۔ ماما جی!
دیکھو کون آیا ہے۔
محل کے ایک کمرے سے شنگل نکلی اور اس نے بڑے پیار سے کہیں
دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کون آیا ہے بیٹی!

کہیں نے شرماتے بجاتے کہا۔ وہ آگے ہیں ماما جی! وہ آگے ہیں۔
شنگل نے ہنستے مسکراتے اور زور دیتے ہوئے پوچھا۔ وہ کون آگے
کہیں نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ جنید آگے ہیں ماما جی!
شنگل نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ وہ کب آدرا
آیا ہے اور تو اسے کہاں بٹھا آئی ہے بیٹی!

کہیں نے کہا۔ ماما جی! میں، مالدیو اور کرن گھر سواری سے لوٹ رہے
تو وہ محل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ شاید یہ پہریداروں سے کچھ پوچھنا چاہتے
تھے مگر آپ سے ہم تینوں آگے۔ مالدیو اور کرن انہیں دیوان خانے میں لے
اور میں آپ کو بلانے چلی آئی ہوں۔

ہمد تن گوش ہو کر ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

شکل نے پھر پوچھا۔ کنپیل سے شادی کے متعلق ان کے کیا خیالات ہیں؟
جنید نے اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ مجھے کنپیل سے شادی کرنے کے بارے
دے چکے ہیں۔“

شکل کے چہرے پر خوشی سے گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی، اور کنپیل، اور
خوشی، شرم اور سکون ملے جلے جذبات میں ایسی ہو گئی تھی گویا اس کی زندگی کی بساط پر
دنوں اور چاند کی راتوں کی رت کا نزول شروع ہو گیا ہو۔

وہ اس فرد کی طرح خوش تھی جیسے تاج و مائیت مل گیا ہو۔ وہ ایسی پر سکون
جیسے روشنی کی اڑانیں، شبنموں کے رنگ لیے اس کی آسماں کے آنگن میں رقص کمال
ہوں۔ وہ اس طرح مطمئن اور سدا ملتی جیسے کائنات کے صحراؤں میں بہاؤ لگتی ہو۔
بے چاری بار بار اپنا چہرہ چھپا لیتی تھی اور وزیدہ نگاہوں سے کبھی کبھی جنید کو بھی دیکھ
تھی۔

آگرہ کے اس محل میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکل نے اسی گفتگو کو
مرحلے میں لے جاتے ہوئے پوچھا۔ ”جنید! میرے بیٹے! کنپیل کے تباہی کے
دہلی جا چکے ہیں وہ بابر کے خلاف سلطان ابراہیم لودھی کی مدد کریں گے۔ ہمارے
ابراہیم لودھی اور ان کی ماں سلطانی بیگم کے ساتھ دیریز مراسم چلے آ رہے ہیں اور
مراسم کا ہی نتیجہ ہے کہ حیدر کے سنگرام (دانا سا ننگا) کو آج تک ہماری ریاست
پر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی کبھی جرات نہیں ہو۔ ورنہ ابھی تک وہ ہماری ریاست
عملداری میں مدغم کر چکا ہوتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب کنپیل کے تباہی کے
سے لوٹیں گے تو والدیہ، کرن، کنپیل اور تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ اس طرح
بوجھ سے کافی حد تک ہلکی ہو جائیگی۔ صرف کیدار باقی رہ جائے گا۔ اس کی کٹی
کی لیکن کہیں بھی وہ شادی کے لیے ہاں نہیں کرتا۔ نہ جانے وہ کیسی لڑکی سے شادی
پر آمادہ ہو گا۔“

اپنی شادی کا سن کر کنپیل نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اور شرم و لاج کے سہرے عکس
ہل بن کر اس کے چہرے پر بھلانا لگے تھے۔ وہ رات کے اندر پوشیدہ چٹانوں اور
ہی ڈوبی خواہش کی طرح پرفشاں ہو گئی تھی۔ جنید کے بل جانے کی خوشی میں بظاہر تو اس
چہرہ ڈھانپ کر اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ حرف گفتگو کی
ہم بھم باد و باران، رگیت بھرے نغمے، رس رچے موسم اور چمچم بھم ہوا کے جھونکوں کی
ہی دار اور مندی ہو گئی تھی۔

شکل نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ ”جنید! جنید! تم اپنی ماں اور نانا کو ہی اپنے
لے آتے ہو تو ان کی موجودگی میں ہی تم دونوں کی یہ شادی کرتی۔“
جنید نے کہا۔ ”میرے نانا بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اب وہ اس قدر طویل سفر نہیں
لتے۔ ہمارا پیشہ زراعت، کھیتی باڑی ہے۔ ہمارے اپنے باغات ہیں اور ان کی دیکھ
کے باغ میری ماں بھی گھر میں مصروف رہتی ہے۔ شاید ان میں سے کوئی بھی نہ اس کے
بے نانا اور ماں اس شادی پر رضامند اور خوش ہیں۔“

شکل نے ڈوبی سوچوں سے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”شاید میرا بڑا بیٹا کیدار تمہاری اور کنپیل کی
نہایتی رضامند ہو۔ کیوں کہ وہ مذہب میں کٹھن اور پنڈتوں کی گرفت میں ہے لیکن تمہاری
نہایتی رضامند ہو۔ اس کے باپ کا ہے لہذا وہ اپنے باپ کے سامنے کبھی نہ بولے گا۔ وہ کبھی
نہ میری بات بھی ٹال جاتا ہے۔ یہ ایک مالدیو ہے جو میری ہر بات کا خیال رکھتا ہے۔
میں بھی یوں محسوس کرتی ہوں جیسے میرا صرف ایک بیٹا مالدیو ہی ہو اور کیدار سوتیلہ ہو۔
جنید! انچوں تو یہاں کی روایات کے مطابق راجکمار یوں کے سوتیلے بچے جاتے
لیکن مالدیو کے تپا کے لوٹتے ہی میں چپکے سے تمہاری اور کنپیل کی شادی کرادوں گی اور
اسے کہہ کر تم کو روانہ ہو جاتا۔“

منو بیٹے! تمہاری خاطر کنپیل مسلمان ہو چکی ہے لیکن اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ یہ
نہ میرے، مالدیو، کرن اور میرے بھائی سیدو داس کے علاوہ ہمارے فادوہ احمد سیف
نہ کہہ دے۔ احمد یوسف ہی اسے اسلام کے متعلق درس دیتا رہا ہے۔ جنید! میرے

بیٹے! کنپل مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس کی خاطر میں ہر دم سہ جہلنے کو تیار ہوں۔
جنید نے پرشوق اور پیار بھری نظروں سے کنپل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ میری خاطر مسلمان ہو چکی ہے تو پھر آج سے اس کا نام کلثوم ہے۔

اس موقع پر مالکیوں نے بولتے ہوئے کہا۔ ”جنید بھائی! کنپل کا یہ نام ہمیں برا
پسند ہے لیکن جب تک آپ دونوں کی شادی نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ نام
میں رہے گا۔ اگر ہماری ریاستوں کے پندتوں کو خبر ہو گئی کہ گوالیار کی راجکمار کنپل
چکی ہے اور اب اس کا نام کنپل کے بجائے کلثوم ہے تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں
کسی صورت بھی تم دونوں کی شادی نہ ہونے دیں گے۔ ایک بار تم دونوں کی شادی
آپ کنپل کو لے کر سمرقند چلے گئے تو پھر نہ ہی کیدار بھائی اوسنہ ہی پندت کچھ کر سکیں
معاذ خود بخود ہی وقت کے ساتھ ساتھ دفن ہو کر رہ جائے گا۔

جنید نے کہا۔ ”آپ لوگ فکر نہ کریں۔ ہماری شادی تک کنپل کا یہ
راز ہی میں رہے گا۔ ویسے بھی مجھے اس شادی سے قبل ہی اس کی ممکنہ عداوت کا اندازہ
سنو! میں تم لوگوں سے ملتے پہلے گوالیار گیا تھا۔ وہاں محل کے اندر جا کر
برا استقبال کیا تھا۔ محل کے ستونوں کے پاس کیدار کھڑا تھا اس نے مجھے دیکھا
نے مجھے بٹھا تا تو بعد مجھ سے گفتگو تک نہ کی۔ بلکہ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ مجھ کو
اس کی پشیمانی پر نفرت اور بیزاری کی لکیریں گہری ہو گئی تھیں اور سند پھر کیا ہو جب
احمد یوسف سے خبر ہو گئی کہ آپ لوگ اگرہ جا چکے ہیں تو میں وہاں بیٹھنے اور سنانے
اسی وقت اگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

گوالیار سے ابھی میں نے چند میل کی مسافت ہی طے کی ہوگی کہ چار سوار
میں لگ گئے۔ جب وہ میرے نزدیک آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ کوئی پیشہ ور جنگجو
بہترین جنگی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اتنے ہی مجھ سے تکرار شروع کر دی
تم نے گوالیار کی راجکمار سے شادی کا فیصلہ کر کے ہمارے دھرم کا اپنا کیا ہے
تمہیں مزا ملے گی۔ ان چاروں نے مجھ پر حملہ کر دیا لیکن میں نے ان چاروں کو قتل

میں گھوڑے بچ کر ادھر چلا آیا۔ مجھے یوں لگتا ہے۔ اس میں بھی کسی کا ہاتھ ہو۔
کنپل نے پہلی بار زبان کھولی اور انتہائی دکھ میں روتی ہیں کرتی آواز میں اس نے
آہ ایں مگر، یہ کام میرے بھائی کیدار کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف
یہ کہ نہیں میری جان کے بھی ورپے ہے۔ کیوں کہ آپ پر حملہ میری ذات پر حملہ ہے۔
خبر پندوں سے ہم دونوں کی حفاظت کرے گا اور ان کے منفی ارادے اور بُری منشا
کو پوری نہ ہونے کی۔

جنید جواب میں کنپل سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کرن نے آکر کھانا تیار ہونے کی اطلاع
دہ کھانے کے لیے اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیے تھے۔

جنید نے دو روز تک اگرہ کے اس محل میں کنپل، مالکیو، شنکل اور کرن کے ساتھ
بائیسے روز صبح سویرے اندھیرے منہ وہاں سے کوچ کرنے کے لیے مہطل میں
گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا۔ اتنے میں محل کے سکونتی حصے کی طرف سے کنپل آئی۔ وہ
امان اٹھاتے ہوئے تھی۔ وہ قدموں کی اندھا دھند اور لگا تار لیغاری کی طرح تھکی تھکی اور
مل تھی۔ شاید جنید کے جانے کے غم میں وہ ایسی ہو رہی تھی۔ وہ اصطبل میں داخل
اور چپ چاپ جنید کے گھوڑے کی خرچینوں میں وہ سامان ڈالنے لگی تھی جو وہ اُٹھا
تھی۔ شاید وہ کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ جنید گھوڑے پر زین ڈالنے کے بعد اس
لے لگا تھا۔

نفاذوں میں ابھی اندھیرا تھا۔ چاند کی چاندنی ہر سو مہم جہت بکھری کائنات کی ہر
چیز سے نور سے نہلا رہی تھی۔ ہر طرف ایک سکوت تھا جیسے چپ ہی طریق جہاں وہ
لوگ سو رہے تھے۔ تاہم مشرق سے سحر کے آثار واضح ہونے لگے تھے۔

غریبوں میں سامان بھرنے کے بعد کنپل سیدھی کھڑی ہو گئی اور کھٹکی باندھے وہ جنید
اور کھٹنے لگی جو کام میں مصروف تھا۔ گھوڑے کا تنگ کئے کے بعد جنید سیدھا کھڑا ہوا
اور وہ تاروشی سے اپنے سامنے اور اپنے قریب کھڑی کنپل کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے
کھڑا ہو کر کنپل! کنپل! تم خاموش کیوں ہو۔

کنپل نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ "معاف کیجئے میں آپ کے اس طرح تو
خلافت بھر پور احتجاج کرتی ہوں۔ میں اب ہندو نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام اب
کلثوم ہے اور یہ نام آپ نے مجھے خود ہی دیا ہے۔"

جنید نے کہا۔ "پر میں تو تمہیں اس وقت تک کنپل ہی پکاروں گا جب تک
کی شادی نہیں ہو جاتی اور دو روز قبل تمہاری ماما، بھائی مالدیو اور خود تمہاری موجودگی
یہ فیصلہ تو ہوا تھا۔"

کنپل نے اپنا تیت کے انداز میں کہا۔ "یہ فیصلہ ضرور ہوا تھا لیکن اس
اصطبل میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں لہذا آپ مجھے کلثوم کہہ کر پکار سکتے
اب آپ کے اس دیئے ہوئے نام میں ہی میرا سکون اور میری تازگی پنہاں ہے۔"
جنید نے کہا۔ "ٹھیک ہی میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ آئندہ تنہائی میں
کلثوم ہی پکارا کروں گا۔"

کنپل ایک بار پھر جنم جنم کی تپیا میں ڈوبی ہزاروں راگوں کی وودیا کی طرح
ہو گئی۔ لگتا تھا جنید کی جدائی کے خیالات نے اس سے اس کی گویائی اور فطرت خیالات
چھین لیے ہوں۔ اصطبل میں جنید کے سامنے وہ چپ کھڑی تھی اور اس کی سالہ
آواز تک سنی جاسکتی تھی۔

جنید نے پھر اسے پکارتے ہوئے کہا۔ "کلثوم! کلثوم! اب جب کہ میں
سے کوچ کر رہا ہوں تم یوں چپ، طول اور خاموش کیوں ہو۔ کیا تم چاہتی ہو یہاں
کے بعد میں بھی تمہاری وجہ سے اداس اور غم گین رہوں۔"

جنید کے کہنے پر کنپل نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے حسین انداز
پر اس نے زار شکن مسکراہٹ بکھیر لی تھی۔ خواہ وہ زبردستی کی مسکراہٹ تھی، پر تھی تو
کنپل نے جنید کی خوشی کا خیال رکھتے ہوئے کوثر خلد خیال لہجے، تسنیم فکر اور غنیمت
جلوہ ریز و ہواؤں میں مشک بار ہو جانے والے انداز میں کہا۔

"میں آگرہ کے اس محل میں انتہائی بے چینی اور فکر مندی سے آپ کا انتظار

پہنچتے ہیں کئی لوگ اس امر کے خلاف ہیں کہ ہم دونوں کی شادی ہو۔ لہذا آپ سے
یہ ہے کہ آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ اگر اپنے لیے نہیں تو میری خاطر ہی سہی۔ اگر آپ کو
باز میں کوثر جاؤں گی۔ میں اب مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں ایسی صورت میں نہ گوالیار
سکوں گی اور نہ میں اپنے آپ کو آپ کی امانت ثابت کر کے آپ کے شہر انجمن میں
لے کوئی پناہ حاصل کر سکوں گی۔ اب آپ ہی میرے امر لوگ اور میری تقدیر کے
پال ہیں۔ آپ کے بغیر میں ادھوری اور ناتمام ہوں۔

جنید نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "کلثوم! کلثوم! تم فکر مند نہ ہو میں تمہیں
ماتہ کوں گا۔ عنقریب میں پھر تمہاری طرف آؤں گا اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ
لے جاؤں گا۔ میری ماں، بہن، میرے نانا، ماموں اور بھوپھی بھی تمہیں دیکھ کر بے حد
خوش ہو جائیں گے۔"

کنپل نے اس بار خوش کن لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس ہمارا ایک خاندانی ہیرا ہے
یہ پتانے میری ماں کو ان کی شادی پر دیا تھا۔ اب وہی ہیرا میری ماں نے آپ کے
لے کے لیے مجھے دے دیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ابھی اسے اپنے ساتھ لے جائیں وہ
پاس ہے۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں، تم اپنے پاس ہی رکھو۔ تم اس کی بہتر حفاظت کر سکو گی میرے
جانگ میں کہیں کھو جائے گا۔"

کنپل نے کہا۔ "میں یہ رکھ تو لیتی ہوں لیکن یہ میرے پاس آپ کی امانت ہوگا۔ اب
یہاں چلیں۔ ماما جی، کرن اور مالدیو بھائی ہم دونوں کا صدر دروازے پر انتظار کر
رہے ہیں۔ ان تینوں نے مجھے علیحدگی میں آپ سے بات کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ میں
آپ کے گھوڑے کی خرچین میں کھانے کی اشیاء اور پھل ڈال دیئے ہیں جو کئی روز
اس آپ کے کام آسکتے ہیں۔"

دونوں اصطبل سے نکل کر محل کے صدر دروازے کے پاس آئے وہاں شنگل،
کرن اور مالدیو پہلے سے کھڑے ان دونوں کے منتظر تھے۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی

باگ پر ڈرکھی تھی۔ شنکھ اس کے قریب آئی اور اس کی پیشانی کو اس نے شفقت سے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "جلدی لوٹ کر آ بیٹے! ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" سورج اب طلوع ہونے والا تھا۔ فضاؤں میں روشنی پھیلنے لگی تھی۔ زمین پر اوداعی نگاہ کنپل پر ڈالی۔ مالدیو سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر نے ایڑ لگا کر اپنے گھوڑے کو ہانک دیا تھا۔ کنپل کی غماز آلود گری پلوں میں سنگین آواز گئی تھی۔ ان ہونٹوں کی طرح جن سے ہمیشہ کے لیے نطق و گویائی چھین لی گئی ہو۔

○

کنپل کا بڑا بھائی کیدار اپنے گویا ر کے محل سے راج مند جانے کے لیے نکلا تھا کہ دوازے کے قریب ہی اسے پنڈت گوند دکھائی دیا۔ کیدار کو دیکھتے ہی پنڈت نے پوچھا۔ "کدھر جا رہے ہو۔"

کیدار نے کہا۔ "میں تو آپ کی طرف مند ہی کو نکلا تھا۔ پنڈت گوند نے کہا "آیا تو تمہاری طرف ہی تھا۔ پر آؤ اب دونوں مند ہی کی طرف چلتے ہیں۔"

کیدار نے کہا۔ "آپ خیریت سے تو آئے تھے۔"

پنڈت گوند نے کہا۔ "خیریت کہاں ہے۔ میں تمہارے لیے ایک انتہائی خبر لایا ہوں۔"

کیدار نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔ "یسی بُری خبر۔ کیا اس کا تعلق میرے بھائی بہن بھائی سے تو نہیں؟"

پنڈت گوند نے کہا۔ "نہیں اس کا تعلق جنید کی ذات سے ہے۔"

کیدار نے چونک جانے والے انداز میں پوچھا۔ "کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟"

میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ ٹھٹھکلنے لگ چکا ہوگا اور جب میرے پتا جی ابراہیم لودھی اور بابر کی جنگ سے واپس لوٹیں گے تو میں انہیں کنپل کے لیے سو ممبر رچنے کو کہہ سکوں گا۔ میں یہ برداشت نہ کر سکوں گا کہ میری بہن کی شادی ایک مسلمان سے ہو جائے۔"

پنڈت گوند نے کئی قدر پریشانی اور حیرت طے بجلے جذبات میں کہا۔ "میں"



ہندہ تم کے تلوار چلانے والے اس کے پیچھے دکائے تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ اکیلا ان ہندوں سے بچ کر کیسے بچل گیا۔ مجھے تو انتظار تھا کہ وہ چاروں بہت جلد مجھے اس کے رنے کی اطلاع کریں گے لیکن وہ جب نہ لوٹے تو مجھے فکر و امن گیر موڑ میں نے اپنے والد آدمی ان کے پیچھے روانہ کیے اور انہوں نے دیکھا کہ گویا ر شہر سے باہر چند میل کے اصلے پران چاروں جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں جنہیں میں نے جنید کے پیچھے لگایا تھا وہ ان چاروں کو قتل کر کے خود جا چکا تھا۔ میں حیران ہوں کہ وہ اکیلا ان چاروں پر کیسے غالب آیا جب کہ میرے چاروں آدمی میدان کے دھنی اور تلوار کے کام میں جواب نہ رکھتے تھے۔

کیدار نے خشک لہجے اور مایوسی میں کہا۔ "آپ کا مطلب ہے اب ہم جنید کا پوچھنا بگاڑ سکتے اور وہ ہمارے سینے پر چمکی کے پاٹ چلانے میں کامیاب ہو جائیگا۔ پنڈت گوند نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ اب میرا اس کے خلاف تقاضا ہے اور زیادہ فخر و ارج اور جلا دار ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی پنڈت سے مشورہ کیا تھا۔ اس نے مجھے دوا ایسے جوان مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے جو ہر صورت میں جنید کو ٹھکانے لگا دیں گے۔"

وہ دونوں بھائی جنگل سے دندوں کا شکار کرنے کا پیشہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کو ہم بھاری رقم دے کر جنید کے پیچھے لگا دیں گے۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے۔ کہ جنید بابر کے لشکر کا ایک جرنیل ہے۔ میں ان دونوں جوانوں کو ادھر ہی روانہ کر دوں گا۔ مگر آگیا تھا لہذا پنڈت گوند خاموش ہو گیا پھر وہ دونوں مند میں داخل ہو گئے تھے۔

باہر چند ثانیوں تک بڑے غور سے ابراہیم لودھی کے اس سفیر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے
 کہا: "تمہارے پاس ابراہیم کی طرف سے کوئی تحریری پیغام بھی ہے؟"
 سفیر نے کہا: "نہیں، میرے پاس یہی پیغام تھا جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔"
 باہر نے کہا: "اگر ایسا ہے تو سنو! اب ہند کی سرزمین سے ہمارا لوٹ جانا مشکل
 حال ہی نہیں ناممکن ہے۔ سنو! ابراہیم لودھی کو آزادی کی قدر نہیں ہے۔ تبھی وہ اس
 سرزمین کے اندر مسلمانوں کے حقوق کے سامنے آنکھیں بند کر کے لاتعلق بنا ہے۔ اس کے
 ماننے میوا کے راجہ رانا سانگا نے گجرات کے حاکم مظفر شاہ پر لشکر کشی کی، اسے شکست دی
 وہ اس کے کئی علاقے ہتھیالیے، ابراہیم آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ اس کے سامنے مالوہ کی ریاست
 نے سلمان حاکم حسن محمود پر رانا سانگا نے اپنا ایک آدمی مدینی راؤ چندریڑی وزیر بنا کر ٹھوس
 رکھا ہے جو برہوتی مسلمانوں کی جاگیریں چھین کر ہندوؤں میں تقسیم کرتا ہے، پھر ابراہیم نے

دولت خان اور غازی خان کی ساری عملداری پر قبضہ کرنے کے بعد باہر اپنے
 کے ساتھ سرہند شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور اپنے باہر
 اس نے ابراہیم لودھی کی خبریں لانے کے لیے دہلی تک پھیلا دیئے تھے۔ کچھ جاسوس اس نے
 چٹوڑ کی طرف روانہ کر رکھے تھے تاکہ رانا سانگا کی حرکات و سکنات پر بھی نگاہ رکھے۔ یہیں
 سرہند شہر سے باہر ایک روز ابراہیم لودھی کا ایک سفیر آیا۔ جب اسے باہر کے سامنے
 اس کے خیمے میں پیش کیا گیا تو باہر نے پوچھا: "تمہیں کس غرض سے ابراہیم نے ہمارے
 طرف روانہ کیا ہے؟"

سفیر نے کہا: "میں آپ کے لیے یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ آپ فی اللہ
 ہند کی سرزمین سے نکل جائیں۔ ورنہ سلطان ابراہیم لودھی آپ کے خلاف لشکر کشی
 کرنے پر مجبور ہوں گے۔ آپ اس سرزمین میں اجنبی ہیں۔ یہاں کی قدروں، یہاں کی
 رسومات، یہاں کے راستوں اور ضروریات سے ناواقف ہیں۔ لہذا جنگ کی صورت میں نقصان
 آپ ہی کا ہوگا۔ پھر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ہند کی سرزمین میں جہاں تک آگے بڑھ چکے
 ہیں، اسی کو غنیمت جان کر یہیں سے کابل کو لوٹ جائیں۔"

ابراہیم لودھی ایک تنہا فی نزعہ صحرا ہے جس کے پاٹنے کا وقت آگیا ہے۔ اگر اس
 نے ہمارے خلاف لشکر کشی کرنے کی کوشش کی تو اسے تباہ دینا کہ ہم اس کی راہ میں غم کی دہری
 زخمیں اور مجبوری کی بلند چٹانیں کھڑی کر دیں گے۔ اس فصل کے اثبات میں اسے رقیبوں

کی رقابت اور حریفوں کی شکایت کا سامنا ہوگا۔ اس نے اگر ہماری طرف پیش قدمی کی تو وہ دیکھے گا میرے لشکر کی قوس قوس چٹائیں، قدم قدم زنجیریں اور ولوی ولوی کی آواز کی راہ روکیں گے۔

ابراہیم لودھی کو اب دہلی کا تاج و تخت ہمارے حوالے کرنا ہوگا تاکہ ہمارے لشکر اس سرزمین میں پیار کے حروف، ستارہ و گلاب بن کر پھیلے اور چراغ بن کر جھانکے۔ اپنے جہازوں کے مس سے اس سرزمین کو سنہری مٹی کی دھرتی بنا دیں۔ اب ہم جاؤ لوٹ جاؤ اور ابراہیم لودھی کو میرا یہی پتہ م دور۔

ابراہیم لودھی کے سفیر نے کہا: ”مجھے میرے آقا نے یہ پیغام بھی دیا تھا کہ آپ ان کے پاس کسی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تاکہ بات کچھ آگے بڑھے۔“
بابر نے کہا: ”تم جاؤ، میں عنقریب ابراہیم لودھی کے پاس اپنا ایک سفیر روانہ کروں گا۔“ وہ سفیر اپنی نشست سے اٹھا۔ تعظیم کے لیے جھکا اور بابر کے غیصے سے باہر نکل گیا تھا۔ بابر کے چہرے پر سکون تھا جیسے اس نے ایک معرکہ ٹھکرا لیا ہو۔

چند ہی دن بعد بابر نے اپنے ایک سواقی لشکر کو سفیر بنا کر ابراہیم لودھی کی طرف روانہ کیا۔ ابراہیم لودھی نے یہ غلطی کی کہ اس سفیر سے امن و صلح کی کوئی بات کیے بغیر اس نے بابر کے اس سفیر کو قید میں ڈال دیا اور پھر ابراہیم لودھی نے اس پر ہی اتقانہ کیا۔ سفیر کو قید و بند میں ڈالنے کے بعد اس نے اپنے نائب حمید خان کو فیروزہ حصار کا حاکم تھا ایک جوار لشکر دے کر ہراول کے طود پر بابر کی سرکوبی کو روانہ کر دیا اور اس کے پیچھے پیچھے خود بھی ایک عظیم لشکر کے ساتھ دہلی سے کوچ کر گیا۔

ان حالات کی اطلاع جب بابر کو ہوئی تو اس نے سر ہند سے کوچ کیا اور گندئی کے قریب دیور و ستور کے مقام پر اس نے منزل کی۔ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ انبالہ سے کسی قدر آگے ایک تالاب کے کنارے پناہ لے لیا۔ یہاں اس نے حالات کا جائزہ لیا۔ ہمایوں کو اس نے پے پاس ہی رکھا اور حمید کو ہراول لشکر کے ساتھ اس نے ابراہیم لودھی کے نائب حمید خان کی راہ روکنے کو روانہ کر دیا۔ یہاں

میں اس وقت جب کہ حمید خان کے لشکر کی جنگ سے جی چراتے ہوئے کھچپی صفوں میں کھسکا شروع ہو گئے تھے اور اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں کھڑے حمید خان کو اپنی من کے انارصاف دکھائی دینے لگے تھے۔ فیروزہ حصار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ اس میدان جنگ میں پہنچ گیا۔

حمید خان کے لشکر کی تو پہلے ہی شکست خوردہ ہو رہے تھے اب جو ہمایوں بھی لشکر کے ساتھ آئے پڑاؤ تھا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان جنگ سے اس فرار پر خان سب سے آگے آگے تھا۔ ہمایوں اور حمید نے پچھ دوڑ تک اس شکست خوردہ لشکر پر کیا پھر وہ ڈھیروں مال غنیمت اور قیدی لے کر بابر کی طرف لوٹ گئے تھے۔

○

حمید خان کی شکست اور فیروزہ حصار کے سقوط کے بعد دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی کے جوار لشکر کے ساتھ بابر کی سرکوبی کے لیے دہلی سے نکلنا اس کے

اس لشکر میں ایک ہزار جنگی ہاتھی بھی تھے۔

بابر کو بھی ابراہیم لودھی کے کوچ کی اطلاعات مل گئی تھیں اس لیے کہ اس کے ہاں برابر دشمن کے ارد گرد پرندوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ بابر نے انبار سے کوچ کیا اور شاہ آباد سے آگے سرسداہ کے عین سامنے دریائے جمن کے کنارے اس نے پڑاؤ کیا۔ بابر نے امیر قوچ خانہ استاد علی قلی خان کو سات سو چھکڑے تعمیر کرنے کا حکم دیا جب یہ چھکڑے بن گئے تو بابر نے ایک بار پھر اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور پانی پت کے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا۔

ابراہیم لودھی کی آمد سے پہلے پہلے بابر نے اپنے سات سو چھکڑوں کو باہم بانڈ اور چھکڑوں کے درمیانی فاصلہ میں اس قسم کے جال بن دیئے کہ ان کے اندر بڑے بڑے رکھے گئے جن میں سے اس کے سپاہی دشمن پر باسانی گولہ باری اور تیر اندازی کر سکتے تھے اب بابر کے ایک طرف پانی پت کے مکانات اور اس کے سات سو چھکڑے اور دوسری طرف اس نے خندقیں کھدوا دی تھیں ان خندقوں کے درمیان مناسب فاصلے پر گولہ باری سے جگہ چھوڑ دی گئی تاکہ سوار اس رات سے جنگ کے حصار سے اندر باہر جا سکے اور ہر ایک اپنے جنگی انتظامات میں بڑی طرح مصروف تھا اور ہر ابراہیم لودھی اپنے ایک ایک کے جوار لشکر اور ایک ہزار جنگی ہاتھیوں کے ساتھ پانی پت کے میدان میں داخل ہو کر زن ہوا۔

یہاں ابراہیم لودھی نے انتہائی بزدلی، نا تجربہ کاری اور حماقت کا ثبوت دیا۔ اگر وہ آتے ہی بابر پر حملہ آور ہونے کے بجائے پانی پت کے میدان میں داخل ہو کر ان حالات کا جائزہ لینا اور ستائش شروع کر دیتا تھا۔

ابراہیم لودھی کی اس حماقت کا بابر نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے جگہز مکمل کرنے کے بعد دشمن سے چھپر چھاڑا اور اس کی جنگی قوت کا جائزہ لینے کی خاطر نے جنید کو حکم دیا کہ دشمن پر شب خون مارا جائے۔ ابراہیم لودھی اپنے آباء و اجداد خزانہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور شب خون مار کر اس سے بہت کچھ حاصل کیا۔

رات کے پچھلے حصے میں اور صبح ہونے سے تھوڑی دیر قبل جنید نے ابراہیم لودھی کے لشکر پر دن شب خون مارا جس طرف لشکر کا سامان رکھا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسا زوردار خون کا باہیم لودھی کے لشکر میں بھگدڑ سی مچ گئی اور جنید دشمن کے آن گزشت شکاریوں کو بے کرنے کے بعد ڈھیروں سامان بھی چھین کر لے گیا۔

دوسرے روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے صف بندی کی۔ ابراہیم لودھی کا لشکر بڑے تنور، اعتماد اور ترتیب کے ساتھ سامنے آیا۔ اس موقع پر بابر نے ایک زوردار تقریر کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھایا اور جنگ کی ابتداء کر دی۔ ابراہیم لودھی نے پورے لشکر کے ساتھ بابر پر حملہ کر دیا۔ اس میں اس کے ایک ہزار زرتہ نہ جنگی ہاتھی بھی شامل تھے۔

شب سے پہلے استاد علی قلی خاں نے دشمن پر آگ برسا دی پھر بابر کے مہینہ میسرہ، بادل اور قلب ابراہیم لودھی کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ صبح سے لے کر سورج ایک نیزہ بند ہونے تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ اس دوران ابراہیم لودھی کے ہاتھی ترکوں کی گولہ باری اور تیر اندازی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے ہی لشکر کے ایک حصے کو روندنے کے لئے بھاگ گئے۔ گولہ باریوں کے بھاگنے سے وقتی طور پر ابراہیم کے لشکر میں ایک بھگدڑ اور تقریری ضرور برپا ہو گئی تھی لیکن جلد ہی ابراہیم لودھی نے اس کیفیت پر قابو پالیا اور دوبارہ جنگ اپنے پورے عروج پر آگئی تھی۔

دو پہر تک یہ کیفیت رہی کہ بابر کا لشکر ابراہیم کے لشکر یوں کو ماتا کا مٹا کافی دور تک پیچھے دھکیل کر لے جاتا لیکن وہ پھر آگے بڑھ آتے اور زخم گاہ پہلے کی طرح خون آلود ہونے لگتی لیکن دو پہر کے وقت چھکڑوں کے درمیانی حصے میں بنے ہوئے جالوں کے اندر سے بابر کے محفوظ دستوں نے دشمن پر ایسی گولہ باری اور تیر اندازی کی کہ ابراہیم کا لشکر جب ایک بار پیچھے ہٹا تو پھر دوبارہ آگے نہ بڑھ سکا اور پیچھے ہی ہٹتا چلا گیا۔

اس روز خلد بابر پر مہربان تھا۔ ابراہیم کا لشکر جب پسپا ہوا تو بابر کے لشکریوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ انہوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور خوفناکی پیدا کر

نے غیب ہو گئے اور بابر اپنے لشکر میں ایک چکر لگانے اور لشکریوں کے احوال پوچھنے کے لیے بھیجے جس میں آیا تو اس کے پیچھے پیچھے امیر علی قلی خان نے بھی خیمے میں داخل ہوتے ہوئے تھا۔ آقا! دہلی میں ابراہیم کے محل سے جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں وہ بادشاہی بیوہ شہزادی مطبخ میں کام کرتے رہے ہیں، وہ اس وقت ہماری اسیری میں ہیں ان کو آپ کا کیا حکم ہے۔

بابر نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا۔ "انہیں ہاں ملازم رکھ لو۔ انہیں کہو جس وقت اور لگن سے وہ ابراہیم لودھی کی خدمت کرتے رہے ہیں ویسے ہی میری رہیں۔ میں انہیں پہلے سے ڈوگنا زیادہ مشاہرہ ادا کروں گا۔ مطبخ میں ان کی تقریریں سنے وہی بول گئے جو ابراہیم لودھی کے وقت میں تھے۔"

امیر علی قلی بابر کے خیمے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اپنی جگہ پر وہ رُک گیا کیوں کہ اب بابر کا ایک محافظ داخل ہوا اور تعظیم دینے کے بعد اس نے کہا۔ "آقا! ایک گوالیار سے آیا ہے۔ اپنے آپ کو وہ گوالیار کا سفیر کہتا ہے اور کسی اہم کام کے لیے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

بابر نے کہا۔ "اسے فوراً اندر بھیجو۔"

بابر کا وہ محافظ جیب باہر نکل گیا تو خیمے میں ادھیڑ عمر کا ایک شخص داخل ہوا اور تعظیم دینے کے بعد اس نے کہا۔ "میں آپ کو دہلی کی فتح پر مبارک باد دیتا ہوں گوالیار سے آیا ہوں۔ مجھے وہاں کے حاکم تاتار خان سازنگ خانی نے آپ کی خدمت میں بھیجے۔"

بابر نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تاتار خان سازنگ خانی کون ہے؟ اسے آیا اور گوالیار کا حکمران کیسے بن گیا۔ گوالیار کا اصل مالک تو راجہ بکرماجیت تھا۔ ابراہیم لودھی کی طرف سے ہمارے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ اب اس کے بعد اس کا حکمران ہونا چاہیے۔"

اب اسے آقا! تاتار خان رانا سانگا کا آدمی ہے۔ وہ رانا

لی۔ اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ ابراہیم لودھی کے لشکر یوں پر بابر کے ترکوں کا ہمارا اور خوف طاری ہوا کہ وہ ابراہیم لودھی کے لشکر کو کچی کس دار سبزی کی طرح کاٹنے لگے۔ پھر ابراہیم لودھی کے لشکر میں ایک عام جھگڑا مچ گئی اور شکست کے آثار واضح ہوئے۔ اس بولناک جنگ میں ابراہیم لودھی کے ہزاروں لشکری مارے گئے۔ خدا ہوا لودھی بھی ایک گناہم ترک کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کی لاش میدان جنگ کے اندر لاشوں کے ڈھیر میں سے نکال کر پھان لی گئی۔ صرف ابراہیم لودھی ہی نہیں راجہ بکرماجیت بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے بڑے بڑے سورا اور بہادر جرنیل بھی اس جنگ کی نذر ہو گئے۔

ابراہیم لودھی کے لشکر میں سے ساٹھ ہزار پہلے ہی جنگ میں کام آچکے تھے باقی کا بابر نے دوڑ تک تعاقب کیا۔ ان میں سے اکثر کو جنگی اسیر بنالیا گیا اور بہت کم ایسے تھے جو اپنی جان بچا کر دہلی یا محفوظ جنگلوں کی طرف بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس موقع پر بابر نے ہمایوں اور جنید کو آگرہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا اور وہ اپنے آدھے لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف چڑھا۔

دریائے جمنا کے کنارے کو بابر نے اپنے لشکر کا مستقر بنایا اور دہلی شہر میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس نے شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی اور نماز پڑھی۔ یہ بدھ کا دن تھا پھر بابر دہلی کے قلعہ میں داخل ہوا اور رات وہیں گزاری۔

دوسرے روز اس نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اس کے علاوہ سلطان خلجی، غیاث الدین بلبن اور دیگر بادشاہوں کے مقبرے دیکھے یہاں قیام کے دوران بابر نے نزائوں کو مرہند کر دیا۔ اپنے ایک جرنیل ولی بیگ قرظی کو دہلی کا حاکم مقرر کیا اور دوست محمد کو دیوان کے منصب پر مقرر کرنے کے بعد بابر دہلی سے آگرہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



دہلی سے نکل کر بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ تغلق آباد میں پڑاؤ کیا۔ جب لشکر

سانگا کے لشکر میں ایک اچھے عہدے پر تھا۔ جب آپ اور ابراہیم لودھی کی جنگ ہوئی تو سانگا نے تاتار خان کو ایک لشکر دے کر گوالیار پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ پرمحمد آدر ہوا۔ اس نے گوالیار کو فتح کر لیا اور وہاں کے حکمران اور راجا بکرما جیت کے کیدار کو بندی خانے میں ڈال دیا۔ رانا سانگا کا ارادہ تھا کہ وہ تاتار خان سے گوالیار کے بعد اسے ایک طرف کر دے گا اور گوالیار کا حاکم اپنے کسی ہندو جرنیل کو بنادے گا۔ جب آپ نے ابراہیم لودھی پر فتح پائی تو رانا سانگا کو اور زیادہ فکر لاحق ہوئی اور وہ جلد گوالیار پر کسی ہندو کو حاکم مقرر کر کے وہاں کے حالات اپنے حق میں منظم کرنا چاہا۔ اس مقصد کے تحت رانا سانگا نے اپنے ایک ہندو جرنیل کو گوالیار کا حاکم مقرر کر کے لکھا اور تاتار خان کو اس نے اپنے پاس طلب کر لیا۔

لیکن تاتار خان بھی بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے رانا سانگا کے اس ہندو کو قتل کر دیا اور رانا سانگا کے مقابلہ کے لیے گوالیار میں حالات درست کرنے لگا۔ گوالیار کے اندر شیخ محمد غوث نام کے ایک مسلمان صوفی اور درویش ہیں۔ ان سے استدعا کی گئی کہ لوگوں کو اپنے حق میں کر لیا کیوں کہ شہر کے لوگ اس درویش کو قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اپنے جرنیل کے قتل کے بعد رانا سانگا آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے اپنے جرنیل درمنگت اور خاں جہاں کو تاتار خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ہے۔ ان ہندو اور خاں جہاں مسلمان ہے۔ رانا سانگا کے یہ دونوں جرنیل گوالیار سے آئے ہیں پھر بھی وہ گوالیار کی حدود میں داخل ہو کر تباہی مچا چکے ہیں اور انہوں نے یا س کے دوسرے بڑے شہر کنڈار پر قبضہ کر لیا ہے۔

بابر نے اس درپیش مسئلہ پر سوچتے ہوئے گوالیار کے اس سفیر سے پوچھا کہ موقع پر تاتار خان مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ اس سفیر نے اپنے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔ "تاتار خان نے رانا سانگا کے آپ سے مدد کی درخواست کی ہے۔ ساتھ ہی اس نے عمر بھر آپ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا وعدہ کیا ہے۔" درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ "درمنگت اور خاں جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اس سفیر کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہرا تیر

ہے۔ میں نے جب بھی کبھی اسے کہی پر چلایا۔ اس نے ہمیشہ کامیاب اندر داخل ہو کر دیکھا۔ درمگت اور خان جہاں نوکیلا رانا سا نکلا اگر ایسے کئی اندر جرنیل بھی گویا ہوں۔ پر لگا دے تو بجا میرا وہ جرنیل اتنی ہمت رکھتا ہے کہ ان سب کو سباط کی طرح دے اور اپنی تلوار کی ضربوں سے انہیں میرے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے۔



سنو میرا وہ جرنیل جب درمگت اور خان جہاں پر نزول کئے تو زندگی بھر کی جنگی مہارت کو بھول کر اس شیر فرزند کے آگے آگے یوں بھاگ کر بے حوصلہ لوہڑیاں بھجوا کر پیڑھے کے آگے بھاگتی ہیں۔ اب تم جاسکتے ہو۔ گوالیار کے تانا درخان کا وہ سفیر جب بابہ کے خیمے سے باہر نکل گیا۔ تانیوں تک اپنے سامنے کھڑے امیر علی قلی خان کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بھاری تحکم آمیز آواز میں کہا۔ علی قلی! حالات بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے خان کھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لشکر کو ابھی اور اسی وقت یہاں سے اگر وہ کوچ کرنے کا حکم دے۔ کوچ سے پہلے اپنے مینہ کے تھیرے دس ہزاری جرنیل کو وہ فوج دے کہ گوالیار کی طرف روانہ کر دو جو ہم نے لاہور اور پٹیہ پھرتی کی تھی۔ یہ سب کہو کہ وہ گوالیار شہر سے باہر رُک کر شہر کی حفاظت اور انتظار کرے۔ اگر وہ جا جنید کو درمگت اور خان جہاں کی سرکوبی کے لیے روانہ کریں گے اور ان دونوں نمٹنے کے بعد جنید گوالیار کا رخ کرے گا اور گوالیار پر قبضہ کر کے وہاں اپنی کچھ فوج کرے گا اور تانا درخان کو ہماری طرف باقاعدہ گوالیار کا حاکم مقرر کر کے واپس لوٹے گا۔ سنو! علی قلی خان! اگر اس ہم میں ہم کامیاب رہے تو گوالیار خود بخود ہماری ہمت میں شامل ہو جائے گا اور ہماری قوت میں اضافہ ہو گا۔ دوسری طرف جب جنید اور خان جہاں کو شکست دے گا تو رانا سا نکلا پر ہماری ہیبت طاری ہو جائے گی اور ہم پر حملہ آور ہونے میں جلد بازی سے کام نہ لے گا۔ اس طرح ہمیں اس کے خلاف میں آنے کے لیے اپنی قوت کو خوب مجتمع کرنے کا موقع مل جائیگا۔

امیر علی قلی خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ اس نے اپنے تکرار ہاؤں اور جنید نے طوفانی انداز میں اگر وہ شہر پر حملہ کر دیا تھا۔ صرف ایک روز بعد کے بعد وہ اگر وہ شہر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے لیکن اگر وہ شہر ایم لودھی کا جو لشکر تھا وہ شہر کے قلعہ میں محصور ہو کر مدافعت کرنے لگا تھا۔ اور جنید کے پاس قلعہ شکن متحصیلا نہ تھے لہذا انہوں نے قلعہ کا سختی سے محاصرہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے کی اشیاء کو قلعے کے اندر لے جانے سے مکمل طور پر روک دیا۔ اور جنید نے لشکر آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیا تھا۔

ہاؤں نے قلعے کے جنوبی اور مغربی حصے کو محصور کر لیا تھا۔ جب جنید نے اور مشرقی سمتوں سے قلعے پر طوفانی حملوں سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ ایک روز جب سورج مشرقی افق کو شفق آلود کرتا ہوا طلوع ہو رہا تھا۔ اندھیرا بے جاگتے نصیب کی طرح مدیون ہو گیا تھا اور روشنی نے ہر شے کو یوں بنا کر باقی جس طرح کسی دوشیزہ کے رخسار اپنے حبیب کے قریب آنے سے تہمتا اٹھے ہیں۔ غالب ذرا بلند ہو کر اپنی تجلیاں اس طرح زمین پر پھندا کر کے لگا تھا جیسے نور سے بلبہاؤں سے اقرا کی صلا میں غار حرا کے اندر گونجنے بکھرنے لگی ہوں۔ جنید اپنا جنگی لباس پہن کر اپنے خیمے سے نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے خیمے پر محافظ اندر ادا کہا۔ اے امیر! ہم نے دو فوجوں کو گرفتار کیا ہے۔ یہ سب قلعے کا چھوٹا دروازہ پیٹ کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں قبل اس کے کہ ان کے لیے دروازہ کھولنا ہم نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ وہ دونوں اپنے دروازوں سے شاہی کنیزیں لگتی ہیں۔ ان دونوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے امیر کے پاس

جنید نے کہا۔ ”انہیں اندر لاؤ۔“

وہ پیریلر باہر نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ لوہا تو اس کے ساتھ لے کر واپس آیا تو وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر بھاری آواز پر پوچھا۔ ”تم دونوں کون ہو اور اندھیرے منہ تم دونوں کیوں قلعے کا دروازہ پر پڑا؟“

بڑی کی تو اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔“
اس کنیز نے کہا۔ ”اے امیر! ہم نے اپنے ذہن میں جو ایک مسلم امیر کا تصور کر رکھا تھا۔ آپ اس پر پورے اترے ہیں۔ آپ نے ہم دونوں کی حفاظت اور ان کا جو انتظام کیا ہے ہم دونوں اس کے لیے آپ کی ممنون ہیں۔“

جنید نے کہا۔ ”میں نے تم دونوں کا کام کر دیا ہے۔ اب تم دونوں میرا ایک

کر دو۔“

ان میں سے ایک نے لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میرا نام مردہ اور اس ساتھی کا نام زہرہ ہے۔ ہم دونوں مروت بادشاہ ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی کی کنیزیں ہیں۔ جب آپ نے شہر پر حملہ کیا تو اہل شہر میں بے گندہ مچ گئی۔ اسی افراتفرہ ہماری مالگہ سلطانی بیگم اپنے محافظوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئیں۔ پر قبضہ ہوا تو ہم دونوں باہر رہ گئیں۔ آج صبح ہم دونوں اس لیے دروازہ پر پڑ رہی تھیں کہ کوئی ہمیں پہچان کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھولے اور ہم دونوں قلعے کے اندر کے پاس چلی جائیں۔ پر ہم دونوں کامیاب نہ ہوئیں اور آپ کے سپاہیوں نے ہمیں پکڑ لیا۔“

کنیز نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔ ”کہیے بسر و چشم۔“
”شاید تم دونوں کو غیر موسلطانی بیگم کے محل کے ایک حصے میں گوالیار کے راجہ راجبت کی بیوی، بیٹی، بیٹا اور اس کی منگیتر ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں بہت برا کیا لیکن وہ نہیں ملے۔ کیا تم بتا سکتی ہو وہ کہاں ہیں؟“
اس بار دوسری کنیز نے پوچھا۔ ”آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟“
جنید نے کہا۔ ”وہ میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ تم اگر ان سے متعلق کچھ

باتی ہو تو کہو۔“

کہا۔ ”اے امیر! آپ کو آقا ہمایوں نے بلایا ہے کوئی انتہائی اہم کام ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”تم میرا گھوڑا تیار کرو میں ابھی آ رہا ہوں۔“

وہ دوسرا محافظ جب باہر نکل گیا تو جنید نے اپنا اور اپنی ساتھی کا انکار والی کنیز سے پوچھا۔ ”کیا شہر کے اندر تمہارے رہنے کی کوئی جگہ ہے؟“

کنیز نے کہا۔ ”اے امیر! جگہ تو ہے لیکن وہاں اپنی جان اور خطرہ ہے۔ ہم ابھی تک شہر کے اندر سلطانی بیگم کے محل کے ایک خفیہ خانے چھپی ہوئی تھیں۔“

جنید کے اپنے محافظ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سلطانی بیگم کے محل ہی ان دونوں کے رہنے کا بندوبست کر دو۔ ان کی حفاظت پر تین پیریلر لگا دو اور ان کے لباس و خوراک کا معقول بندوبست کر دو۔ اور سنو! اگر کسی نے ان

کنیز نے کہا۔ ”میں ان سب کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ سلطانی بیگم کے محل میں رہ رہے تھے لیکن یہاں ان پر قیامت گذر گئی۔ راجہ بکر ماجیت پانی پت کے بلان میں ابراہیم لودھی کی حمایت میں آپ کے لشکر کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ قریب یہاں آگہ میں پہنچی تو راجہ بکر ماجیت کی بیوی شنگل یہ خیر من کر گر پڑی اور

اس کی موت پر اس کی بیٹی کنیں اور بھانجی کرن ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ بھرتی نہیں ملنے لگیں کہ بابر کا لشکر اب آگہ کا رخ کرنے والا ہے۔ لہذا مال دیو کنیں لشکر کے یہاں سے اپنا سب لے کر گوالیار چلے گئے لیکن وہاں سے جو خبریں آئی ہیں ان کے مطابق انہیں وہاں بھی سکون نہیں ملا اور اپنے شہر گوالیار میں بھی اب وہ

ایک تہی کی طرح ہیں۔“

جنید نے حیرت اور پریشانی میں پوچھا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ گوالیار میں کیوں کیسے اور کس کے قیدی ہیں۔"

کنیز نے کہا: "گوالیار پر رانا سانگا کے ایک جرنیل تانار خان سازگ نافر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے راجہ کبریا جیت کے بیٹے کیدار اور مالدیو کو ان کے محل پر نظر بند کر دیا ہے۔ کنیل اور کون کنے کو آزاد ہیں لیکن وہ بھی ایک طرح سے قیدی ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے محل میں نظر بند ہیں اور باہر نہیں جاسکتیں نہ ہی کوئی آواز مل سکتا ہے۔"

کنیل کے حالات سن کر وقتی طور پر جنید کی حالت بگڑ گئی تھی لیکن جلد اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور محافظ سے کہا: "تم ان دونوں کو سلطانی کے محل میں لے جاؤ اور ان کی حفاظت اور کفالت کا بندوبست کر دو۔ میں ہمارے اس کی طرف جاتا ہوں۔"

جنید اپنے خیمے سے نکلا۔ باہر ایک محافظ اس کا گھوڑا پکڑے کھڑا۔ جنید تیزی میں ایک زقمد کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا ادا سے اڑا۔ جنوب کی طرف دوڑا دیا تھا۔



جنید جو نبی ہمایوں کے خیمے کے قریب آیا۔ وہاں کھڑے محافظوں میں ایک نے بھاگ کر جنید کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ جنید اپنے گھوڑے سے اڑا جب ہمایوں کے خیمے میں داخل ہوا تو ہمایوں جہاں گدے دار نشست پر بیٹھا تھا اٹھا اور جنید سے اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "جنید! جنید! میں بڑے بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

جنید نے ہمایوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا: "کیا اگرہ کے اس قلعے کو محاصرہ میں کوئی غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے؟"

ہمایوں نے کہا: "ہاں تم اسے غیر معمولی تبدیلی ہی کہہ سکتے ہو۔ اس لیے"

ہم قلعہ دار نے قلعہ ہمارے حوالے کرنے کے لیے اپنی کچھ شرائط پیش کی ہیں۔ آج صبح جمع اس کا ایک قاصد یہ شرائط لے کر آیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ہم یہ شرائط مان لیں گے تو دروازے ہم پر کھول دیے جائیں گے اور شہر کے ساتھ قلعہ بھی ہمارے حوالے دیا جائے گا۔"

جنید نے پوچھا: "قلعہ دار نے جو شرائط پیش کی ہیں وہ کیا ہیں؟"

ہمایوں نے کہا: "قلعہ دار نے سب سے پہلے ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کے لیے سات لاکھ روپے نقد کی مانگ کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سلطانی بیگم کی ہاشم کے لیے وہ قلعہ مانگا ہے جو شہر کے جنوب میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کے دیگر مطالبات یہ ہیں کہ ان کے امراء کے پاس جو جاگیریں ہیں۔ ان پر ان کا تسلط بحال رہنے دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ اور امراء کے لیے بھی جاگیریں طلب کی ہیں۔"

جنید نے کہا: "اگرہ کا قلعہ ہمارے حوالے کرنے کے لیے اگر اس کی ہی شرائط مان لیں تو یہ بہت کم ہیں، ہمارے لیے آسان اور باعزت ہیں۔ قلعہ کے عوض انہیں مان لینے سے نہ ہماری سبکی نہ بے عزتی ہوتی ہے۔"

ہمایوں نے کہا: "میں تم سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اس قلعہ کے لیے یہ شرائط بہت کم ہیں۔"

جنید نے کہا: "تو پھر دیر کیسی، کسی قاصد کے ہاتھ ان شرائط کے سلسلے میں قلعہ دار کو اپنی رضا مندی بھجوائیں تاکہ ہم قلعہ پر قبضہ کرنے کے انتظامات مکمل کرنا شروع کر دیں۔"

ہمایوں جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے سے باہر ہمایوں کا ایک پریدار بابر کے آنے کی نوید پکارنے لگا تھا۔ جنید اور ہمایوں نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے بابر ان کے اندازوں سے کہیں پہلے اگرہ پہنچ گیا ہو۔ پھر دونوں جلدی جلدی اٹھ کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا بابر خیمے کے سامنے گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ ادرہ پہنا

اس کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے تھے۔ جب کہ بابر کے ساتھ آنے والا لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو رہا تھا۔

جنید اور ہمایوں نے آگے بڑھ کر بابر سے مصافحہ کیا۔ پھر ہمایوں نے کہا کہ آپ کی تعلق آباد سے آگرہ کو روانگی کی اطلاع مل گئی تھی لیکن مجھے اُمید تھی آپ اپنی جلدی اور عجلت میں آگرہ پہنچ جائیں گے۔

بابر نے کہا: "حالات ہی کچھ اچانک ایسے ہو گئے ہیں کہ مجھے ہنگامی حالت میں آگرہ کی طرف آنا پڑا۔"

پھر بابر نے ہمایوں کے خیمے کی طرف جلتے ہوئے کہا: "تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" جنید اور ہمایوں چپ چاپ بابر کے ساتھ ہو لیے تھے۔

ہمایوں کے خیمے میں نشست پر بیٹھنے کے بعد بابر نے جنید اور ہمایوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھ گئے تو بابر نے کہا: "پہلے یہ بتاؤ آگرہ کے اس قلعے کے فتح ہونے میں کیا رکاوٹ ہے۔"

ہمایوں نے کہا: "قلعہ دارنے آج ہی چند شرائط کے عوض قلعہ ہمارے تول کر دینے کی پیش کش کی ہے۔"

بابر نے پوچھا: "وہ شرائط کیا ہیں۔"

ہمایوں نے کہا: "ان کا مطالبہ ہے۔ کہ ابراہیم کی ماں سلطانی بیگم کو جو اس وقت قلعے میں محصور ہے۔ سات لاکھ کی نقد رقم ادا کی جائے اور اسے رہنے کو وہ قلعہ دیا جائے جو آگرہ سے ایک کوس جنوب میں ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے امراء کی جاگیریں بحال رکھنے اور کچھ نئے امراء کے لیے جاگیریں طلب کی ہیں۔"

بابر نے کہا: "ان شرائط کو مان لو۔ ابراہیم لودھی کی ماں کو سات لاکھ ادا کر کے اسے عزت و احترام کے ساتھ اس قلعے میں منتقل کر دیا جائے جس میں رہنے کی اس نے خواہش ظاہر کی ہے۔ امراء کی جاگیریں بحال رکھی جائیں اور نئے امراء جہاں وہ چاہیں جاگیریں دے دی جائیں۔ ان شرائط کے عوض فوراً آگرہ کے قلعہ پر

دیا جائے۔ اب وہ سنو کہ جو میں کہنا چاہتا ہوں۔"

جب وقت ہم ابراہیم لودھی کے ساتھ جنگ مصروف تھے۔ رانا سانگانے ایک جرنیل تاتار خان سانگ خانی کو ایک جہاز شکر کے ساتھ گوالیار کی طرف بڑھا دیا۔ تاتار خان نے گوالیار پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے حاکم راجہ بکرامجیت کے قتل کو اس نے قید کر دیا۔ رانا سانگ کی نیت خراب تھی وہ صرف تاتار خان سے بابر ہی فتح کرنا چاہتا تھا اور اس فتح پر تاتار خان کو کوئی اہمیت نہ دینا چاہتا تھا وہ بابر کو مستقل اپنی عملداری میں شامل کر کے وہاں اپنے ایک ہندو جرنیل کو حاکم مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن تاتار خان نے عقلمندی سے کام لیا۔ جب وہ ہندو جرنیل کو گوالیار پر تاتار خان نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر رانا سانگ کا سخی پامو گیا اور اس نے اپنے دہترین جرنیل درمنگت اور خان جہاں کو ایک جہاز شکر کے ساتھ تاتار خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیے۔

درمنگت اور خان جہاں نے ریاست کے دوسرے بڑے شہر کنڈل پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے ریاست کے علاقے میں تباہی مچا رکھی ہے اور آہستہ آہستہ دہشت پھیلاتے ہوئے وہ گوالیار کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر درمنگت اور خان جہاں کی راکٹاز اور پیش قدمی کو ہم نے نڈر کا تو وہ دونوں باسانی گوالیار پر قبضہ کر کے تاتار خان کو قتل کر دیں گے۔

تاتار خان کو اس خطرے کا احساس ہے لہذا اس نے اپنا ایک اچھی مدد کی درخواست دے کر میرے پاس تعلق آباد روانہ کیا تھا۔ تاتار خان نے درخواست کی ہے کہ ہم درمنگت اور خان جہاں سے گوالیار کو بچائیں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ گوالیار کو ہمارے حوالے کر دے گا اور ہمیشہ مطیع و فرمان بردار بن کر رہے گا۔ میں نے انہوں کی قدم کے طور پر اپنے مہینہ کے تمیرے دس ہزاری جرنیل رحیم دار کو اس شکر کے ساتھ گوالیار روانہ کر دیا ہے جو ہم نے لاہور اور بھیرہ سے بھرتی کیا تھا۔

رحیم دار کو میں نے سمجھا دیا ہے کہ وہ گوالیار سے باہر رک کر شہر کی حفاظت

کرے۔ اب درمنگت اور خان جہاں کو روکنے کا کام باقی ہے اور جنید اس کے
میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ بخدا میرے پورے لشکر میں تم وہ واحد جرنیل ہو
درمنگت اور خان جہاں جیسے خوشخوار جرنیلوں سے نمٹنے کی کمبل صلاحیت رکھتے
اور جس پر میں بدترین حالات میں بھی مکمل طور پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔
جنید نے کہا۔ ”میرے آقا! آپ اعتماد رکھیں۔ میں درمنگت اور خان
کے خلاف آپ کی اُمیدوں پر پورا اتروں گا۔“

بابر نے کہا۔ ”تو پھر سنو جنید! تم خاں جہاں اور درمنگت کی سرکوبی کے
گواہ کار رخ کرو۔ رحیم داد کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ گوالیار سے باہر نہ نکلتا
کوے گا۔ تم گوالیار پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں میری طرف سے تانہ خان کو حاکم مقرر
کر دو اور واپس میرے پاس چلے آنا لیکن تمہاری یہ روانگی آج شام کو ہوگی اس لیے
کہ آج علی قلی خان اپنی بیٹی سیرک کی شادی تمہارے بھائی تیمور سے کرنا چاہتا ہے
شاید اس سلسلے میں وہ تم سے گفتگو بھی کرے۔ ویسے تم خود بھی ان سے مل لو۔
جس لشکر کے ساتھ تم اور ہمایوں نے اس قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس پر
لشکر کو لے کر آج شام تم درمنگت اور خان جہاں کی طرف کوچ کر جانا ہے۔ ان نوؤں
نے ان دنوں کنار کے قرب دجوار میں غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اب تم
دونوں اٹھ کر میرے ساتھ آؤ اور اس لشکر کی تیاری کا انتظام کریں جو آج شام کو
کوچ کرے گا اور جو لشکر میرے ساتھ آیا ہے اس کے پڑاؤ کا بندوبست کر کے آگہ
کے قلعے دار سے شرائط طے کر لیں۔“

تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا ذرا فاصلے پر علی قلی خان اور تیمور
آ رہے تھے۔ بابر نے جنید سے کہا۔ ”جنید! جنید! علی قلی اور تیمور شاید تم سے ہی
ملنے آ رہے ہیں۔ تم ان دونوں سے شادی سے متعلق بات کر لو۔ اس کے بعد لشکر کی
تیاری کے باعث شاید تمہیں وقت نہ ملے۔“

جنید بابر کے پاس سے ہٹ کر اس طرف بڑھا جہاں تیمور سے امیر علی قلی خان

در آ رہے تھے۔ ان کے پاس جا کر جنید نے باری دونوں سے مصافحہ کیا۔ ابھی وہ کچھ
ی دالہ تھا کہ امیر علی قلی نے کہا۔ ”ہم دونوں ایک اہم فیصلہ کے لیے تمہاری طرف
آ رہے۔“

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ اہم فیصلہ تیمور اور سیرک کی شادی ہے
بابر مجھے اس سے متعلق تفصیل سے بتا چکے ہیں۔ اگر یہ شادی ابھی ہو جائے تو
میں یوں کہ شام تک میں رانا سانگا کے دو جرنیل درمنگت اور خان جہاں کی
کے لیے یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔“

علی قلی خان نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”آج نہیں بلکہ ابھی تھوڑی دیر
بعد اور سیرک کا نکاح ہوگا۔“

جنید نے اس بار تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تیمور! میرے بھائی!
مادی کے بعد سیرک کو ساتھ لے کر چند ماہ کے لیے گھر چلے جانا۔ نانا، ماموں،
اور بھوپھیاں ہم دونوں سے متعلق فکر مند ہوں گی۔ میرے پاس کچھ نقد ہی ہے
لیتے جانا۔ اگر یہ درمنگت اور خان جہاں کی ہم درپیش نہ ہوتی تو شاید میں بھی
ہم کے لیے تمہارے اور سیرک کے ساتھ گھر جاتا۔ گھر والوں کو میری خیریت سے
نان دلاتا۔“

تم دونوں اکیلے سفر نہ کرنا۔ میں یہاں پریشان رہوں گا۔ کسی تجارتی کاروان
نافلے کے ساتھ سفر کرنا۔ نانا اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان سے کام نہ ہوتا ہوگا۔
دل اندھنوں بھائی باغات اور کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے ہوں گے لیکن یہ کام
بے زیادہ ہے۔ اگر نانا یا ماموں تمہیں وہاں روکنا چاہیں تو تم رُک جانا ایک
ناتوانی باغات اور کھیتوں کا کام بڑھا لیا ہے۔ دوسرے جب ان میں ہمت تھی
تو چار آدمیوں کا کام اکیلے کر جاتے تھے۔ اب ان میں ہمت نہیں اگر وہ وہاں
میں ان کی خدمت محسوس کریں تو رُک جانا۔ سیرک بھی خیموں کی اس زندگی کی نسبت
لالہ اسی شہر کے باغات اور کھیتوں میں خوش رہے گی۔“

جنید جب خاموش ہوا تو علی قلی نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: تیمور! جنید کی باتوں پر عمل کرنا۔ خدا کی قسم! ایسی باتیں مخلص بھائی اور سادہ فرزند ہی کرتے ہیں۔ سیرک وہیں رہنا پسند کرنے گی جہاں تم چاہو گے۔ سیرک سے جاؤ تو سیرک کی ماں اور میری بیوی کو بھی ساتھ لیتے جانا وہ بھی اپنے شہر کی خاطر اُداس اور پریشان ہے۔ اگر تم دونوں واپس آنا چاہو تو اسے بھی ساتھ آنا ورنہ وہ بھی وہیں اپنے گھر میں رہے گی تاکہ وہ وہاں رہ کر اپنی بیٹی سیرک سے مل رہے۔ اب تم دونوں میرے ساتھ آؤ تاکہ باہر سے بات کر کے اس شادی کا انتظام کریں۔ جنید اور تیمور دونوں امیر علی قلی کے ساتھ اس طرف ہو لیے جہاں چند دن کے فاصلے پر بابر اور ہمایوں دونوں باپ بیٹا کھڑے شاید ان ہی کے منتظر تھے۔ بابر اور ہمایوں سے مشورہ کرتے کے بعد اسی روز تیمور اور سیرک کی شادی گئی۔ اگرچہ کے قلعہ دار کی شرائط مان کر اسی روز قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ ابراہیم لوہی ماں کو سات لاکھ روپے نقد ادا کر کے اس قلعے میں منتقل کر دیا گیا جس میں رہنے اس نے خواہش کی تھی۔

زہرہ اور طربہ دونوں کینز بن جنہوں نے جنید کے پاس آکر پناہ لی تھی بھی سلطانی بیگم کے ساتھ چلی گئیں۔ شام تک جنید بھی وہاں سے کوچ کر گیا۔ دو روز بعد تیمور اور سیرک دونوں میاں بیوی سیرک کی ماں کے ساتھ سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

سرمایک برسات کے دن شروع ہو گئے تھے۔ درد کی لکیروں کی طرح بادلوں نے ہر شے کو ایک طرح سے دھند میں اسیر کر لیا تھا۔ سردی خوب تیز ہو گئی تھی اور تیز سرد ہوائیں نطق و گوہائی کا شعور تک چھیننے لگی تھی۔

جنید اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے رانا سانگا کے جنرل درنگت اور خان جہاں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان دونوں سے متعلق تفصیل جاننے کے لیے اس نے اپنے جاسوس آگرہ سے کوئٹہ کرنے سے پہلے ہی روانہ کر دیے تھے تاکہ

درنگت اور خان جہاں سے متعلق اطلاعات فراہم کر سکیں۔ جنید ابھی رات اور خان جہاں سے کافی دور ہی تھا کہ اس کے جاسوس خبر لائے کہ جاڑے کی آگ کے دن آرام اور سکون سے گزارنے کے لیے رانا سانگا کے یہ دونوں جنرل کنڈار چوب مغرب میں ایک محفوظ کوستانی وادی کے اندر خیمہ زن ہیں۔

جنید کے جاسوس یہ خبر بھی لائے کہ درنگت اور خان جہاں کے لشکروں کی تعداد بڑھ کر دس گنا سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے لشکر کا حصہ جو کنڈار شہر کی حفاظت پر تعین کر رکھا تھا وہ اس کے علاوہ تھا۔

اپنے جاسوسوں سے درنگت اور خان جہاں سے متعلق اطلاعات ملنے کے بعد نے اپنی عمدہ ترین صلاحیتوں اور بہترین حربی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ سردی اور بے کالے سیام بادلوں کی پرواہ کیے بغیر وہ کنڈار شہر کی طرف بڑھا۔

ایک روز جب کہ شام ابھی ابھی ہوئی تھی کہ جنید کنڈار شہر سے ذرا فاصلے پر رُک رہا تھا۔ دھند، کشت اور لیج کی دریا کنارے کی بستی دیرانی کے بالکل قریب تھا۔ جہاں جنید نے اپنا لشکر روک دیا اور خیمے نصب کر کے پٹاؤ کرنے کا حکم دیا۔ ایک ان پہنچنے پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی دوسرے جنید اپنے لشکر کو آرام کا موقع فراہم کر کے اس وقت کنڈار شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا جب صبح سویرے شہر کے دروازے کھلتے ہوں اور لوگ مال کے لین دین کے سلسلے میں آمدورفت شروع کر چکے ہوں۔ جنید نے لشکر کو خیمے نصب کرنے اور وہاں پٹاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا تاہم اس بار وہ خود کے علاقے پر نگاہ رکھنے کے لیے اپنے کچھ دستے ضرور متعین کر دیے تھے۔ بلکہ چوڑے کی چادروں کے چھتران کو آگ روشن کی گئی اور شکر کے لیے کھانے کا انتظام بنے لگا تھا۔

ایک محافظ جنید کے خیمے میں آگ روشن کرنے کے بعد جب باہر نکلا تو جنید نے اپنا بال تھیل لیا اور گیلاباس نے خشک ہونے کو آگ کے پاس پھیلا دیا تھا۔ پھر وہ مکمل طور پر اس چٹائی پر بیٹھ گیا جو محافظ آگ کے پاس بچھا گیا تھا۔

بے پر اپنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ وہ باہوں کے جواں لمس کی طرح پُر از اندازوں کی تھکن میں شکستہ انگڑائی جیسی حسن جہانگیر ہند ہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے اب آدھ کھلی پکھڑیوں کی طرح نیم داہورہے تھے۔ وہ اپنے حسن اپنے شباب میں بزرگ، ہمک، توس و قزح، خوشبو، تنگی اور عید کا انگڑائی لیتا چاند ہو رہی تھی۔ چونکا اور بڑے خلوص و اپنائیت میں اس نے کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی جنبیول ہاں دیگا نول کی طرح وہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔ سردی بہت ہے تم دونوں بہن نے لباس بھی بھیکے ہوئے ہیں۔ آؤ آگ کے پاس آکر بیٹھو۔"

لیراج اور کشتا نے سامان اٹھایا اور دونوں بہن بھائی آگے بڑھے۔ سامان آگ بھی رکھنے کے بعد وہ جنید کے قریب چٹائی پر بیٹھ گئے۔ جنید نے اپنا کبل اتار اسے الہ پھر اسے کشتا کے اوپر ڈال دیا کیوں کہ اس کا لباس بھیک کر اس کے جسم سے ہاتھ۔ سردی میں وہ کانپ رہی تھی اور اس کے دانت بج رہے تھے۔

جب جنید نے کشتا پر اپنا کبل ڈالا تو اس نے اپنی گردن گھما کر جنید کو ایسی نگاہوں میں غلوں منتی، محبت کے رنگ، مہانست کی روشنی، تپاک و انس کی آڑاں، ہلا کی گرد اور مردگن کی خوشبو تھی۔

جنید نے لیراج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں اپنے لشکر کو یہاں ہوں؟"

لیراج نے کہا۔ "جس وقت آپ نے اپنے لشکر کو یہاں روکا تھا۔ اس وقت یہاں انسانی کے کچھ لوگ گزرے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں۔ ان نے کشتا کو جا کر بتا دیا کہ تمہارا وہ اجنبی جس نے تمہاری خاطر بستی کے بد معاشی کے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ پہنچا ہے۔"

لیراج نے کشتا نادان تو اندھیرے کی پردہ کیے بغیر اکیل ہی بھاگی بھاگی ادھر چلا گیا۔ لیراج نے اسے روکا۔ پھر مجھے اس کے ساتھ کر دیا۔ کہ

ابھی اسے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کے خیمے کا ایک محافظ آگیا اور کہا۔ "اے امیر! ایک لڑکی اور ایک اس کا بھائی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ جنید نے تعجب سے پوچھا۔ "کوئی لڑکی اور اس کا بھائی رات کے اس وقت طوفانی بارش میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔" تم نے ان کے نام تو پوچھے ہوتے۔" محافظ نے کہا۔ "امیر! میں نے ان دونوں کے نام پوچھے ہیں۔ لڑکی کا نام اور اس کے ساتھی جو ان کا نام لیراج ہے۔ دونوں بہن بھائی ہیں۔"

جنید فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس محافظ سے کہا۔ "ان دونوں بھائی کو فوراً اندر بھیجو۔ وہ بے چارے بارش میں بڑی طرح بھیک چکے ہوں گے۔ وہ میرے جانے والے اور عزیز ہیں۔ ان کی بستی یہاں سے قریب ہی مشرق کی طرف دیا کے کڑ زیادہ سے زیادہ ایک میل کے فاصلے پر ہوگی۔"

وہ محافظ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد لیراج اور کشتا دونوں بہن بھائی جنید کے خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ کچھ سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ سامان ان دونوں بہن نے خیمے کے دروازے کے پاس ہی رکھنے کے بعد پہلے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے جنید کو پر نام کیا۔

خیمے اندر جلتی شعل اور آگ کی روشنی میں جنید نے دیکھا ان دونوں بہن بھائی لباس بھیک کر نچڑ رہے تھے۔ کشتا ہاتھ باندھے کھڑی انتہائی پرکشش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ جنید نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے حسن، خوب صورتی، روپ جو بن، خوش نمائی اور سند تا میں کسی طور بھی پیکر حسن و جمال میں کنپیل سے کم نہ تھا۔ قد میں بھی کنپیل سے کچھ لمبی تھی۔

جنید نے دیکھا اس کا چہرہ مہتابی اور بدن شعل بے باک ہو رہا تھا۔ وہی دیکھ بھائی جسم کی زیبائی، وہی لمبے گیسو، وہی صندلی دھوپ کے ست رنگے موسم جیسے زخا وہی ہونٹوں کے تازہ گلاب۔

وہ خوشبو کی بارش، جلتے چراغ اور قص کرتی خوشیوں کی لہر کی طرح خیمے کے

دونوں بہن بھائی جنید کو اپنے گھر لاؤ۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں گے۔ باپو بڑے بڑے
آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

جنید نے بات کو ٹالنے کی خاطر پوچھا۔ ”تمہارے باپو دھرم دھت کی طرح
لیراج نے کہا۔ ”ٹھیک ہیں۔ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ جب سے آپ
نے راندا داس کے بھائیوں کو قتل کیا ہے تب سے بستی میں ہماری عزت بڑھ گئی ہے۔
بستی کا مکھیا بھی ہمارا دھیان رکھتا ہے۔ اسی پر موقوف نہیں بلکہ کشتا کی سکیاں
آپ کی وجہ سے کشتا کو خوش نصیب جانتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے اس پر رشک کر
ہیں۔“ لیراج جب خاموش ہوا تو کشتا نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”آپ نے اس سوال کا تو جواب ہی نہیں کہ آپ ابھی ہمارے ساتھ چلے
گئے نا۔ باپو آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔ انہوں نے زور دے کر کہا تھا کہ جنید کو اپنے
ساتھ گھر لے کر آنا۔“

جنید نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اس لشکر کا سالار ہوں۔ پھر
کیوں کر لشکر کو چھوڑ کر تم دونوں بہن بھائی کے ساتھ جاسکوں گا۔ جب کہ مجھے ایک
انتہائی اہم مہم کے سلسلے میں کل صبح اندھیرے ہی اندھیرے یہاں سے کوچ کرنا ہے
اگر میرے پاس دقت ہوتا تو میں ضرور تم دونوں بہن بھائی کے ساتھ ہولیتا کیا ایہ
ممکن نہیں کہ تم دونوں بہن بھائی رات میں رہو۔ باہر تیز بارش اور سردی ہے۔ کہا
بھیگتے اور ٹھٹھرتے جاؤ گے۔ صبح اندھیرے منہ میں یہاں سے کنڈار کی طرف کوچ کرنا
گا۔ تم دونوں بہن بھائی اپنی بستی کی طرف روانہ ہو جانا۔“

کشتا اور لیراج دونوں خاموش تھے۔ جنید نے پوچھا۔ ”تم نے کوئی جواب
دیا کشتا! کیا تم یہاں میرے خیمے میں رہنا پسند نہ کر دو گی۔“
کشتا نے بجاتے، جھپٹتے، جھجکتے، شرماتے اور اپنی گردن کو کسی حد تک
خم کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے پر لیراج بھائی جی
طرح مناسب سمجھیں ویسے ہی ہو گا۔“

لیراج نے بیشاشت، فرح اور انبساط کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”جنید بھائی
ساتھ ہمارے گھر تو جانا نہیں سکتے کیوں کہ انہوں نے صبح سویرے یہاں سے
جانا ہے لہذا میں رات میں بسر کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔“

جنید کے پاس رہنے کا فیصلہ سن کر کشتا کی حالت اس پیا سے پھول جیسی ہو گئی
خیمہ میں ڈبو دیا گیا ہو۔ جنید کا خیمہ کافی بڑا تھا جس کے درمیان سرخ چمڑے
ڈال کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ خیمہ ایک طرح سے
بل پر شمل ہو گیا تھا۔ جنید اٹھ کر اپنے خیمے کے دوسرے حصے میں گیا پھر وہ لوٹا اور
اس نے کہا۔ ”کشتا! کشتا! تم اٹھو اور خیمے کے اس دوسرے حصے میں جاؤ
میں دو چادریں رکھ آیا ہوں۔ وہ لپیٹ لو اور اپنا بھیکا لباس اتار دو اسے آگ
کے پھیلا دینا۔ جب خشک ہو گیا تو دوبارہ پہن لینا۔“

کشتا خاموشی سے اٹھی اور خیمے کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔ پھر
نے اپنے کندھے پر رکھی ایک سفید اور اپنے ہاتھ میں پکڑا اپنا ایک فالتو لباس
بائے آگے ڈالتے ہوئے کہا۔ ”لیراج! تم یہ چادر لپیٹ کر یہیں اپنا لباس اتار
برے کپڑے پہن لو۔“ لیراج فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور چادر لپیٹ کر اس نے کپڑے بدل
اپنا بھیکا لباس اس نے آگ کے پاس پھیلا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کشتا بھی خیمے کے دوسرے حصے سے نکلی۔ اس نے اپنے جسم پر
بر چادریں باندھ کر اور ان کے اوپر اس نے جنید کا کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ وہ
خیمہ تعمیر اور جمیل و شکیل دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بجائی، بل کھاتی سی آئی۔ تم
نے اپنے گیلے کپڑے اس نے آگ کے پاس پھیلا دیئے اور دوبارہ وہ جنید کے
بجائی پر بیٹھ گئی۔

جنید نے کہا۔ ”تم دونوں بہن بھائی بیٹھو، میں کھانا منگواتا ہوں۔“
کشتا نے خوش الحان پرندے کی طرح خوشی اور بے خودی میں چپکتے ہوئے کہا۔
”یہاں ہمارے پاس ہی بیٹھ رہیں۔ کھانے کو کوئی چیز لانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

آپ کے لیے ہم کھانے کو اس قدر لائے ہیں کہ آپ ختم ہی نہ کر سکیں گے۔

پھر کشتا اور لیراج اپنے ساتھ جو برتن لائے تھے ان میں سے کشتا نے لڑو دہی، دودھ، مہو، کھیر اور ہلکی پھلکی چٹلی چٹلی چھپاتیاں نکال کر جنید کے آگے بڑھ کر کہا۔ ”آپ کھانا کھائیں۔ اپنے شکر سے آپ کو کھانا مگوانے کی ضرورت نہیں۔ جنید نے کہا۔ ”یہ چیزیں دیکھ کر تو میری بھوک واقعی اور زیادہ بڑھ رہی ہے۔“ کشتا نے پیار اور گہرے غلوں میں کہا۔ ”تو آپ شروع کریں تاکہ میں نے آپ روک رکھا ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”تم دونوں بہن بھائی بھی تو آؤ۔“

کشتا نے کہا۔ ”آپ شروع کریں، ہم دونوں کھا کر آئے ہیں۔“

جنید کھانا کھانے لگا اور کشتا اس کے پاس بیٹھی ایک لگن اور محراب میں ا دیکھتی رہی۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو کشتا نے برتن سمیٹ لیے۔ تھوڑی دیر تک وہ پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔

جب کشتا اور لیراج کے گیلے کپڑے خشک ہو گئے تو وہ باری باری خیمے کے حصے میں جا کر اپنے کپڑے بدل آئے پھر وہ تینوں وہیں آگ کے پاس چٹائی پر بیٹھے۔ آگ نے خیمہ خوب گرم کر دیا تھا پھر بھی انہوں نے اپنے اوپر کپڑے ڈال لیے تھے۔

○

رات کے پچھلے حصے میں اچانک کشتا کی نیند اچاٹ ہو گئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ بارش روک چکی تھی۔ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ خیمے کے اندر آگ اسی طرح روشن تھی آگ کے دائیں طرف دوسری چٹائی پر لیراج اکیلا سویا ہوا تھا جب کہ شام کے اندر جنید بھی وہیں لیٹا تھا۔

کشتا کچھ پریشان ہو گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے خیمے کے اندر ادھر دیکھا لیکن جنید نہ تھا۔ وہ اٹھ کر خیمے کے دوسرے حصے کی طرف گئی لیکن وہ بھی نہ تھا۔ وہ بھاگ کر خیمے کے دروازے پر آئی اور دروازے پر لٹکے دھڑکے

ایسا ہلکا اس نے دیکھا۔ باہر محافظ اسی طرح اپنے سالار کے خیمے سے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے پاس اسی طرح آگ روشن تھی۔ تاہم ان کے پاس جلتی آگ کے الاؤ کے بنام کے وقت بارش کی وجہ سے ایک چھو لڑی تھی۔ اب وہ چھو لڑی ہٹ چکی شاید بارش روک جانے کی وجہ سے۔ ہر حال وہ دونوں سپاہی جو جنید کے خیمے کے پہرہ دے رہے تھے۔ آگ کے پاس متعجب بیٹھے تھے۔ وہ اپنے جنگی لباس میں تھے اور ہاتھوں، ڈھالیں، کمان اور تیروں بھرے ترکش ان کے پاس تھے۔

کشتا پریشان اور افسردہ سی دوبارہ آکر چٹائی پر بیٹھ گئی اور خیمے کے اندر کھدے اڑھنے کو غور و خجش سے دیکھنے لگی جس کے اندر آگ جل رہی تھی اور قریب ہی ل لکڑیاں پڑی تھیں۔ وہ چند لکڑیاں اٹھا کر آگ میں ڈالنا ہی چاہتی تھی کہ جنید اڑھنے کے کانوں میں رس گھول گئی۔ ”کشتا! کشتا! اب آگ کے اس الاؤ میں پاں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

حسین کشتا نے چونک کر خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ جنید مسکراتا ہوا داخل ہوا تھا۔ کشتا نے ہاتھ میں پکڑی لکڑیاں فالس رکھ دیں۔ جنید کو دیکھ کر اس کی ٹھہری ہوئی پلکوں کی گھنی چھاؤں میں چاہت آمیز جذبات کی شباہت دکھائی دی۔ اس شہزادی خیالات کی طرح سرور و شادماں ہو گئی تھی۔ جو اپنے فکر جمیل میں نزل کی آفتابوں، رخصتوں کے خوش رنگ کنول اور خوشبو و رنگوں کے ملبے، انبار پر تہیوں کی طرح لراتی ہو۔

جنید نے خیمے کا پردہ کھول کر ایک طرف ہٹا دیا تھا۔ باہر بھی تک خاموشی اور بے آواز سکوت تھا۔ گویا ہر شے مہیب رات سے خوفزدہ ہو کر حریر و پرنیاں کے بار کی طرح قبائے یزدانیت میں سما گئی ہو۔ جنید جب اس کے سامنے دوسری چٹائی پر بیٹھ گیا تو کشتا نے پوچھا۔ ”آپ یہاں سے اٹھ کر کہاں چلے گئے تھے۔ میری آنکھ کھل گئی تو آپ غائب تھے۔ میں بہت پریشان ہوئی۔ آپ کو خیمے کے اس حصے میں دیکھا آپ وہاں بھی نہ تھے۔ کہاں گئے تھے آپ؟“

کتابے چاری نے گری خجالت میں کہا۔ ”باپو کیوں ناراض ہوں گے میں نے تو
کہہ دیا تھا۔ وہ تو آپ کو دیتا جانتے ہیں اور ہمہ وقت آپ کی تعریف کے بھجن
پڑتے ہیں۔ وہ آپ کی اندھی عزت و احترام کرتے ہیں اس لیے کہ آپ نے ان کی بیٹی
رات ادا ان کے بیٹے کی جان بچا چکے ہیں اور یہ دوا ایسے احسان ہیں جن کے کارن
کی خاطر ہم اپنا آپ بھی بیچ سکتے ہیں۔“

پھر کشتا نے جنید کی دی ہوئی تھیلی اٹھالی اور گہری ولفرب مسکراہٹ میں
نے کہا۔ ”بیجے آپ کی طرف سے میں نے نقدی کی یہ تھیلی رکھ لی۔“

قبل اس کے کشتا بے چاری جنید سے کچھ ادا کہتی جنید نے اس کے بھائی لیراج
اگ ہلاتے ہوئے کہا۔ ”لیراج! لیراج! اٹھو! اٹھو!“

لیراج فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے غور سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے
نقد تعجب اور حیرانی سے پوچھا ”رات کے اس وقت آپ اپنے جنگی لباس میں؟“
جنید نے کہا۔ ”رات اب گزرنے والی ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے
راشٹر کی طرف کوچ کرنے والا ہوں۔“ کندار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد میں اپنے
لوگوں کو کھانے کا موقع دوں گا۔ چلو اٹھو، تم دونوں بہن بھائی بھی گھر جانے کی
دی کرو۔“

لیراج اور کشتا دونوں بہن بھائی نے مل کر اپنے برتن اٹھا لیے۔ پھر وہ
بد کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آئے۔ وہاں کھڑے کچھ سپاہی جنید کا اشارہ پاتے
ہے پر گویا ٹوٹ پڑے اور اسے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ آگ انہوں نے بجھا دی،
نڑیاں اٹھالیں اور خیمہ تہ کر کے انہوں نے خجروں پر لا دیا۔ پھر ایک سپاہی جنید
کو بلالے آیا۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی اور وہ کوچ کے لیے تیار تھا۔

جنید نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”لیراج! لیراج! اب
دونوں بہن بھائی جاؤ۔ باپو سے میرا سلام کہنا۔“ قبل اس کے لیراج کچھ کشتا
کا اپنی مغموم، دل شکستہ اور بے آس و ناس آوازیں پوچھا۔ ”آپ پھر کب ہمارے

جنید نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”شاید تم ڈر گئی تھیں۔ یہ رات اب اپنے گھر
میں ہے۔ میرا لشکر یہاں سے کوچ کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ صرف میرا خیمہ اگلی رات
رہے۔ آج فجر کی نماز بھی ہم نے قبل از وقت پڑھ لی۔ میں اندھیرے اُجالے کی طرف
کشمکش میں ہی کندار شہر پر حملہ آور ہو جانا چاہتا ہوں۔ مجھے انسو ہے میں تمہارے
سے نزل سکا۔“

جنید کے کوچ کا سن کر کشتا بے چاری آرزوئے بے حیات اور غفلت کا
تیرہ فضاؤں کی طرح مغموم و ملول ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں تنہائی کے آگن جیسی
اور چہرہ اعجاز سے بھاگتے نصیبوں جیسا افسردہ ہو گیا تھا۔ ایک بار اس نے انتہائی منا
نگاہ جنید پر ڈالی پھر اس نے دود۔ بہت دود صخراؤں و پہاڑوں کے اندر کی
بین کرتی صداؤں جیسی آوازیں پوچھا۔

”آپ پھر کب ہمارے گھر آئیں گے۔ ہم سب بے چینی سے آپ کا انتظار
کے کیا آپ ہمیں اجنبی جان کر مھبول تو نہ جائیں گے۔“

جنید چند ثانیوں تک کشتا کی حالت کا جائزہ لیتا رہا اور وہ بے چاری اگر
سرد ہوتے شعلوں کی طرح گردن جھکائے اس کے سامنے بیٹھی رہی۔ پھر جنید نے
چرمی پٹی سے بندھی نقدی کی ایک تھیلی کھولی اور اسے کشتا کی گود میں رکھتے ہوئے
نے کہا۔ ”یہ رکھ لو اور اپنے کام میں لانا۔“

کشتا نے ہلک جانے کے انداز میں کہا۔ ”نہیں! نہیں! یہ آپ اپنے
رکھیں۔ میری نسبت آپ کو اس کی زیادہ ضرورت ہے اور باپو بھی خفا ہوں گے۔“
جنید نے فیصلہ کن سی آوازیں کہا۔ ”اس کا مطلب ہے تم مجھے اجنبی
اور پرہیزی جانتی ہو جو مجھ سے یہ نہیں لے رہی ہو۔“

کشتا نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”میری توہ جو میں
اجنبی اور بیگانہ۔ ہم تو آپ کو اپنے گھر کا ایک فرد جانتے ہیں۔
جنید نے کہا۔ ”گھر کا فرد جانتی ہو تو پھر رکھ لو۔ تمہارے باپو ناراض نہ ہوں۔“

گھر آئیں گے۔

جنید نے کہا۔ ”میں اپنے کام سے فارغ ہو کر بہت جلد تم لوگوں سے ملنے آؤں گا۔“ پھر جنید نے لیراج سے مصافحہ کیا۔ ایک اوعامی نگاہ اندازہ کتاب پر دانی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ خیمے کی حفاظت کرنے محافظ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں شامل ہو گئے اور جنید لشکر کو لے کر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

نشتا اور لیراج وہاں کھڑے ہو کر اسے دور ہوتے دیکھتے رہے۔ جلد ہی اندھیرا جن میں وہ ان کی زکاموں سے اچھل ہو گیا تھا۔ کتابے چاری بار بار ان اندھیروں کے اندر جن میں جنید کھد گیا تھا ایسے انداز میں دیکھتی تھی جیسے کسی کا ضمیر بیدار کرانے کی خاطر زمین پلٹ پلٹ کر ملتی ہو۔ زمینی تکلیف، روحانی کرب، قلق و رنج اور اندر و عجز میں شتا کی گردن جھک سی گئی تھی۔

آسمان پر کہکشاں کے اندر جھل جھل تارے سحر کی آمد آمد پر آزدگی دالم دکھ درد کے گیت گارہے تھے۔ دور مشرق میں اب نرم نرم اجالوں کے اندر شفق اپنے رنگ گھولنے لگی تھی۔ لیراج نے نراس اور نا امید سی آواز میں کہا۔ ”کشتا! کشتا! میرا بہن! آؤ چلیں۔“ کشتا سنبھل گئی۔ پھر وہ دونوں بہن بھائی اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

کندار شہر کے دروازے کھل گئے تھے اور لوگوں کا آہنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ جب وقت شہر کی حفاظت پر مامور رانا ساٹکا کا لشکر صبح کا کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ جنید اپنے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان بن کر کندار شہر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ محافظوں کو اس نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ شہر کے دروازے بند کر کے اس کے خلاف کئی ہڑت کرتے۔ شہر کے شمالی دروازے کے محافظوں کو یہ تیغ کرنے کے بعد کندار شہر میں داخل ہوا اور رانا ساٹکا کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

شہر کے کچھ حصوں میں رانا ساٹکا کے لشکروں نے مسلح ہو کر مدافعت کی کوشش کی لیکن جنید نے سب کو موت کے گھاٹ اتار کر مکمل طور پر شہر پر قبضہ کرنے کے بعد

کا نظم و نسق درست کرنے میں لگ گیا۔ شہر کے حالات درست کرنے میں اس نے بہت دیر نہ صرف کیے۔ پھر شہر کے دو مقامی ہندوؤں کو اس نے درمگت اور ماں جہاں کی طرف روانہ کیا تاکہ انہیں اطلاع کریں کہ باہر کے ایک جرنیل جنید نے ان کے محافظ لشکر کو تہ تیغ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔

شہر سے ان دونوں ہندوؤں کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد جنید نے اپنے جاسوس بھی درمگت اور خاں جہاں کی طرف روانہ کر دیئے اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد وہ خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ درمگت اور خاں جہاں کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جنید زبردست جنگی مہارت سے کام لے رہا تھا اور وہ درمگت اور خاں جہاں کو ان کے لشکر کی دس بارہ گنا زیادتی کے باوجود کھلے میدان میں اپنے سامنے ٹھکنے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔

جس راتے پر اس نے دونوں ہندوؤں کو روانہ کیا تھا۔ اس راتے سے دور ہٹ کر وہ زہریلے سانپ اور بھوکے تیندوے کی طرح ان دونوں کی طرف بڑھ رہا تھا شہر کی حفاظت پر اس نے صرف چند دسے چھوڑے تھے اور راتے میں جگہ جگہ وہ اپنے جاسوس پھیلاتا جا رہا تھا۔ تاکہ وہ گرد و پیش پر کڑی نگاہ رکھیں

مورج غروب ہونے کو جھک گیا تھا اور آفتاب پر اس نے شفق کے رنگ پھیلاتے ہوئے اس رنگین کر دیا تھا۔ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے مغرب سے مشرق کی طرف بھاگ رہے تھے۔ لیراج جنگل سے ابھی ابھی لوٹا تھا۔ اپنی گاڑی اس نے گلی میں کھڑی کر کے بیلوں کو اس نے اندر باندھ کر چارہ ڈال دیا تھا۔

دھرم دھت اپنی گائے کا دودھ نکالنے کے بعد دودھ کو مکھن نکالنے والی بڑی جڑی میں انڈیل رہا تھا اور حسین و خوب صورت کشتا گھر کے صحن میں لگی تنوری سے گرم گرم لڈوئیاں رومال سے جھاڑ جھاڑ کر نکال رہی تھی کہ بستی کا ایک آدمی گھر میں داخل ہوا اور دھرم دھت کے پاس آکر اس نے کہا۔ ”دھرم دھت! تمہیں اور تمہارے بیٹے لیراج

کو مکھیا نے بلایا ہے۔ کوئی بہت ضروری کام ہے۔ ویر نہ کرنا۔ اس نے جلدی بلایا ہے۔
دھرم دھت اور لیراج دونوں باپ بیٹا اس شخص کے ساتھ ہو لیے جو مکھیا کی طرف سے
انہیں بلانے آیا تھا۔

جب وہ دونوں باپ بیٹا کشتا کی وجہ سے جنید کے ہاتھوں مرنے والے راند
اور اس کے بھائیوں کے گھر کے پاس سے گزرنے لگے تو راند کے مکان کے اندر سے
چار مسلح جوان نکلے اور انہوں نے دھرم دھت اور لیراج کی راہ روک لی۔ بستی کا جو شخص
ان دونوں کو بلانے گیا تھا وہ آگے نکل گیا۔ راند روکنے والے چاروں جوان دھرم دھت
اور لیراج کو پکڑ کر راند کے مکان کے اندر لے گئے۔ وہاں مکان کے کڑی کے تخت
پوش پر ایک خوب توانا جوان اور اس کے دائیں بائیں اس کے چار ساتھی بیٹھے ہوئے
تھے۔ دھرم دھت اور لیراج دونوں اسے پہچان گئے۔ وہ راند کا چچا زاد بھائی اور گریں
تھا اور اس کے ادھر دیکھتے چار جوان اس کے سگے بھائی تھے جو دھرم دھت کی بستی
سے چار کوس نیچے دریا کنارے کی ایک بستی میں رہتے تھے۔

جب وہ دونوں باپ بیٹا ان کے سامنے لائے گئے تو اگر سیں نے پوچھا: کیا تم
تم دونوں باپ بیٹا ہمیں پہچانتا ہے؟

دھرم دھت نے کہا: ہاں میں پہچان چکا، تم راند کے چچا زاد اگر سیں ہو اور
یہ چاروں تمہارے بھائی ہیں۔

اگر سیں نے اس بار کڑوے، ناگوار، تلخ اور تندہجے میں پوچھا: کیا اس مکان
میں تمہاری بیٹی کشتا کی وجہ سے ایک اجنبی نے راند اور ہمارے دیگر چچا زاد بھائیوں کو قتل
نہ کر دیا تھا۔ وہ اجنبی جس کا نام جنید ہے وہ چونکہ ہمارے راجہ بکرماجیت کا چیتا تھا لہذا
راجہ کے انتقامی خوف سے ہم اپنے بھائیوں کا وٹا اور بدلہ تم سے نہ لے سکے۔ اب راجہ
بکرماجیت باہر اور ابراہیم لودھی کی جنگ میں مارا جا چکا ہے۔ اب ہمیں اپنے انتقام
سے کوئی روک نہیں سکتا اور سنو! تمہاری بیٹی کشتا اگر راند کی بیوی نہیں بن سکی تو اب
ہم اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے اور وہ ہم میں سے کسی کی بیوی بن کر رہے گی۔ جو

ہم راند نہ کر سکا اسے ہم کامل اور تمام کریں گے۔
اگر سیں جب خاموش ہوا تو لیراج نے کہا: جس طرح راند اور اس کے بھائیوں
کا نامہ تمہارا اس طرح کوئی تم سب کو بھی ٹھکانے لگا دے گا۔

اگر سیں نے اپنی پوری کراہت اور رودھ میں کہا: جنید نام کے جس جوان کو
تمہاری بہن کا برادر بچہ قرار دیا تھا اب ذرا پھر اسے پکارو کہ شاید تمہاری مدد کو آجائے۔
اس بار دھرم دھت نے کہا: اسے کم عزت و ادب ہے انسان! جنید اگر یہاں ہوتا
تو وہ تم جیسے سارے غنڈے، بد معاش اور لچوں کو نچلے لوک میں دفن کر دیتا۔ وہ اگر یہاں ہوتا
تو تم یوں ہم دونوں کو اپنے روبرو کھڑا کر کے ذلیل و خواروں کی طرح ہم سے گفتگو نہ کرتے
ہر دیکھ اگر تو نے ہم پر کوئی مظلم کیا تو اسے خبر ہو جائے گی۔ پھر چاہے تو زمین کے ساتویں
طبق میں ہی کیوں نہ اترے اس کے غوئی انتقام سے تو بچ نہ سکے گا۔

اگر سیں نے ڈھٹائی سے کہا: تمہارے بعد میں اس کا بھی انتظار کروں گا کہ وہ
کیسے ہر کشتا کو ہم سے حاصل کرتا ہے۔ پھر اگر سیں نے قریب بیٹھے اپنے بھائیوں کو
آنکھ کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام رکیں اور دھرم دھت اور لیراج کو موت
کے گھاٹ اتار دیا۔

کشتا کا ہمسایہ برہما داس بھاگتا ہوا کشتا کے مکان میں داخل ہوا اور شور کرنے لگا
کشتا! کشتا! میری بہن! بھاگ جا یہاں سے۔ تیرے باپ اور بھائی کو مکھیا نے نہ بلایا تھا
بلکہ راند کے چچا زاد بھائی ہماری بستی میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مکھیا کے نام لے کر دھوکے
سے تیرے باپ اور بھائی کو بلایا تھا اور ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد اب وہ تمہاری
عزت آ رہے ہیں۔ یہاں سے بھاگ جاؤ کشتا! ورنہ وہ کچے تمہیں پکڑ کر اپنے گھر لے جائیں
گے اور وہاں وہ سب بھائی تمہیں اپنی داشتہ بنا کر رکھیں گے۔ بھاگ جاؤ کشتا! یہاں سے
بھاگ جاؤ۔ وہ ادھر ہی آ رہے ہیں۔ اگر تم ان کے ہتھے پڑھ گئی تو وہ تمہارا انجام بُرا
کر دیں گے۔

برہما داس مڑا اور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ کشتا کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کدھر

جلے اور کیا کرے۔ سب سے پہلے جو کام کشتہ نے کیا وہ یہ کہ بھاگ کر اس نے گھر کا پرانا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر وہ توشک خانے میں آئی اور ضروری اشیاء ایک جگہ ڈھیر کر لی۔ اتنے میں گھر کے صدر دروازے پر زور وارد تنگ ہوئی۔ کشتہ بے چاری کی ٹانگیں کچلنے لگیں۔ سانس پھول گئی اور وہ اوٹ میں کھڑی ہو کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

وہ بے چاری ہر کام بھول گئی تھی اور خوف و وحشت سے اس کی حالت بڑی بُری تھی۔ اس کے دیکھنے ہی دیکھتے دروازہ پر دو ایک بار پھر روتی۔ ہونی پھر کسی نے زور وار دھکادے کر دروازے کو توڑ دیا۔

کشتہ نے دیکھا اگر سین اور اس کے بھائی اپنے ہاتھوں میں خون آلود توبلے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ کشتہ بے چاری اوٹ میں کھڑی کپکپا رہی تھی۔ اس کا سین چوہ سردی کے باوجود عرق عرق ہو گیا تھا۔ وہ ہر اس اور اندیشوں میں لورز کا نپ رہی تھی۔ جب کہ اگر سین اور اس کے بھائی اپنی تلواریں سونٹے اسی کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے اندر کشتہ بے چاری اوٹ میں کھڑی تھی۔



اگر سین اور اس کے چاروں بھائی تلواریں سونٹے اس کمرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، کے اندر حسین کشتہ چھپ کر کھڑی ہوئی تھی۔

ان پانچوں بھیڑیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کشتہ بے چاری کی حالت شبنم کے ابلے قطرے جیسی ہو گئی تھی جو کسی بھی وقت پھول کی پتی سے گرنے کے بعد زمین میں ب ہو کر فنا ہو سکتا ہے۔ اس کا خوشبو سے بو بھل جہان جسم اس ناؤ جیسا لرزاں ہو تھا جو جھنور میں پھنس کر رہ گئی ہو۔ وہ بے چاری گو بہتر اب دار لڑکی خوف و وحشت میں لافاں کا شعور اور اپنی اجل کے تعین تک کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ خوف، وحشت اور بے چین کر دینے والے اندیشوں کی تنگی کے باعث وہ بے چاری اس مسافر جیسی ہو رہی تھی۔ بودھوپ کے صحرائیں اٹھتے سراپوں کے اندر اپنی پیاس ہی نہیں اپنی مہستی تک لور بیٹھی ہو۔

اچانک کشتہ چوٹک پڑی کیوں کہ اگر سین اور اس کے بھائی اب قریب آئے تھے۔ موت کو اپنے اس قدر قریب دیکھ کر کشتہ سنبھلی۔ اس کا منہ زمین اب ہلکا طرح کام کرنے لگا تھا۔ دفعتاً اس نے کوئی فیصلہ کیا۔ اپنے قریب ہی کھڑی ہوئی

پر رکھا پانی کا مٹکا اس نے اٹھایا پھر وہ اس گڑھے کی طرف بڑھی جو ناج و غیرہ رکھنے والے زمین کے اندر بنایا گیا تھا۔

کشتنا جلدی جلدی اس گڑھے میں اتر گئی اور پانی کا مٹکا اس نے گڑھے میں مٹہ پر رکھ کر اسے اُدھر سے بند کر دیا تھا۔ جب قدموں کی چاپ سے اس نے اندازہ کیا کہ اگر سین اور اس کے بھائی اس کمرے میں داخل ہو گئے ہیں تو اس بے چاری اتنا ہرے بس لڑکی نے اپنی سانس تک روک لی تھی۔

اگر سین اور اس کے بھائیوں نے سارے گھر کی تلاشی لے لی مگر کشتنا انہیں نہ ملی۔ مایوس ہو کر اگر سین نے اپنے بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یکتا! چلی گئی۔ اس کے بھائی اور باپ کو تو ہم نے بلالیا تھا۔ وہ اکیلی تھی لہذا اسے گھر ہی رہنا چاہیے تھا۔"

اس کے ایک بھائی نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے باپ اور بھائی کے قتل کی خبر ہو گئی ہو اور وہ ہم سے بچنے کی خاطر یہاں سے بھاگ موٹا۔" اگر سین نے کہا۔ "نہیں اتنی جلدی وہ اپنی اس بستی سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتی۔ وہ اس بستی کے کسی گھر میں پھنسی ہوئی ہے اور مناسب وقت جان کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گی اور ہمارا کام اس کی اس کوشش کو ناکام بنانا ہے۔ ہم نے ہر حالت میں کشتنا کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔ بسنا ہے وہ غضب کی سندر اور انتہا کی خوب صورت ہے۔ آدھم اس بستی کی ناک بندی کر دیں تاکہ کشتنا یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔" کشتنا ان کی ساری گفتگو سن رہی تھی پر وہ دم سادھے اناج رکھنے والے اُل گڑھے کے اندر مردہ سی ہو کر پڑی تھی۔

اگر سین اور اس کے بھائی کشتنا کے مکان سے باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کشتنا کا ہمسایہ برہما داس اپنے دو بیلوں کو بیل گاڑی کے اندر جوت رہا تھا۔ قریب ہی ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ جس پر زین کسی ہوئی تھی۔

اگر سین اور اس کے بھائی برہما داس کے پاس آئے پھر اگر سین اسے چاہ

جئے ہوئے پوچھا۔ "اے جوان تیرا نام کیا؟"

اس نے بڑے تحمل اور خوش طبعی سے کہا۔ "میرا نام برہما داس ہے۔"

اگر سین نے پوچھا۔ "کیا تم نے اپنے ہمسایوں کی لڑکی کشتنا کو کہیں دیکھا ہے؟"

برہما داس نے ان پانچوں کو دباں سے چلتا کرنے کی خاطر کہا۔ "تھوڑی دیر ہوئی

نٹا کا باپ اور بھائی کو مکھیا نے بلایا تھا۔ جب وہ دونوں مکھیا کی طرف گئے تو ان دونوں

یہ جانے کے چند ہی ثانیوں بعد بلکہ ان کے پیچھے پیچھے کشتنا بھی گھر سے چلی گئی۔ شاید وہ

بھی اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ مکھیا کی طرف ہی گئی ہوگی یا ہو سکتا ہے کہیں اور

ہم سے گئی ہو۔"

اگر سین نے کہا۔ "برہما داس سنو! ہم رانند کے چچانا د بھائی ہیں۔ کشتنا کے

بھائی لیراج نے ایک مسلمان جفید کے ہاتھوں ہمارے بھائیوں کو مروا دیا تھا۔ ہم نے

ان انتقام میں دھرم دھت اور لیراج کو قتل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کشتنا کی تلاش

ہے اسے ہم اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اس پر تم نظر رکھنا اور اگر وہ تمہیں کہیں نظر

آئے تو ہمیں فوراً اس کی اطلاع کر دینا۔"

اس کے ساتھ ہی اگر سین نے نقدی کی چھوٹی سی ایک خریطی برہما داس کی

طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو تمہارے کام آئے گی۔"

برہما داس نے نقدی کی وہ تھیلی لے کر رکھ لی۔ اس بار اگر سین کے ایک

بھائی نے برہما داس سے پوچھا۔ "یہ اس وقت تو بیل گاڑی جوت کر کہاں جا رہے ہو اور

ایک گھوڑے پر تم نے زین بھی ڈال رکھی ہے کیا تمہارے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں جو

ان وقت یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں۔"

اگر سین کا وہ بھائی نڈار کا پھر شکوک انداز میں اس نے برہما داس سے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں تم خود کشتنا کی خوب صورتی سے متاثر ہو اور اسے کہیں لے کر جا

رہے ہو۔"

برہما داس ایک بار تو لڑکانپ گیا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور

نقدی کی تھیلی اس نے اگر سین کو لوٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو۔ اب میں اپنے اس کا حقدار نہیں سمجھتا۔ پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ جب کشتا لوٹے گی تو اس کے پاس پانچ سو روپے کا لیکن اب میں یہ تھیلی لوٹاتا ہوں اس لیے پر شک کیا گیا ہے۔"

اگر سین نے پہلے اپنے بھائی کی طرف گھور کر دیکھا پھر اس نے غور طلب انداز میں برہما داس سے کہا۔ "میرا چھوٹا بھائی ہے۔ بس کبھی کبھی ایسے بکواس کر جاتا ہے تم اس کی باتوں پر نہ جانا۔ تم یہ تھیلی رکھو اور جب بھی کشتا ملے تم اسے پکڑ کر ہمارے پاس لے آنا۔"

اگر سین کے بھائی نے بھی کہا۔ میں نے توازن راہ مسخر ایسا کہہ دیا ہے۔ بھگوان کی میرا مطلب تمہاری دل شکنی نہ تھی۔ پھر بھی اپنی اس گفتگو پر میں تم معذرت خواہ ہوں۔"

برہما داس نے نقدی کی تھیلی پھر سنبھال لی اور ذرا وضاحت کرنے کے انداز میں اس نے کہا۔

"دعائیں میری چھوٹی بہن بیمار ہے۔ یہاں سے جنوب میں تین بتیاں چو کر چوتھی میں ایک وید رہتے ہیں۔ میں انہیں لینے جا رہا ہوں۔ وہ وید چونکہ بیل گاڑ پر سفر کرنے کے بجائے گھوڑے پر بیٹھنا زیادہ پسند کرتے ہیں اس لیے ان کے بے اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

اگر سین نے کہا۔ "تمہارے لوٹنے تک میرا ایک بھائی یہیں رہے گا اور کشتا پر نگاہ رکھے گا۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں باہر سے آئے یا اپنے مکان کے اندر ہی چھپا ہوئی ہو اور جب باہر نکلے تو میرا بھائی اسے پکڑ لے گا۔ جب تم لوٹ آؤ گے تو پھر اس کی ضرورت نہ رہے گی۔ میرا بھائی یہاں سے ہٹ جائے گا۔ پھر اس کی جگہ تم کشتا پر نگاہ رکھنا۔"

اگر سین اپنے بھائیوں کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر وہ پانچوں اپنے

ہاں کو بیراج کے دروازے سے قریب گلی میں کھڑا کر گئے اور باقی وہاں سے چلے اپنے جن بھائی کو وہ وہاں چھوڑ گئے تھے وہ پہرہ دینے کے انداز میں کشتا کے گھر سے نکلے بنی نشین پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھا جیسے کسی معرکہ میں جانے کو تیار ہو جاوے۔

برہما داس تیزی کے ساتھ اندر گیا اور ایک لمبی سی "نماٹا" کر اس نے اسے اپنی ان کے نیچے رسیدوں سے خوب مضبوطی کے ساتھ کس کر باندھ دیا۔ پھر ایک بھ پوچھنے لگی میں بیٹھے اس نے اگر سین کے بھائی کا جائزہ لیا۔ دوبارہ وہ تیری سی تیزی سے در آیا۔ اپنے اور کشتا کے گھر کی درمیانی دیوار کو اس نے پھاندا اور کشتا کے گھر در گیا۔ وہ کشتا کے کمرے میں آیا۔ احتیاط کی خاطر اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔

لے دبی دبی اور مدھم آواز میں پکارا۔

"کشتا کشتا! تم کہا ہو۔ میری بہن! تم باہر آؤ۔ میں نے تمہیں یہاں سے لے گا سامان کو لیا ہے۔ جلدی کرو میری بہن! میں برہما داس ہوں۔ دیر ہو گئی، تو

باتا یا سارا کھیل گم ہو جائے گا۔"

کشتا نے فوراً گڑھے کے اوپر سے مٹکا ہٹا دیا اور باہر آتے ہوئے اس نے

دال سے پوچھا۔ "کیا وہ بد معاش یہاں سے چلے گئے ہیں۔"

برہما داس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "آہستہ بولو میری بہن! ان کا ایک باہر گلی میں بیٹھا ہوا ہے اگر وہ ہماری گفتگو سن کر اندر آ گیا تو نہ تم بچ سکو گی اور

میری غیرت ہوگی۔ تم اب کوئی مزید گفتگو نہ کرنا اور کھٹکائیے بغیر دبے پاؤں تم میرے

پہنچے آؤ۔ مجھے اُمید ہے میں تمہیں ان بد معاشوں سے بچا کر لے جانے میں کامیاب

دیکھ چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جنید بھی تم سے پریم کرتا ہوگا۔ تم ضرور
 یاد دلاؤ میری بہن! لیکن تمہارا قد کاٹھ اور تمہاری شکل و صورت راجکمار یوں
 ہے پھر وہ اجنبی کیونکر تمہیں اپنے من میں جگہ نہ دے گا۔ اب مجھے یہ خبر نہیں
 اس اجنبی مسلمان سے متعلق خیالات کیسے ہیں۔

کنتا نے غم اور دکھ میں کہا: تمہاری باتیں درست ہیں میرے بھائی! پر کہاں
 ہاں ضرور لڑکی اور کہاں جنید۔ وہ اونچی ذات کے مسلمان ہیں۔ ان کا نانا سمرقند کے
 شہر کا رئیس ہے اور وہ بابر کے ہراول لشکر کے ایک جرنیل ہیں۔ میں ان سے متعلق ابھی
 جذبات کا فیصلہ نہیں کر سکی۔ میرا تجربہ بھی نہیں کر سکتی کہ میرے من میں جو کچھ ان
 ہے اسے میں احترام کا نام دوں یا پریم کا۔

کبھی کبھی میرا من کھلے عام یہ فیصلہ بھی دیتا ہے کہ میں ان سے پریم کرتی ہوں لیکن
 ان ہندوؤں کو دبا دیتی ہوں صرف اس خیال کے تحت کہ وہ کیونکر ایک عام سی شودا لڑکی
 کا پریم رکھیں گے؟

برہما داس نے کہا: جگلوں کی قسم تم عام سی لڑکی نہیں ہو۔ تم بڑی بڑی نازک اور
 حسین راجکمار یوں سے بھی زیادہ سندر اور من موہنی سندر ہو۔ جنید ضرور تمہیں اپنے
 ہونے گا۔ اگر کبھی اسے یہ خبر ہو گئی کہ تم اس سے پریم کرتی ہو تو وہ ضرور پریم کی اس
 نیک لڑکی کے ساتھ

برہما داس ذرا رکھا پھر اس نے کہا: بہر حال میں تمہیں مجبور نہیں کرتا کہ تم ضرور
 اس کے پاس جاؤ۔ اگر تم اپنے ماموں کے پاس ہی جانا چاہتی ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔
 اگر ادھر آتا تو میں اسے تمہارے متعلق تفصیل سے بتا دوں گا۔ پھر میرا خیال ہے
 تمہارے اس رشتے کے ماموں کے ہاں سے لے جائے گا۔ اور سنو! میں نے تمہیں
 اس معاملے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔

کنتا نے بیل گاڑی میں بیل جوت دیئے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے گھوڑے پر بیل بٹھائی
 اور اس گھوڑے کی غرج میں میری ماتنہ تمہارے لیے کپڑے، کھانے کی اشیاء

کشتنا! میری بہن! یہاں یہ بد معاش تمہارا رہنا دو بھر کر دیں گے اور تم
 بٹھے چڑھ گئیں تو وہ بھیڑیے تمہیں بے آبرو کر دیں گے۔ کیا تمہارے ذہن پر
 ایسا ٹھکانا ایسی جگہ ہے جہاں تم ان بھیڑیوں سے دُور رہ کر پرسکون زندگی گزار
 کتا بے چاری شاید اپنے باپ اور بھائی کی موت پر اس گنہگار کے
 ہی اندر روتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تنگ اور سُرخ ہو رہی تھیں۔ پہلے اس
 اپنی آنکھیں خشک کیں پھر روتی آواز میں اس نے کہا۔ یہاں سے چالیں میل
 کے کنارے کیرتن نام کی ایک جگہ ہے۔ اس میں میرا ایک دُور کا مامول رقبہ
 کا نام پیشہ پال ہے۔ میں نے اسے دیکھا نہیں ہوا نہ ہی وہ کبھی ہمارے ہاں
 بس باپ سے کبھی کبھی ان سے متعلق سنتی رہی ہوں۔ ہو سکتا مصیبت کی اس گھڑی
 رحم کھا کر وہ مجھے اپنے ہاں رکھ لیں۔

برہما داس نے پوچھا: اگر اس دُور کے ماموں نے تمہیں اپنے ہاں نہ
 کشتا نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا: اگر انہوں نے مجھے اپنے ہاں نہ لیا
 میں کسی مندر میں داسی بن کر رہ لوں گی اور اپنا سارا جیون مندر اور دھرم کی سہ
 بتا دوں گی۔

برہما داس نے کہا: اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔
 کشتا نے کہا: تم بھائی ہو۔ میرے لیے لیراج کی جگہ ہو۔ تم کہو میں بُرا نہ
 برہما داس نے کہا: تم اس مسلمان اجنبی جنید کے پاس کیوں نہیں جاتے
 وہ اچھا، نیک اور بہادر انسان ہے۔ وہ ایسے بھیڑیوں سے تمہاری حفاظت
 کر سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے۔ سنا نہیں بلکہ تمہارے بھائی لیراج ہی نے مجھے بتا
 کہ جنید بابر کے لشکر کا ایک جرنیل ہے اور ان دنوں وہ اپنے ایک لشکر کے ساتھ
 کے جرنیل ورننگٹ اور خان حمال کے خلاف کنڈار شہر پر حملہ آور بھی ہوا ہے
 بہتر نہیں کہ تم اس کے پاس چلی جاؤ۔ میرا من کہتا ہے کہ وہ کھلے دل سے تمہارا
 کرے گا۔ اس لیے کہ تمہارے بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ راند کے گھر میں وہ اس

برہما داس نے گھوڑے کی لگام بیل گاڑی سے باندھ دی پھر وہ خود بھی بیل گاڑی پر بٹا اور بیلوں کو بانک دیا۔

لوگر سین اور اس کے بھائیوں نے اس بستی کے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ سے نکلنے والے سارے راستوں کی تاکہ بندی کر رکھی تھی لیکن انہوں نے برہما داس کو قرض نہ کیا اور اسے جانے دیا۔ اس طرح برہما داس کشتا کو اپنی بستی ویرانی سے نہیں کامیاب ہو گیا تھا۔

کشتا بے چاری پہلے باپ اور بھائی کی مرگ پر دکھی ہو رہی تھی۔ اب جو اس نے اپنی بستی سے جدا ہوتے دیکھا تو بے چاری بول کھا گئی۔ ایک بار اس نے ناند سے براہر نکال کر اپنی بستی ویرانی کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت غیر ہو گئی۔ ناندیں وہ مدھ سی لیٹ گئی۔ وہ اپنی جھکیوں اور سسکیوں کو بڑی مشکل سے روکے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں سے ساون بھاؤں کے مینہ کی طرح آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

برہما داس جب دیا کنارے وید کی بستی کے قریب پہنچا تو سورج غروب ہو گیا اور فضاؤں میں تاریکی چھا گئی تھی۔ دریا کے کنارے ایک ٹیلے کی اوٹ میں برہما داس نے گاڑی کو روک دیا پھر اس نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! میری بہن! باہر لاؤ۔"

کشتا باہر نکل آئی اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "برہما داس! میرے بھائی! میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ مجھے تم نے اپنی بستی سے نکالاجیسے میرے لیے اگر سین اور اس کے بھائیوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی کو گھیر لیا ہو گا۔ ان تمہیں یہاں سے نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ہماری اپنی بستی کے بہت سے لوگ مجھ اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کو یہ دکھ اور تکلیف ہے کہ ایک کے ہاتھوں راند اور اس کے بھائی مارے گئے۔ ان کو یہ دکھ نہیں کہ راند اور اس کے بھائی ایک لڑکی کو بے آبرو کرنے پر تے ہوئے تھے۔"

جنید تو میری بہن ایک رشی صفت سو رہا ہے جس نے راند اور اس کے بھائی کو دکھانے لگا کہ تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کی۔ اب تم آگے بڑھ کر ناندیں لے کر یہاں سے کوچ کریں۔"

اور کچھ دیگر سامان رکھ دیا ہے۔ اگر سین نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تم کہاں جا رہے ہو تو میں نے بتا دیا تھا کہ میری بہن بیمار ہے اور میں اس کے لیے وید کو لانے جا رہا ہوں اور اس میں شکر ہے۔ نہیں۔ میری بہن بیمار ہے اور اس کے لیے وید کی ضرورت ہے۔

اچھا تم ایسا کرو اندر جا کر میری ماما اور بہن سے مل لو۔ باہر گلی میں اگر سب سے بیٹھا ہوا ہے۔ میں بیل گاڑی کے پاس جاتا ہوں۔ جب میں تمہیں اشارہ کروں تم باہر کشتا اندر چلی گئی جب کہ برہما داس مکان سے باہر نکل گیا تھا۔

گلی میں آ کر برہما داس نے اپنی بیل گاڑی کو اپنے دروازے کے سامنے انماڑ میں کھڑا کر لیا کہ اگر گھر سے کوئی نکلے تو گلی میں بیٹھا اگر سین کا بھائی دونوں بیلوں میں رہے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ پھر برہما داس نے کشتا کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا۔ کشتا برہما داس کی ماما اور بہن سے مل کر باہر آئی۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچی تو برہما داس نے آگے بڑھ کر سرگوشی میں اسے کہا۔

"کشتا! میری بہن! وہ دیکھو! میں نے اپنی بیل گاڑی کے نیچے ایک لمبی ناند باندھ رکھی ہے۔ اس میں چارہ بھی ہے۔ تم اس میں گھس کر آرام سے لیٹ جاؤ کچھ چارہ اپنے اوپر ڈال لیتا تاکہ کسی کی نگاہ اگر ناند پر پڑے تو اسے شک ہی نہ ہو۔" یسے اگر سین اور اس کے بھائیوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی کو گھیر لیا ہو گا۔ ان تمہیں یہاں سے نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ہماری اپنی بستی کے بہت سے لوگ مجھ اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کو یہ دکھ اور تکلیف ہے کہ ایک کے ہاتھوں راند اور اس کے بھائی مارے گئے۔ ان کو یہ دکھ نہیں کہ راند اور اس کے بھائی ایک لڑکی کو بے آبرو کرنے پر تے ہوئے تھے۔"

جنید تو میری بہن ایک رشی صفت سو رہا ہے جس نے راند اور اس کے بھائی کو دکھانے لگا کہ تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کی۔ اب تم آگے بڑھ کر ناندیں لے کر یہاں سے کوچ کریں۔"

کشتا فوراً آگے بڑھی۔ وہ ناندیں گھس کر لیٹ گئی اور چارہ اس نے اپنے

کشتانے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ ”براگر سین اور اس کے بھائیوں نے باہر گزارنے پر شک کیا تو تم کیسے انہیں مطمئن کرو گے اور جب تم دل کی دھڑکی میں ہیں داخل ہو گے اور تمہارے ساتھ تمہارا گھوڑا نہ ہوگا تو ان کا شک پختہ ہو جائے گا وہ سختی کے ساتھ تم سے باز پرس کریں گے۔“

برہماداس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ”تم میری فکر نہ کرو میری بہن! میں انہیں مطمئن کر لوں گا۔ میں انہیں کہہ دوں گا میری بیل گاڑی کا پتہ نکل گیا تھا جس کے سے مجھے دیر ہو گئی۔ رہا سوال گھوڑے کا۔ تو اول تو میں اندھیرے منہ ہی گھر پہنچنے کا کوشش کروں گا۔ بالفرض اگر مجھے دیر ہو گئی تو میں اُن سے کہہ دوں گا کہ میں گاڑی کا پتہ نکل جانے کے باعث دریا کے کنارے رُکا ہوا تھا کہ دو نامعلوم چور وہاں آئے اور اسے گھوڑا چھین کر لے گئے۔“

برہماداس کی باتوں سے کشتا کسی قدر مطمئن ہو گئی پھر برہماداس نے گاڑی کے پتہ جھٹے میں نیچے بندھے ہوئے ایک بستر کو کھول کر باہر نکالتے ہوئے کہا۔ ”میری بہن! یہ بھی میری ماں نے تمہارے لیے بندھوایا تھا۔ جس وقت ہمیں تمہارے بھائی اور باپ کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تھی۔ میں اور میری ماں نے اسی وقت تمہارے کوچ کی تابا شروع کر دی تھیں۔ کیوں کہ ہمیں خبر تھی عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے تمہیں اپنی بستی دیر دانی کو چھوڑنا ہوگا۔“

برہماداس نے سردی سے بچنے کے لیے بستر کھولا اس میں پانچ کمبل اور دو چادر تھیں۔ برہماداس نے ایک چادر بیل گاڑی میں بچھا کر کشتا کو اس پر بٹھایا اور اسے ایک کمبل اوڑھا دیا۔ ایک چادر اس نے گاڑی کے اطراف کے بانسوں سے باندھ کر اوپر چھو لہاری کی صورت میں باندھ دی تاکہ کشتا سردی نہ اڑا اور اس سے بچی رہے۔ پھر وہ نیچے اترا دونوں بیلوں اور گھوڑے پر اس نے ایک ایک کمبل ڈال دیا۔ آخری کمبل اس نے خود اوڑھ لیا اور کشتا کے پاس گاڑی میں بیٹھ گیا۔

دونوں نے رات جگتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے گزاری۔ پھر جب رات ختم

کے قریب آئی اور مشرق سے سفیدی تانک جھانک کرنے لگی تو دونوں اُٹھ کر گاڑی سے برہماداس نے بستر پہلے کی طرح لپیٹ کر گھوڑے کی زین سے باندھ دیا۔ پھر اس نے کشتا کو کہا! اب تم گھوڑے پر بیٹھو اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں بھی اب وید کو لے کر لڑت جاتا ہوں۔“

کشتا جب گھوڑے پر سوار ہو گئی تو برہماداس نے اگر سین کی دی ہوئی نقدی کی اس کے گھوڑے کی خرچین میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے گھوڑے کی خرچین میں لگا پھیل ڈال رہا ہوں۔ تمہارے کام آئے گی۔“

کشتا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کی ضرورت نہیں ہے میرے بھائی! چند فیل جنید مجھے ایک بڑی رقم دے کر گئے تھے وہ میرے پاس ہے۔ وہ میرے پاس ہے اپنی نقدی کی پھیلی رکھ لو تمہارے کام آئے گی۔“

برہماداس نے پیار سے کہا۔ ”رکھ لو میری بہن! نقدی کی یہ پھیلی مجھے اگر سین نے لگا دلاتے ہوئے دی تھی کہ میں تم پر نگاہ رکھوں اور اسے اطلاع کر دوں کہ تم کہاں ہو؟ کشتا کچھ کہنے والی تھی کہ برہماداس نے کہا۔ ”اب تم میرے شکریہ ادا کرنے کو کچھ ماں لیے کہ تم بہن ہو اور جو کچھ میں نے تمہارے لیے کیا ہے وہ ایک بھائی کا فرض ہے اب تم مزید وقت ضائع نہ کرو۔ گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ رے جانے کے بعد میں بھی یہاں سے کوچ کروں گا اور مجھے اندھیرے ہی اندھیرے رہنا ہے۔“

کشتا نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اب وہ گھوڑے کو تیزی سے دریا کے کنارے اُسے دوڑاتی ہوئی کیر تن نام کی اس بستی کی طرف جا رہی تھی جس میں اس کا دود کا مومل ٹپڑال رہتا تھا۔ برہماداس بھی اپنے بیلوں کو ہانک کر دریا کے کنارے وید کی بستی کی انتہا پر پہنچا۔

مہ پر کے تھوڑی دیر بعد کشتا کیر تن نام کی بستی میں داخل ہوئی۔ لوگوں سے

پوچھتی ہوئی وہ شید پال کے گھر کی طرف آئی اور اس کے دروازے پر آئی دی تھوڑی
بعد ایک معمر عورت نے دروازہ کھولا۔ اس نے حیرت سے کشتا کو دیکھا جو وہاں اپنے گھر
کی باگ پڑے کھڑی تھی۔ پھر اس معمر عورت نے اپنے آپ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ "کون
ہو اور کس سے ملنا ہے۔"

کشتا نے کہا۔ "میں اتر کی ایک سستی دیروانی کی رہنے والی ہوں میرا نام
ہے اور میرے باپ کا نام دھرم دھت ہے۔ کیا یہاں شید پال نہیں رہتے۔ وہ میرے
کے ماموں ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اس عورت نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "شید پال تو مر چکا، اس کی پوز
پہلے ہی گزر گئی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو یہ مکان بیچ کر کہیں چلا گیا اور یہ مکان
سے ہم نے خرید لیا۔"

اس انکشاف پر غم اور اندوہ میں بے چاری کشتا کی گردن جھک گئی تھی۔ اس
کے چہرے پر اُینہ اُینہ زخموں کی تحریریں، تشکرات کا تکیہ بیچ اور غم کا الجھاؤ تھا۔ اس
کے چہرے کی غمزدہ کتاب کے اوراق میں پریشانی کی دھوپ کے اندر آنسوؤں کی بارش
کے واضح آثار تھے۔ چند ثانیوں تک وہ خواب و خیال میں کھوئی رہی اور اپنے غم
کی آواز سنتی رہی۔ پھر اس عورت کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کشتا اپنے گھوڑے کی
باگ تھامے وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کی گردن ابھی تک جھکی ہوئی تھی اور وہ کچھ ہوتی
جا رہی تھی۔

کشتا نے دیکھا شودروں کی اس بستی کیرتن سے باہر شودروں کا ایک مندر
تھا۔ تھوڑی دیر تک کشتا دُور کھڑی ہو کر اس مندر کے بلند اور پتیل چڑھے کلس کو
دیکھتی رہی پھر وہ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے آہستہ آہستہ اس مندر کی طرف بڑھنے لگی
تھی۔

مندر کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد کشتا نے اپنے گھوڑے کو ایک دفعت
سے باندھ دیا اور مندر کے اندر جانے کو وہ آگے بڑھی۔ مندر کے دروازے پر جا کر

مند میں سازنچ رہے تھے اور لوگ برہما، شنو، شوشنکر، لکھمی، پاروتی
بادری کے بت کے سامنے کھڑے بھجن گارہے تھے۔

ہری کا دھیان لگا من میرے
سمرن کرے سانجھ سویرے
مٹ جائیں گے سب دکھ تیرے
جل میں تھل میں نیل لگن میں
کن کن میں ہے پر بھو کی مایا!
جس نے من کی آنکھ کھولی!
اس نے اس کا درشن پایا!
جو نہ ہری کی مالا پھیرے!
چھوٹے جنم جنم کے پھیرے
کون ساتھ دھن لے جائیگا رب
کون ساتھ دھن لے کے آیا ہے
جگ میں سب کے رین بے ہے
ساتھ کسی کے کون چلے ہے
ہری کا دھیان لگا من میرے
سمرن کرے سانجھ سویرے
مٹ جائیں گے سب دکھ تیرے

ہری کا دھیان لگا من میرے!

ہری کا دھیان لگا من میرے!

لوگ جب پو جا پاٹ کے بعد مندر سے چلے گئے تو کشتا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی
مند کے پروہت کے پاس آئی اور دبی کچل آواز میں اس نے کہا۔ "میں ایک مظلوم

اور بے سہارا لڑکی ہوں کیا میں یہاں مندر کی داسی کی حیثیت سے رہ سکوں گی ؟
 پروہت کوئی نیک دل انسان تھا اس نے انتہائی شفقت اور مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا : ”مجھے اپنے پورے حالات تفصیل سے کہو بیٹی ! پھر میں تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔“

کشتانے بلا جھجک شروع سے لے کر آخر تک اس پروہت کو اپنے حالات تفصیل سے سناتا ڈالے تھے ۔

جب کشتا خاموش ہوئی تو پروہت نے کہا : ”اس مندر کے دائیں ہاتھ جو عمارت ہے وہ ایک آشرم ہے اور اس میں بیوہ عورتیں ، محتاج اور بے سہارا لڑکیاں رہتی ہیں۔ تم بھی اس آشرم میں امن اور عزت کے ساتھ رہو۔ بے بسی کے اس دور میں تمہیں اپنی اس جوانی میں ویراگ ، سنیاں اور بیراگ کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں میری بیٹی بن کر رہو۔ تمہیں کوئی ہمہ مشقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر تم اپنی مرضی سے مندر کی سید اکرویا کی خدمت میں اور بات ہے۔ ورنہ مندر کی سید اکرویا نے کو یہاں بہت سی دیوایاں ہیں۔ اگر تم اپنا گھوڑا بیچنا چاہو تو اسے یہیں رہنے دو۔ میں اسے بیچ کر تمہیں پانچادوں گالا اور اگر تم اسے بیچنا چاہو تو اسے تم اپنے پاس بھی رکھ سکتی ہو کیونکہ اس مندر کے نام زمین کا ایک وسیع رقبہ ہے جس کی کاشت سے مندر اور آشرم کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ تم مندر کی ان زمینوں سے اپنے گھوڑے کیلئے چارہ حاصل کر سکو گی۔“

کشتانے کہا : ”میں یہاں پناہ دینے پر آپ کی ممنون ہوں گھوڑے کو میں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ یہ مجھے کسی کی انسانیت سے ہمدردی اور حمایت یاد دلاتا رہے گا اور پھر میں اس گھوڑے کی خدمت کر دوں گی۔ اس طرح یہ اوقات یہاں اچھا گزر جائے گا۔“

پروہت نے کہا : ”بھٹرو، میں تمہارے ساتھ مندر کی ایک دیوایا بیٹیا ہوں۔ وہ تمہیں تمہاری نئی رہائش گاہ دکھا دے گی۔“ پروہت نے اپنے قریب ہی

کڑی ایک دیو داسی سے کہا : ”اس لڑکی کو آشرم لے جاؤ اور وہاں اس کی رہائش کا انتظام کراؤ۔“
 وہ دیو داسی کٹاکے ساتھ ہولی۔ کشتانے صحن میں آکر اپنا گھوٹا کھولا۔ پھر وہ درے پرسکون انداز میں اس دیو داسی کے ساتھ آشرم کی طرف جا رہی تھی۔

○

راتان بھلکے دونوں جنیل درمگت اور خاں جہاں اپنے خلاف جنید کی خونخوار کاریوں سے بے خبر کنار شہر کے جنوب میں اسی طرح امن اور غفلت کی حالت میں کوہستانی دادیوں کے اندر خمیر زن تھے۔

ایک روز جب سورج غروب ہو رہا تھا ، نرم نرم اجالوں میں شفق گھل کر تاریکی اور اندھیروں کو پکارتے لگی تھی پھر سرسبز پیڑوں کی انجھنوں کی طرح اجالا اتر کر ایک ایک دوسرے کے ربط و مقصد میں کھو گئے۔ آخر اُفق تا اُفق تاریکی کا پیغام ، اس کے باطن کی تشکیل اور تفکرات کی اڑان پھیل گئی۔ بستر کشاں پر ستارے بول اُٹھے۔ اور اندھیروں نے وہم و گمان کے پردوں کے اندر ہر شے کے چہرے پر کالک سی مل دی تھی۔

درمگت اور خاں جہاں کے غیصے اپنے لشکر کے وسط میں نصب تھے اور اندھیرا پھیلنے پر وہ دونوں آگ کے اس الاؤ کے پاس کھڑے ہو کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے جو ان دونوں کے خمیوں کے سامنے روشن کیا گیا تھا۔ ان کے لشکر کے اندر بھی جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن تھے۔

خان جہاں نے آگ کے الاؤ پر اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اپنے ساتھی جنیل درمگت سے کہا : ”پچھلے کئی روز سے جو بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ گویا سردی اپنے عروج پر پہنچا۔ کارِ طویل موسم ہم یہاں ان دادیوں کے اندر خمیر زن رہ کر نہیں گزار سکتے۔ اس طرح سستی اور سہل آکیزی ہماری لوح کی توانائیوں کو خوف کی دیمک بن کر چاٹ جائے گی اور ہم سستی و غفلت کے

زندہاں کے اسیر ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو رانا سا نگا ہمیں کبھی معاف نہ کرے گا۔
 درمنگت نے کہا۔ ”خان جہاں میرے دوست! میں تمہاری گفتگو کا مطلب سمجھتا ہوں۔ میں خود اب اس حق میں ہوں کہ ہمیں مزید وقت ضائع کیے بغیر اب گوالیار کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے اور اس پوری ریاست پر قبضہ کرنے کے بعد جلد از جلد یہ خوشخبری رانا سا نگا کو روانہ کرنی چاہیے کہ اب گوالیار کی ریاست ہمارا عملداری کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے جاسوس یہ خبریں بھی لاکھکے ہیں کہ حاکم گوالیار تاتار خان کی مدد کے لیے بابر نے اپنے ایک جنرل رحیم داد کو ایک لشکر کے ساتھ گوالیار روانہ کر لیا ہے۔ اور یہ جنرل اپنے لشکر کے ساتھ گوالیار کی حفاظت کی غرض سے شہر سے باہر خیمہ زن ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے کوچ کر کے پہلے رحیم داد اور اس کے لشکر کا خاتمہ کر دینا چاہیے پھر گوالیار پر قبضہ کر کے اور تاتار خان کو باہر زخمیر حالت میں رانا سا نگا کی طرف روانہ کر دینا چاہیے تاکہ اسے ہم دونوں کی جنگی مہارت اور اہمیت کا اندازہ ہو۔“

خان جہاں نے کہا۔ ”تو پھر کل صبح ہی صبح یہاں سے کوچ کریں۔ قبل اس کے بابر گوالیار کی حفاظت کے لیے کوئی اور لشکر روانہ کرے ہمیں فوراً گوالیار پر اپنا قبضہ مکمل کر لینا چاہیے۔ بابر کے لشکریوں کی تعداد اس وقت گوالیار میں کم ہے اور اگر ان کو مزید کمک مل گئی تو حالات ہماری خواہشات کا اُلٹ بھی ہو سکتے ہیں۔“
 درمنگت نے بڑے فخر و استکبار سے کہا۔ ”بابر کے لشکری اگر ہم سے ہیں گنا زیادہ بھی ہوئے تو بھی ہم انہیں مویشیوں کی طرح ہانک کر رکھ دیں گے۔“
 خان جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”درمنگت! اس معاملے میں میرے خیالات تم سے مختلف ہیں۔ بابر کے لشکری دہلی کے سلطان ابراہیم کو عبرت ناک شکست دے چکے ہیں۔ ان کے حوصلے بلند اور ولولے جواں ہیں۔ لہذا گوالیار میں ان کو مزید کمک پہنچنا ہمارے حق میں ناگوار اور نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔“
 درمنگت نے کہا۔ ”خان جہاں! میں تمہاری دُور اندیشی کا قائل ہوں۔“

اپنے ملے شدہ ہے کہ ہم کل صبح ہی صبح یہاں سے گوالیار کی طرف کوچ کریں گے۔“
 درمنگت کی گفتگو کے جواب میں خان جہاں کچھ کہنے والا تھا کہ کچھ گھوڑ سوار کے خیموں کے قریب آ کر رُکے اور اپنے گھوڑوں سے اُترے۔ درمنگت اور جہاں کے پریداروں نے انہیں دُور ہی روک دیا۔ لیکن آگ کے الاؤ کے پاس کھڑے جہاں نے زور سے پکارتے ہوئے کہا۔ ”انہیں آنے دو یہ کن لوگ ہیں؟“
 پریدا۔ وہ ہندوؤں کو پکڑ کر خان جہاں اور درمنگت کے سامنے لائے۔ یہ وہی وہ ہندو جوان تھے جنہیں بنید نے درمنگت اور خان جہاں کی طرف روانہ کیا تھا۔ تاکہ وہ میں اطلاع کر دیں کہ کندار شہران کے ہاتھوں سے بچ گیا ہے اور اس پر بابر کے ایک جنرل نے قبضہ کر لیا ہے۔ وہ دونوں جوان جب قریب آئے تو درمنگت نے پوچھا کہ دونوں کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کس غرض سے ہمارے لشکر میں داخل ہوئے ہو۔“
 ان دو جوانوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم کندار شہر سے متعلق ایک بڑی خبر لے آئے ہیں۔“

خان جہاں نے کسی قدر چونکتے ہوئے پوچھا۔ ”وقت ضائع نہ کرو، جلدی کہو ایسی بڑی خبر لائے ہو؟“
 اسی جوان نے کہا۔ ”جب آپ دونوں کندار شہر کو فتح کرنے کے بعد اور وہاں اپنا بلٹکر بٹھا کر اس طرف آ گئے تو ایک روز صبح ہی صبح جنید نام کا بابر کا ایک جنرل شہر کے سامنے نمودار ہوا اور ایسے انداز میں اور ایسی بوق رفتاری کے ساتھ رات میں آیا کہ اس نے صبح کے وقت اپنے کام کاج میں مصروف محافظوں کو شہر کے اندازے بند کرنے کا موقع نہ دیا اور کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح وہ شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہو گیا۔ آج کی آج میں آدھی اور گولوں کی طرح وہ پورے شہر پر چھا گیا اور انہیں آپ کے لشکر کو اس نے چند ہی ثانیوں میں تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔ اور کندار شہر ہمال نے اپنا قبضہ مکمل کر لیا۔“

اس نے ہم دونوں کو خود آپ کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ درمنگت اور خان جہاں

برادری ہو گئی تھی۔

سے جا کر کہو کہ بابر کے ایک جرنیل جنید نے کندار شہر پر قبضہ کر لیا ہے اگر ان میں سے کوئی ایک اس کا مقابلہ کریں۔

درمنگت نے چیختے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ ہم اس بد قسمت اور نامراد جرنیل کا یہ چیلنج قبول کرتے ہیں۔ ہم اسے بتائیں گے کہ کندار شہر پر قبضہ کرنے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے۔

چند تانیوں تک درمنگت اور خان جہاں خاموش کھڑے سمجھتے رہے۔ پھر خان جہاں نے کہا۔ درمنگت بحالات اچانک ایک دوسری طرف پلٹا کھائے ہیں ہم بھی نہیں سکتے تھے کہ بابر کا کوئی جرنیل اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے کہ کندار شہر پر قبضہ کر لے گا۔ اب ہمیں گوالیار کی طرف اپنے کوچ کو التوا میں ڈالنا ہو گا اور بابر کے جرنیل جنید سے نمٹنے کی خاطر کندار شہر کا رخ کرنا ہو گا۔

میں نے سن رکھا ہے جنید بابر کے ہراول لشکر کا نائب سالار ہے بلکہ کبھی کبھار یہ ہراول کا سالار بھی ہوتا ہے۔ سنا ہے یہ انتہائی کڑوا، زہریلا، توڑا اور تجربہ کار جرنیل ہے۔

درمنگت نے سخت نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ وہ جو کہ بھی ہے میں پہلے پشت ڈالتا ہوں۔ فی الوقت تو میں صرف یہی خواہش رکھتا ہوں کہ میں کندار کی طرف کوچ کرنا ہے اور تارخان سے پہلے بابر کے اس جرنیل جنید کو پایہ زنجیر کر کے سانگا کی طرف روانہ کرنا ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کریں گے۔

پھر درمنگت اور خان جہاں نے اپنے لشکر کو وہاں سے روانگی کا حکم دے دیا۔ ان کے لشکر و ہاں سے کوچ کرنے کے لیے طوفانی انداز میں خیمے اکھاڑنے لگے اور اپنا اپنا سمیٹنے لگے تھے۔



رات اپنے عروج کی طرف بھاگ رہی تھی۔ دشت و دریا، بوسیدہ اور گئے پٹے راستوں کی طرح خاموش اور ویران تھے۔ ہر شے تاریکی اور ظلمت کے تالاب میں

جس وقت کندار کے وہ دونوں ہندو جوان اس وادی میں پہنچ کر جنید کا پیغام لیا اور خان جہاں کو سنارہے تھے اسی وقت ایک دوسرے راستے سے اور ایک باکاملا کاٹتے ہوئے جنید بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ تاہم وہ ذرا فاصلے میں بیٹھ گیا تھا جس وقت درمنگت اور خان جہاں کے لشکر میں کوچ کی تیاری شروع ہوئی اور ان کے لشکر کے اپنے خیمے اکھاڑنے اور سامان سمیٹ کر اونٹوں اور خچروں نے یہی مصروف ہوئے تو جنید اپنی کمین گاہ سے نکلا اور دشمن پر اس نے حملہ کر دیا۔ جنید رات سے درمنگت اور خان جہاں پر یہ ایک غوثی اور ہولناک شب غون تھا۔

درمنگت اور خان جہاں کا لشکر اس اچانک اور درست نیز شب غون پر لرز کا پٹا لگ گیا تھا۔ لشکر کے خیمے اکھاڑنا اور سامان سمیٹنا بھول گئے تھے اور اپنے آپ کو مسح کرنے کی راہ ان بھیڑ بکریوں کی طرح یوں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے جن کے اندام ان گنت بچو کے لیے ٹھس آئے ہوں۔

قبل اس کے درمنگت اور خان جہاں اپنے لشکر کا نظم و ضبط اور جنگی ترکیب بت کرنے میں کامیاب ہوئے، جنید قدیر کی ناقابل تسخیر گردش اور ظلمت کے زنداں طرح ان پر وار ہو گیا تھا۔ اس نے درمنگت اور خان جہاں کے سارے منصوبوں پر بے لطفی، کانک، خرابی اور یاس انگیزی طاری کر دی تھی۔ اس نے گویا غیر آباد جزیروں کی طرح ان دونوں کے روان کو تباہ حال کر دیا تھا۔ اس کے حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے قدرت نے اسے طلسماتِ زمان کی گردن توڑنے۔ آفاق و عوام کی شمعیں روشن کرنے اور دشمن کے اعمال و افعال کو زنگ آلود کرنے کے لیے پیدا کیا ہو۔

حملہ آور ہوتے وقت جنید کی آنکھوں میں بے رحم حوادث کے نقوش اندر چرے بلکہ صدیوں کی مسافتوں کی خراشیں تھیں وہ طوفان و تلاطم کی طرح ہر شے کو مباح کی طرح اپنے سامنے لپیٹا چلا گیا تھا۔

درمنگت اور خان جہاں نے اپنے لشکر کو سنبھالتے ہوئے اس کے سامنے

جنہ کی انتہائی کوششیں اور جتن کیے لیکن ان کی ہر سعی ناکام ہوئی کہ جنید نے ان کے اندر گھس کر نئے سوز کی ایجاد آفاق کو تسخیر کرنے کا عمل، درمنگت اور خان جہاں کے چہروں پر کالک ملنے کی کارروائی اور اڑتے لمحوں کو اپنے سامنے جھکائے کی بات دی تھی۔

حفاظت سے بے بہرہ، صداقت سے عاری، ظن و تخمین کے عادی اور ہم و مگر کے بارے درمنگت اور خان جہاں کی ہر تدبیر اور ان کے ہر جنگی داؤ کو یوں بیکار کر رکھ دیا تھا جس طرح اناج علیحدہ کرنے کے لیے کسان بھس کو بھائیوں اور کھو دینا اپنے تیز حملوں سے جنید نے کرب کے مضمون کی ابتدا اور جراتوں کے عمل سے دشمن جسموں کو سبھا شروع کر دیا تھا۔

جنید جب اپنے گھوڑے کو دوڑاتا تو آگ کے اس الاؤ کے پاس آ کر رکا تو ایک باہی نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ ایک دوسرے سپاہی نے درمنگت خان جہاں کو باری باری اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ تم دونوں اڑے ہو جاؤ۔ تمہارے سامنے وہ جو گھوڑے سے اتر رہے ہیں وہ ہمارے سالار ہیں سمریک ہیں۔

اندھیرے کے اندر کافی دیر تک جنید نے درمنگت اور خان جہاں کے لشکر کو تھوڑے بشتق بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ دشمن کی مدافعت آہستہ آہستہ کم اور ڈھیلی ہوا شروع ہو گئی۔ درمنگت اور خان جہاں کے لشکر میں جلتے آگ کے الاؤ بجھنے لگے۔ اب دشمن کے سپاہی اپنی جانبیں بچانے کی خاطر ادھر ادھر چھپنے لگے تھے جب کہ جنید کے لشکر انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا رہے تھے۔ اس طرح پوری رات جنید اپنے لشکر کے ساتھ دستِ جلال کی طرح درمنگت اور خان جہاں کے لشکر پر برستار رہا۔

جنید کا نام سنستے ہی درمنگت اور خان جہاں دونوں کے چہروں پر خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ دونوں ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

رات لمحہ لمحہ پھیل گئی کہ جب ختم ہو گئی اور شہنشاہوں کے جھنڈے پیچھے سے سونے دھرتی کے ننگے اور خون آلود ہنڈے کو بھاٹکا تو درمنگت اور خان جہاں کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا تھا۔ خود درمنگت اور خان جہاں کو جنید کے لشکریوں نے زندہ پکڑ لیا تھا اور انہیں رسیوں میں جکڑ کر آگ کے ایک الاؤ کے پاس بٹھا دیا تھا۔ دشمن کا وہ بڑا عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ کچھ خیمے ایستادہ اور کچھ اٹھ کھڑے پڑے تھے۔ درمنگت و دشمن کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

جنید کا نام سنستے ہی درمنگت اور خان جہاں دونوں کے چہروں پر خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ دونوں ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنید ان دونوں کے قریب آیا۔ چند ثانیوں تک وہ ان دونوں کو غور اور انہماک سے دیکھتا رہا جب کہ جواب میں درمنگت اور خان جہاں کی گردنیں شرمندگی اور مذمت کے باعث جھکی ہوئی تھیں۔ پھر جنید نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا میں جانتا ہوں تم دونوں نے جو کچھ کیا وہ رانا سانگا کے حکم اور ایما پر کیا تمہارا کیا یہی سزا کافی نہیں ہے کہ تم رانا سانگا کے بہترین جرنیل ہوتے ہوئے ہمارے دشمنوں میں جکڑے انفعال و شرمساری اور مذمت و خفت کی حالت میں کھڑے ہو گے اور نہ ان کے دلوں میں شرم و توبہ کی جگہ غلامی کی جگہ ہے جو باہر کے خلاف کی جا رہی ہو تو میں تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔

جنید کے لشکریوں نے پڑاؤ کے کچھتے الاؤ پھر روشن کر دیے تھے۔ اب جگہ آگ مل رہی تھی اور سردی سے بچنے کی خاطر وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

درمنگت اور خان جہاں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھا۔ ان کے دلوں میں کوئی فیصلہ ہوا پھر خان جہاں نے کہا۔ ہم آپ سے وعدہ

کرتے ہیں کہ ہم رانا سنگھ کے لشکر میں شامل نہ ہوں گے اور نہ ہی کسی ایسے کلاں والے لشکر کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔
 لعل گے جو بابہ یا اس کے لشکر کے خلاف کی جا رہی ہو۔“

جنید نے قریب کھڑے ایک سپاہی کو مخاطب کر کے کہا: "ان دونوں کو کھول دو۔"

وہ سپاہی لپک کر آگے بڑھا اور ان دونوں کی رسیاں اس نے کاٹ دیں۔
جنید نے کہا: "اب تم دونوں آزاد ہو، تم جہاں چاہو جا سکتے ہو تم سے کوئی
پُرس نہیں۔ جواب طلبی اور محاسبہ نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنے گھوڑے اور اپنی
فاتحی اور قیمتی اشیاء لے جا سکتے ہو۔"

درمنگت اور خان جہاں کے چہروں پر چھایا باک و بیم اور خوف و ہراس کا
قدر جاتا رہا۔ انہوں نے اپنے خیموں سے اپنا ذاتی سامان لیا اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہوا
وہاں سے کوچ کر گئے۔ خان جہاں گننام ہو کر گئیں گوشہ نشین ہو گیا لیکن درمنگت اور
خلاقی کرتے ہوئے دوبارہ رانا سانگما کے لشکر میں جا شامل ہوا۔

جنید نے بھی کنارا اور موجودہ جنگ سے حاصل ہونے والے غنیمت کے
سے ایک بڑا حصہ بابر کو عائد کیا اور باقی اپنے لشکر میں تقسیم کرنے بعد شام تک
بھی گوالیار کی طرف کوچ کر گیا۔

بابر کا دس ہزاری جرنیل رحیم داود خان گوالیار پہنچ کر شہر سے باہر خمیہ زن ہو گیا۔ حاکم گوالیار ناتار خان سے اس کا رابطہ قائم ہو گیا تھا اور دونوں نے مل کر درمنگت خان جہاں سے گوالیار کا دفاع کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن چند ہی روز بعد تارخان جب یہ خبریں ملیں کہ بابر کے جرنیل خمیہ نے کندار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد درمنگت خان جہاں کو ذلت آمیز شکست دی ہے تو اس کے ذہن پر شیطان اور فتور سوار گیا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ درمنگت اور خان جہاں کی شکست کے بعد اس کے سارے خطرات ٹل گئے ہیں۔ اپنے اس احمقانہ عزم میں اس نے بابر سے کیے سارے عہد کو ڈالے۔ رحیم داود سے سارے رابطے اس نے منقطع کر دیئے اور شہر کے دروازے بند کر دیے۔

یہ فکر کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔
 رحیم داد اپنی جگہ معبود تھا۔ اس کے پاس جوش کڑھتا تھا اس کے ذریعے وقت تارخان
 نے بن کا میاب نہ ہو سکتا تھا اور پھر شہر سے باہر اس قدر رہند و جمع ہو رہے
 تھے اس کے لیے خطرات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تاہم وہ جنید کے انتظار میں گواہ
 باہر برابر پڑاؤ کیسے رہا۔

ایک روز رحیم داد اپنے لشکر کے اندر گھوم پھر کر اپنے لشکریوں کے حالات
 دے رہا تھا کہ ایک دم وہ چونک کھڑا ہوا۔ چند ہی قدم کے فاصلے پر جنید اپنے
 کو دوتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ رحیم داد فوراً اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور
 بڑی بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے مصافحہ کر رہے تھے۔ رحیم داد نے
 غیب سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اے امیر! آپ یہاں - آپ تو آگرہ سے درمگت اور خان جہاں کی سرکوبی کو
ہے تھے۔ آپ یہاں کیسے؟ کیا درمگت اور خان جہاں نے اپنی تباہی اور سخت
لمی اور سخت کر لیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو فہ استقبال قریب میں ہمارے لیے ایک
نہ کہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جبید نے بڑی نرمی سے کہا - " رحیم داد ! رحیم داد ! تم درمگت اور خان
 لاکو نہ کرو۔ ان دونوں کو میں نے کھلے میدان کے اندر شکست دے کر کھنڈر
 پر قبضہ کر لیا ہے۔ درمگت اور خان جہاں کے سارے لشکر کو تہ تیغ کر دیا گیا
 درمگت اور خان جہاں ہی زندہ بچے تھے، انہیں میں نے اس شرط پر ہاکو
 دے دونوں کبھی ہمارے خلاف جنگ میں حصہ نہ لیں گے۔ رحیم داد ! میں نے سدا
 اتنا اور خان گوالیار شہر کے اندر محصور ہو گیا ہے اور اب وہ ہمارے ساتھ فیصلہ کن
 لڑاؤ رہ رہتا ہے۔ "

رحیم داؤنے کہا: اے امیر! آپ نے درست سنا، تاتار خاں گوالیار شہر

کے اندر محصور ہو گیا ہے اور اب وہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے درپے ہے۔
نے وہ سارے عہد جو ہمارے ساتھ کیے تھے توڑ دیئے ہیں اور بغاوت و سرکشی
چکا ہے۔ تاتار خان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لیے مجھے آپ ہی کا اعتماد
شہر کے ارد گرد اس قدر مسلح ہندو جمع ہو گئے ہیں کہ میرے لیے یہاں بڑا دکانا بننا
ہو رہا تھا۔ ابھی مزید ہندو یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ بہر حال آپ کے آجانے ہمارے
اب ہر خطرے سے باہر ہے۔

جنید نے کہا۔ ”گوالیار شہر کے ایک بزرگ عالم اور درویش شیخ محمد نور
اپنا ایک آدمی بھیج کر مجھے ان سارے حالات سے پہلے ہی آگاہ کر چکے ہیں۔
رحیم داد! آسمان پر آج بادل پھر بادل گہرے ہو رہے ہیں اور امید ہے کسی دن
بھی بارش شروع ہو سکتی۔ سرمایوں بارشوں کا یہ سلسلہ چھ چھ سات سات
تک جاری رہتا ہے۔ ان حالات میں بارشوں اور سردی کے اندر ہم اس طرح ہر
پڑاؤ کر کے شہر کا محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں گے اور پھر مزید یہ کہ ہم دونوں کے
پاس قلعہ شکن سامان بھی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج رات ہم گوالیار کو فتح کر کے
شہر میں داخل ہو جائیں۔

رحیم داد نے حیرت، تعجب اور استعجاب میں پوچھا۔ ”اے امیر! یہ کیونکر ممکن
کہ ہمارے پاس قلعہ اور تفصیل شکن سامان بھی نہ ہو اور ہم گوالیار کو رات ہی رات
کر کے شہر میں داخل ہو جائیں۔ ہاں یہ اس وقت ممکن ہے جب گوالیار کی تفصیل
نہ ہو اور ہمارا مقابلہ دشمن سے کھلے میدان میں ہو۔

اے امیر! شاید یہ انکشاف بھی آپ کے لیے نیا ہو کہ تاتار خان کے ساتھ جو
شکر ہے اس کی تعداد ہمارے متحدہ لشکر سے بھی زیادہ ہے۔

جنید نے کہا۔ ”رحیم داد! اگر میں اپنی سپاہ کے ساتھ درنگت اور فال جاؤں
کے دس گنا سے بھی زیادہ لشکر کو ٹھکانے لگا سکتا ہوں تو تاتار خان اور اس کے لشکر
کی ان دونوں کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں۔ سنو رحیم داد! میرا لشکر یہاں سے

درنگت میں بیٹھا ہوا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہے کہ میں درنگت اور
بال کو شکست دیتے کے بعد یہاں گوالیار پہنچ گیا ہوں۔ تم ابھی اور اسی وقت
سفیر تاتار خان کی طرف روانہ کرو اور بجابت و منت سماجت کے انداز
پر کہلو کہ گوالیار شہر سے باہر ان گنت مسلح ہندو جمع ہو گئے ہیں۔ جن کے
میرے لشکر کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ کسی وقت بھی مجھ پر حملہ آور ہو کر
ہرگز ہرگز نہیں۔ لہذا صرف آج کی رات مجھے تفصیل کے اندر شہر کے دروازے

اپنے فانی محافظوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دو اور اگلے روز میں یہاں
پہنچنے کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کر جاؤں گا اور وہاں جا کر میں بابر کو بھی
اور اعتماد دلاؤں گا کہ تاتار خان ہمارا وفادار ہے اور اس کی حیثیت گوالیار میں
ایک ماتحت اور مخلص حاکم کی سی ہے۔ سفیر بھیجنے کے بجائے میں تو کہتا
ہوں کہ کسی طرح تاتار خان سے مل کر اپنی یہ عرضداشت پیش کرو۔“

رحیم داد نے سچ میں بولتے ہوئے کہا۔ ”لیکن وہاں شہر کے دروازے پر
بہر کر کے میں کیا کروں گا، اگر تاتار خان نے مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے
اور رات کے کسی حصے میں اس کی نیت خراب ہو گئی اور اس نے اپنے لشکریوں سے
اور میرے محافظوں کا صفایا کر دیا تب۔“

جنید نے کہا۔ ”ایسا نہیں ہوگا۔ تم پہلے بول پڑے ہو، ورنہ میری بات ابھی
بولی تھی۔ میں کہہ رہا تھا جب تاتار خان تمہیں شہر کے اندر رات بسر کرنے کی
اجازت دے دے تو تم وہاں جم جانا۔ جب اندھیرا ہو جائے گا تو میں اپنے لشکر اور تمہارے
دروازوں کو شہر کے اس دروازے سے قریب لے آؤں گا جس میں تمہارا قیام ہوگا۔
میں اسے باہر کی طرف دھیان رکھنا۔ جب میرے لشکر کے اندر جلتے پیروں کے تیر
پڑیں تو تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ دروازے کے محافظوں پر حملہ آور ہو کر انہیں
ملا کر دروازہ کھول دینا۔ اس وقت تک میں لشکر کے ساتھ بالکل دروازے پر
بٹھکا ہوں گا۔ دروازہ کھلنے کے بعد میرا کام شروع ہوگا اور میں تاتار خان سے

منٹ لوں گا۔

رحیم داد نے تو صیفی انداز میں جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”گولیاریز پر قبضہ کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”میں اب اپنے لشکر میں واپس جاتا ہوں۔ سورج غروب ہونے کے بعد پہلے تم تار سے مل کر یہ معاملہ طے کرنے کی کوشش کرو۔“

رحیم داد نے بڑی چاہت اور محبت سے کہا۔ ”اے امیر! کیا ایسا ممکن ہے کہ آج شام کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔“

جنید نے کہا۔ ”نہیں، میں زیادہ دیر تک اپنے لشکر سے باہر نہیں رہنا چاہتا۔ میرے لشکر بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے کیوں کہ میں ان کے ساتھ کو کھانا کھانے کا عادی ہوں۔“

جنید نے رحیم داد سے مصافحہ کیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ سے وہ کوچ کر گیا تھا۔ رحیم داد بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔

○

زمین کے بدن سے فور چھین گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد اندھ پھلنے لگا اور ہر شے موت کے ہیولوں کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ اجالوں کی مسکرت اپنی ذات کے شعور میں گم ہو گئی تھیں۔ ہر طرف محاط و محیط تاریکیوں کا قفس شرشر ہو گیا تھا۔

گولیاریز کا حکمران تاتار خان شہر کی تفصیل پر متعین اپنی حفاظتی سپاہ کا جائز لے رہا تھا۔ جب وہ ایک برج میں داخل ہوا تو ایک سپاہی بھاگا بھاگا اس کے پاس آیا اور اپنی پھولی سانس میں اس نے تاتار خان سے کہا۔ ”آقا! شہر کے دروازے پر بابر کا ہرنیل رحیم داد اپنے چند محافظوں کے ساتھ کھڑا ہے۔ وہ کھانا مسئلہ پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے اور آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔“

تاتار خان نے چند ثانیوں تک اس برج میں کھڑے ہو کر کچھ سوچا۔ پھر وہ محافظوں کے ساتھ تفصیل کے ادھر ہی آدھر چلتا ہوا شہر کے مشرقی دروازے پر آیا۔ اس سے وہ نیچے اترا اور دروازے کو محافظوں سے اس نے کہا۔ ”رحیم داد کو بلاؤ۔ میں دیکھوں وہ کیا کہتا ہے۔“

مشرقی دروازے کے محافظوں نے بڑے دروازے کے درمیان لگے ایک چھوٹے دروازے کو کھولا اور رحیم داد کو اکیلا اندر آنے کو کہا۔ رحیم داد جب اندر آیا تو تاتار خان آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ رحیم داد نے کہا۔ ”ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں کل یہاں سے آگرہ کی طرف کوچ کر رہا ہوں اور وہاں جاکر بابر کو یقین دلاؤں گا کہ تاتار خان ہمارا دفا دار ہے اور یہ کہ اسے گولیاریز کا حاکم رہنے دیا جائے۔“

تاتار خان نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم ایسا کر سکو تو تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔ بصورت دیگر میں گولیاریز شہر میں معصوم رہوں گا اور کسی کو اس شہر پر قبضہ نہ کرنے دوں گا۔ خواہ وہ بابر اور رانا سانگا ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے شہر کی عسکری قوت میں اضافہ کر لیا اور اسے مزید مستحکم کر کے میں پوری ریاست گولیاریز کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے اس کام میں اگر کسی نے رکاوٹ ڈالی تو اسے ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔“

تاتار خان جب خاموش ہوا تو رحیم داد نے کہا۔ ”میرا آپ سے ایک ذاتی کام ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تاتار خان جیسا عظیم اور فراخ دل حکمران انکار نہ کرے گا۔ رحیم داد نے تاتار خان کو اچھے لفظوں سے مخاطب کر کے ایک طرف اس کے جذبہ خود شناسی کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔

تاتار خان نے کہا۔ ”تم کہو، اگر تمہاری بات خلاف طبع نہ ہو تو ضرور مان جاؤ گا۔“ رحیم داد نے کہا۔ ”آپ جانتے ہیں شہر سے باہر آن گنت مسلح ہندو جمع ہو رہے ہیں۔ وہ بابر کے سخت دشمن ہیں مجھے خطرہ ہے کہیں وہ رات کے وقت حملہ آور ہو کر میرا خاتمہ نہ کر دیں۔ اس سلسلے میں آپ سے میں پناہ کی گزارش کرتا ہوں۔ میری

درخواست ہے کہ آج کی رات آپ مجھے گوالیار شہر کے اندر اس شرقی دروازے کی عمارت میں گھونسنے دیں۔ باہر کھڑے یہ چند محافظ بھی میرے ساتھ رہیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر میری یہ حقیر سی خواہش رد نہ کریں گے۔“

تاتار خاں نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اپنے محافظوں کے ساتھ اس شرقی دروازے میں رات بسر کرنے کی اجازت ہے۔ تم اپنے چند محافظوں کے ساتھ ہمارے لیے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے۔“

رحیم داد نے کہا۔ ”آپ کی اس مہربانی کا میں ممنون ہوں۔ کیا میں اپنے محافظ کو اندر بلاؤں۔“

تاتار خاں نے کہا۔ ”اپنے محافظوں کو تم اندر بلاؤ۔“

رحیم داد کے محافظ بھی اندر آگئے۔ تاتار خاں اپنی موجودگی میں شرقی دروازے پر رحیم داد اور اس کے محافظوں کا بندہ بست کر کے اپنے محافظوں اور نائبین کے ساتھ پھر شہر کی فصیل پر چڑھ کر وہاں متعین اپنے لشکریوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک برج کے قریب ٹپکتے ہوئے تاتار خاں نے اپنے ایک نائب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”یہ بابر کا دس ہزاری جرنیل رحیم داد بالکل احمق اور گدھا ہے۔ یہ خود ہی شکار بن کر ہمارے چنگل میں آکر پھنسا ہے۔ آج آدھی رات کے وقت شہر سے باہر نکلنے اس کے لشکر پر شب خون مارا۔ اور اس کے سارے لشکریوں کو تہ تیغ کر کے ان کا سامان لوٹ لیا جائے گا اور صبح ہوتے ہی رحیم داد اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر بھی قتل کر دیا جائے گا۔ میں اسے اسی وقت بھی قتل کر سکتا ہوں پر میں اسے رات یہاں بھر کرنے کی زبان دے چکا ہوں۔ رحیم داد کے لشکر کے ساتھ ساتھ جو مسلح ہندو شہر کے باہر جمع ہو رہے ہیں ان کا بھی مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے گا۔ یہ کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں اور میں گوالیار کے لیے خطرات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔“

تاتار خاں تھوڑی دیر مرنے کے بعد پھر کہہ رہا تھا۔ بابر کو جب رحیم داد اور اس کے سارے لشکر کی ہمارے ہاتھوں تباہی اور بربادی کی خبر ہوگی تو اس کے پاؤں تلے سے

پل جائے گی اور وہ مستقبل میں کوئی دوسرا لشکر گوالیار کی طرف بھجوانے کی کوشش نہ کرے گا۔ گوالیار رانا سانگا تو بابر کا جرنیل جنید رانا سانگا کے دونوں نامور جرنیل درمنگت اور خان کو شکست دے چکا ہے۔ اور ان دونوں کے لشکر کا بھی اس نے مکمل طور پر بابر دبا ہے۔ اب رانا سانگا بھی جلدی میں ہمارے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔ اور اسے نشتہ کے بجائے اپنی جنگی قوت میں اضافہ کر کے بابر کو ہندوستان سے نکلانے کی مش کمرے گا۔ اس طرح بابر اور رانا سانگا دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار جائیں گے اور ہمیں ان دونوں کے خلاف اپنی عسکری حیثیت مضبوط کرنے کی مہلت بائے گی۔“

تاتار خاں پھر ذرا کا اور اپنے نائبین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے تحسین و توصیف راز شاہ و ستائش طلب کیا۔ ہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم لوگوں کا میری ان تجاویز سے متعلق کیا خیال ہے۔“

ایک نائب نے کسی قدر جگر داری اور مردانگی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”آقا! کچھ آپ کے تجویز کیا درست اور مناسب ہے لیکن مناسب ہے بابر کے ہراول لشکر کا جرنیل جنید بن سمریک اپنی بھالت و بھالت عسکری چالاکی، جنگی مہارت میں بے مثل ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ سورماؤں کا سوراہے باکوں کا بے باک اور دلاور کا دلاور ہے۔ درمنگت اور خان جہاں سے فراغت پانے کے بعد اگر اس نے رحیم داد کی مدد کرنے کے لیے ادھر کا رخ کیا تو پھر ہماری حالت کیا ہوگی۔ جب کہ گوالیار میں یہ خبریں بھی پہنچ گئی ہیں کہ اس نے درمنگت اور خان جہاں دونوں کو جنگ میں زخمی کر دیا اور دونوں کو سیڑیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے دونوں کو اس وعدہ پر رہا کر دیا کہ وہ دونوں آئندہ رانا سانگا کے لشکر میں شامل نہ ہونگے ان کی خونخواری کا اندازہ لگاتے ہوئے ذرا یہ سوچئے کہ اگر اس نے ہمارا رخ کیا تو ہماری کیا حالت ہوگی۔“

تاتار خاں نے اپنے اس نائب کو جھڑک دینے کے انداز میں کہا۔ ”ہماری حالت

ایسی بُری نہ ہوگی جس قدر تم اندازہ لگا رہے ہو۔ درمگلت اور خان جہاں کو کھلے میدان میں اس کا سامنا تھا لیکن ہم یہاں گویا راکٹ کے قلعے میں محصور ہیں۔ اول تو وہ راکٹ کا رخ ہی نہ کرے گا اور اگر آیا بھی تو شہر میں محصور رہ کر اس کی ہر تدبیر کو ناکام بنا دیں گے تم سب لوگ اپنی تیاریاں مکمل کر لو۔ آج آدھی رات کے وقت رحیم داد کے لشکر پر شب بونہل مارا جائے گا اور ایسا کرنے میں ہی ہمارا بقا اور ہماری بہتری ہے۔ پھر تاتار خان تفصیل سے اُتر کر شہر کے قلعے میں اپنی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔

○

رات فطرت کے رازوں کے صحائف لیے نازل ہو گئی تھی۔ دشت و کسار کا ہنسنے تارکیوں میں ڈوب گئیں۔ ہر شے کی آنکھوں میں ویرانی اور روح میں پریشانی کھل گئی تھی۔ گویا راکٹ کے رہنے والے گہری میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے۔ تفصیل سے باہر رحیم داد کے لشکر پر شب خون مارنے کے لیے تاتار خان کے لشکر میں ابھی حرکت شروع نہ ہوئی تھی۔ دوسری طرف جنید کسی بے آواز میوے کی طرح حرکت کر کے اپنے ادر رحیم داد کے لشکر کو شہر کے مشرقی دروازے کے قریب لے آیا تھا۔

مشرق دروازے میں پناہ لینے والا رحیم داد فکر مندی سے جاگ رہا تھا کہ اس نے اپنا فرض ادا کرنا تھا۔ اس کے ساتھی بھی سچو کس اور بیدار رہ کر اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ مشرقی دروازے کے محافظوں نے آگ کا الاد روشن کر رکھا تھا اور وہ اس کے گرد بیٹھے باتیں کرنے کے علاوہ دروازے کی حفاظت کا کام بھی سرانجام دے رہے تھے۔

رحیم داد اُٹھ کر باہر آیا اور الاد کے قریب آتے ہوئے اس نے محافظوں سے کہا: جانے کیا بات ہے۔ آج رات مجھے نیند نہیں آرہی کیا میں تم لوگوں کے ساتھ یہاں آگ کے پاس بیٹھ کر یہ تاریک اور اندھیری رات گزار سکتا ہوں؟

ایک محافظ نے کہا: فرما تمہارے منظر ہر کرتے ہوئے کہا۔ ضرور! اصرار آپ یہاں ہمارے پاس آگ کے پاس بیٹھیں بلکہ آپ کا کوئی ساتھی جاگ رہا ہو تو اسے بھی بلا لیں۔ آپس میں باتیں کرنے سے ہمارا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔

رحیم داد کے ساتھی جو جاگ رہے تھے پہلے ہی باہر آنے کے لیے ایسے کسی بہانے کی لاش میں تھے۔ رحیم داد نے اس محافط کے کہنے پر جب ان کو آواز دی تو وہ سارے اُٹھ کر آگ کے پاس آکر بیٹھ گئے اور ان میں سے ایک داستان گو کے فرائض ادا کرتا ہوا ان سب کو کوئی قدیم اور پرانے وحشی قبائل کی طرح داستان سنانے لگا تھا۔

وقت گزرنے لگا لیکن رحیم داد کی نگاہیں بار بار نضاؤں کا جائزہ لیتی تھیں اور کان باہر کی آوازیں پر لگے ہوئے تھے۔ اسے جنید کی طرف سے انقلاب کا انتظار تھا۔

تھوڑی دیر بعد تفصیل سے باہر چانک نضاؤں کے اندر چلتے پڑوں کا ایک تیر بند ہوا۔ اس تیر کو دیکھتے ہی تفصیل کے اوپر کسی محافط نے زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ "خبردار! ایسا لگتا ہے دشمن ہم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ آگ کے پاس بیٹھا رحیم داد بھی سنبھل گیا۔ داستان گو نے اپنی داستان کہنا بند کر دی تھی۔ پھر آگ کے پاس بیٹھے ایک محافط نے حیران و مضطرب انداز میں اپنے سامنے بیٹھے رحیم داد سے پوچھا۔ "شہر پر حملہ آور ہونے کا خدشہ تو ہمیں صرف آپ کی طرف سے تھا۔ آپ یہاں ہیں۔ اب شہر پر حملہ آور ہونے والا اور کون ہے؟"

رحیم داد نے فوراً کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ شہر سے باہر جمع ہونے والے مسلح ہندوؤں نے شہر کے اندر رہنے والے ہندوؤں سے ساز باز کر کے شہر پر حملہ کر دیا ہو؟" اس محافط نے کہا: "ہاں یہ بھی ممکن ہے۔"

اچانک رحیم داد چونکتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا کیوں کہ مشرقی دروازے کے قریب شہر سے باہر اسے گھوڑوں کے منہانے اور نتھنے پھڑپھڑانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ جس کا مطلب تھا جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے دروازے پر آ گیا تھا۔

رات بے چاند اور گہری سیاہ تھی۔ کالے سیاہ اندھیروں کے اندر کچھ پتہ نہ مل رہا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ تاہم تفصیل کے اوپر ایک شور اور ہنگامہ ضرور کھڑا ہو چکا تھا۔ آگ کے جلنے والی روشنی میں رحیم داد نے اپنے منہ کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو حرکت میں آنے کو کہا۔ وہ طوفان کی طرح اُٹھے اور اپنی تلواریں کھینچ

کہ انہوں نے شہر قی دروازے کے سارے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور
کہ انہوں نے شہر پناہ کا وہ دروازہ کھول دیا۔

شہر پناہ کا دروازہ کھلنا تھا کہ گویا شہر کے لیے ایک انقلاب برپا ہو گیا
اپنے لشکر کے ساتھ یوں شہر میں داخل ہوا جیسے سرکشی اور بغیانی پر آئے ہوئے
دربار کے سارے بند ٹوٹ گئے ہوں اور پانی بے انت قوت کی طرح ہر سو پھیل گیا
شہر میں داخل ہوتے ہی جنید نے ہر اس ہتھیار بند کو کاٹنا شروع کر دیا تھا جس نے
کی راہ روکنے کی کوشش کی تھی۔

تاتار خان کو بھی جنید کے شہر میں گھس آنے کی خبر ہو گئی تھی لہذا اس نے
لشکر کا نظم و نسق درست کر لیا تھا جس کے ساتھ اس نے شہر سے باہر حیم دار
لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ کر رکھا تھا اور اب خود اس پر شب خون مارا
جتنی دیر تک تاتار خان اپنے اس لشکر کو درست کر کے جنید کا سامنا
وقت تک جنید دھواں دھواں آفاق کے اندر گویا گم روشنی کے نشانات کی تا
میں کسی آفتاب جہاں تاب کی طرح چھا گیا تھا۔ وقت کا تیز و مسافر و تلخ حقا
ممندر بن کر اس نے دشمن کو لمحہ لمحہ پھیلانے کا عمل شروع کر دیا تھا۔ اپنی قوت
اور کوئی بطلان میں اس نے نگر نگر کو مددگار دشمن کے احساس و حواس پر دھم
ضمیر کو اندھا کر دینے والی کالک مل دی تھی۔

رات کی تاریکی میں اہل گویا کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے ذہن کے
میں کسی نے پتھر پھینک مارا ہو۔ لمحوں کے اندر جنید نے شہر میں پھیلے اور
اوپر متعین سارے لشکروں کو یوں ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ جیسے خشک لکڑی
میں پڑتے ہی اپنے خاتمے کے لیے تیزی کے ساتھ آگ پکڑ لیتی ہے۔

شہر کے اندر اور فصیل سے دشمن کو صاف کرنے کے بعد جنید نے
اپنے لشکر کی مقہر کر دیے اور حیم دار کو اس کی نگرانی پر لگا دیا۔ خود وہ
طرف کھلے اور وسیع میدان کی طرف بڑھا۔ جہاں تاتار خان مقابلے کے لیے

نہایت تیار کر چکا تھا۔ دہر کے کردار کو بدلتے ہوئے اور طوفانوں کو اپنا چہرہ بنا
دے جنید تاتار خان پر بھی حملہ آور ہو گیا۔

شروع شروع میں تاتار خان نے جوش و جذبے کا اظہار کرتے ہوئے جنید
اور طوفانی یلغار کو روکنے کی کوشش کی لیکن جب جنید نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کے
لشکر پر تکلیف دہ جراحاتوں کا عمل شروع کیا اور جب اس کے لشکر کی جنید کے سامنے
روزانہ شیش محل کی طرح گرنے اور ٹوٹ ٹوٹ کر بھرنے کے عمل کا شکار ہونے لگے
تو تاتار خان کے جذبات کے طوفان کی دوپہر ٹھلنے لگی۔ ذہن و حواس پر اوپس پڑنے
لگی اور اس کی سوچوں، اس کے خیالات کے اندر جنید سے سنگ بدست خون جان
نے مصداق نظر آنے لگا۔ حالات کی تلخیوں اور مستقبل کے اندیشوں کے باعث تاتار خان
لو اپنی ہمتی تک خطرے میں نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر تک جنید مکمل طور پر اس کے لشکر پر چھا گیا۔ تاتار خان نے بھگنے
کی کوشش کی لیکن زندہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کے لشکر کا جنید نے مکمل طور پر صفایا
کر دیا تھا۔ تاتار خان کو باہر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ باہر نے رحم دلی سے کام
ایا اور اس کے گناہ معاف کر کے اسے ایک عمدہ اور آباد جاگیر عطا کر دی تھی۔

جنید رات بھر شہر کا نظم و نسق درست کرتے، اپنے لشکریوں کے آرام اور مال
بمت ان کے اندر تقسیم کرنے میں مصروف رہا۔ دوسرے روز وہ راجہ بکرا جاہلیت
کے محل سے ملحقہ کھلے تربیت کے میدان میں آیا اور وہاں راجہ کے لیے نبی شناسین پر
بٹ گیا۔ شہر کے معززین کے علاوہ مندروں کے پرہیت اور پنڈت وہاں اس
کے گود آ جمع ہوئے اور اپنی اپنی تائید اور وفاداری کا یقین دلانے لگے۔ ان میں
یوگر کو جنید کے خلاف بھڑکانے اور اس کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنانے والا
مٹ گووند بھی شامل تھا اور وہ جنید کے بالکل قریب کھڑا اپنی چرب زبانی سے جنید
کے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگوں سے گفتگو کرتے کرتے اچانک
میدانے راجہ بکرا جاہلیت کے اہل خانہ اور رفقاء کو لانے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد جنید کے سامنے کنپل، کرن، کیدار، مالدیو اور سیوداس کو لایا گیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر جنید نے سیوداس، مالدیو اور کیدار سے مصافحہ کیا۔ اس نے ایک نگاہ کنپل پر ڈالی۔ اس کا حسن اس کی خوب صورتی ویسی ہی تھی جیسے اس کے پاس کھڑے کسی شعلہ رخ کے دکتے رخسار، جیسے رنگوں کی بارش، قوس و قزح کا روپ، جیسے جھرنے کی اچھل کود، جوان ندیوں کی شوخی، جنید کے آجلنے کی خوشی میں وہ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

جنید کو دیکھ دیکھ کر وہ لمبوں کی زرد کاوشوں کی طرح رس وارا اور چاہوں کی کاسنی بدلیوں کی طرح بار آور ہو گئی تھی۔ وہ خوابوں کی خوش رنگ پنہائوں کی طرح تبسم بہ لب تھی۔ اس کے حسن کی سچ صبح، اس کے جوان جسم کی تمازت جیسے رنگین قباؤں اور بے آواز و خاموش شہر میں چا مہیوں کے کمرانے گردوش لیل و نہار جیسا ایک کمرام برپا کر دیا ہو۔ اس کے حسین لبوں پر نغموں کے کئی قافلے تڑپ مچ رہے تھے۔ شاید وہ جنید سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پر اتنے آدمیوں کی موجودگی میں وہ کہہ نہ پا رہی تھی اور ایسی لگ رہی تھی جیسے شیشے کے نازک جام کے اندر قمری رنگ کے پھول سجا کر رکھ دیئے گئے ہوں۔

جنید نے جب مالدیو، سیوداس اور کیدار کو اپنے ساتھ بٹھایا تو کنپل بھی کرن اور اپنے ماموں سیوداس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ چند ثانیوں تک ان پر خاموشی طاری رہی پھر جنید نے دھک بھری اور مغموم آواز میں کہا: "کیدار، مالدیو، کنپل! مجھے تم تینوں کے مانتا ہوتا ہے مرنے کا دکھ ہے۔ کامن میں تم لوگوں کے کسی کام آ سکتا۔ جنید کی طرف سے اس ہمدردی پر کنپل بے چاری سسک سسک کر رونے لگی تھی جب کہ مالدیو اور کیدار اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ سیوداس کنپل کے سر پر ہاتھ سے ہاتھ پھیر کر اسے چپ کرانے لگا تھا جب کہ کرن نے آگے بڑھ کر کنپل کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اس موقع پر قریب کھڑا پنڈت گوند بھی کچھ اداں ہو گیا تھا۔

جنید پھر کہہ رہا تھا: "مجھے افسوس ہے کہ تاتا خان کے گویا پر قابض ہو جانے باعث تم لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تاتا خان کو میں نے گرفتار کر کے باہر لے کر لے دیا ہے۔ چند یوم تک میں خود بھی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میرا جرنیل حیم داداب گویا خان کا حکمران ہو گا۔ تم سب اپنے محل میں ویسی ہی آسائش و آسائش اور فراغت و سہولت کے ساتھ رہو گے جس طرح تم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے۔ یہاں سے کوچ کرتے وقت میں حیم داد کو تمہارے متعلق بتانا جاؤں گا۔ وہ تمہارا لایکے گا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد جنید نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیدار! یاد آتا ہے؟ میں علم جو تمہارے ماما اور پتانے کنپل کو میرے ساتھ منسوب کر دیا تھا۔ میں اس کا گے ساتھ متوقع جنگ سے فارغ ہونے کے بعد کنپل سے شادی کر کے اسے اپنے قمار گاہے جاؤں گا۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی اعتراض ہے۔

کیدار اور قریب کھڑے پنڈت گوند کے چہروں پر کچھ اداں، گماہ، بیزاری، اکتاہٹ و نفرت و ناگہاری کے کئی جذبے آمد و رفت کر گئے۔ پھر کیدار نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے ہاتھ دھو کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ "میرا ارادہ میری خواہش تو تھی کہ کنپل میری اکلوتی بیوی بن جائیں اور ان کی طرح گویا خان کے اس ہمارے آبائی محل سے رخصت ہوتی۔ اس کے لیے ابھر رہا جاتا لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان نئے اور انقلاب زدہ حالات میں ہماری کوئی خواہش اور مانگ پوری نہ ہوگی اس لیے کہ۔

کیدار کی بات ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ کنپل نے فوراً بیچ میں بولتے ہوئے کہا: "میرا مطلب یہ ہے کہ میں اس کا جواب دیتی ہوں۔ میں اب ہندو نہیں مسلمان لٹکی ہوں۔ اب نام اب کنپل نہیں کلثوم ہے اور میری شادی اسی طریقے سے ہوگی جس طریقے سے جنید نے کی۔ میری ماما کو بھی میرے اس اسلام قبول کرنے کا علم تھا لیکن ان کی موجودگی میں ان کی رہی کہ وہ میری بہتری کے خواہش مند تھے۔ اب ماما تباہ کے بعد مجھے اپنے متعلق

کیا کرنا ہے۔ اس کا فیصلہ میں خود کروں گی۔“

جنید نے ایک بار اس ہیرے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ گلابی رنگ کا بہت بڑا ہیرا
 اور یہ وہی ہیرا تھا جو بعد میں ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ لگا اور آج کل برطانوی تاج کی زینت
 (جنید ابھی اس ہیرے کو دیکھ رہا تھا کہ کنپل نے اپنی کمر سے تھیلی کھولتے ہوئے کہا۔ یہ
 پشت در پشت ہمارے خاندان میں چلتا آ رہا ہے۔“

پھر کنپل نے اپنی نازک کمر سے بندھی تھیلی بھی کھول کر جنید کو تھماتے ہوئے کہا۔ یہ
 لکڑیوں۔ اس میں وہ ہیرے ہیں جو میری ماں نے مرنے سے قبل مجھے دیئے تھے۔ وہ میری
 دکان پر یہ سب آپ کو دینا چاہتی تھیں۔ اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ میں ان کی حفاظت
 کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ یہ مجھ سے چھن جائیں گے۔“

جنید نے تھیلی لے لی اور بڑا ہیرا بھی اس میں ڈالتے ہوئے اس نے کنپل سے
 کہا۔ میں ان ہیروں کا کیا کروں گا۔ یہ پاک بھی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ یہ ایسے قیمتی
 لکڑیوں کی انہیں خرید ہی نہ سکے گا۔“

کنپل نے کہا۔ میں نے تو آپ کو دینے تھے دے دیئے۔ اب آپ آگے ان
 سے جو جس کو چاہیں تحفہ میں دے دیں۔ یہ بڑا ہیرا تو اس قابل ہے کہ کسی بادشاہ کے
 تاج کی زینت بنے۔“

جنید نے کہا۔ تو یہ میں باہر کے بیٹے اور اپنے بہترین دوست ہمایوں کو دے
 گا۔ وہ اسے پاکر خوش ہوگا۔ کل کو وہی ہندوستان کا بادشاہ بنے گا اور یہ ہیرا اس
 تاج کی زینت بنے گا۔“

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں دے دیں، اب مجھے ان ہیروں کی ضرورت
 مجھے صرف آپ کی خوشی دکھار ہے۔ ان ہیروں کا ذکر گیار بھائی سے نہ کیجئے۔ ماما
 بعد اب میری عزایت میں بھائی مالدیو، مامل اور کرن ہی رہ گئے ہیں۔

اس بار سیو داس نے بولتے ہوئے کہا۔ جنید! جنید! میرے بیٹے! اب میں
 کنپل اور کرن کا بڑا ہوں۔ کیدار کا نام میں نے اس لیے نہیں لیا کہ وہ میرے کہنے
 نہیں ہے۔ تم جلنے ہو، حالات اب کیسے دیگر گوں ہو گئے ہیں۔ مگر ماجیت اور

کیدار نے ایک بار پنڈت گووند کی طرف دیکھا۔ ماما بول ہی نکالوں میں گووند
 کوئی فیصلہ کیا۔ پھر کیدار نے جنید کو غما طب کرتے ہوئے کہا۔ کنپل کی خوشی ہماری خوشی ہے
 جس طرح یہ کہے گی ہم اسی پر رضا مند ہیں۔ جنید کچھ کہنے والا تھا کہ ایک طرف سے اس کا
 آتما دکھائی دیا۔

جنید نے آگے بڑھ کر احمد یوسف سے مصافحہ کیا۔ اس دوران پنڈت گووند اور
 کواٹاروں سے کوئی معاملہ طے کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر پنڈت گووند نے جنید سے
 ”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر کے لیے کیدار کو اپنے ساتھ مندر لے جاؤں
 جنید نے خوش طبعی سے کہا۔ ہاں لے جاؤ مجھے کیا اعتراض ہے۔ کیدار اور
 گووند چلے گئے۔ جنید نے احمد یوسف کو اپنے ساتھ شہ نشین پر بٹھا لیا تھا۔

کیدار جب پنڈت گووند کے ساتھ چلا گیا تو کنپل نے پہلی بار جنید کو مخاطب کر
 ہوئے کہا۔ ”شاید آپ کو یاد ہوگا۔ اگر وہ کے قیام کے دوران ایک روز ماما جی نے
 کو شادی پر ایک قیمتی تحفہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک ہیرا ہے جو پوری دنیا میں
 سے بڑا اور قیمتی ہے۔ وہ اب میرے پاس ہے۔ میں اب اس کی حفاظت نہیں کر سکتا
 مجھے خطرہ ہے وہ مجھ سے چھن جائے گا۔ لہذا آپ اسے ابھی سے اپنے پاس رکھ لیں۔
 میں میری ہی نہیں، بھائی مالدیو، کرن اور مامل سیو داس کی رضامندی بھی شامل ہے۔
 پھر کنپل نے اپنی کمر سے بندھی تھیلی سے ایک بڑا ہیرا نکالا اور جنید کو تھماتے
 کہا۔ ”یہ رکھ لیں۔“

گلابی رنگ کا یہ بڑا ہیرا کوہ نور ہیرا تھا جو بعد میں ہمایوں کو تحفہ میں دیا گیا۔ پھر
 کے اقتدار میں یہ ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ لگا۔ شروع میں اس کا وزن ۳۲۰ مثقال (۱۸۹ گرام) تھا۔
 تھا۔ بہت سے گرم سرور دیکھنے اور تراش تراش کے بعد اب اس کا وزن ۱۸۹ گرام
 ہے۔ اب یہ برطانوی تاج کی زینت ہے۔

میری بہن زندہ ہوتے تو مجھے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن اب میں کنپیل سے متعلق فکر مند ہوں۔ جتنی جلد ہو سکے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ بیٹے! شاید تمہیں علم نہ ہو کہ آگرہ سے یہاں آنے والے مال دیوار کرن کی شادی کر دی تھی۔ سب کی خواہش تو یہ تھی کہ تم چاروں کی شادی اکٹھی ہو۔ لیکن اچانک بدل جانے والے حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا کرنا پڑا میرا ہے بیٹے! کہ تم بھی اب کنپیل سے شادی کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

جنید نے کہا: ”آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں رانا سانگے سے متوقع جنگ سے نا ہونے کے بعد آگرہ میں اپنے لیے کسی حویلی کا بندوبست کروں گا۔ پھر کنپیل کو آکر جاؤں گا۔ اس وقت تک کنپیل آپ کی حفاظت میں رہے گی۔ ویسے آپ کوئی اندیشہ کریں۔ گوالیار کا نیا حاکم رحیم داد بھی آپ لوگوں کا خیال رکھے گا۔ میں نے رحیم داد کو اپنے ساتھ سمجھا دیا ہے۔ وہ قلعے کے اندر قیام کرے گا۔ جب کہ یہ محل آپ لوگوں کے میں ہی رہے گا۔“

اس بار کنپیل نے جنید سے پوچھا: ”آپ اب کتنے روز یہاں رہیں گے؟“ جنید نے کہا: ”میں آج شام یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔“

کنپیل کچھ ماند اور اُداس پڑ گئی تھی۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا وہاں بیٹھے بیٹھے جنید جب سارے انتظامی امور نمٹا چکا تو وہ کنپیل، کرن، مال دیوار سیو داس کے ساتھ محل میں آیا۔ شام تک وہ ان کے ساتھ رہا۔ کھانا بھی ان کے ساتھ پھر رحیم داد کو شہر کا حاکم مقرر کرنے کے بعد جنید اپنے شکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا۔



پنڈت گوند کیدار کو لے کر مندر کے احاطے میں اپنے کمرے میں آیا اور وہاں گدی دار نشستوں پر آرمے سہنے بیٹھ گئے۔ پنڈت گوند اس وقت انتہائی غصہ اور خفگی و کڑوہ میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے براہِ فرحتگی میں کہا: ”کیا یہ گوالیار کی ساری ہندو برادری کے لیے ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے؟“

کیا یہ گوالیار کی ساری ہندو برادری کے لیے ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے؟

بلی باجاری کنپیل مسلمان ہو گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسی دھرم ادھیان کے باعث راجہ بیت جنگ میں مارا گیا اور گوالیار سارے ہاتھوں سے نکل کر باہر کے پاس چلا گیا۔ پھر ہوں یہ سب کچھ جنید کی وجہ سے ہوا۔ نہ وہ یہاں آتا، نہ کنپیل کے شریک و چھو کر اس کے ساتھ جاتا، نہ کنپیل اس سے محبت کرتی اور نہ ہی وہ اپنے دھرم سے باغی ہوتی۔ اس نے اور کیا ایمان ہو گا کہ اس نے ہم سب کی موجودگی میں انتہائی دلیری اور جرأت کر دیا کہ وہ ہندو نہیں مسلمان ہے اور یہ کہ اس کا نام کنپیل نہیں کلثوم ہے۔ میں مانا ہوں کہ کنپیل کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں تمہارے محل کا داروغہ احمد یوسف نال ہے۔ میں اس اپراوھی کو قتل کر دوں گا۔“

کیدار نے کہا: ”جنید کو تو ابھی تک آپ ٹھکانے نہیں لگا سکے تو احمد یوسف کو گالیاں سنیں میری بات غور سے سنیں۔ احمد یوسف کو قتل کرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ شکر مسلمان ہے لیکن اس کے باوجود مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ وہ شروع سے ہمارے ساتھ ہے۔ ہم بچپن سے اب تک اس کے ساتھ رہے۔ ہمارے ساتھ وہ نڈر اور مہربان رہا ہے۔ اسے نہ چھیڑنا، ہاں جنید کا کچھ کر سکتے ہیں تو کریں۔“

پنڈت گوند نے کہا: ”تم فکر نہ کرو کیدار! جنید بھی بہت جلد ٹھکانے لگے گا۔ جو بدشکاری بھائی جنید کو قتل کرنے کے لیے میں نے جنید کے پیچھے لگائے تھے ان کی طرف گئے تھے۔ وہ اسے قتل کرنے کے لیے مواقع تلاش کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان کا سب موقع نہ ملنے پر وہ اسے ٹھکانے نہیں لگا سکے۔ اس لیے کہ وہ اسے کہیں ملنا قتل کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی ان پر گرفت نہ کر سکے اور ان کے پکڑے جانے اور پھر کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ وہ دونوں بھائی جنید کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں گوالیار تک آئے ہیں۔ اس وقت بھی وہ دونوں مندر میں موجود ہیں۔ ان دونوں نے جنید کو گوالیار میں قتل کرنا چاہا لیکن میں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔“

کیدار نے تیز لگا ہوں سے پنڈت گوند کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”آپ نے انہیں قتل کرنا ایسا کرنے سے کیوں منع کر دیا۔“

ہنڈت گوند نے کہا۔ ”تم ابھی بالک (بچے) ہو۔ دور اندیشی نہیں جانتے۔ ہندو اگر گوالیار میں قتل ہو جاتا تو اس کے لشکر کو یقین ہو جاتا کہ یہ قتل ہندوؤں نے کیلئے۔ لہذا اس کا لشکر اس کا انتقام لینے کے لیے گوالیار کے ہندوؤں کا قتل عام شروع کر دیتا۔ اس طرح نہ تم بچتے اور نہ میں۔ میں ان دونوں بھائیوں کو پھر جنید کے پیچھے روانہ کر رہا ہوں اور وہ بہت جلد اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اس طرح ہم سارے پنجاب سے بچ جائیں گے اور کنپل کو ہم دوبارہ اپنا دھرم اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔“

کیدار نے کہا۔ ”اگر کنپل نے اپنے دھرم میں آنے سے انکار کر دیا تب“ ہنڈت گوند نے کہا۔ ”تو پھر اس پر سختی بھی کی جاسکتی ہے۔“

کیدار نے کہا۔ ”ایسا کیوں کر ہو سکے گا۔ جنید کا جرنیل رحیم وادیال کا حاکم اور اس کی موجودگی میں ہم کنپل پر کیسے جبر کر سکیں گے۔ جنید کے بعد وہ کنپل کی حفاظت کا خیال رکھے گا اور اگر ہم نے کنپل پر تبدیلی دھرم کے سلسلے میں سختی کرنے کی کوشش کی تو رحیم وادہم سب کا خاتمہ کر دے گا اور پھر گوالیار پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد یہاں کا مسلمان اگر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کو جبر خبر ہوگی کہ گوالیار کی راجہ ماری مسلمان ہو چکی ہے اور اس پر جبر کر کے دوبارہ اسے اس کے آبائی دھرم پر لایا جا رہا ہے تو یہ مسلمان ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

ہنڈت گوند نے سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ”ہاں یہ بات تم نے مغول کہی۔ رحیم داد کی موجودگی میں ہم یہاں کچھ نہ کر سکیں گے۔ میری مانو تو تم کنپل کو یہاں سے نکال لے جاؤ۔ اپنے بھائی مالدیو، کرن اور سیو داس کو یہیں رہنے دو۔“

کیدار نے کہا۔ ”میں کنپل کو کہاں لے جاؤں؟“ ہنڈت گوند نے کہا۔ ”سنو کیدار! چتوڑ شہر سے پانچ میل مشرق میں ایک ایشور مندر ہے۔ وہاں کا بڑا ہنڈت میرا خوب جاننے والا ہے۔ اس کا نام آتمارام ہے اور وہ میرے بہترین دوستوں میں سے ہے۔ تم کنپل کو وہاں لے جاؤ۔ یہاں سے اپنے دوست بھائی ہنڈت بھی روانہ کر دوں گا۔ وہ وہاں تک نہ صرف

پہنچائی کی رہنمائی کریں گے بلکہ وہاں تم دونوں کا خیال بھی رکھیں گے۔ وہ دونوں وہاں اپنے مذہب کی ترغیب دے کر کنپل کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانے کی کوشش کریں گے اور جب کنپل اپنے دھرم میں واپس آجائے گی تو راجہ ماریوں کی طرح وہاں کا سونہر رچائیں گے اور اسے کسی کھشتی سوار سے بیاہ دیں گے۔“

کیدار نے گہرے تفکرات سے بھٹکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن کنپل کو یہاں سے نکال لے انسان نہیں۔ ایک تو میرا بھائی مالدیو، ماموں سیو داس اور کرن اس امر کی سخت تکرر کریں گے۔ دوسرے رحیم داد کو جنید بتا چکا ہے کہ کنپل اس کی منگیتر ہے وہ ہر لہ کا خیال رکھے گا اور کنپل کو کیوں کر ہمیں یہاں سے لے جانے دے گا۔“

ہنڈت گوند نے کہا۔ ”کیدار! یہ بات بھی تم نے خوب کہی۔ پر اس کا بھی حل ہے۔ جس روز کنپل کو یہاں سے لے جانا ہو گا اس روز تم رحیم داد کے پاس جانا کہنا کہ میں کچھ عرصہ کے لیے چتوڑ جانا چاہتا ہوں اور جانے سے پہلے میں اپنی بہن کو دینا چاہتا ہوں۔ لہذا چتوڑ جانے سے پہلے میں کنپل کو جنید کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ وہ شادی کر کے کنپل کو اپنے پاس رکھے اور میرے سر سے فرض بھگہ لگا ہو جائے۔“

کیدار نے کہا۔ ”ہاں یہ درست ہے۔ ایسا کر کے ہم کنپل کو یہاں سے نکال لے سکیں گے۔ لیکن مالدیو، کرن اور سیو داس کا بھی تو کچھ کرنا ہوگا۔“ ہنڈت گوند نے استغناء میں انداز میں پوچھا۔ ”ان کا کیا کرنا ہوگا، وہ یہیں اپنے گھر رہتے ہیں۔“

کیدار نے کہا۔ ”یہ بات نہیں، میرے کہنے کا مطلب ہے انہیں بھی اپنے ترغیب و ترویج کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ میں محسوس کرتا ہوں وہ بہت جلد جنید اور کنپل سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر یا تو مسلمان ہو چکے ہیں اور اگر نہیں ہوئے تو مستقبل قریب میں وہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ میں ان کے لیے یہاں سے اپنے دوست بھائی ہنڈت کی حركات نے مجھے ان سے متعلق مشکوک کر دیا ہے۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”تم ان تینوں کا فکر نہ کرو۔ میں تمہارے بعد انہیں ان اصل پر لے آؤں گا۔ ہم رات کے وقت تمہیں اور کنپل کو محل سے نکالیں گے۔ ان تینوں کو خبر ہی نہ ہو۔“

کیدار نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ ”جب ان کو خبر ہوگی کہ میں کنپل کو لے کر چلا گیا ہوں تو وہ ضرور اس کی اطلاع حاکم گوالیار رحیم داد اور جنید کو کریں گے اور جنید کو جانتے ہی ہو، وہ اگر میرے پیچھے لگ گیا تو قبر تک میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ کنپل کو مجھ سے لے جاتے گا اور ہو سکتا ہے کہ میرا خاتمہ کر دے کیونکہ وہ پہلے ہی میرے سلوک اور رویے سے نالاں اور بیزار ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں ان تینوں اپنے ساتھ لے جاؤں اور انہیں اپنا ہم خیال بنائے رکھنے کی کوشش کروں گا۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”تم ان تینوں کی فکر نہ کرو۔ انہیں میں ایسی جگہ لگا جہاں وہ آرام اور سکون سے رہیں گے اور وہاں ان کے اپنے دھرم سے بٹ کے مواقع بھی نہ ہوں گے۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے ایشور مندر کی طرف کو جانا پسند کرو گے۔ ویسے میرا مشورہ ہے کہ جن قدر ممکن ہو تم کنپل کو لے کر یہاں نکل جاؤ کیونکہ کنپل کے باعث گوالیار میں فساد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ہندو با کو جب علم ہو گا کہ ان کی راجکاری مسلمان ہو گئی ہے تو وہ سیخ پا ہو کر بڑی کوشش کریں گے اور اگر کنپل کو زبردستی اپنے دھرم پر لانے کی کوشش کی گئی تو مسلمان کرنے کو اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

کیدار چند ثانیوں تک سوچتا رہا پھر وہ پنڈت گوند سے کہہ رہا۔ ”میں رحیم داد سے ملوں گا اور اس سے کنپل کو جنید کے پاس لے جانے کا بیان کر دوں گا اور اسی رات ہم یہاں سے دونوں بہن بھائی ایشور مندر کی طرف کوچ کر جائیں گے۔“

کیدار نے خدارک کہہ سہجے سہجے لہجے میں کہا۔ ”پرہیز پنڈت جی! کہیں نہ ہو جنید وہاں پہنچ جائے اور میرا حلقوم کاٹ دے۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”تم ان تینوں کا فکر نہ کرو۔ میں تمہارے بعد انہیں ان اصل پر لے آؤں گا۔ ہم رات کے وقت تمہیں اور کنپل کو محل سے نکالیں گے۔ ان تینوں کو خبر ہی نہ ہو۔“

کیدار نے کسی قدر مطمئن ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”تو پھر یہ بات طے ہوئی کہ اب سے تین روز بعد رات کو ہم نے یہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔“

گوند نے کہا۔ ”ہاں، یہ تو طے ہے کہ تین روز بعد تم دونوں بہن بھائی یہاں سے کوچ کر گے۔ لیکن یہ طے نہیں ہے کہ کوچ کیسے ہو گا۔“

کیدار نے حیرانی سے پوچھا۔ ”کیا مطلب؟“

گوند نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے جس رات کو یہاں سے کوچ کرنا ہو گا تم شام کو

یہاں آ جانا۔ میرے آدمی رات گہری ہونے پر کنپل کو محل سے نکال اور گہی میں ڈال کر یہاں

لے آئیں گے اور اسی گہی میں تم کنپل کو لے کر میرے دو پنڈت ساتھیوں کے ساتھ یہاں

ایشور مندر کی طرف کوچ کر جانا۔“

کیدار نے فکر مندی سے پوچھا۔ ”رات کے وقت گہی کو محل کی طرف جلتے دیکھ کر

مسلمان نے پوچھ پڑتال کر لی تو پھر؟“

گوند نے کہا۔ ”تم اس کی بھی کوئی چٹنا نہ کرو۔ میرے آدمی جو کنپل کو لینے جائیں گے

ان کے ساتھ ایک دید بھی ہو گا اور اگر کوئی پوچھ پڑا تو میرے آدمی کہہ دیں گے کہ ان کا ایک

نئی بیار ہے اور وہ دید کو لے کر جا رہے ہیں۔“

انہی جگہ سے کیدار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، آپ کی یہ تجویز درست ہے۔ بہن

بہن کہ سارے معاملات طے ہو گئے ہیں میں چلتا ہوں۔“

کیدار پنڈت گوند کے کمرے سے نکل گیا۔ پنڈت گوند وہاں کچھ دیر بیٹھ کر

سوچتا رہا۔ پھر وہ اپنے کمرے سے باہر آیا اور زور زور سے پکارنے لگا۔ "داجی! داجی! ایک جوان اس پکار کے جواب میں بھاگتا ہوا آیا اور پنڈت گوند سے متوجہ ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے پنڈت جی!"

گوند نے کہا۔ "دیالال اور دوسرا م کو بلاؤ۔"

وہ جوان جسے داجی کہہ کر پکارا گیا تھا، چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جوان پنڈت تیز قدم اٹھاتے ہوئے گوند کے پاس آئے اور پوچھا۔ "کیا حکم ہے ہمارا جی!"

پنڈت گوند نے کہا۔ "سنو میرے سنگیتو! میں جو گو الیاد کی راجکاری سے متعلق تم سے اپنی چنتا کا اظہار کیا کرتا تھا تو وہ معاملہ اب طے ہو گیا ہے۔ آج کنپل نے محل کو کہہ دیا تھا کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ پہلے تو صرف شک ہی تھا پر اب بات پی ہو گئی۔" ان دونوں میں سے جس کا نام دوسرا تھا اس نے پوچھا۔ "پھر آپ نے اس کا کیا سوچا ہے ہمارا جی!"

پنڈت گوند نے کہا۔ "تین روز بعد رات کے وقت تم دونوں اپنے آدمیوں کے ساتھ گھبی لے کر راج محل جانا۔ احمد یوسف، کرن، مالدیو اور سیو داس کو قتل کر دینا کنپل کے ہاتھ پاؤں اور اس کی آنکھیں منہ باندھنے کے بعد گھبی میں ڈال کر یہاں لے آنا اس روز کیدار پہلے سے یہاں موجود ہوگا۔ لیکن کیدار اور کنپل کو کرن، مالدیو، سیو داس اور احمد یوسف کے مرنے کا علم نہ ہو۔ پھر یہاں سے تم دونوں کیدار اور کنپل کو لے کر چوڑے کے ایشور مندر کی طرف روانہ ہو جانا۔ وہاں کیدار اور کنپل کا خیال رکھنا۔ ان کی ہر خواہش پوری کرنا۔ ان کی ہر مانگ کا خیال کرنا کہ وہ ہمارے آں جہانی راجہ کی اولاد ہیں اور سنو! اس سلسلے میں دیگر تفصیل میں تمہیں آج رات کو سمجھا دوں گا اور ساتھ ہی جو کا بندوبست بھی کر لوں گا۔ اب تم جاؤ۔"

دیالال اور دوسرا م چلے گئے۔ پنڈت گوند پنڈت اور آسوہہ خاطر سا ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

رات ختم ہونے کو تھی۔ تیغ و دیران تاریکیاں ہر سو پکھری پھیلی تھیں۔ سرفناؤں کا ہر سکوت اور ہولناک سنائے میں ڈوب گیا تھا۔ ہر شے ساوی کی چنگاریوں کی طرح اداں اور بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

دو گھنٹوں کی ایک گھبی گوالیار کے محل میں داخل ہوئی اور پھر صحن میں رک گئی۔

نئے میں اصطلیل کا داروغہ احمد یوسف جاگ اٹھا اور اپنے مکان سے نکلے ہوئے اس نے پوچھا۔ "تم لوگ کون ہو اور رات کے اس وقت کیوں محل میں داخل ہوئے ہو اور محافظوں نے کیسے ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔"

کچھ آدمی گھبی سے اترے۔ ان میں دیالال اور دوسرا م بھی تھے۔ دیالال نے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو احمد یوسف! محل کے پریدار ہمارے اپنے آدمی ہیں اور انہوں نے ایک جگہ اور شہد کام کے لیے ہی دروازہ کھولا ہے۔"

پھر دوسرا م نے اپنے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا۔ وہ دو مسلح جوانوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ احمد یوسف کو پکڑ کر وہ اندر لے گئے اور اسے اس کے اہل خانہ سمیت وہاں اس کے مکان کے اندر قتل کر دیا۔

احمد یوسف اور اس کے اہل خانہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ محل کے اندر داخل ہوئے۔ مالدیو، سیو داس اور کرن کے گلے گھونٹ کر تینوں کو انہوں نے موت کی نیند سلا دیا۔ پھر ان میں سے تین کنپل کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بے چاری گہری نیند میں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس کی آنکھیں باندھنی شروع کیں۔ کنپل کو گہری نیند کی حالت میں تھیں پر جس وقت وہ اس کی آنکھیں باندھنے لگے۔ وہ جاگ گئی اور اپنے بچاؤ کی جدوجہد اور سعی کرنے لگی۔

وہ بے چاری لاکھ ترپنی، مچلی اور بھڑکی، پران تینوں نے مل کر اسے قابو کر لیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں آنکھیں اور منہ باندھ دیا اور اٹھا کر باہر لے گئے۔ جب وہ گھبی کے قریب گئے تو دوسرا م نے انہیں اشارے سے کنپل کو گھبی میں ڈالنے کے بعد انہیں اپنی آنکھیں پکڑ لیا۔ جب وہ تینوں دوسرا م کے پاس گئے تو اس نے انہیں کہا۔ "سارا کام ہمارا جی"

گوند کی مرضی اور مانگ کے مطابق مکمل ہو گیا ہے۔ میں اور دیالال کنپیل کو بھیجی میں لے کر چلتے ہیں۔ تم سب مرنے والوں کی لاشیں اٹھا کر محل کے باغ میں دفن کرو۔ اگر نوں کا کوئی دھبہ ہو تو مٹا دو اور محل کے اندر کوئی ایسا نشان نہ رہنے دینا۔ جس سے یہ شبہ نہک ہو جائے کہ یہاں کسی کو قتل کیا گیا ہے۔

وسرام اور دیالال بھیجی لے کر چلے گئے۔ رات کی اب سعی محدود اپنی تمام سنگین ادا سیوں کے ساتھ سمٹ رہی تھی۔ خاموشی اور دل بستگی ٹونٹے لگی تھی کہ شہر میں اب لوگ اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔ کھانسنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ بھجن سے محروم بھاری کی طرح ادا اس رات میں حرکت اور تڑپ پیدا ہونے لگی تھی۔

وسرام اور دیالال بھیجی لے کر مندر میں داخل ہو گئے، کافی دیر تک انہوں نے کبھی مندر کے احاطے میں کھڑی رکھی۔ وہ شاید صبح ہونے کا انتظار کرتے رہے تھے۔ جب فضاؤں کے اندر کالی سیام تاریکیاں چھٹ گئیں اور مشرقی افق لال گول ہو گئے تو وسرام نے دیالال سے کہا۔ ”سورج اب طلوع ہو رہا ہے۔ شہر کے دروازے کھل چکے ہوں گے جاؤ مہاراج گوند کو اپنے آنے کی اطلاع کرو۔“

وسرام بھیجی کے اندر ہی بیٹھا رہا جب کہ دیالال پنڈت گوند کو اطلاع کرنے چلا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد پنڈت گوند اور کیدار، دیالال کے ساتھ بھیجی کے پاس آئے۔ کیدار نے جب اپنی بہن کنپیل کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کی آنکھوں اور منہ پر کپڑے بندھے تھے اور رسیوں سے اس کے نازک ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔ اپنی اکلوتی چھوٹی اور عزیز بہن کو اس حالت میں دیکھ کر کیدار کا دل بھرا آیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ پنڈت گوند نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”میں جانتا ہوں کنپیل کو اس حالت میں دیکھ کر تمہیں دکھ ہوا ہوگا۔ پر یہ مجھ پر ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کنپیل مزاحمت دیکھت کرتی، چیخ چلہاڑ کرتی، غل غپاڑہ مچاتی۔ جب یہ بات گواہی کے حاکم رحیم داد تک پہنچتی تو وہ ہم دونوں کو زندہ چٹا میں جلا کر رکھ دیتا۔“

پنڈت گوند کی گفتگو سے کیدار کے چہرے پر دوبارہ کڑے، محسوس، سنگین اور کھردرے جذبات بکھر گئے اور اس نے مدھم مدھم درشت و کزخت آواز میں کہا۔ ”اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ درست اور راست ہی ہو رہا ہے۔ جو بھی کوئی دھرم کا پیمان کرتا ہے اس کے ساتھ اس سے بھی بدترین سلوک کیا جانا چاہیے۔ اس نے جنہی سے محبت کر کے ہمارے منہ پر سیاہی اور کالک مٹی ہے۔ اس نے اپنا دھرم ترک کر کے اور کمان ہو کر ہمیں رسوا و ذلیل کیا ہے اور جو دوسروں کی نفیسمیتی اور نصیحت کا باعث بنتا ہے وہ اس سے بھی نکھر اور رنگ سلوک کا روادار ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیے مجھے کب تک یہاں سے چٹوڑ کے ایثار مندر کی طرف روانہ ہونا ہے۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”صبر کرو بالک! میرے آدمی ابھی تم سب کے لیے کھانے پینے کا سامان لاتے ہیں اور پھر تم یہاں سے کوچ کر جاؤ گے۔ میں رات کے وقت ہی تم دونوں کو روانہ کر دیتا لیکن اس وقت شہر کے دروازے بند تھے اور شہر کے دروازے کھلا کر نکھنا خطرناک ہوتا۔ کیوں کہ پہر یار بھی کو دیکھتے اور کنپیل کو اس میں دیکھ کر وہ ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر دیتے۔ دن کے وقت دروازے کھلے ہوتے ہیں اور کوئی تلاشی نہیں لیتا۔“

کیدار نے کہا۔ ”رات کے وقت میں جو اپنے اور کنپیل کے کپڑے لایا تھا، وہ لے آؤں۔“

گوند نے کہا۔ ”ہاں لے آؤ۔“

کیدار بھاگا بھاگا گوند کے کمرے میں گیا اور وہاں سے دو گٹھریاں اٹھا لیا۔ ایک گٹھری میں اس کے اپنے اور دوسری میں کنپیل کے کپڑے تھے۔

دونوں گٹھریاں سنبھال کر کیدار بھیجی میں بیٹھ گیا۔ اتنی دیر تک پنڈت گوند کے آؤ بیوں نے کھانے پینے کی اشیاء لا کر بھیجی میں رکھ دی تھیں۔ دیالال اور وسرام بھیجی کے اگلے حصے میں بیٹھ گئے جب کہ کیدار اور کنپیل بھیجی کے اندر تھے۔ پھر دیالال نے بھیجی کے گھوڑوں کو ہانک کر مندر سے نکالا۔ شہر کے اندر وہ بھیجی کو آہستہ آہستہ چلاتے رہے

لیکن شہر سے نکل کر انہوں نے گھگی کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ کیدار نے انہیں کنپل کے اوپر چادر ڈال کر اسے ڈھانپ دیا تھا۔

○

دوپہر تک کیدار گوالیار شہر سے کنپل کو بہت دور لے جا چکا تھا۔ چٹانوں کے ایک طویل سلسلے کے پاس سے گزرتے ہوئے کیدار نے گھگی کا پردہ ہٹا دیا اور دیالال کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”دیالال! گھگی کو روک دو۔“

دیالال کے بجائے دسرام نے پوچھا۔ ”کیا کوئی خاص وجہ ہے جو آپ گھگی کو روک رہے ہیں۔“

کیدار نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ”گھگی کو روکو دسرام! میری بہن نے صبح کا کچھ نہیں کھایا۔ یہاں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا جائے گا۔“

دیالال نے کہا۔ ”ہم کھانا کھانے کو یہاں رک رہے ہیں اور اگر کوئی ہمارے تعاقب میں ہو تو ہم سب کا انجام انتہائی بُرا ہوگا۔“

کیدار نے کہا۔ ”موت کے نام سے تمہاری طرح میں اپنے اوپر بوجھلاہٹ طاری نہیں کر لیتا۔ تم گھگی کو روک دو۔“

دیالال نے دونوں گھوڑوں کی باگیں کھینچ کر انہیں روک لیا۔ پھر وہ دسرام نیچے اتر گئے۔ پھر دسرام نے کھانے کی کچھ چیزیں نکالنے کے بعد پانی کا ایک مشکیزہ لیتے ہوئے کیدار سے کہا۔ ”مہاراج! آپ دونوں بہن بھائی اس گھگی کے اند ہی کھانا کھالیں۔ میں اور دیالال وہاں دھوپ میں پتھروں پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔“

دسرام اور دیالال قریب ہی پتھروں پر جا بیٹھے تھے۔

کیدار حرکت میں آیا۔ پہلے اس نے کنپل کے ہاتھ پاؤں کھولے۔ پھر اس کے منہ اور آنکھوں پر بندھے ہوئے کپڑے بھی اس نے ہٹا دیے تھے۔

کنپل بے چاری چند لمحوں تک اپنا منہ آنکھیں، بازو اور پاؤں سہلاتی رہا۔

پھر اس نے غور سے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ اور اندوہ میں کہا۔ ”مجھے یقین نہیں ہے کہ میرا سگا بھائی مجھے اپنی جان سے بھی عزیز رکھتا ہو، میرے ساتھ اجنبیوں جیسا سلوک کرتے ہوئے اور میرے ہاتھ پاؤں اور منہ آنکھیں باندھ کر چوروں کی طرح کہیں لے جانے کی کوشش کرے گا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میرے کس دوش کی وجہ سے آپ مجھے ایک نئے روگ اور کشت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔“

کیدار نے اپنی گردن کو جھکاتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک مجبوری ہے۔ ورنہ تم باقی ہوئیں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر سوار کھ سکتا ہوں۔“

کنپل نے اپنی پوری جرات اور جبارت میں کہا۔ ”اگر مجبوری سے آپ کا مطلب ہے کہ آپ کو میرا مسلمان ہونا ناگوار گزارا ہے اور آپ مجھے گوالیار سے دور لے جا کر مجھے اپنے پرانے دھرم پر آنے کی ترغیب دیں گے تو پھر سن رکھیں اس میں آپ کو لگائی ہوگی۔ میں اپنی جان دے دوں گی پر مسلمان ہونا ہرگز ہرگز ترک نہ کروں گی اور یہ بھی نہ رکھیں کہ میرے مال باپ مجھے جلد کے ساتھ منسوب کر چکے ہیں۔ اس میں بھی اگر ہٹنے کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کی تو آپ اپنی بہن کو خوب جانتے ہیں۔ میں بڑوں میں ہوں۔ ایسی اگر کوئی بھی کوشش یا فیصلہ آپ نے کیا تو اس صورت میں میری رات کے سوا آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

کیدار نے کنپل کو اس موضوع سے ہٹانے کی خاطر کہا۔ ”میرا ایسا کوئی اسارہ نکل رہا ہے۔ تم فصول باتوں میں پڑ گئی ہو۔“

پھر اس نے کھانے کی چیزیں اس کے سامنے جلاتے ہوئے کہا۔ ”لو کھاؤ تمہیں نکل گئی ہوگی۔“

دونوں بہن بھائی نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر کیدار نے دسرام اور دیالال کو آواز دے کر بلایا اور انہیں کوڑج کرنے کو کہا۔

اگلے دوران کنپل نے کیدار سے کہا۔ ”کیا آپ پہلے کی طرح میرے ہاتھ پاؤں، منہ اور منہ باندھیں گے؟“

کیدار نے کہا۔ ”تہیں، اب ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہم ہمارے
سے باہر ہیں۔“
کنپل نے کہا۔ ”خطرات تو اب شروع ہوں گے۔“
کیدار نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیا لال اور دوسرا م نے گھبراہٹ
کو ہانک دیا تھا۔



جنید جب اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ شہر سے باہر اپنے پڑاؤ میں داخل ہوا، تو
ابراور ہمایوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ انہیں دیکھ کر جنید اپنے گھوڑے
پر اتر گیا اور آگے بڑھ کر اس نے دونوں سے پرجوش مصافحہ کیا۔
بار نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”سمربیک کے بیٹے! درنگت
مذخاں جہاں کو شکست دے کر اور گوالیار شہر پر قبضہ کر کے تم نے میرے ارادوں
درامدوں کی تکمیل کی ہے۔ بخدا تم نے میری ساری توقعات پوری کر دی ہیں۔“
جنید نے اپنی کمر سے بندھی تھیلی کے اندر سے کوہ نور میرا نکالا اور اسے ہمایوں
کا طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک قیمتی میرا ہے۔ سنا ہے یہ دنیا کی ادھی دولت
کے برابر ہے۔ میں اسے آپ کو تحفہً پیش کرتا ہوں۔“
ہمایوں نے ہیر لے کر بائیں طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اسے آپ رکھ لیں۔“
بار نے خوش طبعی سے کہا۔ ”تم جوان ہو، یہ تمہیں ہی زیب دیتا ہے۔ تم رکھ
لو ہمایوں نے وہ میرا سنبھال لیا۔
ابراور ہمایوں دونوں نے اس میرے کی پیش کش پر پہلے جنید کا شکریہ ادا

کہا۔ پھر بابر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے بعد دوا لے واقعات روز ہوئے ہیں جن میں سے ایک کو میں ہونی اور دوسرے کو انہونی گردانتا ہوں۔ وہ واقعات یہ ہیں کہ رانا سانگا عنقریب ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کرنے والا ہے اسے یکر ہونی گردانتا ہوں اس لیے کہ اگر رانا سانگا ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کرتا تو یہی یہ ابتداء ہماری طرف سے ہو جاتی۔

جو بات انہونی ہوتی ہے وہ یہ کہ چند روز ہوئے ہمارے لشکر میر داخل ہونے دو دنوں پہلوان اللہ بخش اور کریم خان کو کسی نے رات سوتے میں قتل کر دیا۔ اللہ بخش موقع پر ہی مر گیا تھا۔ کریم خان میں اس وقت ابھی جان تھی جب صبح کے وقت لوگوں نے اسے دیکھا۔ اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کو قتل کرانے والے رانا سانگا کے سپاہی تھے۔ جنہیں اللہ بخش نے کشتی میں چھت کر دیا تھا۔ شاید کریم خان نے قاتلوں کو پہچان لیا تھا۔ وہ ان دونوں پہلوانوں کے آدمی تھے۔ ان کے نام جبر سنگھ اور کپور سنگھ ہیں اور ان دونوں مامول بھانجہ ہیں۔

جنہر چند ثانیوں تک اس المناک حادثہ پر کھڑا سوچتا رہا پھر اس نے جلاوی اور غصیلی آواز میں کہا۔ ”اللہ بخش اور کریم خان کے قاتل ہمارے انتقام سے بچ نہ سکیں گے۔“

بابر نے کہا۔ ”جنہر! جنہر! تمہارا خیمہ نصب ہو چکا۔ تم سب ہر تک اتار کر لو۔ پھر رانا سانگا کے خلاف جنگ کی تیاری کے سلسلے میں تمہیں میں بلاؤں گا۔ جنہر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اپنے خیمے کی طرف۔“

ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کو اس انقلاب کا سخت افسوس اور صدمہ کہ ان کے ہاتھ سے دہلی کی حکومت جاتی رہی اور یہ کہ اس کا بیٹا شکست کے موت کا شکار ہو گیا اور اب وہ اسی قلعے میں جس کے اندر اس کی اپنی خواہش پر اپنے اسے رہنے کی اجازت دی تھی۔ بابر کے خلاف سازشوں کا جال بٹنے میں مصروف ہو گا۔

ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کے پاس آئیں تو سلطانی بیگم نے ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”کیا تم دونوں ایک ایسا کام کرو گی جس سے میری عزت اور میرا وقار بڑھے؟“

طرب نے کہا۔ ”ہماری تو آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے جب کہ زہرہ کنے لگی آپ ہمیں لک تیں تو جلنے کو کہیں پھر بھی ہم انکار نہ کریں گی۔“

سلطانی بیگم نے کہا۔ ”تم دونوں جانتی ہو میرے بیٹے ابراہیم کے مطیع ہیں جس قدر لوگ تھے وہ سب بابر نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیے ہیں، وہ سب میری بات ماننے والے عزت میرا احترام کرنے والے ہیں۔“

پھر سلطانی بیگم نے اپنے لباس کے اندر سے کاغذ کی ایک پٹہ نکالی اور زہرہ کو مخاطب ہوئے اس نے کہا۔ ”زہرہ! زہرہ! تم بابر کے مطیع میں احمد چاشنی گیر کے پاس جاؤ اور سے دو۔ سنو! اس پٹے میں ایک انتہائی مہلک زہر ہے تم احمد چاشنی گیر کو میرے لئے لے کر آنا کہ وہ باورچی سے بات کرے اور اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ اگر وہ یہ ہو گا تو بابر کی موت کے بعد میں تم دونوں کو چار چار پرگنے انعام میں دوں گا۔“

ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کے پاس آئیں تو سلطانی بیگم نے ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”کیا تم دونوں ایک ایسا کام کرو گی جس سے میری عزت اور میرا وقار بڑھے؟“

طرب نے کہا۔ ”ہماری تو آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے جب کہ زہرہ کنے لگی آپ ہمیں لک تیں تو جلنے کو کہیں پھر بھی ہم انکار نہ کریں گی۔“

سلطانی بیگم نے کہا۔ ”تم دونوں جانتی ہو میرے بیٹے ابراہیم کے مطیع ہیں جس قدر لوگ تھے وہ سب بابر نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیے ہیں، وہ سب میری بات ماننے والے عزت میرا احترام کرنے والے ہیں۔“

ہے میں زہر چھڑک دے گا لیکن روٹیوں پر زہر چھڑکنے کے بعد باورچی کچھ اس قسم
انظراب میں مبتلا ہوا کہ اس نے آدھا بچا ہوا زہر چھڑکے میں ڈال دیا۔

وہ جمعہ کا دن تھا اور عصر کے وقت بابر کو کھانا پیش کر دیا گیا۔ کھانے میں خرگوش اور
کشت کے علاوہ انڈوں کا قلیہ بھی تھا۔ بابر نے ہر چیز کھائی مگر سب کچھ اسے بے
اور پھر کھانے کے بعد اس کا جی متلزلہ لگا اور تھوڑی دیر بعد اسے زہر دست قے

بابر کو شک ہوا کہ اسے کھانے میں زہر یا کوئی اور مضر چیز کھلائی گئی ہے۔ لہذا
حکم دیا کہ جو بھی کھانا دسترخوان پر لایا گیا ہے اسے کتے کو کھلایا جائے اور اس کتے

کے پاس کی نگرانی اور حفاظت کی جائے۔
آخر ایک کتے کو کھانا کھلا کر باندھ دیا گیا۔ دوسرے دن تک کتے کا بہت بُرا
اس کا پیٹ بُری طرح پھول گیا تھا اور وہ بے سہارے پڑا رہا۔ اسے مارا مارا کھانے
ش کی گئی لیکن وہ نہ اٹھا۔ آخر اسے اٹھا کر بچا لیا گیا۔ اس کے بعد وہ کھانا دو
لو کھلایا گیا اور کتے کی طرح ان کی حالت بھی بُری ہو گئی۔

آخر باورچی کو بلا کر تفتیش کی گئی تو وہ مان گیا اور سب کچھ اگل دیا۔ آخر بابر نے
ایا، باورچی اور دونوں کنیزوں کو بلایا گیا اور سب کے سامنے انہوں کے جرم کا
دیا۔

ابراہیم لودھی کی ماں سلطان بیگم کا سب کچھ چھین کر اسے قید میں ڈال دیا گیا۔
ان کا مال اور ہڑ وادی گئی۔ ایک کنیز کو ویسے مرادیا گیا اور دوسری کو باغی کے
سلوک دیا گیا۔ اس طرح بابر کے خلاف یہ سازش ناکام ہو گئی۔



رانا سانگا جنگ کی تیاریاں کرنے کے بعد بابر کے خلاف آٹھ کھڑا ہوا۔ بابر کے
تین ہزار فوج تھی لیکن رانا سانگا دو لاکھ کا ایک عظیم اور جراتور شکر تیار کر چکا تھا۔
ان کے دوسرے راجے مثلاً اودے سنگھ کیسری، میدنی رائے، بارمل یری،

کر داور دیکھو کیا یہ سارے کام میری خواہش کے مطابق کرتی ہے۔ سلطان بیگم
طرز بھی باہر نکل گئی اور زہرہ کے تعاقب میں لگ گئی۔

زہرہ بابر کے مطبخ میں داخل ہوئی اور اشارے سے احمد چاشنی گیر کو بلا
ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو کر طرب بھی زہرہ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

احمد چاشنی گیر جب زہرہ کے پاس آیا۔ تو زہرہ نے کہا۔ ”دیکھو
مالکن اور تمہاری بھی سابقہ مالکن سلطان بیگم نے بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ اگر تم باور
بات پر آمادہ کر لو کہ وہ بابر کے کھانے میں زہر ملا دے تو سلطان بیگم تم دونوں کو
پرگنے انعام میں دینے کا وعدہ کرتی ہے۔“

احمد چاشنی گیر نے پوچھا۔ ”پر یہ زہر کون لائے گا اور کہاں سے آئے گا
زہرہ نے احمد کو کاغذ کی پٹیا دکھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ زہر تو میرے ہاں
مجھے سلطان بیگم نے دیا ہے۔“

احمد نے اس سے زہر کی پٹیا لے لی اور کہا۔ ”تم نہیں کھڑی رہو گی
بات کرتا ہوں۔ پھر اصل حالات سے تمہیں آگاہ کر دوں گا۔“

زہرہ وہیں کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد احمد آیا اور زہرہ سے کہا۔ ”اب
سلطان بیگم کو جا کر خوشخبری دو کہ جو کام انہوں نے کہا ہے وہ ہو جائے گا۔ باور
پر رضامند ہو گیا ہے۔“ ان دونوں کی گفتگو سن کر طرب پہلے ہی دیوار کی اوٹ سے
گئی۔ زہرہ بھی خوش اور پر سکون سی مطبخ سے باہر نکل گئی تھی۔

احمد چاشنی گیر کے لیے بابر کا حکم تھا کہ کھانا جیسے ہی پک جائے احمد
سے ہی احتیاط کے طور پر چکھ لیا کرے۔ اب احمد چاشنی گیر نے یہاں پوری ہوشیاری
سے کام لیا اور باورچی کو اس نے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ زہر گوشت کی کچی مینا
بجائے سالن کی پلیٹ اور روٹیوں پر چھڑک دے۔“

باورچی نے ایسا ہی کیا۔ اس نے آدھا زہر روٹیوں کی پلیٹ میں چھڑک
دوسرا آدھا زہر اس خیال سے بچا کر اپنے پاس رکھ لیا کہ جب بابر کے

نرپٹ ہارٹا، ورت لچو، برہم دیو، نرسنگ دیو، کنور کرم سنگھ ڈونگر، رائے پندرو، چوہان، مانک چند چوہان اور ولیپ راؤ۔ یہ سب راجے اپنے اپنے لشکروں کے بارے کے خلاف جنگ کرنے کے لیے رانا سانگا سے آئے تھے۔

اپنے اس لشکر کے ساتھ رانا سانگانے کوچ کیا اور بابر کے سرحدی شہر کا رخ کیا۔ خود اس نے دور ہی پڑاؤ کیا اور ایک لشکر بیانہ شہر کی طرف روانہ کر دیا۔ بیانہ شہر سے جو بھی آدمی باہر نکلتا رانا سانگا کے یہ آدمی اسے قتل کر دیتے۔ جب یہ خبریں بابر کو پہنچیں تو اس نے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ سے رانا سانگا کی طرف کوچ کیا۔ سبکی سے پانچ میل آگے بابر اپنے لشکر کے ساتھ کنواہر کے وسیع اور کھلے میدان میں داخل ہوا، تو اسے خبریں ملیں کہ اس کے کاسٹن کر رانا سانگانے سرحدی شہر بیانہ کا محاصرہ ترک کر دیا ہے اور وہ بڑی تیزی بابر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

بابر کنواہر کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ شاید اس نے اسی کھلی اور بڑی زمین کو میدان جنگ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بابر نے رانا سانگا کی آمد سے پہلے گاہ میں خندقیں کھدوائیں اور خندقوں کے پیچھے اس نے اپنے جنگی چھکڑوں کا دوسرے سے بانہ کر مناسب فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ ان ہی چھکڑوں کی اوڑھ بابر نے اپنے تیر اندازوں کے علاوہ توپ اور منجنیق چلانے والوں کو کھڑا کر دیا۔ بابر کے کہنے کے توپ خانے کے امیر علی قلی خان نے ایک نہی توپ ڈھالی تھی تو سو قدم تک مار کرتی تھی۔ یہ توپ بھی بابر نے ان چھکڑوں کی اوڑھ کرادی تھی۔

رانا سانگا بھی اپنے لشکر کے ساتھ کنواہر کے میدان میں داخل ہوا۔ اسے فرار فاصلہ رکھ کر وہ اس کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ بابر نے انہیں پڑاؤ کرنے پر اپورا موقع فراہم کیا۔ رانا سانگا کا لشکر رزم گاہ میں خیمہ زن ہو گیا۔

بابر نے جب دیکھا کہ دشمن تعداد میں اس سے کئی گنا زیادہ ہے تو دوسری طرف بابر نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ اس نے قلب اپنے دائیں پر بہائیوں کو، میسرہ پر ملک قاسم اور ہراول پر جنید کو سالار مقرر کیا۔ رانا سانگانے اپنے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس کے لشکر میں زور زور سے مارا گیا۔ بابر نے اپنے لشکر کو اس کا جرنیل مقرر کیا۔

دوسری طرف بابر نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ اس نے قلب اپنے دائیں پر بہائیوں کو، میسرہ پر ملک قاسم اور ہراول پر جنید کو سالار مقرر کیا۔ رانا سانگانے اپنے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس کے لشکر میں زور زور سے مارا گیا۔ بابر نے اپنے لشکر کو اس کا جرنیل مقرر کیا۔

نرپٹ ہارٹا، ورت لچو، برہم دیو، نرسنگ دیو، کنور کرم سنگھ ڈونگر، رائے پندرو، چوہان، مانک چند چوہان اور ولیپ راؤ۔ یہ سب راجے اپنے اپنے لشکروں کے بارے کے خلاف جنگ کرنے کے لیے رانا سانگا سے آئے تھے۔

اپنے اس لشکر کے ساتھ رانا سانگانے کوچ کیا اور بابر کے سرحدی شہر کا رخ کیا۔ خود اس نے دور ہی پڑاؤ کیا اور ایک لشکر بیانہ شہر کی طرف روانہ کر دیا۔ بیانہ شہر سے جو بھی آدمی باہر نکلتا رانا سانگا کے یہ آدمی اسے قتل کر دیتے۔

جب یہ خبریں بابر کو پہنچیں تو اس نے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ سے رانا سانگا کی طرف کوچ کیا۔ سبکی سے پانچ میل آگے بابر اپنے لشکر کے ساتھ کنواہر کے وسیع اور کھلے میدان میں داخل ہوا، تو اسے خبریں ملیں کہ اس کے کاسٹن کر رانا سانگانے سرحدی شہر بیانہ کا محاصرہ ترک کر دیا ہے اور وہ بڑی تیزی بابر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

بابر کنواہر کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ شاید اس نے اسی کھلی اور بڑی زمین کو میدان جنگ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بابر نے رانا سانگا کی آمد سے پہلے گاہ میں خندقیں کھدوائیں اور خندقوں کے پیچھے اس نے اپنے جنگی چھکڑوں کا دوسرے سے بانہ کر مناسب فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ ان ہی چھکڑوں کی اوڑھ بابر نے اپنے تیر اندازوں کے علاوہ توپ اور منجنیق چلانے والوں کو کھڑا کر دیا۔ بابر کے کہنے کے توپ خانے کے امیر علی قلی خان نے ایک نہی توپ ڈھالی تھی تو سو قدم تک مار کرتی تھی۔ یہ توپ بھی بابر نے ان چھکڑوں کی اوڑھ کرادی تھی۔

رانا سانگا بھی اپنے لشکر کے ساتھ کنواہر کے میدان میں داخل ہوا۔ اسے فرار فاصلہ رکھ کر وہ اس کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ بابر نے انہیں پڑاؤ کرنے پر اپورا موقع فراہم کیا۔ رانا سانگا کا لشکر رزم گاہ میں خیمہ زن ہو گیا۔

بابر نے جب دیکھا کہ دشمن تعداد میں اس سے کئی گنا زیادہ ہے تو

جنید سلگتے صحرا، کرونوں کے تیر، بیکراں سفرا اور دوریوں کے غم کی طرح حملہ
درہا تھا۔ راجہ مار جے رام کو جنید کے حملہ آور ہونے سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا۔
بے پرواہیت دھمک اور بے انت لہروں نے اسے بے وفالوں کے تابوت میں
دکرنے کی زندگی اور موت کے وقفہ میں لاکھڑا کیا ہو۔ جنید کے حملے سے اس کے لشکر میں
خون کا کھرام اور سکتے سانسوں کی خلس کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جنید کی چمکدار نگہداشت
بھینس۔ پوری طرح اپنا کام کر رہی تھیں اور پتیر سے بدل بدل کر اس نے دشمن کے ہراول
اقبل نام شروع کر دیا تھا۔

اچانک ماردار کا راجہ مار جے رام جنید کی تلوار کا شکار ہو کر مارا گیا اور اس سے رانا
ماگا کے ہراول پر ایسا برا اثر پڑا کہ ہراول کے لشکر میں جم کر لوٹنے کے بجائے بھیر دیوں سے
رک ہوئی بکریوں کی طرح منتشر ہو کر گر وہوں اور ٹولیوں کی شکل میں اپنے قلب کی
ان بھاگ گئے تھے۔

رانا سانگا کا خیال تھا کہ وہ بابر کو جو اس سے کئی گنا کم لشکر کے ساتھ اس کے سامنے
باقالوں کے اندر پسپا کر کے رکھ دے گا لیکن رانا سانگا کی ساری اُمیدیں اور ادا دے
ہوں اور دھول کی طرح منتشر ہو کر رہ گئے۔

بابر تعداد میں کم لشکر رکھنے کے باوجود سایوں کے قافلوں، بارود کے طوفان،
ٹیلے میولوں اور بیکراں وقت کے خوفی تسلسل کی طرح حملہ آور ہوا تھا اور رانا سانگا
کے کالم غیر لشکر کو اس نے اپنے تیز حملوں سے روک کر ایک جگہ جم کر لوٹنے کے
بجاء رو کر دیا تھا اور اب جنید بھی دشمن کے ہراول کا صفایا کرنے کے بعد قلب
کا بابر سے آگیا تھا۔ اس طرح بابر کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا اور جنید
کے ساتھ مل کر اس نے رانا سانگا کے قلب پر آگ کے دو دھاروں کے سنگم اور گزین
سلاخ موت کی طرح نازل ہونا شروع کر دیا تھا۔

ہمایوں اور ملک قاسم بھی اپنے مہینہ اور میسرہ کے ساتھ دشمن کے میسرہ اور
بزرگ قوی ضربیں لگا رہے تھے۔ ان دونوں کے حملوں میں بھی ایک انوکھی چمکا چوند

پہنچے آگے بڑھا۔ جب کہ مہینہ اور میسرہ کے سوار سب سے پہلے بابر کے لشکر کی طرف بڑھ
تھے۔ جب وہ مناسب فاصلہ پر آئے تو بابر نے اپنے عمل کی ابتداء کی۔ سب سے
پہلے اس نے اپنے توپ خانے، منجنیقوں اور تیر اندازوں کو استعمال کیا۔ رانا سانگا
کے ہاتھیوں پر توپوں سے گولے اور منجنیقوں سے ایسا نشانہ باندھ کر پتھر پھینکا
کہ ان گنت ہاتھی زخمی ہو کر سب سے پہلے ادا اپنے ہی لشکر کے لیے نقصان کا ہونہ
بننے لگے۔ جب کہ بابر کے تیر اندازوں نے تیروں کی ایسی سخت بارشیں ماریں کہ رانا
کے مہینہ اور میسرہ کے سوار جو تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے ایک جگہ رکنے پر مجبور
ہو گئے۔ رانا سانگا نے جو اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو اس نے آگے بڑھتے اپنے لشکر
دیا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس طریقہ جنگ سے بابر اس کے لشکر کو جیسے بنا کر رکھ دے
اس کے علاوہ اس نے جنگی ہاتھیوں کو بھی اپنے لشکر سے نکال دیا تھا۔

اس پہلے حملے کا ہی بابر کے لشکر پر اچھا اثر پڑا تھا لیکن رانا سانگا نے اس کا
خاص اثر نہ لیا۔ اس لیے کہ اس کے لشکر کی تعداد ہی ایسی تھی کہ وہ اس تعداد سے
نقصان پر پریشان ہونے کی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا۔

اپنے لشکر کا نظم درست کرنے کے بعد رانا سانگا نے دوبارہ اپنے لشکر
پیش قدمی کا حکم دے دیا تھا۔ بابر نے اپنی صفوں کو ذرا بائیں طرف سمیٹا
نے بھی پیش قدمی شروع کر دی تاکہ دائیں طرف سے اس کے توپچیوں، تیر انداز
اور منجنیق چلانے والوں کو اپنا کام کرنے کا موقع ملتا رہے۔

سب سے پہلے دونوں ہراول لشکر آپس میں ٹکرائے پھر قلب نے
دوسرے پر حملہ کیا اور اس کے بعد مہینہ اور میسرہ اپنی مخالفت سمتوں پر ٹوٹ پڑے
مارواڑ کا راجہ مار جے رام جو رانا سانگا کے ہراول کا جنرل تھا اپنے ہراول کو بے
انداز میں بٹھاتا ہوا آگے لایا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مارواڑ کا سردار سمجھتا تھا لیکن جب
اس پر خزاں کی پیاس اور کرونوں کی قوت کی طرح اس پر حملہ آور ہوا تو اس
کی خوش فہمیاں، وہموں اور وسوسوں میں بدل گئی تھیں۔

غضب کی وحشت اور آگ کے گبولوں جیسی تپش تھی۔ دونوں نے دشمن کے میمنہ اور میرہ کو اپنے آگے آگے تانڈوناچ نچانا شروع کر دیا تھا۔ رانا سانگکا کی بڑھتی جیسی طرح ہراول کا جرنیل اور مارواڑ کا راجہ راجہ راجہ رام جنید کے ہاتھوں مارا گیا اسی طرح ہمایوں کے ہاتھوں اس کے میسرہ کا دلپ راجہ اور ملک قاسم کے ہاتھوں اس کے میمنہ کا راجہ چندر بھان بھی مارے گئے۔

اب رانا سانگکا کے لشکر میں پوری طرح کھلبلی اور افراتفری چھانے لگی تھی۔ ہراول، میمنہ اور میسرہ کی منتشر حالت دیکھ رانا سانگکا کا قلب بھی متاثر ہونے لگا تھا اور اس کے قلب کے لشکر کی اگلی صفوں میں آکر لڑنے سے گریز کرنے لگے تھے۔ اس صدمتِ حال سے نمٹنے کے لیے رانا سانگکا اپنے محفوظ دستوں کو جو عقب میں تیار کھڑے تھے جنگ میں کو دوجانے کا حکم دے دیا تھا۔

محفوظ دستوں کے جنگ میں کودنے کے باوجود رانا سانگکا کے حالات درست نہ ہوئے کیوں کہ اب ایک طرف سے بابر اور ہمایوں نے اور دوسری طرف جنید اور ملک قاسم نے اس کے لشکر کو گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ کافی دیر تک یہ قتل عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ رانا سانگکا کے لشکر کی تعداد گٹ اور گھٹ کر بابر کے برابر ہو گئی تھی۔

رانا سانگکا نے جب دیکھا کہ عنقریب اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ وہ بھی مارا جائے گا تو وہ اپنی شکست تسلیم کرتا ہوا اپنے بچے کچھ لشکر کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ رانا سانگکا کے پڑاؤ سے بابر کو بے شمار مال و دولت اور دیگر سامان غول کے ذخیرے اور جنگی سامان ملا۔ بابر نے تھوڑی دیر تک رانا سانگکا کا تعاقب کیا پھر وہ میدانِ جنگ میں لوٹ آیا۔

رانا سانگکا کے خلاف اس جنگ میں بابر کے لشکر میں ایک جن جن کا حال تھا۔ میدانِ جنگ میں رانا سانگکا کے بڑے بڑے سوراؤں کی لاشیں پڑی تھیں وہاں اب آگ کے لاڈ روشن ہو گئے تھے اور بابر کے لشکر کے لیے کھانا تیار ہونا شروع

نکر کے آرام کے لیے خیمے بھی نصب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہمایوں، جنید اور ملک قاسم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بابر کے پاس آئے اس فتح پر اسے مبارک باد دی۔ بابر نے بھی مسکراتے ہوئے ان تینوں کو مبارک باد دی مرنے پر ہمایوں نے بابر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا کہ رانا سانگکا سے نمٹنے کے بعد آپ مجھے کابل اور بدخشاں جانے کی اجازت دیں گے۔ بابر نے کہا۔ ”ہاں، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ ہندوستان میں اب کسی مکران میں ایسا دم خم نہیں کہ وہ میدانِ جنگ میں اتر کر ہمارا مقابلہ کرے لہذا تم باجا ہو بدخشاں روانہ ہو سکتے ہو۔“

ہمایوں بابر کا شکر یہ ادا کرنے ہی والا تھا کہ جنید نے بولتے ہوئے کہا۔ ”اس بدمیری بھی ایک گزارش ہے۔“

بابر نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”کہو، میں تمہاری بات کیونکر ذکر کر سکتا ہوں۔ بخدا تم نے مارواڑ کے راجہ کو قتل کر کے رانا سانگکا کے لشکر میں ایک خونی بزمِ امتیاز انقلاب برپا کر دیا تھا۔“

جنید نے کہا۔ ”یہاں سے قریب ہی دیروانی نام کی ایک بستی ہے وہاں میرے جانے والے ہیں، میں چند یوم کے لیے ان کے ہاں جاؤں گا۔“

بابر نے کہا۔ ”تمہیں اس کی اجازت ہے۔ جب چاہو جا سکتے ہو۔“

بابر نے ملک قاسم سے پوچھا۔ ”کیا تمہاری کبھی کوئی خواہش ہے؟“

ملک قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”نہیں میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔“

بابر نے کہا۔ ”تو پھر تم تینوں میرے ساتھ آؤ، آج شام کا کھانا تم تینوں کے ساتھ کھاؤ گے۔ پھر بابر ان تینوں کو لے کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔



چتوڑ شہر سے پانچ میل مشرق میں ایشور مندر کے سامنے کنپل اور کیدار جی کی رک گئی اور دونوں پنڈت دیا لال اور دوسرا رام بکھی سے نیچے اتر گئے۔ پھر

وسرام نے زور سے پکارتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج کیدار! باہر آجائیے! ہماری ہمارا گئی ہے۔“

کنپیل اور کیدار دونوں بہن بھائی گہمی کے پردے ہٹا کر نیچے اتر گئے پھر دونوں پنڈت ان کی راہنمائی مندر کی طرف کرنے لگے تھے۔

دیالال اور وسرام کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کنپیل نے کیدار سے پوچھا۔ ”یہ جان سکوں گی کہ یہ کس شہر کا کون سا مندر ہے۔“

کیدار نے کہا۔ ”ہم اس وقت چتوڑ شہر سے پانچ میل جنوب میں ہیں اور ایشور مندر ہے۔“

کنپیل نے آہ بھرتے ہوئے دھکے سے کہا۔ ”اگر میرا بھائی یہ چاہتا ہے کہ پرانے لوگوں کے اندر سسک سسک کر اور ٹپ ٹپ کر اپنی جان دے دوں تو یوں ہی سہی۔“ کیدار نے کوئی جواب نہ دیا اور گردن جھکائے آگے بڑھتا رہا۔

مندر کے اندر جا کر وسرام نے ایک بھجاری سے کہا۔ ”ہمیں ایشور مندر بڑے پرہیت آتما رام سے ملنا ہے۔“

اس بھجاری نے کہا۔ ”تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔“

وہ بھجاری انہیں مندر سے ملحقہ ایک عمارت کی طرف لے گیا اور ان چاند کو دہاں کھڑے کر کے وہ عمارت کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو ان کے ساتھ ایک پنڈت بھی تھا جس نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایشور مندر کا بڑا پرہیت آتما رام ہوں۔“

کیدار، دیالال اور وسرام نے ہاتھ جوڑ کر آتما رام کو پرنام کیا لیکن کنپیل اپنی جگہ خاموش اور پُرسکون کھڑی رہی۔

آتما رام نے اس کی اس حرکت کو محسوس کیا پر خاموش ہی رہا۔ اس دوران وسرام نے اپنی جیب کے اندر سے ایک تر کیا ہوا کاغذ نکال کر آتما رام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ گوالیار سے آئے ہیں اور یہ آپ کے نام وہاں کے مہا پرہیت

گوند کا خط ہے۔

آتما رام نے وہ خط پڑھا پھر مسکرا کر اس نے کیدار اور کنپیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ اے راجکار کیدار اور راجکاری کنپیل کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ یہاں آپ دونوں کی ہر فی اور آرام کا خیال رکھا جائے گا۔“

پھر آتما رام نے دیالال اور وسرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں کنپیل کو لے کر دوبارہ اپنے دھرم میں لانے کی کوشش کرو۔ اگر میری ضرورت محسوس کرو تو میں بھی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں راجکاری کے لیے سوئمبر چایا جائے اور میں اس کی شادی کسی مرد سے ہو۔“

پھر آتما رام نے اپنے قریب کھڑے بھجاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اس عمارت میں بنے کی سب سے اچھی اور صاف ستھری جگہ ہے وہ راجکار کیدار اور راجکاری کنپیل کو دو۔ یہ ان دو دھرم ساتھیوں کے رہنے کا بھی عمدہ انتظام کرو۔ اور وہاں ان کی ضرورت کی ہر چیز کرو۔“ پرہیت گوند ہمیں بھائیوں جیسا ہے۔ اس کی ہر مانگ پوری کرنا ہم پر لازم۔ وہ بھجاری پنڈت آتما رام کے کہنے پر ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

○

سورج ہواؤں کو رنگین قبا پہنا تا ہوا، صداقت سے مول تول کرنے والے جہل لالت پرست اندھیروں کو مٹاتا ہوا مشرق سے نمودار ہوا تھا۔ کائنات کی ہر شے تاریکی لڑی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ زمین کے سینے میں سورج نے اپنی کبروں کے نیزے لادے تھے۔ حدت، ہر سے صحراؤں کے اندر اوس سے بوجھل سرمائی پھول سورج کی آغوش سے ہم کنار ہو کر اپنے سراپہ اٹھانے لگے تھے۔

جنید اپنے گھوڑے پر سوار اپنے شکر سے نکلا۔ کشتا کی بستی ویرانی چونکہ اس جگہ سے ایک قریبی جہاں اس کے شکر نے پڑاؤ کیا تھا۔ لہذا جنید کشتا کے پاس جانے کی غرض سے اپنے شکر سے نکلا تھا۔

کشتا کی بستی ویرانی کو جانے کے لیے جب جنید نے اپنے لشکر سے ابھی پانچ میل

درجی میں کہا۔

”تم اب بچ کر کہاں جاؤ گے۔ ہم ایک مدت سے اس انتظار میں تھے کہ تم ہمیں اپنے لشکر سے علیحدہ کہیں ملو۔ آج یہ خواہش یہ مانگ بھی پوری ہوئی۔ اب چٹانوں سے گھرا ہوا یہ علاقہ تمہاری عبرت ناک موت اور تمہارے حسرت زانہ انجام کا منظر دیکھے گا۔ سنو! گوالیار کا پنڈت گووند نے تمہیں قتل کرانے کی قسم کھائی تھی اور یہ قسم ہم پوری کر کے رہیں گے۔ تم رکھو کہ ہم دونوں بھائی شکاری ہیں۔ پنڈت گووند نے ایک بڑی رقم دے کر ہمیں حاصل کیا ہے۔ لہذا اس کی مانگ ہم پوری کریں گے۔ بہتر ہے تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم تمہیں پنڈت گووند کے سامنے لے جا کر قتل کریں۔“

جنید نے اپنی پوری برا فروختگی اور عتاب و تاؤ میں کہا۔ ”کتوں کا شکار کرنے والا! ان چٹانوں کے اندر میں تم دونوں کو کتے جان کر تمہارا شکار کروں گا۔ ذرا تم اُگے تو بڑھو پھر دیکھو میں تمہاری بزدلی کی تشہیر صبح کے ستاروں کی طرح کرتا ہوں تم پر شرم گماں کا دروازے کھول کر تمہاری زلیست کے سارے معنائ پر موت کے بھیا ناک رنگ پھیرتا ہوں۔“

سنو! گو کوئی بھی بعد تک نہ رہے گا پھر بھی مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ میں تمہاری ہمتی کے ظلمت کے تالاب میں موت کا پتھر بن کر گر دوں گا۔ تمہاری زلیست کے ثبات کو مستقبل کے اندیشوں اور تمہارے جسم کو حالات کے شراروں اور خوار و پریشان کن جراثیموں سے سجادوں گا۔ آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہو، کہ میں تمہاری تقدیر کی گردش دیکھوں، تمہارے فطرت کو بند کروں، تمہیں رات بھر جگنے کی اذیت اور حالات کی تلخی میں مبتلا کر دوں گا۔

میں تمہارے دماغوں کو درست کر دوں گا، تمہارے مکروہ چہروں پر موت کی لالچ لوں گا، تمہیں زندگی کی کڑی قید سے نجات دوں گا۔ سن رکھو کہ یہ دھرتی اب ہماری ہے اور میں حالات کے صید کی طرح اور راتے کا پتھر جان کر تم دونوں کو بٹا دوں گا۔ آؤ ان چٹانوں کے اندر تینوں آپس میں مکر کر فیصلہ کریں کہ موت ہم تینوں میں

کی مسافت طے کی ہوگی اور وہ چٹانوں سے گھرے ہوئے ایک راستہ پہنچنے گھوڑے کو درجہ جبار ہاتھاکہ بغاؤ چٹانوں کے اندر سے ایک سوار نمودار ہوا اور جنید کا راستہ روک کھڑا ہوا۔ جنید نے اندر سے باگیں کھینچ کر اپنے سر پر دوڑتے گھوڑے کو روک لیا تھا۔ اس نے جینتی چلائی اور گرتی گرتی آواز میں پوچھا۔ ”تم کون ہو اور ان چٹانوں کے اندر تم نے کیوں میری راہ روکی ہے۔“

قبل اس کے راہ روکنے والا وہ سوار جنید کو کوئی جواب دے جنید کی پشت پر چٹانوں کے اندر سے ایک اور آدمی نکلا اور چٹانوں کے اندر بارگشت پیدا کرتی ہوئی اپنی خوشام آواز میں اس نے کہا۔ ”ہم دونوں تمہاری موت ہیں اور آج نہیں ابھی یہ چٹانیں تمہاری آخری آرام گاہ بنیں گی۔“

یہ دونوں بھائی وہی تھے جنہیں پنڈت گووند نے جنید کو قتل کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔

جنید کے دیکھا سامنے اور پیچھے سے گھیرنے والے ان دونوں جوانوں کے ہاتھوں پر مضبوط نیرے تھے۔ جنید نے انہیں تنبیہ کرنے کے انداز میں کہا۔ ”میری راہ چھوڑ دو ورنہ میں تم کو بھوکھ جواؤ! میں تم دونوں کو بھوکھ کی تنگی تہذیب جان کر صدیوں کے تندرستی کی نذر کر دوں گا۔ راستہ چھوڑ دو ورنہ میرے ہاتھوں موت کے صحرائوں میں عہد ماضی کے قبیح کی طرح ختم ہو جاؤ گے۔“

ان دونوں نے جنید کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے ان دونوں نے اپنے نیرے جنید کو دے مارے تھے۔

جنید ان دونوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جوں ہی ان دونوں نے اس پر اپنے نیرے دے مارے جنید اپنے گھوڑے سے نیچے کود گیا اور دونوں نیرے گھوڑے کے اوپر سے گزرتے ہوئے نکل گئے۔ جنید نے پہلے ہی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال رکھی تھی اس نے اپنے سر پر خود اور پیٹھ پر تیزوں سے بھرا ترکش درست کیا۔ پھر وہ ان سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں سے کود گئے اور ان میں سے ایک نے انتہائی کڑی

سے کہے پکارتی ہے۔

جہنید کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید بھائی کی موت نے اسے ایسا بدحواس کر دیا۔

جہنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ دیکھ اور سنہل! میں تجھ پر حملہ آور ہوتا ہوں۔ دونوں بھائی حملہ آور ہوئے تھے اور میں نے اپنا دفاع مکمل کر لیا تھا۔ اب میں حملہ دہا ہوں پھر دیکھنا میری تلوار کی تیزی کس طرح دن کے وقت تمہیں موت کے تار سے ہے۔

ایک جست کے ساتھ جہنید آگے بڑھا اور اس پر حملہ کر دیا۔ جہنید نے ایک ملوٹا دیا تھا۔ اپنی ڈال اور تلوار دونوں سے اس نے دائیں بائیں اور پھر اونچے سے حملہ با شروع کر دیا تھا۔

جہنید کے ان تیز حملوں سے وہ بڑی طرح بوکھلا گیا اور بدحواسی کا شکار ہو گیا۔ اسی میں وہ اپنا دفاع کرتا ہوا چونک گیا اور جہنید کی تلوار اس کی گردن کاٹتی ہوئی نکل۔ جہنید نے مرنے والوں کے لباس سے اپنی تلوار صاف کی۔ ان دونوں کے لگو بھی اس نے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر اور کشتا کی بستی ویرانی کی طرف کوچ کر رہا تھا۔



اپنے گھوڑے پر سوار جہنید کشتا کی بستی ویرانی میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں نے والوں کے دونوں گھوڑے بھی اس کے ساتھ تھے۔ دھرم دھت کے ماننے آگے وہ اپنے گھوڑے سے اترتا۔ اس نے دیکھا دروازہ کھلا تھا۔ مکان کے اندر زرد اور خشک پتے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ جہنید کو ایسا لگا جیسے ایک عرصہ سے کوئی رہ ہی نہ رہا ہو۔

جہنید کے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر قیصری بار زور کی دستک دی اور کوئی جواب نہ پا کر اس نے گھوڑوں کو بھڑکایا اور خود مکان کے اندر داخل ہوا اور زور سے پکار کر اس نے پوچھا

وہ دونوں تو اپنے نیزوں کے وار خطا جانے پر پہلے ہی سیخ پاتھے اب جہنید نے اپنی گفتگو سے جو انہیں اور بھڑکایا تو وہ اپنی تلواریں اور ڈھالیں لہراتے ہوئے نیچے کی قدموں سے جہنید کی طرف بڑھے۔ جہنید بھی ان دونوں پر کڑی نگاہ رکھتا ہوا ان کی طرف بڑھا تھا۔

ان دونوں نے قریب آتے ہی ایک ساتھ جہنید پر حملہ کر دیا تھا۔ جہنید نے ایک کی تلوار کو اپنی تلوار پر اور دوسرے کی تلوار کو اپنی ڈھال پر رکھا۔ ان دونوں نے جب دیکھا کہ جہنید کی تلوار اور ڈھال دونوں مصروف ہیں لہذا ان دونوں نے ایک دوسرے کو اس سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی ڈھالیں بھی ایک ساتھ جہنید پر بربادیں۔ شاید وہ اپنے پہلے ہی وار میں جہنید کو اپنے سامنے مقہور و مجبور کر دینا چاہتے تھے۔ پر جہنید بھی پوری طرح مستعد تھا۔ وہ فوراً نیچے جھک گیا اور ان دونوں کی ڈھالیں فضا کے اندر ایک دوسرے سے ٹکرا کر چنگاریاں پیدا کر گئی تھیں۔

نیچے جھکتے ہوئے جہنید نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اب ان دونوں کی توجہ اپنی ڈھالوں کی طرف ہے۔ لہذا اس نے فوراً اپنی تلوار علیحدہ کر لی پھر اسے لہرا کر ان دونوں سے ایک پر گرایا اور اسے کمر کے پاس سے اس نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ پھر اس خیال سے کہ دوسرا اس کی پٹھ پر کہیں تلوار ہی نہ گرا مارے جہنید ایک زقند کے ساتھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جسے جہنید نے کاٹا تھا اس نے ایک مہیب اور دہشت ناک چیخ ماری پھر اس کا جسم دو لخت ہو کر اس پتھریلی زمین پر گر گیا تھا۔

جہنید نے دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تم دونوں کا مجھ سے ٹکرائو کیسا رہا۔ میں نے تم دونوں سے کہا نہ تھا۔ تم دونوں کی تقدیر کی گردش روکوں گا اور تمہارے منہ پر کالک مل دوں گا۔ ایک تو اپنی تقدیر اور موت کی کالک کا شکار ہوا۔ اب تمہاری باری ہے۔

وہ جو تھوڑی دیر قبل تک بڑا بڑھ چڑھ کر جہنید سے باتیں کرتا تھا وہ اب غلغلی

”کوئی ہے؟“
جنید کو اپنی پشت کی طرف سے آواز سنائی دی۔ ”جب گھر میں ہوگا کوئی نہیں،“
جواب کون دے گا۔“

جنید کا ہاتھ فوراً تلوار کے دتے پر چلا گیا اور اس نے مڑ کر دیکھا۔ مکان کے
بیرونی دروازے پر کشتا کا ہمسایہ برہما داس کھڑا تھا۔ وہی برہما داس جس نے کشتا کو
جان بچا کر اسے سستی سے نکالا تھا۔

جنید نے کہا۔ ”یہ سارے حالات مجھے تفصیل سے بتاؤ۔“
برہما داس نے دھرم دھت اور لیراج کے قتل، کشتا کے اپنے گھر کے اندر
پھنس جانے اور وید کو بلانے کے بہانے اسے سستی سے نکال لے جانے کے سارے واقعات
تفصیل سے سنا ڈالے تھے۔

”تم کون ہو اور کیا تم اس گھر کے مکینوں کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکو گے؟“
اس نے کہا۔ ”میرا نام برہما داس ہے۔ میں کشتا کا ہمسایہ ہوں یہ ساتھ والا
میرا ہے۔ میں آپ کو بھی جانتا ہوں، آپ کا نام جنید ہے اور آپ اس سے قبل
ایک بار اس گھر میں آچکے ہیں۔“

جنید نے پوچھا۔ ”کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ کشتا، دھرم دھت اور لیراج
میں؟“
برہما داس نے کہا۔ ”دھرم دھت اور لیراج بچا کرے تلوار کے گئے اور
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”دھرم دھت اور لیراج بچا کرے تلوار کے گئے اور
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔“
جنید نے کہا۔ ”دھرم دھت اور لیراج بچا کرے تلوار کے گئے اور
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”دھرم دھت اور لیراج بچا کرے تلوار کے گئے اور
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔“
جنید نے کہا۔ ”دھرم دھت اور لیراج بچا کرے تلوار کے گئے اور
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”نہیں اسے بلونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یہ بتادیں کہ وہ کس دن کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ میں وہیں ان سے مل لوں گا۔“

اگر سین کے باپ نے کہا۔ وہ اپنی بستی کے ایک میل مغرب میں اپنے کھیتوں میں ام کر رہے ہیں۔

جنید نے اپنے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں جلدی میں ہوں۔ میں وہیں کھیتوں میں سے مل کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ ایڑ لگا کر جنید نے اپنے گھوڑے کو دیا۔ اب وہ مغرب کی طرف جا رہا تھا۔

کھیتوں میں کام کرتے لوگوں سے پوچھا ہوا جنید اس جگہ آیا جہاں اگر سین اور اے چاروں بھائی اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ وہ گندم کا کھیت تھا اور وہ چاروں لہاؤروں کے چارے کے لیے ہری ہری سرسوں کے پودے بڑے اکیڑ کر اور جھاڑ جھاڑ بیت سے باہر کنارے پر جمع کرتے جا رہے تھے۔

ان کے پاس اگر جنید اپنے گھوڑے سے اتارا اور بلند آواز میں انہیں مخاطب کرتے نال نے پوچھا۔ ”تم میں اگر سین کون ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام ہے۔“

ان میں سے ایک کھیت سے نکل کر باہر آیا اور جنید کے سامنے رکتے ہوئے کہا۔

”اگر سین ہے، کہو تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟“

جنید نے کہا۔ ”تمہارے بھائی کہاں ہیں؟“

اگر سین نے کھیت کے اندر سرسوں کے پودے اکیڑتے والے چاروؤں کی طرف رتے ہوئے کہا۔ ”وہ چاروں میرے بھائی ہیں۔“

جنید نے اپنی ڈھال سنبھالی اور پھر اپنی بھاری اور چوڑے بھین کی جھمکتی ہوئی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کھولتے اور اُبال کھلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اگر سین! میری طرف فور سے دیکھو۔ میں جنید ہوں، وہی جنید جس نے تمہارے لہاؤ اور اس کے بھائیوں کو ہلاک کیا تھا اور اب تمہاری اور تمہارے بھائیوں کی تابانی ہے۔ اس لیے کہ تم نے دیر دانی کے دھرم دھت اور لہراج کو قتل کیا اور

جنید باہر گلی میں آیا اور اپنے گھوڑے کی زین سے بندھے اس کے ہاتھوں مرنے والے پنڈت گوند کے آدمیوں کے گھوڑے کھولتے ہوئے کہا۔ ”برہما داس میرے پاس یہ دو گھوڑے فالتویں۔ انہیں رکھ لو اپنے کام میں لاؤ یا بیچ کر رقم حاصل کر لو۔“

پھر جنید نے اپنے گھوڑے کی خر میں سے نقدی کی ایک تھیلی نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ چھوٹی سی رقم بھی رکھ لو۔ تمہارے کام آنے گی۔ دیکھو انکار نہ کرنا۔ میں تمہیں یہ اپنا عزیز جان کر دے رہا ہوں۔“

برہما داس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”میں دونوں گھوڑے رکھ لیتا ہوں۔ یہی کافی ہیں، نقدی کی تھیلی آپ رہنے دیں۔“

جنید نے کہا۔ ”نہیں، تم گھوڑے بھی رکھو اور نقدی کی تھیلی بھی لو۔ یہ میری نوشی اور خواہش ہے۔“

برہما داس نے نقدی کی تھیلی لے لی۔ ایک زقند کے ساتھ جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ممیز لگا کر اسے ہانک دیا۔ برہما داس اسے وہاں کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ جب وہ گلی کا موڑ مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو برہما داس دونوں گھوڑوں کی بائیں پشت اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

دوپہر کے قریب جنید سندر نام کی بستی میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا ہواں اگر سین کی حویلی کی طرف آیا اور دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا اور دروازے سے باہر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے جنید کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ تم کون ہوا تو کیا چاہتے ہو؟

جنید نے کہا۔ ”میں اتر میں دریا کے کنارے کی بستی دیر دانی سے آیا ہوں۔ اگر سین سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس کے لیے ایک بہت ہی ضروری اسلحہ پیغام ہے۔“

اس بوڑھے نے کہا۔ ”اگر سین اپنے چاروں بھائیوں کے ساتھ اپنے کھیتوں میں کام کرنے باہر گیا ہوا ہے۔ آپ اندر آ کر بیٹھیں میں کسی کو بھیج کر اسے بلواتا ہوں۔“

دھرم دھت کی بیٹی کشتا کو در بدر کی ٹھوکرین کھانے پر مجبور کیا۔

اگر سین اپنی تلوار بے نیام کرنا ہی چاہتا تھا کہ جنید نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے جسم کو اس نے دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک اگر سین کے چاروں بھائی کھیت کے اند کام کر رہے تھے اپنی تلواریں سونت کر جنید کی طرف بھاگے لیکن کھیت کے کنارے کی طرف بھاگتے ہوئے اس وقت ان کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ جب اگر سین کو ختم کرنے کے بعد جنید خود ان کی طرف آنے کے لیے کھیت کے اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے ہاتھ میں اپنی خون آلود تلوار تھی جس سے اگر سین کا خون ابھی تک ٹپک رہا تھا۔

یہ ایسا دلزدہ اور خوفناک منظر تھا کہ ان چاروں میں سے ایک اس منظر کی تاب نہ لاسکا اور کھیت کے اندر ہی اندر وہ دوسرے کنارے کی طرف بھاگا اور وہاں کھڑے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

کھیت میں داخل ہو کر جنید نے ان تینوں پر حملہ کر دیا تھا۔ شاید وہ زیادہ دیر ہال رک کر اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ لہذا وہ انہیں جلد ختم کرنے کے درپے اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے ایک کو کاٹ دیا۔ دوسرے دو نے چند ثانیوں تک اس کے ہاتھ وار روکنے کی کوشش پر جلد ہی ان دونوں میں سے ایک اور جنید کی تلوار کا شکار ہو کر کھیت میں گر گیا۔ تیسرے نے بھاگنا چاہا پر جنید نے خراتی آواز میں کہا: ”رک جاؤ ورنہ بدترین موت ملے جاؤ گے۔“

وہ رک گیا جنید نے پوچھا: ”تمہارا وہ بھائی جو بھاگ گیا ہے اس کا کیا نام ہے۔“ ان کا نام نریش ہے۔“

جنید نے اپنے پورے بھیاں تک پن میں کہا: ”وہ باپ بھی مجھ سے بچ سکے گا۔ پھر جنید نے تلوار بلند کر کے گرائی اور اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اپنی تلوار صاف کر کے جنید کے سے باہر آیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ دریا کے کنارے آیا پھر جنوب کی طرف گارے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑا رہا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ ماحول دھواں دھواں ہو گیا تھا اور فضاؤں میں لمحہ فکریہ رہنے لگی تھی۔ کوہستانوں کی قرمری چوٹیاں سرمائی نشہ آور دھوپ سے پچھڑ کر بدوں کو گلے لگا رہی تھیں۔ شفق کی سُرخ آسمان کے حاشیوں پر پکھر کر انہیں ایسا حسن لگتی تھی جیسے زرد ناب دھاگوں سے ان کے اندر چکا چوند رنگ بھریے گئے ہیں۔ اندھیرا ہونے لگا تھا۔

جنید کیرتن نام کی بستی میں داخل ہوا اور ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔ پچھلے دروازہ کھولا۔ جنید نے پوچھا: ”کیا یہ ریشیہ پال کا گھر ہے۔ ایک آدمی نے مجھے ہے کہ وہ مرجکا ہے اور اس کا بیٹا یہ مکان بیچ کر کہیں اور جا چکا ہے۔ اس بڑے لہا۔“ آپ کو ٹھیک بتایا گیا ہے۔ ریشیہ پال نام کا آدمی مرجکا ہے اور اس سے انہیں خرید لیا ہے۔“

جنید نے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ”کیا کچھ عرصہ قبل لڑکا بھی یہاں ریشیہ پال کا پتر کرنے آئی تھی۔“

اس لڑکے نے کہا: ”ہاں آئی تھی اور میری ماں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ ریشیہ پال مر اور اس کا لڑکا مکان بیچ کر جا چکا ہے۔“

جنید نے کہا: ”کیا اس لڑکی نے پھر یہ نہیں بتایا کہ یہاں سے نکل کر وہ کدھر کا رُخ کریگی؟“

اس لڑکے نے کہا: ”وہ لڑکی کہیں نہیں گئی یہیں ہے۔“

جنید نے کہا: ”اگر وہ یہیں تمہارے ہاں ہی رہتی ہے تو اسے میرے آنے کی اطلاع کرو۔“

اس لڑکے نے کہا: ”آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ ہمارے ہاں نہیں رہتی۔ اس بستی کے لڑکا ایک مندر ہے وہ لڑکی اس مندر میں داسی ہو گئی ہے اور وہیں رہتی ہے۔“

جنید نے پیچھے ہٹتے ہوئے اس لڑکے سے کہا: ”میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری نالی کی ہے۔“ پھر جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کے مغربی حصے کی طرف ہٹا۔

سردی اب جان لیوا ہوتی جا رہی تھی اور تیز نگوں کی طرح جسم میں چھبے لگی تھی۔ پہلے موسم کی طرح چاند طلوع ہوا تھا اور ہر شے کو کوب انگیز لذت اور تابندہ طعنا میں ڈبو کر رکھ گیا تھا۔ اندھیرے کو نے کھدروں میں سمٹ گئے تھے۔ دھرتی لکٹن لکٹن جھروکے روشن ہو گئے تھے۔

بستی سے نکل کر جنید اس مندر میں داخل ہوا جس کی اس لڑکے نے اسے نام کی تھی۔ مندر کے اندر کچھ لوگ آگ کا لاڈ روشن کیے اس کے اندر گر بیٹھے تھے۔

جنید جب آگ کے اس لاڈ کی طرف جانے لگا تو اس نے دیکھا دائیں طرف جوان آ رہا تھا جو کچھ لکڑیاں اٹھائے آگ کے لاڈ کی طرف جا رہا تھا۔

جنید اپنے گھوڑے سے اترتا اور اس جوان کو روکتے ہوئے اس نے کہا: "یہاں علاقے میں اجنبی ہوں کیا تم میری راہنمائی کر سکو گے؟"

اس جوان نے کہا: "فدا کرو! میں یہ لکڑیاں وہاں آگ کے لاڈ میں ڈال آؤں پھر تمہاری طرف لوٹتا ہوں۔"

وہ جوان چلا گیا اور اس کے انتظار میں جنید وہیں کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ وہ جوان اور جنید سے کہا: "اب کہو! تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

جنید نے کہا: "میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔" کیا اس مندر میں کوئی ایسا داسی کا کام کرتی ہے جو میری طرح اجنبی ہو اور کچھ عرصہ قبل اس مندر میں آئی ہو اس کا نام کشتا ہے؟"

اس جوان نے کہا: "ایک لڑکی اس مندر میں داسی ہے۔ پر یہ تو کہو! تم اس کیوں پوچھتے ہو؟"

جنید نے کہا: "وہ میری عزیزہ ہے اور میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

نے مندر سے لمحہ عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "پھر میرے ساتھ آؤ۔" جنید غامض سے اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔

اس عمارت کے ایک کمرے میں کشتا مندر کی ایک اور دیو داسی راجی کے ساتھ بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ دونوں چونس کا ایک موٹا کپڑا فرش پر بچھا کر اس پر بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے سامنے آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔

راجی آتش دان میں لکڑیاں ڈالتے ہوئے کشتا سے کہہ رہی تھی۔ تم اپنے اس جنید کے پاس کب جاؤ گی جیسے رانڈ کے سامنے تمہارے بھائی نے تمہارا پتی اور برقرار دیا تھا۔

کشتا نے دھک سے کہا: "میں اکیلے کیسے اور کیوں کر ان کی طرف جاسکوں گی۔ وہ نہیں اب کہاں ہیں۔ آگہ میں ہیں یا وہاں ہیں۔ جب وہ آخری بار مجھ سے اور میرے بھائی

براج سے مل کر علیحدہ ہوئے تھے تو انہوں نے کنڈار شہر پر حملہ آور ہونا تھا۔ پھر بعد میں

فرین آئیں کہ انہوں نے کھلے میدان میں رانا سانگا کے جرنیل درمگت اور خان جہاں

وزن امیر شکست دی اور پھر اس کے بعد انہوں نے گوالیار کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اب

ملوآن جانے وہ کہاں اور کس شہر میں ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ ان جنگوں سے فائدہ

ہانے کے بعد اپنے گھر والوں سے ملنے سمرقند کی طرف چلے گئے ہوں کیوں کہ وہ سمرقند کے ایک نواحی شہر انجسی کے رہنے والے ہیں۔"

کشتا چند ثانیوں تک خاموش اور تصورات کی دنیا میں کھوئی رہی۔ پھر وہ بار بار کہہ رہی تھی۔ "راجی! راجی! خبر نہیں اب ان سے ملاقات بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے تمہیں اپنی بہن جان کو اپنے سامنے حالات کہہ دیے ہیں۔ اب تم ان کی تشہیر نہ کرنا۔

ہا ایک کے سامنے میرے ان حالات کا ڈھنڈورا نہ پیٹنا۔"

راجی نے بڑے پیار سے کہا: "تم کیسی موڑکھ ہو! تم نے مجھے بہن کہا ہے تو پھر تمہارے راز میرے راز ہیں۔ میں کیوں کر انہیں کھول کر اپنی بہن کو ناخوش کروں گی۔"

راجی جب رکی تو کشتا نے پھر کہا: "راجی! میری بہن! اب تو ایسا لگتا ہے جیسے جنید سے ملاقات نہ ہو گی اور میرے من کا سندربن چٹاؤں کے شہر کی طرح اُجاڑ اور

لڑان ہی رہے گا۔ آہ! کون جنید کو جائے گا کہ ہم پر کیا بیتی اور میں کہاں گوشہ نشین ہوں۔"

کشتا کی پھر وہ انتہائی مایوسی اور شکستگی میں کہہ رہی تھی "اس مہیات کی رگینیاں یوں ہی کھلتی رہیں گی۔ وقت کے موسم بدل بدل کر آتے رہیں گے۔ نفوس کے قافلے رات کے پردوں پر سوار ہو کر کائنات کے حسن میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ مگر ان کے خواب بکھرتے رہیں گے۔ بہاروں کے طلسم پھیلنے رہیں گے۔ پریشیں یہیں اس دور افتادہ بستی میں آتے جاتے روتے بادلوں کی طرح کسی کی آمد کا انتظار کرتے کرتے مچاؤں گی۔ آہ! میری زندگی کالے مڑوہ پہاڑوں اور صحرا کے اندر خشک ہو جانے والی ندیوں جیسی ہے۔"

راجی نے اسے قتل دیتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! میری بہن! تم کاش! نراش نہ ہو۔ میرا دل کہتا ہے اگر جنید کے دل میں تمہاری محبت اور چاہت ہے تو وہ ضرور تمہیں ڈھونڈتے ہوئے اس طرف آئیں گے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری بچی کی طرف جائیں۔ وہاں ان کی ملاقات برہما داس سے ہو جائے اور وہ ان سے سارے حالات کہہ دے۔ اگر ایسا ہو جائے تو وہ ضرور تم سے ملنے اس بستی کی طرف آئیں گے اور اس بستی کے سب لوگ اب تمہیں جاننے اور پہچانتے ہیں کہ تم مندر کی دیو داسی ہو۔ اگر انہوں نے بستی میں داخل ہو کر تمہارے متعلق پوچھا تو لوگ ضرور انہیں اس مندر کی طرف بھیج دیں گے۔"

کشتا نے کہا۔ "بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔"

پھر شاید راجی نے آتش دان کے پاس رکھے پانی سے بھری ایک گالگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس گالگر کا پانی اب گرم ہو چکا ہو گا۔ آؤ اس گرم پانی سے ہاتھ منہ دھوئیں اور کھانا کھائیں۔"

کشتا اٹھی اور اپنی انگلی گالگر کے پانی میں ڈبوئے کے بعد اس نے کہا۔ "ہاں باتوں ہی باتوں میں پانی زیادہ گرم ہو گیا ہے۔" پھر ایک کپڑے سے گالگر کو کبود کرکٹا نے آتش دان سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "آؤ، اس میں اور ٹھنڈا پانی ملا کر ہاتھ منہ دھوئیں اور پھر کھانا کھائیں۔"

راجی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ کشتا نے بلند آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟" باہر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ کشتا بڑا باہر آؤ، آپ کا ایک مہمان ہے۔"

کشتا نے مترددا اور مضطرب انداز میں راجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "راجی! راجی! مہمان کون ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں مندر کا اگر سین اور اس کے بھائی میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہوں۔"

راجی نے بھی پریشانی میں کہا۔ "اگر ایسا ہے تو پھر بہت بُرا ہوا۔ پر تم یہیں کمرے کا مندر ہی رکو۔ میں خود دیکھتی اور پوچھتی ہوں کہ کون ہے۔ کشتا! کشتا! تم اگر سین داس کے بھائیوں سے متعلق سوچتے ہوئے اپنے آپ کو کیوں پریشان حال اور رنج رتی ہو، کیا یہ ممکن نہیں کہ جنید بھائی تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر آگئے ہوں۔"

کشتا نے کہا۔ "ہو تو سکتا ہے وہی آگئے ہوں، پر ڈرتی ہوں کوئی اور ہی نہ۔ اور مجھ پر قیامت ہی نہ بیت جائے۔"

راجی نے اطمینان اور تسخنی دلاتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! تم اپنے آپ کو بیان کیوں کرتی ہو۔ اگر اتنے والے اگر سین اور اس کے بھائی ہوئے تو میں مندر کے باریوں کو جمع کر لوں گی اور وہ ان تمام کو مار مار کر باہر نکال دیں گے۔ اچھا تم یہیں رہیں ہی رہو۔ میں خود دیکھتی ہوں کہ کون ہے۔"

راجی نے دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا باہر مندر کا ایک بیماری کھڑا تھا۔ راجی مال سے پوچھا۔ "کون ملنے آیا ہے کشتا سے؟"

اس بیماری نے عمارت سے باہر اپنے گھوڑے کے پاس کھڑے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک سوار ہے، وہ دیکھو سامنے کھڑا ہے۔"

راجی نے پوچھا۔ "وہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ اس کے سنگی ساتھی بھی ہیں۔"

بیماری نے کہا۔ "نہیں وہ اکیلا ہی ہے۔"

راجی نے ایک بار فور سے جنید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ کمرے کے اندر گئی اور

یہ دل نہ گی۔ ان کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہ کرے گا اور سنو کشتا !
 راجی کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ کیوں کہ جنید قریب آ گیا تھا۔ جب وہ ان کے پاس
 باور دل نے انتہائی سہانے انداز میں ہاتھ جوڑ کر اسے پر نام کیا۔ پھر کشتا نے دروازے
 کی ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ ”آپ اندر آ جائیں“

جنید نے ایک گہری نگاہ کشتا پر ڈالی۔ پھر غور سے اس نے راجی کی طرف دیکھا اور
 لبہ میں داخل ہوا۔ کشتا نے راجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنید سے کہا۔ ”اس کا نام راجی
 ہے۔ پر میری بہن بنی ہوئی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ جنید راجی
 کے کچھ کھنے والا تھا کہ راجی نے باہر جھاگتے ہوئے کہا۔ ”تم انہیں بٹھاؤ“ میں کھانے کا بندوبست
 کرتی ہوں۔“

جنید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر کشتا کی آنکھوں میں خوشی سے رت جگول کا سا
 فلما و سبز تپوں کا سارس آ گیا تھا۔ وہ تصورات کے جزیروں اور سورج ڈوبنے کے منظر
 کی پرکشش و پریشان ہو گئی تھی۔ جنید کے آجانے سے اس کے تن کے گوشہ احساس میں
 مادی خوشیاں، ساری رعنائیاں جو بھر گئی تھیں۔ پھر اس نے مسہری کی طرف اشارہ کرتے
 ہوئے تیشے کے جام نگرانے جیسی اپنی خوش کن آواز میں کہا۔ ”آپ بیٹھیں نا“

جنید مسہری پر بیٹھ گیا اور اپنی گردن جھکاتے ہوئے اس نے دکھ سے کہا۔ ”میں تمہاری
 بستی میں گیا تھا۔ وہاں تمہارے ہمارے برہما داس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اسی نے
 مجھے تمہارے سارے حالات بتائے اور اس طرف میری راہنمائی کی۔ کشتا! مجھے تمہارا
 اہل اور بھائی کے مرنے کا دکھ اور ملال ہے۔ کاش میں ان دونوں کو بچا سکتا۔ کاش لذیت
 بازار کے اس موقع پر میں ان کی کوئی مدد بھی کر سکتا۔“ جنید خاموش ہو گیا۔ کشتا بے چاری
 لہکے سامنے کھڑی سسک سسک کر رونے لگی تھی۔

جنید نے کہا۔ ”کشتا! کشتا! خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔ صبر کرو اور سنو! میں تمہیں
 ایسا بھی خبر دیتا ہوں۔ پر پہلے تم بیٹھ جاؤ۔ کھڑی کیوں ہو۔“
 جنید کے کہنے پر کشتا نے اپنے آنسو پونچھ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر وہ آتش دان

کشتا سے اس نے کہا۔ ”کشتا! میری بہن! وہ تو اکیلا ہی ہے اور عمارت سے باہر اپنے
 گھوڑے کے پاس کھڑا ہے۔ میں نے اسے غور سے دیکھا ہے۔ وہ بڑا انداز قدر اور خوبصورت
 ہے۔ تم دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دیکھو تو سہی کہیں وہ جنید بھائی ہی نہ ہوں۔“

کشتا بچاری سہمی سہمی دروازے پر آئی اور جونہی اس نے عمارت سے باہر
 جلتی مشعل کی روشنی میں اپنے گھوڑے کے پاس جنید کو کھڑے دیکھا تو اس نے سخت الجھے
 میں بچاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”انہیں وہاں کیوں کھڑا کر گئے ہو۔ انہیں یہاں
 میرے کمرے میں بھیجو۔ ان کے گھوڑے کو مندر کے صطبل میں لے جاؤ اور اس کے چارے
 کا انتظام بھی کرو۔“

وہ بچاری بے چارہ چلا گیا۔ جنید کو دیکھ کر کشتا کی حالت، آہا! جیسے سیم
 زرد و جاہر کی بارش شروع ہو گئی ہو جیسے گل رنگ شبا بوں کے چمن زاروں میں بیکار
 قوس و قزح کے رنگ قیص کر گئے ہوں۔

کشتا کی آنکھوں میں مسرتوں کے نقوش اور چہرے پر رنگوں کی پھیلاؤ ترتیب پانے
 لگی تھی۔ اس کی حالت اس پودے جیسی تھی جو اپنی شانوں کے ساتھ بڑوں پر نال کھرا
 اس کے سبز پتے ہوا کے دوش پر خوشیوں کے گیت اور چاہتوں کے نغمے ادا کرتے ہوں۔
 بچاری جب چلا گیا تو کشتا نے پوچھا۔ ”تمہارے انداز اور تمہارے چہرے کی
 تشنگی سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ جنید بھائی ہوں۔“

کشتا نے اپنی جان لیوا خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے انداز سے درمت
 تھے راجی! وہ جنید ہی ہیں۔“

راجی نے کہا۔ ”اب پتہ نہیں وہ رات یہاں رکتے ہیں یا نہیں۔“
 کشتا نے کہا۔ ”نہ بھی رگنا چاہیں گے تو میں انہیں روکوں گی۔ میں انہیں یہاں
 سے اجنبیوں کی طرح کیوں کر جانے دوں گی۔“

راجی نے کہا۔ ”اگر وہ رگ گئے تو تم فکر نہ کرنا۔ میں خود ان کے لیے مسہری کا
 انتظام کر دوں گی۔ تم انہیں اپنے کمرے میں سلا لینا۔ میں عمارت کے نگران بچاری سے

کے پاس بھی چوٹی کی چادر پر بیٹھ گئی۔ جنید نے اپنے کندھے پر ٹپکتی چڑے کی بڑی غریب انداز
کر پلنگ پر رکھ دی اور پھر اس نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں تمہارے بیوہ
اور بھائی کا انتقام لینے کے لیے اگر سین کی بستی سندر بھی گیا تھا۔"
کشتا نے چونک کر پوچھا: "پھر؟"

جنید کہہ رہا تھا: "میں نے اس کے گھر پر جب دستک دی تو اس کے باپ نے
مجھے بتایا کہ وہ پانچوں بھائی کھیتوں میں کام کرنے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے باپ سے
معلوم کر کے میں بھی ان کے پیچھے گیا۔ وہ چاروں بھائی چارے کے لیے گندم کے کھیت سے
سرسوں نکال رہے تھے۔ میں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اگر سین پہلے ہی حملے میں مارا گیا۔ اس کے
تین بھائیوں نے اپنی تلواریں سونت کر کچھ مزاحمت کی لیکن میں نے ان کو بھی کاٹ دیا۔
ہاں جس وقت میں ان تینوں کے ساتھ مصروف تھا تو اگر سین کا چوتھا بھائی جس کا نام نرین
ہے اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔"

کشتا نے کہا: "میں آپ کی ممنون ہوں آپ نے ان سے ہمارا انتقام لیا۔
جنید نے کہا: "اب جب کہ اگر سین اور اس کے بھائی مارے گئے ہیں کیا تم
واپس جا کر اپنی بستی میں نہ رہو گی؟"

کشتا نے کپکپاتی بے بس سہی آواز میں کہا: "وہاں جا کر میں کس کے پاس رہوں گی
کیا کروں گی اس طرح گزارہ کروں گی؟"

جنید نے کہا: "تم فکر مند کیوں ہوتی ہو۔ تمہارے سارے اخراجات میں پیسے
کروں گا۔"

کشتا نے کہا: "پر آپ تو اپنے لشکر میں ہوں گے میں بستی میں اکیلے کیسے
سکوں گی اور پھر اگر سین کا ایک بھائی ابھی زندہ ہے وہ وقتی طور پر آپ سے ڈر کر
بھاگ گیا تھا لیکن کسی بھی وقت مجھ سے انتقام بھی لے سکتا ہے۔"

جنید نے کہا: "میں یہاں سے واپسی پر اگر سین کے آخری بھائی نرین کو بھی
پتہ کرتا جاؤں گا۔ اگر وہ گھر آگیا تو میں اسے بھی ٹھکانے لگاتا جاؤں گا۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔"

نہ بدتمہاری بستی تمہارے لیے محفوظ ہوگی۔"

کشتا نے کہا: "نہیں میں اب وہاں نہ جاؤں گی، وہاں میرا اب کون ہے۔
میں باپ مارے گئے۔ وہاں مجھے تنہا دیکھ کر ہر کوئی میری عصمت اور آبرو کا دشمن ہو
ئے گا۔ میں یہیں اس مندر میں رہوں گی۔ یہاں میں محفوظ ہوں اور مندر میں کام کرنے
لے بھاری اور دیو داسیاں بھی مجھ سے مانوس ہو گئی ہیں اور سب میری عزت کرتے ہیں۔"
جنید نے کہا: "میں تو اسی نیت سے آیا تھا کہ تمہیں واپس تمہاری بستی میں لے
جاؤں گا لیکن تم اگر اپنے آپ کو یہاں خوش اور محفوظ خیال کرتی ہو تو یہیں رہو، میں
چلتا ہوں۔"

کشتا نے دکھ تکلیف اور ایک اذیت و رنجوری میں روتی آواز میں زور دے کر
کہا: "کیا کیا آپ نے؟"

جنید نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: "میں نے کہا ہے کہ میں اب چلتا ہوں۔
میں عمارت میں سب کچھ چوری اور دیو داسیاں ہی نظر آتی ہیں۔ شاید وہ میرے
دیر یہاں رکھنے پر اعتراض کریں؟"

کشتا نے منہ بسورنے کے انداز میں کہا: "کوئی بھی آپ کے یہاں رکنے پر اعتراض نہ
کے گا۔ آپ رات یہیں رہیں گے۔ اس وقت میں آپ کو یہاں سے رخصت نہ ہونے
کا۔ آپ کے پاس اس جنگی لباس کے علاوہ اور بھی کپڑے ہیں یا میں کوئی انتظام کروں؟"

جنید نے مسہری پر رکھی اپنی چرمی خربین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "میرے
اک خربین میں کپڑوں کے دو ٹوٹے جوڑے ہیں۔ میرے لیے تمہیں کسی سے کپڑے مانگنے
پڑیں گے۔"

کشتا نے اٹھ کر باہر نکلتے ہوئے کہا: "میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ میرے آنے
پہلے کپڑے بدل لیں۔"

جنید اٹھا اپنا جنگی لباس اتار کر اس نے دیوار سے لگی کھونٹی پر لٹکا دیا اور دوسرے
ان کے پہن لیے۔ پھر وہ فرش پر کچھی چوٹی کی چادر پر بیٹھ گیا اور آتش دان میں جلتی

آگ پر ہاتھ پھیلا کر اپنے آپ کو گرم کرنے لگا تھا۔
 پتھر رکھاتے ہیں۔ کشتا اور راجی کے سامنے جنید چادر پر بیٹھ گیا اور تینوں کھانا

تھے۔

تھوڑی دیر بعد کشتا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ آتش دان کے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چلیپی تھی۔ اس نے مسکرا کر جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں نے پانی گرم کر رکھا ہے کیا آپ نہائیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "پانی اگر گرم ہے تو پھر میں مندر نہالوں گا۔"

کشتا نے چلیپی وہیں رکھ دی۔ شاید وہ جنید کا ہاتھ منہ دھولنے کو چلیپی لائی تھی۔ پھر اس نے اپنے بستر کے تکیے تلے سے کر کے رکھا ہوا ایک انگوچھا نکالا اور جنید سے کہا۔ "آپ چاہے ساتھ آئیں۔ جب وہ گاگرا اٹھانے لگی تو جنید نے پوچھا۔ "اس میں کیا پانی گرم کر رکھا ہے؟" کشتا نے کہا۔ "ہاں۔"

جنید نے آگے بڑھ کر اس سے گاگر لیتے ہوئے کہا۔ "تم چھوڑ دو اسے میں اٹھا ہوں۔ تم صرف غسل خانے تک میری راہنمائی کرو۔"

مرے سے بالکل سامنے غسل خانے تھے۔ ایک غسل خانے میں کشتا نے انگوچھا رکھنے ہوئے۔ آپ نہالیں اتنی دیر تک میں آپ کے لیے کھانا لگواتی ہوں۔ پانی زیادہ گرم ہے اس میں اور ٹھنڈا پانی ملا لیں۔"

غسل خانے میں پڑی ہوئی تین بالٹیوں میں سے ایک میں کشتا نے گاگر سے کچھ گرم پانی ڈالا۔ اس میں دوسری بالٹیوں سے کچھ ٹھنڈا پانی ملا کر اس نے کہا۔ "اس سے میں اور راجی ہاتھ منہ دھولیں گی۔" کشتا باہر نکل گئی اور جنید دروازہ بند کر کے نہانے لگا۔

نہا کر جب جنید دوبارہ کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا آتش دان کے پاس کچھ چونسلی کی چادر پر کشتا اور راجی ہاتھ منہ دھو کر اور کھانا لگا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

کشتا نے پوچھا۔ "آپ کے لیے کھانا چادر پر ہی رہنے والی یا مسری پر لگانا جنید نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں نہیں کھاؤ گی۔"

کشتا نے کہا۔ "آپ کھالیں پھر بعد میں ہم بھی کھالیں گی۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کھانا چادر پر ہی لگا رہنے دو۔" دیکھ

اپنی آنکھوں میں ہزاروں آرزوئیں، آشتائیں اور توقعات لیے کشتا نے پوچھا۔
 باہر سے جانے کی جلدی کیا ہے؟

جنید نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں بنیادی طود پر ایک سپاہی ہوں جس پر کچھ باں بھی عاید ہوتی ہیں۔ میں باہر سے صرف ایک ڈوروز کے لیے پوچھ کر آیا تھا۔ اگر دیکھا تو وہ میرا انتظار کرے گا۔"

کشتا بے چاری محزون و طول ہو گئی۔ ظاہری طود پر اس نے لپٹا بھرم قائم رکھا ہوا درخوش و مطمئن دکھائی دیتی تھی لیکن اندر ہی اندر ہزاروں سلگتی ساعتوں، گہرے جھوڑے دیوان توج کا شکار تھی۔ انتہائی دکھ اور آزدگی میں کشتا نے کہا۔ "اگر آپ کا صبح یا ضروری ہے تو میں آپ کو نہ روکوں گی۔"

تھوڑی دیر تک وہ آتش دان کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے ماضی پر گفتگو کرتے رہے۔ جی باہر جا کر ایک مسہری اٹھا لائی اور اس پر بھی بستر لگا دیا۔ پھر ایک مسہری پر جنید لاہری مسہری پر کشتا اور راجی سو گئے تھے۔

رات کے پچھلے حصے میں جنید اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا راجی گہری نیند سوئی تھیں۔ رات لمحہ لمحہ اور دھیرے دھیرے گچھلتی موم بتی کی طرح ختم ہو رہی تھی اور صبح باقی۔ کیوں کہ سبز چولہوں سے محروم خزان زدہ درختوں کے پیلے اور مرجھائے ہوئے لکڑی کے پیوند اب کہیں کہیں اپنی اپنی بولیوں میں آمد و سحر کی آگاہی کر رہے تھے اس نے ادھر ادھر دیکھا کشتا وہاں نہ تھی۔ وہ اٹھا، دروازہ کھول کر باہر اور طہارت خانے میں جا کر وہ منہ ہاتھ دھو آیا۔ واپس کمرے میں آکر اس نے اپنا

اپنے لشکر کی طرف واپس جاتے جاتے جنید شاید اگر سین کے آخری بھائی نریش سے لینا چاہتا تھا جو اسے دیکھ کر کھیت سے بھاگ گیا تھا۔ اس بنا پر جنید نے اس سے رفقاری سے سفر کیا کہ وہ عشاء کی نماز جنگل میں پڑھنے کے بعد اگر سین کی سند میں داخل ہوا۔ اپنا گھوڑا اس نے اگر سین کے مکان سے باہر دکا۔ نیچے اتر کر دیکھا مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ دیوار بچا نہ کر اندر گیا اور اپنی تلوار لے بیٹھا کمرے کے بڑھا۔

ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ جنید بے عیاں اس میں داخل ہوا۔ کمرے کھیت سے بھاگ جانے والا نریش موجود تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں پندرہ سے نو سو برس تک کے تین لڑکے، ایک بوڑھا، ایک بڑھیا اور ایک جوان اور مورت لڑکی تھی۔

جنید کو دیکھتے ہی وہ سب بدتماسی میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنید نے اپنی تلوار کی طرف لہراتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہارا نام ہی نریش ہے نا۔“

اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، میں ہی نریش ہوں۔“
 جنید نے کہا۔ ”کھیت سے تو بھاگ گئے تھے۔ اب بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔“
 اچانک نریش آگے بڑھا اور جنید کے پاؤں پر گر پڑا۔ اس نے کہا۔ ”مجھے ناکوئی ہمارا ج! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ کسی بھی ایسے کام میں شرکت نہ کروں گا جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ آپ کمرے میں کھڑے میرے ماں باپ، بہن اور لڑکی کی روشنی اور بے گناہی کی خاطر ہی مجھے چھوڑ دیں اور معاف کر دیں۔“

جس لڑکی کی طرف اشارہ کر کے نریش نے بہن کہا تھا اسی وقت وہاں سے اندر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

اپنے پاؤں پر گرے نریش کی طرف رحم اور نرمی سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”گو نریش بھائی دھرم و دعت اور ہراج کے قاتل ہو لیکن تم گر کر مرنا کر معافی مانگ رہے ہو۔ تمہارے لیے تائب ہوتے۔ تو تو میں تمہیں ان بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے

جنگی لباس پہن لیا اور دوسرا لباس اس نے نہ کر کے اپنی چرمی خربجین میں ڈال لیا تھا۔ دوبارہ وہ مسری پر بیٹھ کر کشتا کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کشتا کمرے میں داخل ہوئی تو جنید نے پوچھا۔ ”تم کہاں چلی گئی تھی؟“

کشتا نے کہا۔ ”آپ کے لیے کھانا اور زاد راہ تیار کیا ہے۔ ایک بھان کو پک کر میں نے آپ کا گھوڑا صطبل سے یہاں منگوایا ہے۔ پکجاری نے اس پر زین کر دیا ہے۔ اور اسے اس عمارت کے سامنے باندھ کر اسے خوراک کا تو بڑا بھی چڑھا دیا ہے آپ کے گھوڑے کی زین کے ساتھ جو چمڑے کی ایک خربجین بندھی ہے اس میں آپ کے لیے میں نے زاد راہ ڈال دیا ہے اور پانی کا مشکیزہ بھی بھر کر زین سے باندھ دیا ہے۔“

جنید نے مسری سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا پھر میں اب چلتا ہوں۔“
 کشتا نے روتی بین کرتی آواز میں پوچھا۔ ”کھانا نہیں کھائیں گے۔“
 جنید نے کہا۔ ”اس وقت بھوک نہیں ہے۔ جو کھانا تم نے میرے گھوڑے کی خربجین میں ڈال دیا ہے۔ وہی کافی ہے۔“

کشتا خاموش رہی۔ دونوں کمرے سے نکل کر عمارت سے باہر آئے۔ وہاں بندھا ہوا اپنا گھوڑا جنید نے کھولا۔ پھر اپنے کندھے پر لٹکتی خربجین اس نے زین سے ہاتھ کر اس میں سے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی جس میں سنہری سکہ تھے وہ تھیلی اس نے کشتا کو تھماتے ہوئے کہا۔ ”کشتا! یہ دیکھ لو تمہیں ضرورت پڑے گی۔“

کشتا نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ رکھیں، مجھے کیا ضرورت پڑے گی۔“
 جنید نے اسے تھیلی زبردستی تھما دی۔ کشتا نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔ ”آپ ہم کب آئیں گے؟“

جنید نے کہا۔ ”میں بہت جلد آؤں گا اور تمہارے رہنے کے لیے کوئی محفوظ اور مستقل بندوبست کروں گا پھر اس نے ایک الوداعی نگاہ کشتا پر ڈالی۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔“

کے لیے معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ تم نے اگر ایسے کسی فعل میں دوبارہ حصہ لیا تو یاد رکھو میرے انتقام سے بچ نہ سکو گے۔“

ریش نے کہا۔ ”آپ مطمئن رہیں مہاراج! میں آپ کو شکایت کا موقع ہی نہ دوں گا۔ میں سمجھتا تھا آپ کٹھن، کھروے اور کرخت انسان ہوں گے لیکن آپ تو نرم اور رحم دل ہیں۔ کاش میرے بھائی بھی کھیت میں آپ سے معافی مانگ کر انجی اپنی جانیں بچا لیتے۔ یہ ساری غلطیاں میرے بھائی اگر سین کے باعث ہوئیں۔ وہ جگہ اور دنگے فساد کا شوقین تھا۔“

جنید نے کہا۔ ”جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا، اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت اور ان کی دعائیں لو۔“

جنید جب مڑ کر باہر جانے لگا تو اچانک ساتھ والے کمرے سے ریش کی ہوا اور خوب صورت بہن کیسو بھاگتی ہوئی نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر ریش اور اس کے ماں باپ خوف سے لرز کا نپ گئے تھے۔

کیسو نے اپنی تلوار لہرائی اور جنید کی گردن کو حریف بناتے ہوئے اس نے جب تلوار گرائی تو جنید اچانک بجلی کے کوندے کی طرح مڑا، کیسو کی تلوار کو اس نے اپناٹھا پھر روکا اور غصے میں اس نے کیسو کا تلوار والا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ”جس وقت دوسرے کمرے میں گئی تھی، تمہارے متعلق مجھے اسی وقت شک ہوا تھا۔ لہذا میں متا تھا۔ اگر یہ حرکت ریش کرتا تو میں اس کی گردن کاٹ دیتا۔ تم عورت فات ہو تہا میں کیا کہوں؟“

کیسو سے تلوار چھین کر جنید نے اسی کمرے میں پھینک دی جس سے وہ تلوار مڑ کر بجلی تھی۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے کیسو کا بازو دھچھوڑتے ہوئے کہا۔ ”جان بڑا، طرح میں نے تمہیں بھی معاف کیا۔“ جنید کمرے سے نکلا، بیرونی دروازہ کھول کر وہ باہر میں آیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ وہاں سے اپنے لشکر کی طرف گئی کر گیا تھا۔



تیمور، سیرک اور مہرنگار ایک روز انجی شہر کے قریب جا پہنچے تھے۔ وہ اس ہر سفر کرتے آئے تھے جو لاہور سے بھیڑ، وہاں سے کوہ سلیمان، غزنی، کابل، لہرزا، دربند، سمرقند اور خجند شہروں سے گزرتا ہوا انجی شہر کی طرف چلا گیا تھا اس سے آگے وہ کوہستان سفید کے دروں سے گزرتا ہوا شمال مشرق کی طرف چلا

تیمور، سیرک اور مہرنگار اب انجی شہر سے صرف چار فرلانگ کے فاصلے پر آچکے تھے۔ ان کی دونوں کی برف باری کے باعث فضاؤں میں میٹھی اور خوشگوار دھوپ آئی۔ برف کے سفید فرغل پہنے کوہستانی چوٹیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ برف کی چھوٹی چھوٹی چٹانیں ادھر ادھر بکھرے مرقع جیسی لگ رہی تھیں۔ رخ اور پہاڑی بکڑے رزق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

برف باری رک جانے کے باعث، قاقم و مغلی ٹوپیاں، خطائی اطلس کے لہر شینے کے لباس پہنے آؤنی کپڑوں اور کبلوں کے تاجراں اس قدیم اور اساطیری شاہراہ پر رواں دواں ہو گئے تھے۔ برف باری کے بعد دھوپ نکلنے سے

ام بولائی ہے۔ میں تیمور کی پھوپھی اور بنید کی خالہ ہوں۔
پھر بولائی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تیمور! میرے بیٹے! جنید
ہے۔“

تیمور نے کہا۔ ”پھوپھی! وہ میرے ساتھ نہیں آیا۔ اس نے مجھ اکیلے کو
پاہے۔ پھوپھی! اب وہ بابر کے ہراول کا جرنیل ہے۔ وہ بہت مصروف ہے
ع فراغت بہت کم ملتی ہے۔“

پھر بولائی مڑی اور حویلی کی طرف منہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”منصور!
ا! بھاگ کر آؤ۔ دیکھو کون آیا ہے۔“

بولائی نے جو بچہ اٹھایا ہوا تھا اس کی طرف تیمور نے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا
پچا! یہ بچہ بڑا خوب صورت اور توانا ہے، یہ کس کا ہے۔“

بولائی نے کہا۔ ”یہ منصور اور سیون کا بیٹا، تیرا بھتیجا اور جنید کا بھانجا ہے۔“
یہ بچہ لپک کر لے لیا اور اسے بری طرح پیار کرنے لگا۔

بولائی نے کہا۔ ”چلو تم لوگ اندر آؤ باہر کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔ تیمور بچے
لے میرک اور مہر نگار کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا۔ اتنی دیر تک منصور اور
پچا بھی بھاگتے ہوئے آ گئے۔“

منصور بھاگ کر تیمور سے گلے مل گیا تھا۔ بولائی نے ان دونوں کو مخاطب
ہوئے کہا۔ ”یہ تیمور کی بیوی سیرک اور اس کی ماں مہر نگار ہیں۔“

منصور تینوں گھوڑوں کو پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا۔ بولائی اور سیون
لی کو حویلی کے اندر لے جا رہی تھیں۔

تیمور، سیرک اور مہر نگار جب حویلی کے اندر آ گئے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ
ایک وسیع جتنے میں ٹاٹ بچھا کر ان پر خشک خوبانیاں پھیلا رکھی تھیں اور
ایک دیوار کے ساتھ سائے میں تازہ انار، سیب، اخروٹ اور بادام کی بوریاں بھری
مل۔ قریب ہی ایک بڑے ٹاٹ پر گدے بچھا کر ان پر چادریں ڈالی ہوئی تھیں۔

موسم ایسا نکھر نکھرا ہو گیا تھا۔ جیسے کہن زمین اور بوڑھا آسمان گلے مل رہے ہوں۔
کوئی مہجین سپنوں کی رنگین بارش میں رقص کناں ہو گئی ہو۔ دھوپ تیز ہو جانے کے
باعث چشموں اور برف کا پانی کوہستانوں کی نیلی نیلی رگوں میں بہہ نکلا تھا۔

ایک دم تیمور خوشیوں سے سرشار بلند آواز میں اپنی بیوی کو مخاطب کرنے
ہوئے کہا۔ ”سیرک! سیرک! ادھر دیکھو! ہماری منزل آگئی۔ وہ سلمنے اسی شہر
دکھائی دے رہا ہے۔“

سیرک نے دیکھا ذرا فاصلے پر مسجدوں کے کلس و مینار کے علاوہ تلے نیلے مینارا
کے درمیان کاشانی چو کو رنگند بھی دکھائی دے رہے تھے۔ سیرک کی ماں نے کہا۔

”شکر ہے ہم پہنچے تو۔ شدید برف باری نے ہمارے اس سفر کو بڑا طویل کر دیا
تھا اور سچ بات ہے۔ میں تو اب اس سفر سے تنگ آگئی تھی۔ آج کئی دن بعد دھوپ
نکل رہی ہے تو لگتا ہے ایک عرصے بعد اس سرزمین کی آتھیلی روشن ہوئی ہو۔“

تیمور نے کہا۔ ”اب تو ہم پہنچ ہی گئے ہیں۔ میرے گھروالے آپ دونوں کو
میرے ساتھ ساتھ دیکھ کر بڑے خوش ہوں گے۔“

جواب میں سیرک اور اس کی ماں ایک دوسری کی طرف دیکھ کر ہلکے ہلکے مسکرا
رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ انہی شہر میں داخل ہوئے اور تیمور نے اپنے گھر کے دروازے
پر دستک دی۔ چند ہی ثانیوں بعد تیمور کی پھوپھی بولائی نے دروازہ کھولا۔ وہ ایک
ڈیڑھ دو سال کا بچہ بھی اٹھائے ہوئے تھی۔

تیمور کو دیکھتے ہی بولائی نے آگے بڑھ کر تیمور کو اپنے ساتھ لٹا لیا اور اس
کی پیشانی چومنے لگی۔ پھر تیمور نے بولائی سے کہا۔ ”پھوپھی! یہ میری بیوی سیرک
اور اس کی ماں مہر نگار ہیں۔ ادھر روانگی سے دو روز قبل وہاں آگہ شہر میں
نے شادی کر لی تھی۔“

بولائی آگے بڑھ کر سیرک اور مہر نگار کے ساتھ بڑے تپاک سے ملی اندھا۔

اور وہاں ان گدوں پر دھوپ میں بوڑھا شیرم طغانی، میرم، سیدم اور پورٹ بیٹے
 ہوئے تھے۔ تیمود کو دیکھ کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باری باری اسے گلے لگے
 کرے۔ بولائی نے میرک اور مہنگار کا سب سے تعارف کرایا۔

سب سے پہلے سیدم خوب گلے لگا کر میرک اور اس کی ماں سے ملی پھر پڑش
میرم نے اُٹھ کر میرک کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بوڑھے جرنیل شیرم طغائی نے
دونوں ماں بیٹی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ پھر شیرم طغائی نے سیون کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ " اندر سے کوئی ٹینگ اٹھا لاؤ بیٹی! اور یہاں دھوپ میں نہ بچا کر
دونوں ماں بیٹی کے لیے ان پر گدے چادریں ڈال دو۔"

ہم سب کے ساتھ فرشتے نہ سمجھے ان گدّوں پر یہی بیٹھیں گی ۔

تیمور، سیرک اور منترگار جوتے اتار کر ان گدول پر بیٹھ گئیں۔ اتنی دیر نہ
منصور بھی گھوڑے، اصطبل میں باندھ آیا۔ وہ اور سیون بھی وہاں گدول پر بیٹھ گئے
تیمور نے گود میں اٹھائے منصور کے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیرم طغائی،
پوچھا۔ "اس بد معاش کا نام کیا رکھا ہے وادایہ تو بہت تیز اور ہوشیار لگتا ہے
شیرم طغائی نے کہا، "میرے باپ نے اس کا نام سمر بگ رکھا ہے ادا
سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب اس خاندان میں منصور، جلیہ تمہارا کوئی
ہو تو اس کا نام اللہ ویردی رکھا جائے گا۔"

اچانک بوڑھا شیرم طغائی رکا پھر اس نے تیمور سے پوچھا۔ ”کیا بات۔“
میرا بیٹا جنید تمہارے ساتھ نہیں وہ کہاں رہ گیا۔“

تیمور نے کہا دادا! وہ نہیں آیا۔ وہ بہت مصروف ہے۔ اس بے جا
کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ میرے ساتھ آتا۔ ویسے وہ کہہ رہا تھا۔ کاش! میں بھی
ساتھ چلتا اور اپنے نانا، ماموں، خالہ، ماں، بہن اور بھو بھی سے ملتا۔
اس بار تیمور کی ماں اور جنید کی بھو بھی نے پوچھا۔ کیا مصروفیت ہے!

یاد رہے ناز تو نہیں ہم سے جو وہ گھر نہیں آتا۔ وہ اس گھر کی رونق ہے۔ میرے مرنے کا بجائے
 کی زینت، میرے باپ کی نشانی ہے۔ کاش وہ بھی تمہارے ساتھ آتا۔ میں اسے پوچھتی اُسے
 مار کرتی۔ وہ جب یہاں انسی شہر میں ہوتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا باپ اور میرے
 بھائی زندہ ہو کر میرے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ وہ کیوں نہیں آیا۔ اسے آنا چاہیے تھا۔ تم
 نے زبردستی ساتھ لائے ہوتے۔

تیمور نے کہا۔ "اے میری ماں! آپ کیسے باتیں کرتی ہیں۔ میں بابر کے لشکر کا ایک معمولی اور گننام سپاہی ہوں۔ جنید بابر کے لشکر کے ہراول کا جرنیل ہے۔ بخدا وہ جنگ میں بڑے بڑے سوار اور شیر دل جوانوں پر چھا جانے کا فن جانتا ہے۔ سیالکوٹ شہر پر شمالی کوہستانوں کے وحشی حملہ آور ہو کر شہر کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتے تھے۔ اپنے جنید کو ہراول کے ساتھ ان پر حملہ آور ہونے کو بھیجا۔ جنید ان کو ہستانی وحشیوں کے انہول میں ایسا گھسا جیسے بھد کا بھیر ٹیا لومڑی کے بھٹ میں گھستا ہے۔ اس نے ان وحشیوں کو تباہ و برباد کر کے ان کے سر کردہ لوگوں کو گرفتار کر کے بابر کے سامنے پیش کر دیا۔

دریائے راوی کے کنارے پنجاب کے حاکم دولت خان اور شمالی علاقوں کے حکمران
 فارسی خان سے جنگ کے دوران بھی اس نے سارے لشکر میں اپنی برتری کا مظاہرہ کیا۔
 بابر کے بیٹے ہمایوں کے ساتھ مل کر اس نے دریائے راوی کو پہلے کے بغیر عبور کیا اور
 دریائے اس پار جا کر اس نے دشمن کو گرجا کھیرے کی طرح کاٹتے ہوئے بابر کو اپنے لشکر
 کے ساتھ دریا عبور کرنے میں آسانی فراہم کی۔

اے میری ماں! یہی نہیں ہندوستان کے حکمران ابراہیم لودھی کے ساتھ جنگ کے دوران بھی اس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ابراہیم کی شکست کے بعد بابر نے اسے آگرہ شہر فتح کرنے کو بھیجا اور اب آگرہ شہر پر بابر کا قبضہ ہے۔ آگرہ شہر میں ہی جنید کی رضامندی سے میری شادی سیرک سے ہوئی۔

ہندوستان کے سب سے طاقتور راجہ رانا ساٹوا کے دو جرنیل درمنگت اور

دیرانی اور ٹوٹ کھسٹ مچادی تھی۔ ہماری ادھر روانگی سے قبل بار نے بنید کو ان دونوں خوشخوار برنیل کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور جب ہم برف باری کے باعث کابل میں رُکے ہوئے تھے تو وہاں تیز رفتار ہرکارے خبر لائے کہ جنید نے رات کے وقت اس شہر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا ہے جسے درمنگت اور خان جہاں نے فتح کر لیا تھا اور ایک کھلی وادی میں اس نے درمنگت اور خان جہاں کے لشکر پر حملہ کیا اور ان کے لشکر کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے اس نے درمنگت اور خان جہاں دونوں جرنیلوں کو گرفتار کر لیا۔

اے میری ماں! بنید ہم سے بیزار نہیں۔ وہ ہم سب سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے۔ لیکن وہ مصروف ہے۔ بابا اس پر اندھا اعتماد کرتا ہے اور اپنی ہر شکل اس سے حل کرتا ہے۔ وہ ایک بہترین بھائی، ایک سعادت مند بیٹا، ایک پر محلوں اور ایک خدمت گزار بھتیجا اور ایک فرمانبردار بھانجہ ہے۔ بخدا وہ جب بھی میرے، سیرک یا اس کے باپ علی قلی کے پاس بیٹھتا تھا، اپنے نانا کی شفقت، ماموں کے پیار، ماں کی محبت، چھو بھی کی چاہت، خالہ کے خلوص، بہن کے ایثار اور بھائیوں کی وفاداری کی ہی تعریف کرتا رہتا تھا۔

اچانک تیمور کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے دیکھا بوڑھے شیرم طغانی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گر رہے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھی اس کی بیٹی اور جنید کی ماں سید بھی روتی ہوئی بڑی مشکل سے اپنی ہچکچیل کو روک رہی تھی۔

تیمور اٹھ کھڑا ہوا اور سید کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے کہا: "آپ ردہی ہیں چھو بھی! آپ کو اپنے بیٹے پر غر ہونا چاہیے۔ اس کی تعریف پر خوش ہونا چاہیے۔ بخدا مجھے اپنی ذات پر غر ہے کہ میں جنید کا بھائی ہوں۔ وہ بڑے بڑے طوفانوں، مغرور و سرکش جوانوں، سوختہ جاں لمحوں، کالے مردہ پہاڑوں، سمندروں کی تہوں اور وقت کی دھول کو سر کر جانے والا جوان ہے۔

اے میری چھو بھی! کیا آپ کو اپنے بیٹے پر غر نہیں ہے۔ اس موقع پر سیمون بھی رو پڑی تھی اور بولائی اسے اپنے ساتھ لپٹا کر تسلی دینے لگی تھی۔ بوڑھے شیرم طغانی نے جو

ماں اس کے پاس بیٹھی اس کی عزیز بیٹی رو رہی ہے تو وہ بے چارہ پگھل کر رہ گیا۔ پھر شیرم طغانی نے سیدم کا سر اپنی چھاتی سے لگا لیا اور پیار سے پوچھا: تم رو رہی ہو؟

آنسوؤں میں بھینگی مسکراہٹ میں سیدم نے کہا: "اے میرے باپ! یہ آنسو تو خوشی انویں۔ جنید بالکل اپنے باپ جیسا نکلا ہے بلکہ اس سے زیادہ جگر دار اور بیباک۔ اے میرے باپ مجھے غر ہے کہ میں سمر بیک کی بیوی اور جنید کی ماں ہوں۔"

اس موقع پر بولائی، سیمون کو ساتھ لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا: "لوگ بیٹھیں۔ تیمور، سیرک اور مہر نگار خاتون کے لیے میں اور سیمون کھانا تیار لائیں۔ پھر بولائی سیمون کے ساتھ مطبخ کی طرف چلی گئی تھی۔

شیرم طغانی نے اس بار موضوع بدلتے ہوئے تیمور سے پوچھا: "کیا تمہاری طرح جنید کی شادی کر لی ہے؟"

تیمور نے کہا: "نہیں دادا! اس نے ابھی شادی نہیں کی۔ اس نے اگرہ شہر میں ت ہونے سے پہلے مجھے کہا تھا کہ نانا اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کام نہیں ماحول سے بھی زیادہ کام نہ ہوتا ہوگا۔ سارا کام اکیلے منصور بھائی کو کرنا پڑ رہا ہوگا۔ اگر نانا اجازت دیں تو تم اور سیرک وہیں رُک جانا اور گھر کے کام میں ہاتھ بٹانا۔"

اس بار میرمنے بولتے ہوئے کہا: "جنید بہت دردمند بیٹا ہے۔ اس نے ٹھیک ہے اب تم ہمیں رہو گے تیمور! یہاں باغات اور کھیتوں میں کام بڑھ گیا ہے۔ ہم ہارلڈ زین آباد کر رہے ہیں اور باغات میں بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سال ہمیں پہلے کی تھپلول سے ڈیڑھ گنا اور کھیتوں سے دو گنا آمدنی ہوئی ہے۔ لہذا تمہارا یہاں رُکنا نامزدی ہے۔ سیرک بھی یہاں باغات اور کھیتوں میں خوش رہے گی۔

دیکھو یہ پھول سے بوریاں بھری ہوئی ہیں۔ انہیں سمرقند کا ایک تاجر خرید چکا۔ برف باری کے باعث وہ یہ مال اٹھا نہیں سکا۔ شاید وہ بھی آج آئے منصور اور لہجے چارے دونوں دن بھر کام کرتے رہتے ہیں۔ بابا سے کام لینا اب ہم نے ترک

مارت مند بیٹا عطا کیا ہے۔

اس موقع پر بوڑھے خیرم طغائی نے اپنی بیٹی سیدم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
سیدم! سیدم! میری بیٹی! چونکہ یورث اپنے بجائے کچھ اس گھر کی بڑی قرار دے
ہے لہذا اٹھ اور ان تھیلیوں کو سنبھال لے۔

سیدم ان تھیلیوں کو سمیٹ رہی تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ منصور
ٹاٹا اور دروازہ کھول کر اس نے دیکھا۔ پھر مڑ کر اس نے خیرم طغائی سے کہا: دادا!
مرد کے تاجر کے ملازم گھوٹا گاڑیاں لے کر آئے ہیں اور اپنا مال اٹھانا چاہتے ہیں۔
خیرم طغائی نے کہا: "دور کو بیٹھے! پھر وہ اٹھا اور کہا: یورث! سیدم! تم
دونوں بہنیں اٹھو اور سیرک اور اس کی ماں کو اندر لے جا کر ان کی تواضع کرو۔ تاکہ ہم یہ مال
اٹھالیں۔"

سیدم اور یورث اٹھیں، سیرک اور اس کی ماں منہ نگار کو اپنے ساتھ اندر لے گئیں۔
خیرم طغائی، میرم، منصور اور تیمور وہ سینکڑوں بوریاں اٹھانے لگے تھے جو پھلوں سے
بھری دیواروں کے ساتھ ساتھ چھبچھول تلے پڑی ہوئی تھیں۔

○

جسین کنپلی ایشور مندر سے ملحقہ ایک خوب صورت اور تین منزلہ مارت میں اس
کے لیے بیٹھی ہوئی تھی جو اس کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے سامنے ایک گدی وار نشست
بائٹت و سرام بیٹھا ہوا تھا اور کنپلی کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

"راجکمار! یہ انسانی جسم اس کے پچھلے کرموں یا اعمال کے مطابق ملتا ہے۔ سکھ
یاد کو پانے کے لیے یہی جنم مرن کا سلسلہ ہے۔ اس زندگی کو گزارنے کے بعد اس جسم کی پھر
لوت ہوتی ہے اور وہ کسی اور مال کے بطن میں داخل ہو جاتا ہے۔ تب دوسری قسم کا جسم باہر
آتا ہے یہی سلسلہ آدکون ہے جو ہمارے دھرم کی بنیاد اور اساس ہے۔ ہمیں ہندی نجدگی کے
باتو فوکرنا چاہیے کہ جنم مرن اور تبدیلی جسم کے اس لگاتار سلسلے کو کیسے توڑ سکتے ہیں اور
نفس ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ نردوان پالیتا ہے اور جنم مرن کی ان گھنائیوں

کو دیا ہے۔ انہیں آرام اور خدمت کی ضرورت ہے لیکن منصور، سیمول اور میرم کے ساتھ
جب سیدم اور بولانی بھی کام کرتی ہیں تو مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں چاہتا ہوں میری
دونوں بہنیں گھر پر رہیں اور صرف اپنے بوڑھے باپ کی خدمت کرتی رہیں۔ اب تم
آگئے ہو تو صرف میں تم اور منصور ہی باغات اور کھیتوں میں کام کریں گے۔ سیدم بولانی
سیمول اور سیرک گھر پر ہی رہیں گی۔ اب ہماری آمدنی بھی بڑھ گئی ہے اور اگر ضرورت پڑے
تو باغات اور کھیتوں کے لیے دو چار ملازم اور رکھ لیں گے۔"

اچانک تیمور کو کچھ یاد آگیا اور اس نے چونک کر کہا: "میں نے اپنے گھوڑے کی
زین سے خرچین تو اتاری ہی نہیں۔" اس کے قریب بیٹھے ہوئے منصور نے مسکراتے ہوئے
کہا: "تم فکر مند نہ ہو! میں اتار لایا ہوں" پھر اس نے اپنی لان کے نیچے کھی ہوئی خرچین تیمور
کی گود میں رکھتے ہوئے کہا: "یہ لو۔"

تیمور نے خرچین کے اندر سے نقدی کی چھ تھیلیاں نکالیں اور کہا: "اس میں
دو تھیلیاں میرے حصے کی اور چار بڑی تھیلیاں جنید کے حصے کی ہیں۔
سب سے بڑی تھیلی باہر نے جنید کو اس وقت انعام میں دی تھی۔ جب اس کے
سیالکوٹ پر حملہ کرنے والے کو ہتانی وحشیوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ دوسری بڑی تھیلیاں
اس وقت انعام میں ملی تھی جب اس نے دریائے راوی عبور کر کے پنجاب کے حکمران
دولت خان پر جان لیوا حملہ کیا تھا۔ باقی دو تھیلیاں اس کے مال غنیمت کے حصے کا
ہیں۔"

پھر وہ نقدی کی تھیلیاں اٹھا کر قریب قریب بیٹھے خیرم طغائی اور میرم کے
قدموں میں رکھتے ہوئے تیمور نے کہا: "یہ تھیلیاں دیتے وقت جنید نے مجھے کہا تھا۔ کہ
نقدی کی یہ تھیلیاں میرے نانا اور ماموں کے قدموں میں ڈال دینا۔ وہ جیسے چاہیں انہیں
خرچ کریں۔"

میرم نے جھگی لپکوں اور رقت آمیز آواز میں کہا: "یہ میرے اس عزیز بھائی کی
سعادت مندی ہے۔ خدا کی قسم! میری بہن سیدم خوش بخت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اسے ایسا

سے مکمل طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔

دن سا غلام اچھا اور بہتر ہو گا۔

پنڈت دسرام نے جھٹ کہا۔ ”دس مالکوں سے ایک آقا کمین بہتر ہے اور وہ دوسرا غلام خوش قسمت ہے جو صرف اپنے ایک ہی آقا کی خدمت کرتا ہو۔“

کنپل نے جھٹ کہا۔ ”تو اے پنڈت دسرام! جب کہ تم تسلیم کرتے ہو کہ دس آقاؤں سے ایک آقا بہتر ہے تو کیا تم یہ تسلیم نہ کرو گے کہ دس خداؤں کی نسبت ایک خدا زیادہ اچھا بہتر اور مناسب ہے اور پھر وہ واحد خدا بھی ایسا ہی جو زبردست اور قوت رکھنے والا ہونے کے باوجود اپنے بندوں پر مہربان، رحم دل اور عفو و درگزر کرنے والا ہو۔“

پنڈت دسرام نے جھٹ کہا۔ ”جب بھی میں تمہیں دھرم دھیان کی طرف راغب کرتا ہوں تم اس کا ادھیان کر کے اپنے مذہب اور دھرم کی اشاعت اور پرچار شروع کر دیتی ہو۔ تم اپنے دھرم کے حق میں ایسی ایسی مثالیں پیش کرتی ہو کہ میں خود وہ ہوتے گتا ہوں کہ کمین میں اپنے دھرم و چارے سے محصل ہی نہ جاؤں اس لیے کہ۔۔۔۔۔“

پنڈت دسرام کی بات کاٹتے ہوئے کنپل نے پھر پوچھا۔ ”پنڈت دسرام! تم اور پنڈت دیالال کتنے عرصے سے اکٹھے رہ رہے ہو؟“

پنڈت دسرام نے کہا۔ ”یہی کوئی پچھلے دس بارہ سال سے۔“
کنپل نے پوچھا۔ ”ان دس بارہ سالوں کے دوران تم میں اور پنڈت دیالال میں کتنی جھگڑا، جھگڑا اور روکدھوئی؟“

پنڈت دسرام نے کہا۔ ”اس عرصے کے دوران ان گنت بار میرے اور دیالال کے درمیان جھڑپا جھڑپا لگے دے اور بحثا بحثی ہوئی۔ ایک بار تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ میں نے گوالیار کا وہ راج مندر چھوڑ کر کہیں اور جا بسنے کا ارادہ کر لیا تھا، پر پنڈت گووند نے سمجھا بھگا کر مجھے وہاں روک لیا تھا۔ اب بھی اکثر میری اور دیالال کی جھگڑا میں الجھن ہو جاتی ہے۔“

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سنو دسرام! جب تم دو پنڈت آپس میں اتفاق نہیں کر سکتے اور مندر کے معاملات میں تم دونوں کے درمیان تنازعہ اور جھگڑا ہو جاتا ہے۔ تو پھر

یہی انسانی زندگی کی خصوصیت ہے کہ ہم بار بار تبدیلی جہنم مران کے اس سلسلے کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی اصلی اور روحانی شکل پھر مل سکتی ہے اور ہم پورا آندھا ٹھاسکتے ہیں پورا غلام حاصل کر سکتے ہیں اور بقائے دوام پا سکتے ہیں۔ یہی ارتقاء کا مقصد ہے۔ ہمیں اسے کھونا نہیں چاہیے۔ نجات کا سارا سلسلہ ایسے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے ہم نے اپنا اپنا اور سننا شروع کیا ہو۔

میں یہ بھی کہوں کہ خدا کے مقدس نام کو الٹا پنا ہو تو اسے ہرے کرشن ہرے کرشن! ”ہرے رام! ہرے رام!“ پکارتا چاہیے کیوں کہ یہ ایشوا اور خدا کے دس اقدس ہیں وہ عمدہ اور بہترین اقدار ہیں اور اپنی مذہبی کتاب گیتا کو سننا اور اس کی صداقتوں پر عمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے شری کرشن سے جسمانی تعلق ہو گیا ہو اور۔۔۔۔۔

کنپل نے پنڈت دسرام کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”پنڈت جی! کیا آپ خدا کی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں؟“

پنڈت دسرام نے کہا۔ ”ہاں! ضرور کرتا ہوں۔ وہ موجود ہے۔ وہ ایسا دوست ہے جو بار بار ہر جہنم میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ وہ اس بات کا منتظر ہے کہ ہم کب اس کی طرف راغب ہوں۔ وہ ہر شے کا، ہر کسی کا، تمام جاندار مہتیوں کا اصل باپ ہے اور اپنی ذات میں واحد مرکب ہے۔ اس نے انسان کی رہبری اور راہنمائی کے لیے اپنے دس اقداروں کی صورت میں نزول کیا۔ لہذا یہ دس اقدار خدا ہیں۔ ہماری اصل پہچان، پاک روح اور یہ تمام روحیں عظیم ترین خداوند کا حصہ ہیں۔“

کنپل نے کہا۔ ”پنڈت دسرام! فرض کرو دو غلام ہوں۔ ایک کے دس آقا ہوں جو ہر وقت آپس میں لڑنے کے علاوہ اس غلام کو بھی گالی گلوچ کرتے ہوں۔ اسے لاتے بیٹھتے ہوں اور ہر آقا دوسرے آقا کی ضروریات کو نظر انداز کر کے اس غلام سے مرنے پانا ہی کام کر دانا چاہے۔ اور دوسرا جو غلام ہو اس کا ایک ہی آقا ہو اور وہ بھی شفیق و رحیم و عفو و درمہربان و معاف کر دینے والا ہو تو اے پنڈت دسرام! ان دونوں غلاموں میں سے

دنوں خدا آپس میں کیسے اور کیوں کر اتفاق، اتحاد، یگانگت اور یک جہتی رکھ سکتے ہیں۔ پنڈت و سرام اگر زیادہ خدا ہوتے تو یہ زمین و آسمان کا سلسلہ، یہ چاند، سورج اور ستاروں کا اپنے اپنے برجوں اور راستوں پر ایک ایک خاص تقویم اور تقلید کے ساتھ گردش کرتا، چاند کا بڑھ کر کبھی بدر کا مل ہونا اور کبھی سکڑ کر کھجور کی خشک ٹہنی جیسا ہونا سورج کا سال بھریں دائیں بائیں اپنے مختلف راستوں پر گردش کرنا۔ بہار کے بعد گرمیاں پت جھڑ اور سرما کا آنا ممکن نہ ہوتا۔ کیوں کہ زیادہ خداؤں میں ضرور آپس میں جھگڑا ہوتا اور ہر کوئی اس نظام کو دوسرے سے مختلف اور اپنے انداز میں چلانے کی کوشش کرتا۔ اس طرح یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

یہ ایک خدا ہی ہے جس نے اس سارے نظام کو ایک نظم ایک ضبط اور ایک تقویم کے تحت کر رکھا ہے۔ وہ واحد اور یکتا ہے جس نے سمندر و لوگوں کو آباد کیا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور دیگر اجرام فلکی کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں سورج کی جرات نہیں کہ چاند کو اپنی طرف کھینچ لے یا اس کے ملا میں داخل ہو کر اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے۔ چاند میں اس قدر حرارت نہیں کہ اپنا گھٹنا بڑھاتا ترک کر دے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا ایک واحد اکیلا ہے مثل و یکساں اور اگر زیادہ خدا ہوتے تو کائنات کا یہ نظام کبھی کا اتر ہو کر ختم ہو گیا ہوتا۔

پنڈت و سرام! جیب ایک بار انا سر جاتا ہے تو وہ کسی اور ماں کے بطن سے دھڑکا جہنم نہیں لیتا بلکہ اس کا جسم اس وقت تک فنا ہے گا جب تک حشر پرانے معاہدے کے واحد سب کو دوبارہ زندہ نہ کرے اور انسانوں کے اعمال کے تجزیے کے لیے میزان قائم نہ کرے۔ ہاں انسان کی روح زندہ رہتی ہے اور دنیاوی آلائشوں، مہنسی خوشی، غم و دکھ سے اس کا تعلق بھی رہتا ہے۔

پنڈت و سرام نے برہم ہو کر مٹھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری باتیں میرے انداز انقلاب پیدا کرتی ہیں اور میں اسی طرح اگر تمہاری گفتگو سننا رہا تو میرا اپنا دھرم ادھیڑ ہو جائے گا۔ آج کے بعد میں نہیں دیا لال تمہارے لیے دھرم دھیان کرنے آیا کرے گا۔“

وسرام غصے میں مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ایشور مندر کی ایک دیوہاسی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ کنپل نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پیار سے کہا اڑ لاکھی! آدمیری پاس آکر بیٹھو۔

لاکھی نام کی وہ دیوہاسی آگے بڑھی اور کنپل کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے بکے سکڑنے ہوئے کہا۔ ”مزمرو کی طرح آج پھر پنڈت و سرام تمہارے کمرے سے جھلا کر گیا۔ میں باہر کھڑی تم دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا یہاں آتے آتے اس کا اپنا برم بھی ادھیڑ ہو جائے گا۔ نہ جانے یہ دھرم کے یو پارے عورت کو کیا سمجھتے ہیں۔ عورت ہم زم زم دھرم اپنانے اور دھرم کرنے کی تو آزادی ہونی چاہیے۔“

میں تمہاری اور وسرام کی گفتگو روز سننتی ہوں۔ میں تم سے متاثر ہوں۔ مجھے مارے مذہب کی باتیں پسند ہیں۔ تم مجھے اپنے مذہب کی تبلیغ کیا کر دو۔ میں تمہاری نین خود سے سونل گی اور ان پر عمل بھی کسول گی۔“

کنپل کے ہونٹوں پر لاکھی کی گفتگو سے مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور وہ بڑے ذوق و شوق سے لاکھی کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے متعلق بتانے لگی تھی۔



رانا سانگا کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد بابر فتح کی خوشی میں میلن جنگ کے اندر ہی اپنے آباد کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے دشمن کے سروں کا مینار کھڑا کیا۔ ہال سے چل کر وہ دو منزل پر بیانہ میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور بیانہ کے علاوہ اور آدمیوات میں بھی رانا سانگا جو کچھ چھوڑ کر بھاگا تھا باہر نے اسے ایک جگہ لٹ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر ہمایوں اپنے کچھ بدخشاں ساتھیوں کے ساتھ بابر نے رخصت لے کر بدخشاں کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

جنید بھی کشتا کی مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر میں واپس جا چکا تھا۔ چند دن تک بابر نے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع دیا پھر وہ لشکر کو لے کر اپنی نئی مہم کا طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اس نئی مہم کے سلسلے میں بابر نے چار شہروں چندوار، راپری، خیر آباد اور چندوار پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ اس کا لشکر بھی کچھ دن آگرہ میں آرام کر کے تازہ دم ہوا۔ لہذا بابر نے کوچ کیا۔

ان چاروں شہروں کے حکمران رانا سانگا کے ماتحت تھے اس لیے بابر نے ان قبضہ کر کے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ بابر نے یہاں اپنے لشکر کے لیے سب سے بہتر تنظیم کی۔ قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ ہراول کا لشکر جنید کو دیا۔ میسرہ پر اپنے جرنیل قوج بیگ کو اور مہینہ پر عبد الملک قورچی کو کماندار مقرر کیا۔ دونوں میں سے قوج بیگ جنید کے ماتحت ہراول میں کام کرتا رہا تھا اور دوسرا ہراول قورچی قلب میں بابر کے ساتھ رہ کر جنگ کی خوب تربیت حاصل کر چکا تھا۔

بابر نے سب سے پہلے چندوار شہر کی طرف کوچ کیا۔ رانا سانگا کی طرف سے قطب خان اس شہر کا حاکم تھا۔ قطب خان کو جب علم ہوا کہ بابر اس کے شہر چندوار کی طرف برق رفتاری سے بڑھتا چلا آ رہے ہیں۔ تو اس نے شہر سے باہر نکل کر بابر کا مقابلہ کر کے کیٹھانی لیکھی اسی دوران اسے رانا سانگا کا پیغام ملا کہ وہ چندوار شہر کو خالی کر کے راپری شہر چلا جائے اور وہاں کے حاکم حسین خان لوخانی کے ساتھ مل کر بابر کا مقابلہ کرے۔ اس کے علاوہ رانا سانگا نے ایک لشکر اپنی طرف سے بھی روانہ کیا تاکہ وہ راپری شہر سے باہر جمع ہونے والے لشکر میں شامل ہو کر بابر کے حراٹم کے خلاف مزاحمت کرے۔ راجہ راجہ میدنی رافٹ نے بھی راونہ کو دیا تھا۔

اب بابر کے خلاف راپری شہر سے باہر دریا کے کنارے ایک جڑا لشکر جمع ہوا گیا تھا۔ یہ دراصل رانا سانگا نے جوا کھیلا تھا۔ اب اس میں خود اتنی قوت اور جرات تھی کہ وہ بابر کا مقابلہ کرے۔ لہذا اس نے مختلف لشکروں کو ملا کر بابر کے کھڑا کر کے ایک طرح سے ایک داؤ لگا دیا تھا۔

رانا سانگا کا نظریہ یہ تھا کہ راپری شہر سے باہر ایک متحدہ قوت بابر کے سامنے لائی جائے۔ اگر بابر کو شکست ہوئی تو چونکہ اس متحدہ لشکر کے سب حاکم اس کے ماتحت ہیں، لہذا بیخ کنی کی فتح نصیب کی جائے گی اور اگر اس متحدہ لشکر کو بابر کے ہاتھوں شکست ہو جائے تو بھی رانا سانگا کا کچھ نہ جائے گا کیوں کہ وہ بذاتِ تو اس لشکر میں شامل نہ ہوگا لہذا رانا سانگا نے ایک طرح سے جوا بابر کا ایک داؤ لگا دیا تھا لیکن مہربان قدرت پہلے ہی بابر کے لیے بہترین فیصلے کر چکی تھی۔

راپری شہر سے باہر بابر کے خلاف چار لشکر اکٹھے ہوئے، ایک چندوار کے قطب خان کا، دوسرا راپری کے حسین خان لوخانی کا، تیسرا رانا سانگا کا اور چوتھا چندیری کے بٹن راؤ کا۔ اس متحدہ لشکر کا سالار راپری کے حکمران حسین خان لوخانی کو بنایا گیا۔ مہینہ قطب خان اپنے لشکر میں تھا۔ میسرہ میں رانا سانگا کا لشکر اور میدنی راؤ کے لشکر کو نظر رکھنے اور بوقتِ ضرورت استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

اس متحدہ لشکر کے سالار اور راپری کے حکمران حسین خان لوخانی نے براہِ احتیاط کی کہ میدنی راؤ کے لشکر میں کچھ دتے اس نے ایسے متعین کیے جو رات کے وقت اپنے لشکر پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے ارد گرد میلوں و دور دور تک پھیل جاتے تھے تاکہ بابر کو ان پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کی انہیں بروقت اطلاع مل سکے لیکن ایسے کوئی شب خون نہ مارا اور چندوار شہر پر قبضہ کر کے اس کے حالات و انتظامات کو جاننے کے بعد اس نے راپری شہر کا رخ کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ دشمن بٹن راؤ کے لشکر کو عقب میں کسی بھی ہنگامی حالت سے نمٹنے یا دشمن پر کسی نئے انداز سے

راپری شہر سے باہر دریا کے کنارے دشمن کے سامنے خیمہ زن ہونے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ ایک دن اور ایک رات آرام کیا اور دوسرے دن اس نے دشمن کی صفیں درست کیں۔ دوسری طرف دشمن بھی اپنی صفیں درست کر چکا تھا۔ بابر کو اس کے جاسوس دشمن کے لشکر کی ترتیب کے علاوہ یہ بھی بتا چکے تھے کہ رانا سانگا کے لشکر کو عقب میں کسی بھی ہنگامی حالت سے نمٹنے یا دشمن پر کسی نئے انداز سے

ایک قوج بیگ نے کمال مہارت اور مہارت سے اپنی ڈھال مار کر اس راجپوت کی تلوار کو
بنا دیا تھا اور پھر قوج بیگ نے اس راجپوت پر جوابی حملہ کیا اور وہ راجپوت بھی قوج
کے حملے کو بڑی دانشمندی کے ساتھ روک گیا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر
پاش و لہاب بن کر ٹوٹ پڑے تھے۔

قوج بیگ کے حملوں میں بیکران وقت کے سلسلے جیسا ایک تسلسل تھا۔ لگتا تھا
بے بزم کو ذم میں بدل دینے کے فن کی ابتدا کر دی ہو۔ اس کے حملوں میں نیلے پر بڑوں
نہل جیسی روانی اور کرب و فنان کی سیاہ محریروں کے اندر اس راجپوت کے لیے بارودی
میں گات لگا چکی تھیں۔ ایسا لگتا تھا قوج بیگ اس راجپوت کو فنا کی سرزمین میں بے
مردوں تک اپنے آگے آگے گھسیٹتا ہوا جلنے لگا۔

شروع شروع میں وہ راجپوت بڑی جرات اور دلیری کے ساتھ قوج بیگ کے
حملوں میں اب قوج بیگ کے حملوں کی تیزی اور ہولناکی دیکھ کر اس راجپوت
انکھوں میں چاند تاروں کا فریب اور بدترین سراب قہقہے لگے تھے اور جلد ہی
پنے آپ کو پڑ مردہ اور مڈھال محسوس کرنے لگا تھا جب کہ قوج بیگ کے حملوں میں
ایک کو مل تازہ ہواؤں جیسی تازگی اور میٹھی و مسور کن تمارت تھی۔

جلد ہی قوج بیگ اپنے وحشی پن پر اُتر آیا۔ دائیں بائیں اور اوپر سے اس
راجموت پر حملوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ قوج بیگ کی آنکھوں میں
غلیات کے دروہ کے پس منظر میں عداوتوں اور انتقاموں کی آگ بھڑک اٹھی تھی
کہ لکار کر میدان میں اُترنے والے اس راجپوت میں ایک کرب تھا۔ ایسا کرب
دوسرے معنوں میں موت کا انتظار ہی کہا جاسکتا ہے۔

اچانک قوج بیگ نے اس راجپوت کو ڈھال کا جھک دے کر اس پر اپنی تلوار
اُتار دیا اس کی تلوار راجپوت کی گردن کاٹ گئی۔ راجپوت کا جسم دو ٹوٹ ہو کر زمین پر
پڑا قوج بیگ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف جارہا تھا۔

اس راجپوت کے مارے جانے اور قوج بیگ کے فتح یاب ہونے کے فوراً بعد

مہلا اور مہنے کے لیے محفوظ رکھا جا رہا ہے۔ لہذا بابر نے بھی ایسا ہی کیا۔ قوج بیگ اور ملک
قورچی کو اپنے ساتھ میمنہ اور میسرہ میں رکھ کر اس نے جنید کو ہرا دل شکر کے ساتھ اپنے لشکر
کے پیچھے رکھا تاکہ کسی ہنگامی حالت سے نمٹا جاسکے۔ اس کے علاوہ بابر نے جنید کو یہ بھی
جاوایا تھا کہ اپنے لشکر میں جہاں بھی کمزور پہلو دیکھے وہاں فوراً مدد کو بھیجے۔

دشمن نے اجتماعی جنگ شروع کرنے سے پہلے انفرادی جنگ کو ترجیح دی تھی شاید
وہ انفرادی جنگ جیت کر بابر کے لشکر پر بڑا اثر ڈالتے ہوئے اسے بد دل اور بے حوصلہ کر
چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے رانا ساکھ کے لشکر میں آئے ہوئے ایک لہجہ
کو انفرادی جنگ کے لیے میدان میں اتارا۔

بابر نے اپنے میمنہ اور میسرہ کے سالار قوج بیگ اور عبدالملک قورچی کو بلا کر
کہا۔ ”تم دونوں میں سے کوئی میدان میں اُترنے والے دشمن کے اس سور سے نمٹنے میرا
میں اُترے گا یا میں حق سے جنید کو بلاؤں کہ وہ ایسے باؤلوں، طاغی طبع اور مکر بن جالوں
سے نمٹنے کا کام خوب جانتا ہے۔“

قوج بیگ نے کہا۔ ”اے آقا! میں نے ایک عرصہ امیر جنید کے ساتھ ہرا دل
میں کام کیا ہے۔ میں آپ کو بایں نہ کروں گا۔ میں تو پھر اب آپ کے میمنہ کا سالار ہوں۔
میدان میں اُترنے والے اس راجپوت سور کے لیے تو ہمارا کوئی معمولی اور گناہم ترک کیا
ہی کافی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی قوج بیگ نے اپنے گھوڑے کو مہیز لگائی اور اس پر
سے مقابلہ کرنے کے لیے وہ میدان میں اُتر گیا تھا۔

میدان میں اُترنے والے اس راجپوت نے جب دیکھا کہ بابر کے لشکر سے کوئی
اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آ رہا ہے تو وہ اپنے گھوڑے
سے اُتر پڑا اور تلوار سوٹ کر وہ قوج بیگ کا انتظار کرنے لگا۔ قوج بیگ اس راجپوت
فرار دور ہی اپنے گھوڑے سے اُترا۔ پھر اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر وہ ایک سرفروشان انداز
اس راجپوت کی طرف بڑھا تھا۔

راجپوت بھی تیزی سے آگے بڑھا اور کچھ کہے بغیر اس نے قوج بیگ پر حملہ کر

۱۱ اور جس طرف کا وہ رخ کرتے ہوں دشمن کے پندار ہو جس کو آگ لگاتے جا رہے
انہوں نے سلگتی اتھائے زندگی، اجالوں کے فروغ، رت جگی لہروں اور سب
ردینے والے عزم کے ساتھ حملہ آور ہو کر دشمن کے جمہود میں احساس کے کلنٹے
بجٹے۔

چنگاڑے غراتے نیلے سمندروں کی طرح حملہ آور ہو کر دشمن کی رگ رگ میں آگ،
موت اور عرق عرق میں انجانی وحشت طاری کرنی شروع کر دی تھی۔ ان
نے رزم گاہ کے فترے فترے میں ایک آگ سی بھری تھی اور دشمن کو پاتاں میں
دینے کی سوگند کھاتے ہوئے وہ ہند کی سرزمین کے جنگی اتھاس کی آخری حدود
کا مرن ہو گئے تھے۔

جس وقت با بر اپنے قلب، مہینہ اور میسرہ کو لے کر آگے بڑھا تو اس کے ساتھ
بھی اپنے ہراول لشکر کے ساتھ اپنے مہینہ کی اوٹ میں آگے بڑھا تھا اور جس
لشکر آپس میں ٹکرائے تھے، جنید اپنے لشکر کے ساتھ دھڑا ہوا اور ایک
دکاٹا ہوا وہ دشمن کے عقب کا رخ کر رہا تھا۔

حسین خان کے عقب میں میدنی راؤ کا لشکر اپنے جرنیل کے ساتھ تیار کھڑا
راؤ بڑے غور سے اپنے لشکر پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا تاکہ ان کے لشکر
لوکر اور شکستہ پائنت ہو وہ فوراً ان کی مدد کو پہنچ سکیں۔ وہ جنید کو لمبا کا دا
ئے نہ دیکھ سکے تھے یہاں تک کہ وہ ایک قہرمانیت ایک غذاب بن کر ان کی پشت
پر لپکا تھا۔ میدنی راؤ کا جرنیل مکھن اس وقت آگاہ ہوا جب جنید اللہ اکبر کی کبریٰ
اور وقت کی دھول اپنے صحرا، سلگتے سموں کے دھویں، تنہائیوں کے بلکتے
لکے جلتے الاؤ اور تشدد کے خون رنگ دشت کی طرح اس کے لشکر پر حملہ آور

نہی نے اپنے ہراول کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہی کتاب تہذیب پر قدیم جراثیموں
نات نقش کرنا شروع کر دیے تھے۔ اس نے تاریخ کی ہر گڑھی کو خون فشاں اور

حسین خان لوخانی نے با بر کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔ با بر نے یہاں کچھ اپنی
بترین جنگی برکھ اور جانچ کا ثبوت دیا۔ دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے
اپنی صفیں کھلی کھلی رکھی تھیں اور قلب سے مہینہ اور میسرہ سے قلب کے درمیان کافی
فاصلہ رکھا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے لشکر کو لمبائی میں خوب پھیلا کر رکھ دیا تھا۔
حسین خان لوخانی نے اس نظریے کے تحت کہ اس کا قلب دشمن کے قلب
سے میسرہ سے مہینہ اور مہینہ سے میسرہ ٹکرائے۔ اس نے بھی قلب مہینہ اور میسرہ کے
درمیان با بر کی طرف فاصلہ زیادہ کر لیا تھا۔ تاکہ سارے مقابلے میں ایک دوسرے کے
سامنے ہو کر لڑیں۔

حسین خان لوخانی با بر کی اس چال کے اصل مدعا کو نہ سمجھ سکا۔ با بر نے اپنے
پورے لشکر کو اپنے اشاروں پر لگا رکھا تھا جب کہ حسین خان لوخانی کے لشکر میں بھان
بھانت کے لوگ جمع تھے۔

دشمن کے قریب آ کر با بر نے ایک ماورائی انداز میں اپنی تلوار لہر کر اپنے لشکر کو
اشارہ کیا جس کے جواب میں اس کے اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے سواروں نے
بجلی کے کوندے کی طرح رتو عمل کیا۔ انہوں نے فوراً اپنی صفوں کو سمیٹ لیا۔ درمیان
فاصلوں کو انہوں نے ختم کر دیا اور صفیں خوب گتھ گتھیں لیکن اس کے برخلاف حسین خان
لوخانی اپنی پکھری ہوئی صفوں کو با بر کی طرح دوبارہ سمیٹ سکیں نہ سکا۔ اس کا با بر کو
خاطر خواہ فائدہ ہوا کیوں کہ جب با بر کا قلب حسین خان لوخانی کے قلب سے ٹکرایا
تو با بر کے مہینہ اور میسرہ نے حسین خان لوخانی کے مہینہ اور میسرہ کا اپنے قلب سے
فاصلہ کر لیا تھا۔ اس کے اندر اس طرح گھس گیا جیسے سانپ اپنے دل میں گھسنا
اور پھر با بر کے مہینہ اور میسرہ نے حسین خان لوخانی کے مہینہ اور میسرہ کے پہلوؤں
پر حملہ آور ہو کر ان کی روتوں کی گہرائیوں میں خوف و ہراس بھرا شروع کر دیا تھا
توچ بیگ اور عبدالملک قوری کی گہری بار مہینہ اور میسرہ کی کمانداری کر رہے تھے
لیکن انہوں نے ایسے خلوص اور جان نثاری سے حملہ کیا تھا کہ لگتا تھا ان کے جسم

وقت کے ہر لمحے کو لہو لہو کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے رزم گاہ کی وسعتوں اور دشمن کی فوجوں کی آمريت کو اپنے حلقہ اثر میں رکھ کر رقابتوں کی چٹا میں مجسم کرنا شروع کر دیا تھا۔ لکھن نے اپنے لشکر کو سنبھالادینے کی پوری کوشش کی لیکن جنید اپنے لشکر کے ساتھ ان کے اندر تک گھس آیا تھا اور چشم اوج ثریا کی تاختیں اور نعموں کے برستے سادوں کی طرح حملہ آور ہو کر اس نے لکھن کے لشکریوں کو موت کی وادیوں، مرقعوں کے شرابہ اجل کے فنا گاہ عالم کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا تھا۔

جنید کی زیر کمان لڑنے والا ہر اول کا ہر لشکر کی نظروں کے تیروں، بھوک کی لپک، نو و میدہ امگ اور شب کے طوفان کی قاتل صدوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ چند ہی ثانیوں کے اندر جنید نے لکھن کے لشکر کو زنگ آلود کنہ تصورات اور شک ہوا کی بے ربط اڑان کی طرح بکھیرا اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔

ادھر حسین خان لوغانی زیادہ لشکر رکھنے کے باوجود باہر کے دباؤ تلے تھا۔ اسے کہ باہر کے مہینہ اور میسرہ اس فاصلے کے ذریعہ اندر تک گھس کر جنگ کرنے لگے تھے جو حسین خان لوغانی کے قلب، مہینہ اور میسرہ کے درمیان رہ گیا تھا اور ادھر جنید نے لکھن کے لشکر کی ادھیڑ بئی شروع کر دی تھی۔

جنید کچھ ایسے جذبے کے ساتھ بھڑکتے گرم تنور اور دھوپ کے سائبان طرح لکھن پر چھانے لگا تھا جیسے اس نے اپنے دل میں یہ عزم کر لیا ہو کہ رزم گاہ جو لہو کے قطرے آج گریں گے وہ اگلی نسلوں کے کام آئیں گے۔ گنتا گنتا خدا نے اور قادر وقت نے ان کے سامنے زمین کو بساط کی طرح سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ لکھن کی خواہشات اور اراہوں کی ساری کالی دیو یاں سرنگوں ہو رہی تھیں اس کے سارے حسن ظن، حسن پرکھ کو جنید گرفتار کر کے آئینوں کی طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔ جنید کے سامنے پتے ہوئے اب ایسا محسوس کر رہا تھا گویا اس کا ہر سپاہی اجتماعی فناء فراموشی کے انفرادیت پر اتر آیا ہو اور صرف اپنی ہی جان بچانے کی فکر میں ہو۔ محسوس کر رہا تھا گویا اس کے لشکر میں سچائی مفقود ہو گئی ہو۔ ہر طرف مفقود

اور ہر لشکر کی اپنا اپنا ترانہ گانے اور اپنی اپنی دفلی بجانے کا عزم کر چکا ہو۔ لکھن نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر میں ہزیمت، مغلوبیت اور ٹوٹ پھوٹ کا پھیلنا شروع ہو گیا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو اپنے اس بڑے لشکر کے ساتھ جاملنے کا حکم دے دیا تھا جو باہر کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔

لکھن کی طرف سے حکم ملتے ہی جنید کے سامنے سے اس کا لشکر پیٹا ہوتا ہوا بے قلب سے جا ملا لیکن اس کا دوسرے لشکر پر انتہائی بُرا اثر پڑا۔ قلب کے لشکریوں کو جب لوم ہوا کہ ان کے عقب کا اپنا لشکر باہر کے ایک جرنیل سے شکست کھا کر ان کے ساتھ آ رہا ہے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکلی گئی۔ اس لیے کہ سامنے کی طرف سے تو باہر پہلے ہی دھان کی طرح کوٹ رہا تھا۔ اب جب کہ ان کو یہ احساس ہونے لگا کہ ان کی پشت پر اب ان کی اگواڑھی کی طرح محفوظ نہیں ہے تو وہ ایک نئے کرب اور بے نام سی وختوں کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دشمن کے قلب اور عقب پر سامنے سے باہر نے تیز حملوں سے ان پر دل و نظر کے خرابے طاری کرنا شروع کر دیے تھے۔ پشت کی جانب سے جنید نے ماضی کی تلخ یادوں کی طرح ان پر حملہ آور ہو کر رات بھر جاگنے کی تمش خواب بکوں کی آگ اور فرقوں کی چٹائیں جلانی شروع کر دی تھیں۔

قوج بیگ اور عبدالملک قورچی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ دشمن کے میسرہ کے اندر تک گھستے چلے گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا گویا وہ دونوں اپنے فکر کی دلاور اور اپنی انا کی وسعتوں سے دشمن کی ساری شجاعت اور گرماہیوں کے بحر کو کوزے میں بند کر دینے کا عمل شروع کر چکے ہوں۔ وقت باہر کے لشکریوں کے آثار عظمت کو بین و مدح کے ساتھ اور قدرت کے بیدار عناصر ان کی بے باکی و سرفروشی کو تائید و توثیق کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

راہری شہر سے باہر دریا کے کنارے اس رزم گاہ میں جنگ اپنے شباب و عروج پر لڑا کہ طوفان اور تپش کے گبولے اڑاتی چلی گئی تھی۔

اچانک بابر نے حسین خان لوخانی کے قلب کے وسطی حصے کو اپنا حملہ بناتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ مارا تھا۔ اس کے جواب میں جنیبا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی پوری قوت اور سرحت کے ساتھ قلب کے وسطی حصے کی طرف بڑھتا شروع کر دیا تھا۔ بابر اور جنید کے جواب میں قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی نے بھی اللہ اکبر کی تکمیریں بلند کیں اور اپنے حملوں میں تیزی گرمی اور حدت پیدا کر لی تھی۔ بابر کے پورے لشکر کے اس اچانک اور زوردار حملے سے دزم گاہ میں ایک طوفان، ایک آندھری ایک سیلاب، ایک طغیانی، ایک پڑھاؤ، ایک شدت، ایک غل، ایک شور، ایک ہنگامہ، ایک داویلا، ایک آفت اور ایک کھلم کھلا ہوا تھا۔

اس موقع پر دشمن کے لشکر پر لرزش و ترنزل طاری ہوتا چلا گیا تھا۔ حسین خان لوخانی کا ہر سپاہی دشمن کے اس تیز حملے کو رد کرنے کی جدوجہد کرنے کے لیے صرف یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اگلی صفوں سے بچے۔ دشمن سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے اور ناگہانی حالت میں اپنے بھاگنے اور جان بچانے کے لیے راہ ہموار کرے۔

اچانک حسین خان لوخانی کے لشکر میں پھیل افراتفری، کھلبلی اور سرسیمیگی بھگڑ اور فرار میں بدل گئی۔ ہر کوئی جنگ سے منہ موڑ کر فرار ہونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ اس موقع پر بابر نے اپنی پوری فائنائی اور فہم و فراست کا ثبوت دیا۔ اس نے ہر طرف دریا کی سمت خالی رہنے دی اور باقی تین اطراف میں اس نے اپنے لشکر کو پھیلا کر ایک طرح سے دشمن کا گھیراؤ اور محاصرہ کر کے ان کے فرار اور بھاگنے کی ساری راہیں مسدود بند کر کے رکھ دی تھیں۔

اسی افراتفری اور بھگڑ کے عالم میں چند وار کا حاکم قطب خان، رانا ساگا، جرنیل اور چندیری کے راجہ مدینی راؤ کا جرنیل لکھمن بابر کے گناہم لشکریوں کے ہاتھ مارے گئے۔ ان کی موت پر حسین خان لوخانی کے لشکریوں کی میدان جنگ سے بھاگ نکلنے کی رفتار اور زیادہ تیز ہو گئی لیکن کسی کو بھی جان بچا کر بھاگنے کا موقع نہ مل سکا۔ کیوں کہ تین اطراف تو بابر نے پہلے ہی بند کر رکھی تھیں، جو ادھر جاتا مارا جاتا۔

دیا تھا اور حالیہ بارشوں کے باعث دریا بھی اپنی طغیانی اور سرکشی پر تھا۔ حسین خان لوخانی کے زیادہ لشکریوں کو بابر کے مجاہدوں نے تہ تیغ کر دیا اور اپنی جانیں بچا کر دریا کی طرف بھاگے وہ دریا کی تند و تیز لہروں کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ حسین خان لوخانی نے بھی اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔ لیکن دریا اس قدر طغیانی پر تھا اور اس کی لہریں ایسی تیز تھیں کہ حسین خان لوخانی اپنے ہی سمیت دریا میں ڈوب مرا تھا۔

دولت خان، غازی خان، ابراہیم لودھی اور پھر رانا ساگا کے بعد بابر کی ہندوستانی مایہ پوتھی اور عظیم الشان فتح تھی۔ ایک طرح سے اس نے ہند کے اندر چندیری کے راجہ بی راؤ کے علاوہ ہر بڑے حکمران کو اپنے سامنے چکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چندیری کا راجہ بی راؤ انتہائی متکبر اور تفاخر پسند انسان تھا۔ گو اس کا رانا ساگا کے ساتھ ایک طرح کا اقل والحقاق تھا۔ پر وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر ہی جانتا تھا۔

راپری کی اس جنگ میں بابر کو بے حساب مال و دولت ہاتھ لگا اور ساتھ ہی چنداری راپری جیسے شہروں پر اس کا قبضہ بھی ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ قوچ بیگ اور عبدالملک بھی ایک برنیل کی حیثیت سے اٹھ کر سامنے آئے تھے اور اب وہ ہمایوں کے بعد جنید اور ان دونوں پر بھی اعتماد کر سکتا تھا۔



اگر سین کا زندہ بچنے والا بھائی نریش اور اس کا بوڑھا باپ ایک روز جب کہ صبح کو اپنے کھیتوں میں کام کرنے کے لیے گھر سے نکل گئے تو گھر کے کام کاچ سے فارغ نریش کی بہن کیسو صحیح میں دھوپ کے اندر سہری پر غمزدہ حالت میں سر جھکائے اپنی آنکھوں سے آنسو بہا رہی تھیں۔

چند نانیوں تک وہاں کھڑی ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی آنکھوں سے آنسو بہا کر اپنی ماں کے گھٹنے پکڑے ہوئے کہا: "ماں! میں جانتی ہوں کہ تو میری موت پر غمزدہ اور افسوس منہ ہے تو اپنے چار جوان بیٹوں کے مارے جانے پر غمزدہ اور افسوس منہ رہتی

تنتا نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ "وہ پھر ہمارے گھر میں کیسے آئے گا اور کون یہاں لائے گا۔"

کیسو نے ایک عزم اور سختہ ارادے میں کہا۔ "وہ میرے ہاتھوں سے قتل کے لیے خود ہمارے گھر میں آئے گا۔"

تنتا نے کہا۔ "تو اپنے مرنے والے بھائیوں کے غم میں پاگل ہو گئی ہے اور ایسی مارنے لگی ہے۔ جن کی کوئی اساس، کوئی بنیاد نہ ہو۔ اب تو احمقوں جیسی باتیں بولنے لگی ہو۔"

کیسو نے کہا۔ "میں احمق نہیں ماں! تم تیاری کرو اور چلیں۔" تنتا نے بوکھلائی ہوئی سہی آواز میں پوچھا۔ "چلیں؛ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کہاں چلیں؟ کیسو نے کہا۔ "اٹھو ماں! اپنے چچا زاد بھائی رانند کی سستی دیروانی کی طرف چلیں۔" تنتا نے پوچھا۔ "ہم دونوں ماں بیٹی دیروانی جا کر کیا کریں گی؟"

کیسو نے کہا۔ "ستو ماں! جس طرح اگر سین بھائی نے بتایا تھا کہ کشتا نام کی لڑکی جس کی وجہ سے میرے سارے بھائی قتل ہوئے، نہ جانے کس طرح وہاں سے بھاگ تھی۔ میرا دل کہتا ہے اور جیسا کہ میرے بھائی اگر سین کو بھی شک تھا کہ اس کے گلے میں اس لڑکی کے ہمسائے برہما داس کا ہاتھ ہے۔ اگر اس کا ہاتھ نہیں بھی ہے تو بھی اسے ضرور علم ہوگا کہ کشتا نام کی وہ لڑکی ان دنوں کہاں اور کس کے پاس رہ رہی ہے۔ ابھی اور اسی وقت ہم دونوں ماں بیٹی دیروانی جائیں گی اور وہاں اکر لیں گے کہ ہمارا تعلق ساتھ والی سستی سے ہے اور کچھ عرصہ ہوا ہم نے دھرم دھت کے پھر رقم ادھار لی تھی اور اب یہ رقم ہم واپس کرنے آئی ہیں۔"

یہ باتیں ہم برہما داس کے گھر والوں سے کہیں گی۔ ظاہر ہے وہ کہیں گے کہ نرم دھت اور لیراج مارے جا چکے ہیں۔ ہاں دھرم دھت کی لڑکی زندہ ہے۔ فرانسس لے کر اور مرگ کر کیسو نے کہا۔ ہم ان سے نرم گفتگو کر کے کشتا کو پوچھنے کی کوشش کریں گی۔ اگر انہوں نے بتا دیا تو ہمارے سارے کام آسان ہو

ہے۔ اے میری ماں! میرا چھوٹا بھائی نریش تو اب اپنے مرنے والے بھائیوں کا انتقام لے گا اور نہ ہی وہ اس لڑکی کو تلاش کرے گا جس کی وجہ سے میرے چچا زاد بھائی اور میرے اپنے بھائی تک مارے گئے۔ اب یہ کام مجھے خود کرنا ہوگا۔ اے میری ماں! کیا تیرا دل نہیں چاہتا کہ کوئی تیرے مرنے والے بیٹوں کے قتل کا انتقام لے؟"

کیسو کی ماں نے کہا۔ "دل تو ضرور چاہتا ہے پر کون یہ انتقام لے گا وہ بڑا خونخوار ہے۔ چھ سات تلوار بازوں سے وہ اکیلا ہی نمٹ جاتا ہے۔ ہماری خاطر کو اس طوفان سے ٹکرائے گا۔"

کیسو نے اپنی آستینیں بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے مرنے والے بھائیوں کا انتقام میں لوں گی ماں!"

کیسو کی ماں تنتا نے حیرانی اور استعجاب میں پوچھا۔ "اپنے بھائیوں کا انتقام لے گی؟ مگر کیسے؟ تو کس کے ساتھ مل کر اس کام کو انجام دے گی۔ کون تیرے ساتھ گا اور آگ کے اس طوفان جیسے حیران کے خلاف تیری مدد کرے گا؟"

کیسو نے کہا۔ "مجھے کسی کی کیا ضرورت ہے۔ میں اکیلی ہی کافی ہوں۔" تنتا نے کانپتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹی ایسا ممکن نہیں بلکہ تیرا ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ وہ ایک بار ہمارے گھر آ کر مجھے معاف کر چکا ہے۔ میں سمجھتی ہوں وہ جتنا خونخوار ہے ایسا ہی رحم دل بھی ہے۔ ورنہ وہ نریش اور مجھے کبھی بھی معاف کر کے چلا نہ جاتا اور اب اگر تم نے اس سے کوئی زیادتی کی تو میں بیٹوں کے ساتھ اپنی بیٹی سے بھی ہاتھ دھ بیٹھوں گی۔"

کیسو نے کہا۔ "اے میری ماں! بیشک میں لڑکی ہوں اور اس مسلمان جنید کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن میں اس کے پاس جا کر اس سے مقابلہ تھوڑا ہی کر دوں گی۔ میں اسے ایک بار پھر اپنے گھر آنے پر مجبور کروں گی اور جب وہ یہاں آئے گا تو میں گھات میں بیٹھ کر اس طرح سے اس پر حملہ آور ہوں گی کہ اس گھر میں اس کی لاش تڑپ رہی ہوگی۔"

جائیں گے اور اگر انہوں نے نہ بتایا تو مجھے پوچھنے کے اور بہت سے طریقے بھی آتے ہیں۔ جب ہمیں ان سے کشتا کا پتہ چل جائے گا تو کچھ روز کا وقفہ ڈال کر میں انہیں کشتا نام کی لڑکی کی طرفنا جاؤں گی اور مناسب موقع دیکھ کر اسے قتل کر دوں گی۔ ظاہر ہے جب جنید کو اس کے قتل کا علم ہوگا تو وہ ضرور ہمارے گھر کا قصد کرے گا اور جب وہ یہاں آئے گا تو پھر بچ کر نہ جاسکے گا۔ میں اسے قتل کر دوں گی اور اپنے بھائیوں کے جہنم جنم کو سدھاروں گی۔“

کیسو کے ماتلشانے کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ ”کیسو! کیسو! یہ تو تم نے سارا لالچ عمل بنایا ہے۔ اگر اس پر تمہاری خواہش کے مطابق عمل ہو جائے تو یقیناً تم تیرے بھائیوں کا انتقام اس مسلمان سے لے سکتے ہیں۔ پر پہلے تم میرے چند سوالوں کا جواب دو۔“

کیسو نے کہا۔ ”پوچھو ماتا!“

تلشانے کہا۔ ”پہلے تو یہ کہو کہ دھرم دھت اور لیراج کون ہیں؟“
کیسو نے کہا۔ ”دھرم دھت کشتا کا باپ اور لیراج بھائی تھا۔ یہ دونوں ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔“

تلشانے پوچھا۔ ”اور جنید نام کا وہ مسلمان کہاں رہتا ہے؟“
کیسو نے کہا۔ ”ماتا! وہ تو بامبر کے ہراول شکر کا کماندار ہے۔ وہ اپنے لشکر میں رہتا ہوگا اور ترک اور جہنم میں رہے گا وہ۔“

تلشانے پوچھا۔ ”اور اگر کشتا کے ہسلے برہماداس نے اس سے متعلق کچھ نہ بتایا تو تم ان سے کشتا کا پتہ اگلوانے کے لیے کیا دوسرا طریقہ کار استعمال کرو گی؟“
کیسو نے کہا۔ ”تم اٹھ کر اور تیار ہو کر میرے ساتھ تو چلو ماتا! جو تفصیل میں بتانے کے لیے رہ گئی اسے راتے میں تمہیں میں کہہ دوں گی۔“

تلشانے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اگر تمہاری یہی مرضی ہے بیٹی! تو چلو چلیں۔ اگر اسی طرح میرے بیٹوں کا انتقام لیا جاسکتا ہے تو میں اس پر بھی عمل کرنے

پڑھوں۔ میرے بیٹوں کے قتل سے میرے دل میں ایک آگ سی لگ چکی ہے اور یہ آگ سے انتقام لے کر ہی بجھ سکتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹی! آؤ تیاری کریں اور دونوں نے جلدی جلدی تیاری کی پھر وہ ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے گھر سے بڑھ گئی تھیں۔“



بڑھی تلشا اور اس کی بیٹی کشتا کی بستی ویرعانی میں داخل ہوئیں۔ بستی کی ایک سے پوچھ کر پہلے وہ کشتا کے گھر کے سامنے آئیں۔ اندر باہر سے گھر کو خوب دیکھا۔ پھر انہوں نے برہماداس کے مکان پر دستک دی۔

برہماداس کی بہن پارونے دروازہ کھولا اور ان دونوں سے پوچھا۔ ”آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں؟“

بڑھی تلشانے فوراً بہانہ بازی کی اور دروازے پر ہی بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آہ! میں تو تھک گئی ہوں۔“

پارونے کہا۔ ”آپ یہاں دہلیز پر کیوں بیٹھتی ہیں۔ اندر آکر مسہری پر آرام لیں۔“

تلشا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی پھر دونوں ماں بیٹی پارو کے ساتھ اندر آئیں۔ پارو ان دونوں کو مسہری پر بٹھایا۔ اتنی دیر تک برہماداس اور پارو کی ماں بھی اندر سے نکلا آئیں۔

پارونے کہا۔ ”اب کہیں کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟“

تلشانے تھکاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”کہنا کیا ہے بیٹی! ہم دونوں لالچی ہیں اور ساتھ والی بستی کی رہنے والی ہیں۔ یہ تمہارا ہمسایہ دھرم دھت ہے نا اسے کچھ رقم اُدھار لی تھی۔ میں اسے اُدھار کی وہ رقم واپس کرنے آئی تھی لیکن جب ہم لالچ ماں بیٹی اس کے گھر گئیں تو وہاں ہے ہی کوئی نہیں۔ مکان یوں لگ رہا ہے جیسے بڑے سے سے وہاں کوئی رہ ہی نہ رہا ہو۔ حالانکہ دھرم دھت اور اس کی بیٹی کشتا تو

گھر رہتے تھے صرف ان کا بیٹا لیراج کام کرنے جنگل میں جایا کرتا تھا۔

پارو کی ماں نے دکھ اور تاسف سے کہا: ”دھرم دھت اور لیراج بے چارے مارے گئے اور کشتا یہاں سے چلی گئی۔“

اس بار کیسوں نے چونکتے ہوئے پوچھا: ”مارے گئے؟ پر کب؟ کیسے اور کیوں؟ کس ظالم نے انہیں مارا۔ وہ دونوں تو انتہائی نیک دل انسان تھے اور پھر کشتا تو میری بہن بنی ہوئی تھی۔“

اس بار پارو نے کہا: ”سندھ نام کی بستی کے اگر سین اور اس کے بھائیوں نے دھرم دھت اور اس کے بیٹے لیراج کو بغیر کسی وجہ کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔“

”مٹا اور کیسوں نے پوچھا: ”پارو نے پوچھا: ”یوں مٹے تھے رکھا جیسے انہیں بہت دکھ ہوا ہو۔ پھر کیسوں نے بڑے ہمدردانہ اور چاہت آمیز آواز میں پوچھا: ”اور میری بہن کشتا کہاں چلی گئی۔ کاش وہ اس دکھ اور تکلیف کے وقت ہمارے گھر آجاتی۔ کیا آپ بتا سکیں گی کہ کشتا ان دنوں کہاں ہے تاکہ ہم نے جو رقم دھرم دھت سے اُدھار لی تھی وہ اس کی بیٹی کشتا کو لوٹا دیں۔“

برہما داس اور پارو کی ماں نے رگ کو ذرا سوچا پھر اس نے کہہ ہی دیا: ”یہاں سے جنوب میں دریا کے کیرتن نام کی بستی ہے۔ کشتا وہاں چلی ہے۔ وہاں اس کا مولا ہوتا ہے جس کا نام اس نے بیشیہ پال بتایا تھا۔“

کیسوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ماں مٹا سے کہا: ”ماتا! ہم اس بستی میں کشتا کے پاس جائیں گے اور کشتا کو اپنے ہاں لانے کی کوشش کریں گے۔ مگر نہ آئی تو کم از کم اسے اُدھار کی رقم تو دے آئیں۔“

پھر کیسوں نے پارو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”کیا اس گھر میں آپ دونوں مال بیٹی ہی رہتی ہیں؟“

پارو نے کہا: ”نہیں، میرے بھائی بھی ہیں۔ ان کا نام برہما داس ہے۔ وہ جنگل میں کام کرنے جا چکے ہیں۔“

”مٹا نے اس بار کیسوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”اٹھو بیٹی! چلیں جس کام سے اس گھر میں داخل ہوئی ہیں وہ تو ہو ہی گیا۔ مجھے بے چارے دھرم دھت اور لیراج کی بہت دکھ ہوا ہے۔“

دونوں مال بیٹی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پارو نے ان دونوں کو روکنے کے انداز میں کہا: ”آپ دونوں مال بیٹی بیٹھیں نا، دوپہر کا کھانا کھا کر جائیں۔“

پارو نے مٹا سے کہا: ”تیرا بھلا ہو بیٹی! اب ہم ہیں۔ گھر کے کام کاج سب بھرے چھوڑ کر اُدھار آئی ہیں۔“

پارو نے کہا: ”اگر آپ لوگ کشتا کے پاس جائیں تو اسے ہماری طرف سے پر نام۔ وہ بڑی دلیر اور حوصلہ مند لڑکی ہے۔ اسے کہنا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک ہم کو بھیج کر منگوا لیا کرے۔“

کیسوں نے کہا: ”میں ضرور اسے تمہارا پیغام دوں گی۔“ پھر وہ دونوں مال بیٹی باہر نکل پنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئی تھیں۔



گوالیار کا حاکم رحیم داد اپنے محافظ کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار شہر کا ایک احتیاطی مٹ لگاتا ہوا جب راجہ بکراجیت کے محل کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے اپنے بٹے کو روک لیا اور اپنے ایک محافظ سے اس نے کہا: ”ذرا اس محل کے اندر جاؤ اور راجہ کے چھوٹے بھائی مال دیو کو بلا کر لاؤ اور اگر وہ نہ ہو تو اصطبل کے داروغہ احمد یوسف بلاؤ۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو محل کے کسی بھی فرد یا پریداروں میں سے کسی سے یہ پوچھ آؤ لیا میر جنید کی طرف سے ان کے پاس کوئی خبر آئی ہے کہ ان کی منسوب کینسل ان کے پاس باجکی ہے یا نہیں۔“

جس محافظ کو رحیم داد نے حکم دیا تھا۔ وہ گھوڑے سے پھلانگ کر اُترا، اور اُتر کر محل کے اندر چلا گیا تھا جب کہ رحیم داد وہیں محل سے باہر کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا تھا۔

ہے تھے۔ ہر چیز پر گر دو غبار کی تہ چڑھ رہی تھی۔

رحیم داد چند ثانیوں میں محل کی چھت دار راہ واری میں کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے چند محافظوں کو محل کے سارے کمرے کھول کر ہر چیز کی فہرست بنانے کا حکم دیا اور خود اپنے محافظ دستے کے دیگر ارکان کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔

رحیم داد سیدھا گوالیار شہر کے مشرقی دروازہ کی طرف گیا۔ یہ وہ واحد دروازہ تھا۔ وقت کے عام لوگوں کے لیے کھلا رکھا گیا تھا جب سے رحیم داد شہر کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ بارہ دروازے اس نے احتیاطاً اور وقتی طور پر بند کر دیئے تھے۔

شہر کے مشرقی دروازے پر آ کر رحیم داد اپنے گھوڑے سے اترا۔ دروازے کے اندر چوکنے ہو کر کھڑے ہو گئے اور ان کا سالار حجب بھاگتا ہوا رحیم داد کے پاس آیا تو نانکے اسے مخاطب ہوتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔ "میں نے واضح طور پر تم کو یہ احکام سمجھائے تھے کہ راجہ بکر ماجیت کا بیٹا کیدار اور اس کی بہن صرف شہر آ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس محل کا کوئی فرد بھی میری اجازت کے بغیر شہر چھوڑ نہیں سکتا۔" پھر میرے احکام پر کیوں عمل درآمد نہیں ہوا۔

مشرقی دروازے کے اس سالار نے کہا۔ ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ جس کے احکام کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔

رحیم داد نے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔ پھر کیدار اور کنپیل دونوں بہن بھائی کے اور کون کون شہر سے باہر نکل گیا جس کا اس محل سے تعلق تھا۔ سالار نے کہا۔ اے امیر! اور کنپیل دونوں بہن بھائی کے علاوہ اور کوئی ایسا فرد ان کے ساتھ باہر نہیں گیا۔ اتفاق اس محل سے ہو۔ ہم نے دونوں بہن بھائی کی نگہبانی کا خوب جائزہ لیا تھا۔ اس کا کوئی تیسرا فرد نہ تھا۔ ہاں اس میں راجہ مندر کے دو پنڈت دیالال اور دھرم فرو

نیم داد نے چونک کر پوچھا۔ کیا کہا تم نے راجہ مندر کے پنڈت دیالال اور دھرم فرو کے ساتھ تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیدار نے میرے ساتھ دھوکا دیا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ محافظ بھاگتا ہوا واپس آیا اور اس نے کسی قدر بدحواسی اور پھولی ہوئی سانس میں کہا۔ "اس محل میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بہترین دلیل گر دہی ہے اور درختوں کے پتے بکھرے پڑے ہیں جیسے پھلے کئی روز سے اس محل میں کوئی رہنے والا ہی نہ ہو۔"

رحیم داد نے ایک چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ کنپیل کو جنید کے پاس لے کر تو صرف اس کا بھائی کیدار گیا ہے۔ اس نے مجھے خود کہا تھا کہ وہ زندگی کے بقیہ دن تھوڑے میں گزارنا چاہتا ہے لہذا وہ کنپیل کو جنید کے پاس چھوڑ جا رہا ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ اس کا بھائی مالدیو اس کی بیوی کرن اور ان کا ماموں سیو داس کے علاوہ احمد یوسف بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ محل میں رہے گا۔ کیا تم نے محل کے محافظوں سے پوچھا، وہ ان سے متعلق کیا کہتے ہیں؟"

اس محافظ نے کہا۔ "اس محل میں نہ احمد یوسف ہے نہ اس کے اہل خانہ اور نہ ہی کوئی یہاں محافظ ہے۔ محل بالکل اندھے کنوئیں کی طرح ویران اور سناں پڑا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کیدار نے آپ کو دھوکہ دیا ہے اور وہ راجہ بکر ماجیت کو امیر جنید کے پاس لے جانے کے بجائے راتوں رات اس محل کے سارے کمینوں کو نکال کر کہیں اور لے گیا ہے۔"

رحیم داد نے کہا۔ "ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ راتوں رات یہاں سے بھاگتے تو شہر پناہ کے محافظ انہیں روکتے اور مجھے ان کے جانے کی اطلاع کرتے۔ کیوں کہ میں نے شہر پناہ کے محافظوں کو سختی کے ساتھ تنبیہ کر رکھی تھی کہ صرف کیدار اور اس کی بہن کنپیل کو شہر سے نکلنے کی اجازت ہے اور شہر پناہ کے محافظ اس محل کے سارے کمینوں کو فوراً اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں اور پھر داروغہ احمد یوسف کیوں کر ان کا ساتھ دے سکتا ہے میں نے اسے اچھی طرح سے سمجھا رکھا تھا کہ وہ اس محل کے ہر کمین پر کڑی نگاہ رکھے تاکہ یہاں اس محل میں ہمارے خلاف کوئی سازش تیار نہ ہو سکے۔ اس محل کا ہر فرد یہاں سے چلا

بھاگ سکتا ہے لیکن احمد یوسف نہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔"

رحیم داد محل میں داخل ہوا اور پورے محل کا جائزہ لیا۔ محل کے زیادہ تر کمرے

راج مندر کے ان دونوں پنڈتوں کا اس سے کیا کام۔ میرا دل کہتا ہے وہ راجکماری کنپل کو بہلا چھسلا کر جنید کے پاس لے جانے کے بہانے کہیں اور لے گئے ہیں تاکہ اس کی شادی امیر جنید سے نہ ہو سکے۔ کاش میں نے راجہ بکر ماجیت کے بیٹے کو شہر سے جانے کی اجازت نہ دی ہوتی وہ امیر جنید کی منسوب راجکماری کنپل کو کہیں اور لے گیا ہے۔ اب میں امیر کو کیا جواب دوں گا۔ ذرا توقف کے بعد رحیم داد پھر کہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے۔ محل کے داروغہ احمد یوسف اور اس کے بچوں کے علاوہ کیدار کے بھائی مالدیو اس کی بیوی کرن اور اس کے ماموں سیو واس اور محل کے پہرہ داروں کو یا تو کہیں غائب کر دیا گیا ہے۔ یا ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور یہ کام کیدار ہی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کام اس اکیلے کا نہیں۔ اس میں اور کئی لوگ بھی شامل ہوں گے اور امیر جنید کو جواب دہ ہونے کے لیے مجھے ان لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ تم سارے محافظوں کو چوکس کر دو کہ شہر سے باہر جانے والے لوگوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور جو بھی شخص تمہیں مشتبہ لگے اسے گرفتار کر لو اور مجھے اس کی خبر کر دو۔ میں شہر کے کوتوال کو بھی ہدایات جاری کر دوں گا کہ تم دن رات کے جس جیسے میں اور جب بھی جن کو چاہو شہر کے زندان میں بند کر سکتے ہو لیکن اس کی اطلاع مجھے اور کوتوال کو ہر حالت میں ہونی چاہیے۔ شہر پناہ کے سارے محافظوں کو بھی اس سلسلے میں چوکس کر مشرقی دروازے کے اس سالار نے اپنے سر کو ذرا سا ختم کرتے ہوئے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح آپ چاہیں گے۔

شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے ہٹ کر اپنے محافظوں کے ساتھ رحیم داد سیدھا راج مندر میں داخل ہوا۔ ایک چکاری کو اس نے روکا اور پوچھا۔ کیا تم جاسکتے ہو اس راج مندر کے بڑے پنڈت گووند کہاں ہوں گے۔

اس چکاری نے پنڈت گووند کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”سلٹنے ان کا کمرہ ہے اور وہ مندر سے نکل کر ابھی اپنے کمرے میں گئے ہیں۔ اپنے گھوڑے سے اتر کر رحیم داد آگے بڑھا اور اس کمرے کے دروازے پر اس دتک دی۔ کمرے کے اندر سے پنڈت گووند کی آواز سنائی دی۔ اندر آ جاؤ کون ہے!

رحیم داد جب کمرے میں داخل ہوا تو پنڈت گووند اپنی گدی دار نشست پر بیٹھا معجون اراہتا۔ رحیم داد کو دیکھتے ہی پنڈت گووند اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پرام کرتے۔ اس نے بڑی نرمی بڑی بجا جت میں کہا۔ ”مہاراج! آپ کو مجھ سے اگر کوئی کام تھا ہی کا ملار کو بھیج کر مجھے طلب کر لیا ہوتا۔ میں خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ نے کیوں زحمت کی۔“

پھر پنڈت گووند نے اپنے سامنے ایک دوسری اور صاف ستھری گدی دار نشست طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھیں مہاراج! اور کہیں میں آپ کی کیا سیدھا کر سکتا ہوں؟“

رحیم داد اس نشست پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے پنڈت گووند کی طرف دیکھتے ہوئے ”پنڈت گووند! اس راج مندر کے پنڈت دیالال اور وسرام کو تو ذرا بلاؤ۔ مجھے دونوں سے کام ہے۔“

ایک لمحے کے لیے پنڈت گووند کے چہرے پر ان گنت خوف اور وحشت بھرے بات آمد و رفت کر گئے مگر پنڈت گووند بڑا کایاں آدمی تھا۔ اس نے فوراً سنبھلتے ہوئے کہا۔ ”وہ تو یہاں سے جا چکے ہیں مہاراج!“

رحیم داد نے کہا۔ ”ان کا ارادہ راجکماری کیدار کے ساتھ چھوڑ جانے کا تھا اور انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ سنا ہے کیدار اپنی بہن راجکماری کنپل کے ساتھ جرنیل جنید کے پاس چھوڑ کر چھوڑ جائے گا۔ لہذا وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہیں۔“

رحیم داد نے پوچھا۔ ”آپ سے کس نے کہا کہ کیدار اپنی بہن راجکماری کنپل کو امیر کے پاس چھوڑنے جا رہا ہے۔“

پنڈت گووند نے بڑے اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ ”پنڈت دیالال اور دونوں نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔“

ماسودہ میں نے کھلے دل کے ساتھ آپ سے کہہ دیا۔ اب میں تو عزت نشین اور گوشہ بر آدمی ہوں میں ان محل کے رہنے والوں کے طور اطور کیا جانوں۔

رحیم داد نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”پنڈت گوند! جس کیفیت میں اس وقت میں ہوں اس حالت میں ہر ایک پر میں شک کرنے پر مجبور ہوں۔ اور

نوجوان لوگوں پر مجھے شک ہے ان میں تمہارا نام سر فرست ہے۔ میں اس معاملے کی پوری نیش کراؤں گا۔ کیوں کہ اس معاملے کے لیے میں بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہوں۔

پنڈت گوند! انداز میں کنبیل کی حفاظت سے متعلق کہہ کر گئے تھے اور سنو! میں اس معاملہ تک جا کر رہوں گا اس لیے کہ میں اپنے امیر کی نظروں سے گزرنا نہیں چاہتا۔

سنو پنڈت گوند! میں اس مندر میں اپنے کچھ محافظ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تھوڑی

بہد میرے لشکر کا ایک پورا دستہ یہاں آئیگا اور یہ محافظ واپس لوٹ جائیں گے۔ میرے

لکڑا دہ دستہ اس مندر کے احاطے میں نیم رزن ہوگا اور اس کے سپاہی دن رات یہاں

اکرم پر نگاہ رکھیں گے۔ ان کا کھانا پینا سب کچھ یہاں ہی ہوگا۔ پنڈت یہ معاملہ اب بڑا

سین ہو گیا ہے۔

پنڈت گوند! اور سنو! اگر تم نے میرے آدمیوں کو کوئی حکم دینے کی کوشش

یا انہیں جیل دے کر یہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا تو میرے آدمیوں کو اجازت ہو

کہ وہ تمہیں جان سے مار دیں۔ پنڈت گوند! تم اس راج مندر میں اس وقت تک

بغ آپ کو معذور سمجھو۔ جب تک میں اصل معاملے کی جان جوہر تک نہیں پہنچ جاتا۔

پنڈت گوند نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ آپ کا میرے ساتھ ایسا

لڑک آپ کی طرف سے مجھ پر زیادتی ہے۔ ہم دھرم چاری لوگ ہیں۔ ہمارا ان کھیتوں سے

الاسطہ اور مہاراج! پنڈتوں کے ساتھ ایسا سلوک ہماری دھرم ریت کے بھی خلاف

شہر کے ہندوؤں کو جب میری اس حراست کی خبر ہوگی تو وہ گوالیار شہر میں آپ

خلاف ایک ہوگا مہاراج اور طوفان کھڑا ہو جائے گا۔

رحیم داد نے سخت لہجے میں کہا۔ پنڈت گوند! اس معاملے میں اگر تم بے گناہ ثابت ہو

رحیم داد نے پوچھا۔ ”آپ نے کسی اور سے بھی اس کا ذکر کیا؟“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا اور پھر یہ کوئی نئی اور بات

کی بات تو تھی نہیں اس لیے کہ راجکمار کی کنپیں ایک عرصے سے بابو کے جرنیل جنید کی نگاہ

آ رہی ہے۔ یہ نژتہ خود راجہ بکرماجیت نے کہا تھا اور گوالیار کے گئی لوگوں کو اس کا علم

ہے۔“

رحیم داد نے پھر پوچھا۔ ”اور آپ نے پنڈت دیالال اور دھرم کو روکنے کی کوشش

نہیں کی حالانکہ وہ آپ کے راج مندر کے سرکردہ پنڈت تھے۔“

پنڈت گوند نے کہا۔ ”آپ کا کہنا درست ہے مہاراج! کہ میں نے ان دونوں

کو روکنے کی کوشش نہیں کی اس لیے کہ راجکمار کی داری میرے پاس آیا تھا اور اس نے دیا

اور دھرم کو اپنے ساتھ چھوڑے جلنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لہذا میں نے راجکمار

اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان دونوں کو اس کے ساتھ چھوڑ جانے کی اجازت دے

چند نانیوں تک کچھ سوچنے کے بعد رحیم داد پنڈت گوند سے پھر کہہ رہا تھا

آج راجہ بکرماجیت کے محل کی طرف گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کیدار کے جلنے کے

اس کے بجائے مالدیو، ماموں سیو داس اور ان کے وارث احمد یوسف کی احوال پرسی کر

گا لیکن جب میں وہاں گیا تو محل کے اندر کوئی بھی نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے

کئی روز سے وہاں کوئی رہا ہی نہ ہو۔ مالدیو، اس کی بیوی کرن اور ماموں سیو داس

علاوہ احمد یوسف، اس کے اہل خانہ حتیٰ کہ محل کے محافظ تک غائب ہیں۔ ایسا لگتا

جیسے کسی نے انہیں اٹھا لیا ہو یا ان سب کو چانک زمین نکل گئی ہو۔ پنڈت گوند

کیا تم جانتے ہو وہ سب کہاں ہیں اور کدھر گئے ہیں؟“

پنڈت گوند نے فوراً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج! آپ جا

ہیں میں مندر میں ہی رہتا ہوں۔ دنیا کی چیز بہت، بویا بدھنا، ٹاٹ پلان اور

ومتاع سے میں نے اپنے آپ کو الگ الگ ہی رکھا ہوا ہے۔ پھر مجھے کیا خبر وہ

کے مین اور ان کے محافظ کہاں جا بسے ہاں مجھے پنڈت دیالال اور دھرم سے متعلق

وہ محافظ جسے رحیم داد نے حسن کہہ کر پکارا تھا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک سخت
لے اپنے گھوڑے کو لگائی اور اسے بھگاتا ہوا وہ مندر سے باہر نکل گیا تھا۔ رحیم داد بھی
بظنون کو مندر میں مقرر کرنے کے بعد واپس جا رہا تھا۔

○

پنڈت دیالال پاؤں پختا ہوا غصے، جھلاہٹ کی حالت میں حسین کنپل کے کمرے
ہر نکل گیا تھا جب کہ کنپل اپنی مسہری پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اتنے میں ایشور مندر کی دیو دہا
ملکاتی ہوئی اندر آئی اور کنپل سے اس نے کہا "آج تو پنڈت دیالال بھی بڑی غصیلی اور
کی حالت میں تمہارے کمرے سے نکل کر گیا ہے۔ لگتا ہے آج اسے بھی تم نے پنڈت
کی طرح اپنے مذہب کی تبلیغ کی ہوگی اور وہ برہمن میں اٹھ بھاگا ہوگا۔ اصل میں یہ لوگ
بکے معاملے میں کٹھن ہیں۔"

دراصل ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور اچھی ہوتی ہے۔ میں تو اس کی قائل ہوں
اچھی چیز ہوا سے فی الفور اپنا لینا چاہیے۔ اب مجھے دیکھو میں تم سے اسلام کی باتیں بھی
داہل اور اپنے دھرم پر بھی قائم ہوں اور تمہارے مذہب کی ہر اچھی بات اپنا بھی لوں گی
میں دن میرے ذہن، میرے ضمیر اور میرے دل نے یہ آواز دی کہ میرے دھرم کی نسبت
ادھرم حقیقت سے زیادہ قریب اور ٹھیک ہے تو پھر میں اسے اپنانے میں دیر نہ
لاؤں گی۔

لاکھی آگے بڑھی۔ آتش دان میں لکڑیاں رکھ کر اس نے انہیں آگ لگائی پھر کنپل کے
بچتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہ کیسا مرد ہے جس سے تمہیں منسوب کر لیا گیا ہے۔ تم تو ہر وقت اس کی شرافت
تائیلے خونی اور شجاعت کی تعریف کرتی رہتی ہو لیکن اس سے یہ نہیں ہوسکا کہ تمہارا
ہاں کرے۔ یا تمہیں ڈھونڈتا ہوا تمہارے نقاب میں یہاں آئے اور اس نرک سے تمہیں
الے جلے مجھے تو وہ پس ایسا ویسا ہی لگتا ہے۔ اگر اسے تم سے محبت ہوتی تو اب
اس نے طوفان کھڑا کر دیا ہوتا اور کسی نہ کسی طرح وہ تمہیں یہاں سے نکال لے جاتا

تو میں تم سے اس زیادتی کی معافی مانگ لوں گا اور اگر تم اس شرارت میں ملوث پائے گئے تو پنڈت
گووند لکھ رکھو میں تمہاری کھال ادھیر کر رکھ دوں گا اور اگر کسی نے تمہاری اس حراست کے
خلاف شہر میں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو پنڈت گووند اپنے تمام لوگوں کے جسم میں تیروں سے
چھلنی کر دوں گا اور یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھنا اگر ہم اس شہر کو فتح کر سکتے ہیں تو اس کی
حفاظت کے سامان بھی کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

سنو! پنڈت گووند! اس وقت میں جا رہا ہوں لیکن بہت جلد میں اس معاملے کو
کر پھر تمہاری طرف آؤں گا اور پھر تمہارا فیصلہ ہوگا کہ تمہارے لیے یہ مندر ٹھیک ہے یا نرک!
پنڈت گووند! مالدیو، کرن، سیدو داس، احمد یوسف، اس کے اہل خانہ اور محل
کے محافظوں کو یا تو کسی نے راتوں رات قتل کر کے کمپن دفن کر دیا ہے اور یا انہیں بند کر
دیا گیا ہے اور ان دونوں صدقوں میں جو بھی ملوث پایا گیا اس کے لیے گولیوں میں کوئی جگہ
نہ ہوگی۔"

رحیم داد پنڈت گووند کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر اس کے محافظ اس کے منتظر
کھڑے تھے۔ رحیم داد نے اپنے ایک محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "حسن! حسن! تم
ابھی اور اسی وقت اپنے گھر جاؤ اور تیار ہو کر دوبارہ میری رہائش گاہ پر میرے پاس آؤ میں تمہیں
نقدی کی ایک تھیلی دوں گا اور پھر تم امیر خدیج کی طرف روانہ ہو جانا اور وہاں دیکھنا کہ گوالیار
کے سابق راجہ کمرہ حاجت کی بیٹی راجکمار کی کنپل ان کے پاس پہنچی ہے یا نہیں۔ اگر کنپل دال
پہنچ چکی ہو تو فوراً دالپس آکر مجھے اطلاع کرو۔ اور یہ بھی دیکھنا کہ وہاں کنپل کے ساتھ اس کا
بھائی مالدیو، اس کی بیوی کرن، ماموں سیدو داس، داروغہ احمد یوسف اس کے بچے اور محل کے
محافظ تو نہیں رہے۔

اور اگر کنپل وہاں نہ ہو تو پھر امیر خدیج کو کیدار کے بہانے سے کنپل کو ان کے ہاں
لے جانے اور محل کے دیگر افراد کے غائب ہو جانے کے حالات و واقعات تفصیل سے کہہ
دینا۔ ہوسکتا ہے وہ کوئی ایسی راہ نکال لیں جس سے ہم سب کو احسن طریقے سے نکلنے میں
کامیاب ہو جائیں۔"

لیکن تمہیں یہاں آئے کئی روز ہو گئے اور اس کا کوئی پتہ ہی نہیں ۔

کنپل فدا سنجیدہ ہو گئی اور جذبات میں ڈوبی آواز میں اس نے کہا : لاکھی !
تم جن کو چاہے بڑا کہہ لو، مجھے گالی تک دے لو لیکن جنید کے خلاف کچھ مت بولنا میں جانتی
ہوں وہ کس قدر مخلص اور جرات مند ہیں۔

لاکھی ! لاکھی ! جب میں ان سے ملی نہ تھی لوگ مجھے مغرور سی سرکش، جوان، خوب
صورت اور سخت مزاج لڑکی سمجھتے تھے۔ ان کے لمس نے مجھے پریم وچن دیا۔ میں اشکوں کا
ایک گوبر تھی انہوں نے مجھے موتیوں ایسی خواہش دی۔ میں پانی کی ایک بے رنگ بند
تھی انہوں نے مجھے نئی نویلی رنگوں کی رت دی اور میرے ذہن کو کروڑوں کپکپاتا اور دل
کو پھیلی جانندی جیسی رونق و فرازی دی۔

لاکھی ! لاکھی ! میں ایک لاناہٹا پیاس تھی انہوں نے مجھے امرت سے مانوس کیا
انہوں نے میری نگاہوں کو نشہ، لبوں کو دکھتی لوزش، سانسوں کو دھڑکن اور آنکھوں کو لگن
بتر جیسا سکون دیا۔

لاکھی ! لاکھی ! مجھے اندھیروں کے اندر روشنی کی پیاس تھی۔ وہ میرے لیے کروڑوں
کی برسات، قریبوں کی آہٹ اور دل کا مہتاب بن کر آئے۔ انہوں نے میرے دل کے
خوش رنگ درتچے کھولے۔ مجھ کو مجھ سے ملایا۔ میرے دل کے فالوس کو روشنی ادیب
عارض کو پریم کی رنگت عطا کی۔

لاکھی ! وہ میرے پیار کا حسین خواب، میری زندگی کا خوب صورت توہین راتہ
ہیں۔ میرے لیے وہ چراغ خوش رنگ ہیں۔ انہوں نے میرے بگولہ جسم کی بکھرئی مٹی کو کوئل
کیا مجھے چاہت کی میٹھی دھوپ دی اور اپنی اسی چاہت سے انہوں نے میری گود پر بندوں
کی چہکار، خوشبو، حسین آرزوؤں، نعمات کے رس، عکس جمیل، یادوں کی پریوں اور سرت
کی نرتار کروڑوں سے بھر دی۔

لاکھی ! اگر میں ہندو ہی رہتی تو انہیں دیوتا جان کر سارا جیون ان کی پوجا پر مشتمل
میں بتا دیتی۔ مگر لاکھی ! میرا اور ان کا رشتہ ایسے ہی ہے جیسے رام سیتا کا۔ جیسے پھول خوشبو کا

یہ پاندوشی کا، جیسے جسم اور روح کا۔ میں ان کے بغیر ادھوری ہوں لاکھی۔ میرے لیے
پریم کا میسا، اشجار کا خنک سایہ اور عرفان کی عظیم گزرگاہ ہیں۔

لاکھی نے پوچھا : کیا تم ہی ان سے ایسا ایک طرف پریم کرتی ہو یا وہ بھی تمہیں چاہتے ہیں؟
کنپل نے کہا : وہ بھی مجھے پسند کرتے ہیں، مجھے چاہتے ہیں۔ یہ میرا بھائی کیدارا دیر
در کے دونوں پنڈت بیکار میں کوشش کر رہے۔ یہ مجھے اپنے دھرم میں واپس لانا چاہتے ہیں
بے دل سے جنید کی محبت نکالنا چاہتے ہیں پر یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہے۔ لاکھی ! میں ایک
بے سبب باغ کو چھوڑ کر پیاسے دشت و صحرا کی طرف کیوں جاؤں۔ میں چہروں کو سمجھ کر دینے
والی میٹھی تمازت چھوڑ کر دیوالاؤں کی برزانی فضا کیوں قبول کروں۔ لاکھی ! میں جنید کے
لیے ایسی ہی ہوں جیسے شکاری کی مٹھی میں مسموم کوئی پرندہ۔ یہ لاکھ کوشش کریں مجھے ان
سے جدا اور علیحدہ نہیں کر سکتے۔

لاکھی نے کہا : راجکمار کی کنپل ! اگر یہ بات ہے تو وہ ادھر کیوں نہیں آتے تمہیں
یہ اس ایشور مندر کا رخ کیوں نہیں کرتے؟

کنپل نے کہا : لاکھی ! لاکھی ! وہ باہر کے ہراول شکر کے سالار ہیں۔ وہ کسی رزم
گاہ میں مصروف عمل ہوں گے۔ ابھی انہیں مجھے گوالیار سے نکال لے جانے کی خبر نہ ہوئی ہو
گی۔ جس روز انہیں خبر ہوئی کہ مجھے میری مرضی کے خلاف گوالیار سے نکال کر جتوڑ کے مندر
میں پہنچا دیا گیا ہے تو راکھی ! قسم ہے مجھے اپنے رب کی جو سارے آسمانوں اور زمین کا پیدا
کرنے والا ہے وہ طوفان بن کر ادھر کا رخ کریں گے اور میرے بھائی کیدارا اور ان سب
پنڈت بیکاریوں پر تیشہ صبح کی جھنکار کی طرح ان پر برسیں گے۔ پھر پھڑپھڑاتے پرندوں
کی طرح وہ ان سب کی گرم شہ رگ کاٹیں گے۔ لاکھی ! تم دیکھنا جب وہ آئیں گے تو
یہاں کا کوئی فرد بھی ان کی راہ نہ روک سکے گا اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

لاکھی نے کہا : تمہیں بڑا مان بڑا بھروسہ ہے ان پر۔ اچھا دیکھو آتش دان میں اب
اگ بھوک اٹھی ہے۔ اس میں اور لکڑیاں ڈالتے رہنا تاکہ کمرہ گرم رہے۔ میں تمہارے
لیکھا لے کر آتی ہوں۔

لاکھی مسکرا کر کنپل کی طرف دیکھتی ہوئی اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

○

پچھلے کئی روز سے کشتا بخار میں مبتلا تھی۔ آج بھی وہ اپنے کمرے میں مسمری پر محاف اور ٹھکے لیٹی تھی اور اس کی ساتھی دیو داسی راجی اس کے پاس بیٹھی تھکے ٹکے اس کا سر دبا رہی تھی۔ سورج ابھی غروب نہ ہوا تھا۔ تاہم سایہ خوب لمبے ہو گئے تھے۔

کشتا کا سر دباتے دباتے راجی نے پوچھا۔ ”کشتا! کشتا! میں جو دوا دیدے لائی تھی، وہ تم نے کھالی۔“

کشتا نے بدھم مردہ آواز میں کہا۔ ”ہاں، کھالی ہے۔“

راجی نے اس بار دکھ اور تاسف بھری آواز میں کہا۔ ”کشتا! کشتا! ہمارا تو کوئی آگاہیچھا ہی نہیں جو ہم اس مندر میں ایک دیو داسی کی حیثیت سے پڑی ہوئی ہیں۔ تمہارے تو رشتہ دار ہیں۔ اپنا تمہارا گھر بھی ہے اور پھر تمہیں پوچھنے والا، تمہاری آؤ جھگت کرنے والا جنید بھی ہے پھر تم کب تک اپنا جیون اس گھٹن زدہ ماحول میں گزارتی رہو گی۔ اس بار جب جنید تم سے ملے۔ آیا تھا تو تمہاری حالت دیکھ کس اس نے کچھ کہا۔ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ تم دونوں کے درمیان کیسا بندھن اور کیسی آس امیدیں وابستہ ہیں۔ کشتا! کشتا! کیا تم جنید بھائی کو پسند کرتی ہو۔ ان سے پریم ان کی پوجا کرتی ہو۔“

کشتا کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔ آنسو، جن کی خوشگوار اور گہرائی حلق میں محبت چاہت اور پریم کے ان گنت اور بے حساب جذبے پنہاں اور پوشیدہ تھے۔ راجی نے ہمدردی میں ڈوبی گہری آواز میں پوچھا۔ ”تم رورہی ہو کشتا! اپنے آنسو پونچھ لو۔“

کشتا نے لوندی گھنٹیلوں جیسی صدا میں کہا۔ ”راجی! میری قسمت میں ہی سفاک کا جاچ کا ہے۔ باپ بھائی مر گئے۔ اب آتش مان کے پاس رکھی موم اور دیے میں جلتی چربی کی طرح پگھلنے کو میں اکیلی اور تنہا رہ گئی ہوں۔ لگتا ہے یہ بیماری میری جان لے لے گی۔“

راجی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈانٹ دیا۔ ”بڑی باتیں نہیں کرتے۔“

باری ختم ہو گئی۔ لہو کے رشتے بھی کیسے مقدس ہوتے ہیں۔ جب روٹھتے اور ٹوٹتے ہیں روز پود کو رکھ دیتے ہیں۔

راجی! دنیا کی یہ رسمیں، ریتیں بھی کیسی ہیں۔ کوئی گناہوں کی لذت میں خوش ہے جب اور جن لفظوں کے چاہے معنی بدل کر رکھ دے۔“

راجی نے کہا۔ ”کشتا! تمہارا بخار کوئی ایسا خطرناک تو نہیں ہے۔ تم تو خواہ مخواہ ہاج دکھی اور مغموم ہو رہی ہو۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتی ہو کہ جنید کے پاس چلی جاؤ۔“

کشتا نے کہا۔ ”کیسے جاؤں، کس رشتے کس تعلق سے جاؤں۔“

راجی نے کہا۔ ”تم جنید بھائی کو پسند تو کرتی ہو۔ پھر ان کے پاس جانے سے کیسا

کشتا نے کہا۔ ”میرے چاہنے نہ چاہنے اور پسند کرنے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔“

راجی نے کہا۔ ”میرے سارے جذبے یک طرفہ ہیں۔“

راجی نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا جنید بھائی تمہیں پسند نہیں کرتے؟“

دکھی لہجے میں کشتا نے کہا۔ ”کہاں وہ کہاں میں۔ وہ بلندیوں پر چمکتا درج ہیں اور میں زمین پر قیدی ریت۔ وہ سمندر کی لہروں کا خروش ہیں اور میں بس نام، بدلیاں، یادیں، لہریں، جھاگ اور کشتیاں دیکھ کر اپنے جی کو بہلا لینے والی ایک بلبل اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ وہ اندھیروں کے اندر روشنی کی لکیر ہیں اور میں۔ میں بوسیدہ پابندیوں میں گھرے اذہان کی تکلیف دہ خاموشیوں کی آن لگی آہٹ ہوں۔“

کشتا ذرا دیر کو رک کر پھر اس نے اپنی تمام صوتی خوبیوں اور تازہ معنویت لانچ کرتے ہوئے کہا۔ ”راجی! کہاں وہ بابر کے جرنیل کہاں میں ایک شوہر لڑکی۔“

راجی نے کہا۔ ”اس سے کیا ہوتا ہے۔ شوہر لڑکی بھی تو کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہوتی ہے۔ وہ بھی کسی باپ کا دل کسی ماں کی روشنی ہوتی ہے۔ ہر لڑکی نرم، نرم گوشت کی طرح نمود کی خواہش رکھتی ہے اور پھر جذبول کا لمس تو نسب کا ایک جیسا

ہوتا ہے خواہ وہ شودر لڑکی ہو یا برہمن کھشتری۔

کشتا نے کہا۔ ”یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں راجی! ورنہ ہمارے ہندو معاشرے میں شودر وہ گروا کدا الفاظ ہیں جن کے معنی تک کسی کو یاد نہ رہے ہوں۔“

راجی نے کہا۔ ”تم باتوں باتوں میں جنید بھائی پر یہ تو ظاہر کرتی کہ تم انہیں کتنی جانتی ہو۔ انہیں چاہتی ہو۔ اگر انہیں تم سے کوئی انسیت نہ ہوتی تو کیوں تمہاری اس قدر دیکھ بھال کرتے۔ اگر تم اپنی چاہت کا اظہار کرتی تو وہ ضرور تمہاری قدر کرتے۔ وہ بہت نیک دل انسان ہیں۔“

راجی رک کر پھر کہہ رہی تھی۔ ”کشتا! ہو سکتا ہے جنید بھائی چاہتے ہوں کہ چاہت کے اس اظہار کی ابتداء تمہاری طرف سے ہو۔“

کشتا کچھ کہنے والی تھی کہ اس کی نظریں کمرے کے دروازے پر جم کر رہ گئیں۔ اگر سین کی بہن کیسوی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور وہ پوری طرح مسلح تھی۔ کمرے کے وسط میں آکر اس نے پوچھا۔

”تم دونوں میں سے کشتا کون ہے۔ میں اس کے لیے ایک اہم اور ضروری پیغام لے کر آئی ہوں۔“

کشتا اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہا۔ ”میرا نام کشتا ہے، پر تم کون ہو؟“ کیسوی نے کہا۔ ”مجھے ویردانی کے برہما اس نے بھیجا ہے۔ اس نے تمہارے نام ایک اہم پیغام دیا ہے۔ جو میں تم سے علیحدگی میں کہوں گی۔“

کشتا نے کہا۔ ”تم کہو جو کہنا ہے۔ یہ راجی ہے، میری بہن ہے اس سے میرا کوئی راز نہیں ہے۔“

کیسوی نے کہا۔ ”نہیں اسے تھوڑی دیر کے لیے باہر نکالو۔ میں نے جو کچھ کہنا ہے تم سے علیحدگی میں کہوں گی۔“

راجی نے کہا۔ ”تم نے جو کچھ کہنا ہے میری موجودگی میں کہو۔ یہ بہار ہے۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔“

کیسوی اٹھی، بھاگ کر اس نے کمرے کی اندر سے زنجیر لگا دی۔ پھر اس نے تلوار نکالتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم دونوں ایک ساتھ میرے ہاتھوں مزا چاہتی ہو تو یوں آہی۔“

پھر اس نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میری طرف غور سے دیکھو۔ میں سین کی بہن کیسوی ہوں۔ تمہاری وجہ سے ایک مسلمان جوان جنید بھائی کے سگے بھائیوں کے علاوہ میرے شیر جیسے چچا زاد بھائیوں کو قتل کر دیا۔ میں نے بڑی مشکل کے ساتھ برہما کی مال اور بہن سے تمہارا پتہ معلوم کیا۔ اب کوئی تمہیں مجھ سے بچا نہ سکے گا۔“

کیسوی نے تلوار لہرا کر کشتا پر گرا دی۔ تلوار کشتا کے شانے پر لگی اور وہ بچاری بک کر بناک جمخ مارتی ہوئی خون میں لت پت بستر پر کچھ گئی تھی۔



تانا نے انتہائی دکھ سے روتی بین کرتی آواز میں کہا۔ "راجی! راجی! میں ختم ہو رہی ہوں۔ جنید نے تانے میری طرف سے رخصتی پر نام کرنا۔ کاش میں جان سکتی کہ ان کے دل میں میرے لیے کوئی پریم اور چاہت کا جذبہ بھٹایا نہیں۔

کاش میں نے ان سے اپنے دل کی بات کہی ہوتی۔ وہ بُرا نہ مانتے ضرور مجھ سے ہمدردی اظہار کرتے بُرا تو انہوں نے اس وقت بھی نہ مانا تھا جب میرے بھائی نے انہیں میرا بُرا اور بچی لادیا تھا۔ کاش میں انہیں جاسکتی کہ میرے ہونٹوں کی سچائی میں ان کے لیے چاہت تھی۔ یہ آنکھوں کی روشنی میں ان کے لیے پریم کر نہیں تھیں۔

کشتا چند ثانیوں تک رُکی اور خاموش رہی، جیسے وہ سمندر کے اندر ٹھہرے خوابوں کے دہرائے جزیروں میں کھو گئی ہو۔ اس دوران راجی اس کے گہرے زخم پر بہتر کی چاند سے پٹیاں لپک کر زخم سے ابلتے گرم گرم خون کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بے فاصلات کی لہروں پر تیرتی ہوئی اور مہمبیر خیالات سے بھرپور شنا کی آواز پھر بلند ہوئی وہ کہہ رہی تھی۔ "راجی! جنید ایک ستارہ ہیں اور ستاروں کی طرح کیا اجارہ داری۔ دیکھو میں بے حقیقت ویسے دست و پا لڑکی رخصت ہو رہی ہوں۔ اب کبھی جنید میرا پتہ کرنے آدھرا کیوں تو میری طرف سے انہیں صرف اتنا کہہ دینا کہ کشتا ان پریم کرتی تھی۔

آہ! ہر طرف ایک حشر برپا ہے، پراسرار گھنی تاریکیاں میری تاک میں ہیں حشر کی بدعات کی ابتلا ہونے والی ہے۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہوگی نہ کھٹکا۔ مگر نگر تیرگی پھیل جائے۔ اُس رات کی یہ طویل رات رگبتانی ویرانوں کی طرح میرے کانوں میں موت کی موسیقی کا اعلان ہو کر رہی ہے۔

راجی نے کشتا کو مدد سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ کشتا! مایوسی کی باتیں نہ کرو۔

کشتا پھر نیم سی غنودگی میں کہہ رہی تھی۔ "آہ! وہ چاندنی بن کر میرے دل میں آگئی تھی۔ پر میں غم کے حصار میں ڈوب رہی ہوں۔ آہ! بکھرتی ہی بے داغ نشانیاں

تلوار لگنے کے بعد جب کشتا خون میں لت پت ہو کر کسی لاش کی طرح اپنے بہتر پر کچھ سی گئی تو راجی زور زور سے چلانے لگی اور مدد کے لیے پکارنے لگی۔

کیسو دوسری بار اپنی تلوار کشتا پر گرانا چاہتی تھی کہ راجی نے آتش دان سے ایک جلتی لکڑی اٹھا کر اسے دے ماری۔ کیسو بوجھلا کر کمرے کے فرش پر گر گئی۔ راجی کے شور کرنے پر باہر سے بچاری اور دیو داسیاں اس کمرے کے دروازے کو پھینکے گئے تھے۔

کیسو جب فرش پر گر گئی تو راجی نے بھاگ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا اور کیسو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اس ظالم لڑکی نے کشتا کو تلوار مار کر گرا دیا ہے۔ اب پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا مر چکی ہے۔"

کیسو دوبارہ اٹھ کر اپنی تلوار سونٹنا چاہتی تھی کہ بچاریوں نے بھاگ کر اسے پکڑ لیا اور اس پر قابو پالیا پھر وہ غصے اور انتقام کی آگ میں کیسو کو گھسیٹتے ہوئے اس کمرے سے باہر لے گئے تھے۔

راجی بھاگ کر آگے بڑھی اور کشتا کو وہ اپنی گود میں سمیٹ کر اسے سنبھالنے لگی

لست دینے کے بعد بڑی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو اس پر بابر کا خوف درازہ طاری ہو گیا اور بابر سے مقابلہ کرنے کے بجائے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر فرار ہو گیا۔ بابر نے آگے بڑھ کر اس کے شہر خیر آباد اور نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

خیر آباد پر قبضہ کرنے اور اس کا نظام درست کرنے کے بعد بابر نے برق رفتاری سے چندیری کا رخ کیا۔ یہاں کا راجہ میدنی راؤ انتہائی طاقت ور اور متکبر تھا اور پھر اس پر مزید کہ اسے رانا سانگا کی بھی مکمل حمایت حاصل تھی۔

چندیری کا قلعہ اور شہر کی تفصیل انتہائی مضبوط اور سخت تھی۔ یہ شہر اور اس سے منسلک دوسرے قلعہ جات سکندر لودھی کے زمانے سے ایک مسلمان محمد شاہ کے زیر نگین تھے لیکن سکندر لودھی کے بعد جب ابراہیم تخت نشین ہوا تو اس نے چندیری پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کر لیا لیکن جس وقت بابر اور ابراہیم لودھی ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے رانا سانگانے ان کی اس جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چندیری شہر پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد شہر اور اس سے ملحقہ علاقے اور قلعہ جات رانا سانگانے اپنے دوست راجہ میدنی راؤ کے حوالے کر دیئے۔

میدنی راؤ نے دن رات محنت کر کے اپنی عسکری قوت میں اضافہ کر لیا اور چندیری کے قلعے کی از سر نو مرمت کر کے اس نے قلعے کو اپنے طور پر ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا اور پھر اس پر مزید کہ میدنی راؤ نے شہر کی پہلی تفصیل کے باہر چھروں کی ایک خوب چوڑی اور مضبوط ایک اور تفصیل بنادی تھی۔ اس طرح اس نے چندیری شہر کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ کر کے رکھ دیا تھا اور پھر تفصیل کے ساتھ دریا بہتا تھا جو حملہ آور کے لیے ایک اور رکاوٹ بن گیا۔

بابر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک نشیبی جگہ مورچے کھود کر بابر نے اپنی توپوں کو نصب کیا۔ تیراندازوں کے لیے بھی گڑھے کھود دیئے گئے تھے تاکہ ان کے اندر محفوظ رہ کر وہ تیراندازی کر سکیں۔

بابر نے اپنی توپیں دریا کے مخالف سمت نصب کرائی تھیں جب کہ تیراندازوں کو

کہتے ہی خوش رنگ بدن کیسی کیسی بے جرم روشنیاں اپنے سامنے شعور، بانگین اور چراغ شہر نگاراں جیسے جذبوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر گئے۔ میں بھی رخصت ہو رہی ہوں۔ پتیوں اور کونپلوں کی نوک پر ٹھہرے شبنم کے قطرے کی طرح جو خشک سوکھی زمین میں جذب ہو کر ختم ہونے کو ہو۔ بیکراں تیرگی مجھے پراسرار ساحلوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ پکوں پر رکھے اشکوں کے موتی کی طرح موت مجھے اندھیرے کے پروں پر اٹھانے لپک رہی ہے۔ میری دوشیزگی کی رنگت ختم ہو جائے گی۔ میرے پیار سے لکھے لفظوں کا عکس مٹ جائے گا۔ اچانک کشتا کا تقدس نظر ختم ہو گیا، ہونٹوں کے زاویے جاتے رہے اور وہ خاموش ہو گیا۔ راجی نے گھبرا کر کشتا کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض روک چکی تھی اور کشتا بے چارہ ہوتا کی وادیوں کی طرف کوچ کر چکی تھی۔ راجی بے چارے اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مگرے میں ان کے ارد گرد کھڑی دیو داسیاں بھی رو رہی تھیں۔

پجاریوں نے کیوں کو باہر لے جا کر اسے اس کی تلوار سے مار کر اس کی لاش کو کتوں کے آگے ڈال دیا تھا۔

باہر اب رات ہو گئی تھی۔ نشیبی اجالوں کے حُسن کو نیکل کر رات بکھر گئی تھی آسمان پر ستارے کا رواں دواں اور قافلہ در قافلہ رواں دواں ہو گئے تھے۔ جیسے وہ حین قصوں کا دکتا عنوان لکھنے جا رہے ہوں۔ تیز ہوائیں مند کے تالاب کے پانی کو گدگدا رہے تھیں اور خزاں رسیدہ خشک پہاڑے ادھر ادھر اڑتے ہوئے ہر شخص کے فانی ہونے کی خبر دے رہے تھے۔ دُور — بہت دُور اندھیرے کے خوابیدہ بستر میں بیٹوں کے بھوکل کے اندر بادلوں کے ٹکڑے جم سے اُگے تھے۔

راہری شہر سے باہر دریا کے کنارے متحدہ لشکر کو شکست دینے کے بعد بابر نے خیر آباد شہر کی طرف پیش قدمی کی۔ کیوں کہ یہاں کے راجہ بین راؤ نے رانا سانگا اور بابر کی جنگ کے دوران لکھنؤ پر قبضہ کر کے رانا سانگا کو تقویت پہنچائی تھی۔

بین راؤ کو جب خبر ہوئی کہ بابر راہری شہر میں ایک جہرا اور متحدہ لشکر کو عبرتناک

اس نے چاروں سمت پھیلا دیا تھا۔ اس کے جواب میں میدنی راؤ نے بھی شہر کی حفاظت کا انتہائی محکم بندوبست کر رکھا تھا۔

اپنے لشکر کے علاوہ رانا ساگما کے لشکر کا کچھ حصہ بھی اس کے پاس تھا اور پھر شہر کی جہاں نے نئی فصیل بنائی تھی وہ اس قدر چوڑی تھی کہ اس نے اس فصیل پر بڑی بڑی مخمنینقیں نصب کرا دی تھیں۔ فصیل پر پتھروں کے ڈھیر لگا دیے گئے تھے تاکہ مخمنینقیوں سے بابر کے لشکر پر سنگباری کی جاسکے۔

اس کے علاوہ چندیری کے شہری شہر کے اندر کھلے میدان میں آگ کے انگارے اور کھوتا پانی تیار کر رہے تھے تاکہ مخمنینقیوں کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھوتا پانی بھی حملہ آوروں پر پھینکا جائے۔ بہر حال میدنی راؤ نے چندیری کو بچانے کے لیے ہر تدبیر اختیار کر لی تھی۔

بابر نے حملے کی ابتداء کرانے کے لیے امیر توپ خانہ علی قلی کو حکم دیا کہ سب سے پہلے شہر کی فصیل پر توپوں سے گولے داغ کر حملے کی ابتداء کی جائے۔ علی قلی خان نے کئی گولے اپنی توپوں سے داغے لیکن ان میں سے کوئی بھی شہر کی فصیل کو نہ لگا۔ اس لیے کہ شہر کی فصیل بہت بندی پر تھی اور توپیں اس قدر سیدھی اونچائی پر گولے نہ پھینک سکتی تھیں۔ بابر نے توپوں کا استعمال ترک کر کے اپنے جرنیلوں کی مجلس مشاورت طلب کر لی۔ تاکہ شہر پر نئے حربے سے حملہ کرنے کی تدبیر سوچی جائے۔

دربار کے کنارے بابر کا جو خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس میں بابر کے بلانے پر جب سید علی قلی خان، قوج بیگ، عبدالملک قورچی اور چند دیگر سالار جمع ہو گئے، تو بابر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تم لوگوں نے دیکھا۔ علی قلی خان نے کئی گولے شہر کی فصیل کی طرف داغے لیکن ان میں سے کوئی بھی شہر کی فصیل کو نہیں لگا۔ اس لیے کہ چندیری شہر ایک پہاڑ کے اوپر آباد ہے اور ان کوستانوں کے اوپر بنی شہر کی دونوں فصیلیں ایسی بندی پر ہیں کہ توپوں کا وہاں سے قندہ اوپر نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا گولہ جا کر فصیل کو لگے۔ لہذا جتنے بھی گولے داغے گئے وہ سب

موتنا فی سلسلے کو لگے جس کے اوپر فصیل بنی ہوئی ہے۔ اب تم لوگ بولو کیا کہتے ہو؟
قوج بیگ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ توپ خانے کو پیچھے ہٹا لیا جائے اور شہر کے دروازوں پر حملہ آور ہو کر اندر آن پر قبضہ کر کے شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔
نہرے ایسے آلات سے کام لیا جائے جس سے ہم شہر پناہ کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو سکیں۔

بابر نے کہا۔ قوج بیگ تمہارا مشورہ درست ہے لیکن اس میں ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ جس وقت علی قلی خان نے شہر پناہ پر گولے داغے تھے اس وقت میں نے یہ قلب کے چند دستوں کو بھی شہر پناہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا لیکن میں نے فی الفور دستوں کو فصیل سے پیچھے ہٹا لیا کیوں کہ شہر پناہ کے اوپر سے ان پر پتھر جلتے سرخ انگارے کھوتا ہوا پانی پھینکا گیا تھا۔

قوج بیگ! اگر ہم تمہاری تجویز کے مطابق شہر پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ہمیں دروں، آگ کے انگاروں اور کھوتے پانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں سمجھتا ہوں پہلے ان دن ہیزوں سے بچاؤ کا سامان کیا جائے اس کے بعد شہر کے دروازوں پر حملہ کیا جائے۔ ہمارے لشکریوں کا کم از کم نقصان ہو۔ لگتا ہے مدینی راؤ نے شہر کی دونوں فصیلوں اور مخمنینقیں نصب کرا دی ہیں۔ جن کے ذریعے اس نے ہم پر پتھر، انگارے اور دہا پانی پھینکنے کے انتظامات کیے ہیں۔

اس موقع پر عبدالملک قورچی نے بولتے ہوئے کہا۔ میرے خیال میں بہتر ہے کہ لوگوں کو پیچھے ہٹا لیا جائے اور انتظار کیا جائے تاکہ ہم شہر کا سختی کے ساتھ محاصرہ جاری رکھ سکیں تاکہ باہر سے کھانے پینے کی اشیاء اندر نہ آسکیں اور پھر چند یوم تک سرمایہ قوت کا طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں عین برقی بارش میں چندیری شہر پر زور وار حملہ کر دیا جائے گا۔ بارش کے دنوں میں دشمن ہم پر کھوتا پانی اور انگارے نہ لگائے گا۔ ہاں ہم ہم پر پتھر برسا سکتے ہیں جن سے بچنے کی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ اس شہر پر فصیلیں ہیں دونوں پہاڑوں کے بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہیں جنہیں توڑنا

بھی آسان کام نہیں ہے۔ چندیری پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیں صرف اپنی اندھی قوت سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اپنے کم سے کم نقصان پر ہم زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔

بابو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "عبدالملک! میں تمہاری تجویز سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔ اس لیے کہ کون بارشوں کا انتظار کرے اور پھر بارشوں کا سلسلہ نہ پانے کب شروع ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس موسم میں بارش ہو ہی نہ۔ اس کے علاوہ ملشکر کو انتظار کی اذیت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میں کسی فوری تجویز پر کاربند ہو کہ چندیری شہر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں رک کر برسات کے موسم کا انتظار ہمارے لیے ممکن بھی نہیں۔ اس طرح کئی دوسری قوتوں کو ہماری اس کمزوری کا علم ہو جائے گا کہ ہم چندیری کو کامیابی میں فتح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کئی اذیتیں ہمارے خلاف نہ ختم ہونے والی چھاپہ مار جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیں۔"

بابو دملینے کو رکا پھر وہ کہہ رہا تھا: "دوسرے انتظار کرتے کرتے لشکر بددلی اور بے حوصلگی کا شکار ہو جائے گا اور اس دوران اگر کسی نے ہمارے خلاف چھاپہ مار جنگ کا ہتھکڑی تو ہمارا لشکر جس کے حوصلے اب تک بلند ہیں بالکل جنگ کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ میں آج ہی مدینی راؤ کے خلاف اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ شروع کرنے کے حق میں ہوں لیکن اس کے لیے مجھے کوئی مناسب طریقہ کار اور لائحہ عمل اپنانا ہوگا۔ جنید! جنید! تمہارا اس جنگ سے متعلق کیا مشورہ ہے۔"

جنید نے کہا: "میرے آقا! میں آپ کے ان خیالات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اپنی پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ آج ہی جنگ کی ابتدا کر دی جائے۔ اگر ہم صرف شہر کا محاصرہ کر کے برسات کے موسم کا انتظار کرتے ہیں تو یہ مدینی راؤ کے لیے کم نقصان ہے۔ اس کے لیے صرف رسد و ملک کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا لیکن اس سے اسے چنداں فرق نہ پڑے گا کیونکہ مدینی راؤ نے شہر کے اندر خوراک اور دیگر ضروری اشیاء کا اس قدر ذخیرہ کر لیا ہوگا کہ وہ کئی ماہ تک باہر کی رسد و ملک کا محتاج نہ ہوگا لیکن یہی

اگر محاصرہ ہمارے لیے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ ہمارا لشکر ایک ہی محاذ پر مصروف ہو کر رہ جائے گا اور دشمن قوتوں کو ہمارے خلاف سر اٹھانے اور حرکت کرنے کے لیے وسیع مواقع میسر آ جائیں گے۔"

بابو نے پوچھا: "تو پھر تم کیا طریقہ مناسب سمجھتے ہو۔ اس سے قبل ہمارا واسطہ ایسے حالات سے نہیں پڑا جہاں ہمارا توپ خانہ ہی بے کار ثابت ہوا ہو۔" جنید نے کہا: "آپ دیکھتے ہیں شہر کی ایک جانب سے دریا اس کو ہتائی سلسلے سے مکر کر گزرتا ہے جس کے اوپر شہر کی تفصیل بنی ہوئی ہے۔ ہمیں اسی دریا کی سمت سے چندیری شہر پر حملہ آور ہونا چاہیے۔ اس راستے سے اگر ہم شہر پر حملہ آور ہوں تو شہر پر قبضہ کرنے میں ہمیں زیادہ دیر نہ لگے گی۔"

اس بار قوج بیگ نے بولتے ہوئے کہا: "کیا دریا کی طرف سے حملہ ہمارے لیے دشواریوں اور مسائل کا باعث نہ ہوگا۔ دریا کی طرف سے چندیری شہر کی تفصیل اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ اس پر چڑھنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دریا کی طرف سے جس قدر تفصیل اوجھ ہے اس سے کہیں اونچا وہ کو ہتائی سلسلہ ہے جس کے اوپر شہر پناہ بنائی گئی ہے۔ اس طرح دریا کی سمت سے شہر پناہ ایک طرح سے دوسری طرف سے شہر پناہ سے دگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے پھر سپاہ کے لیے اس پر چڑھنا کیوں کر ممکن ہو گا اور پھر خود دریا ہمارے لیے ایک علیحدہ مسئلہ کھڑا کر دے گا۔ دریا میں لشکر کو اتارنا اور اہل سے پھراؤ پر چڑھنا جان جو کھوں کا کام ہے۔"

جنید نے کہا: "دریا کی طرف حملہ آور ہونا مشکل ہے اسی لیے اس طرف سے حملہ اگر ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ یاد رکھو قلعے کا جو حصہ یا تفصیل کا جو بازو بھی زیادہ مضبوط اور دشوار گزار ہوگا اس کے دفاع کی طرف دوسری سمتوں کی نسبت کم دھیان دیا جاتا ہے۔ میری بات لکھ رکھو کہ دریا کی سمت دشمن نے تفصیل مے اور کوئی منجھتی وغیرہ نصب نہ کی ہوگی اور اس طرف سے ہم پر پتھر، آگ کے انگارے اور کھوتا پانی پھینکے جانے کے بہت کم امکانات ہیں۔ اور سنو! میں اس سمت کا بغور جائزہ لے چکا ہوں"

طریقہ ہے جس سے کام لے کر آنے والی صبح سے پہلے پہلے ہم چندیری شہر پر اپنا قبضہ کر سکتے ہیں۔

بابرنے جنید کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "سمر بیگ کے بیٹے! خدا کی قسم! یہ ایسا مشورہ دیا ہے جو نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اس پر عمل کر کے ہم بہت کم وقت میں اپنا راؤ کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔ شام تک اپنے اپنے لشکروں کو آرام کرنے دے دو اور ان کے لیے عمدہ اور بہترین کھانے کا بندوبست کرو لیکن یہ یاد رکھنا کہ کسی لشکر کو بھی سپاہی اپنے ہتھیار نہیں کھولے گا بلکہ چوکس اور مستعد رہے گا۔

اب تم لوگ جاؤ۔ سورج غروب ہونے کے بعد دشمن پر حملے کی ابتدا کر دی جائیگی مجھے اُمید ہے انشاء اللہ کل آنے والی صبح کا سورج ہمیں اپنے لشکر سمیت چندیری شہر اللہ ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھے گا۔ اب تم لوگ جاؤ اور اپنی اپنی تیاری مکمل کرو۔"

جنید، قوچی بیگ، عبدالملک قورچی، علی قلی خان اور دیگر سالار اٹھ کر بابرنے کے سامنے باہر نکل گئے تھے۔

○

سورج غروب ہو رہا تھا۔ ماتول نے اپنے چہرے پر تاریکی کا غلاف چڑھانا شروع کر دیا تھا۔ بلند اونچی نوکدار چٹانیں، سرسبز آلودہ صنوبر کی طرح کھڑی تھیں۔ ہواؤں سے آوازیں نکلتی تھیں، دریا سے کوسوں تک کسی قدر گھمبیر، کھڑکی کے جالے کی طرح سُنان اور آواز زدہ درختوں جیسی مایوس کن خاموشی طاری تھی۔

دھوپ کے جلتے لاؤ بچھ گئے تھے، غزال کا رنگ فق، زندگی کے ضمیر کا جذب سنسنی، انات کا سہاگ اُجاڑا اور روشنی کی تخلیق کا تسلسل ویران ہونے لگا تھا۔ پھر بھنورے سرد تپوں، لاکھوں سمٹنے لگے۔ اوس شیشیم کی خمیدہ شاخوں پر لہراتے خشک پتوں سے گلے ملنے لگی۔

آج کے آج کے گھرے ابھرتے دھندلوں میں ڈوبنے لگے۔ جن کا نات سیاہ ہونے لگا۔ جھینگریوں کی لگنے لگے جیسے خلاؤں کی کسی رقاصہ کے دوڑتے پاؤں کی بازیب چھپن چھپن گئی۔ بابرنے دریا کی سمت خالی چھوڑ کر اچانک تین اطراف سے چندیری شہر پر حملہ آور۔

وہاں کا کوہستانی سلسلہ ایسا ہے کہ بغیر کند کے چڑھا جاسکتا ہے اور پھر اس پہاڑ پر جو تفصیل ہے وہ بھی کوہستانی چھروں سے بنائی ہے۔ چھروں کی یہ دیوار غیر مموار ہوئیں اور باہر کی طرف ابھرے ہوئے چھروں پر پاؤں جما کر بڑی آسانی کے ساتھ اڑھ چڑھا جاسکتا ہے۔

آپ شہر کی وہ سمت میرے حوالے کر دیں اور آپ لوگ لشکر کے دیگر تین حصوں کے ساتھ شہر کے تینوں اطراف میں پوری قوت اور جانفشانی سے حملہ کر دیں لیکن اس حملے کی ابتدا سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر بعد کی جائے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ گھاٹ میں چھپا رہوں گا اور دشمن یہی سمجھے گا کہ شہر پر صرف تین اطراف سے حملہ ہوا ہے۔ لہذا وہ دریا کی سمت زیادہ توجہ نہ کرے گا اور اپنی پچھلی قوت اور دھیان دیکھیں۔ تین اطراف میں صرف کرے گا۔ جب سورج غروب ہو کر اندھیرا گہرا ہو جائے گا تو میں دریا کی سمت جاؤں گا۔ پہلے اپنے سارے لشکر کو اس کوہستان پر چڑھالے جاؤں گا اور پھر وہاں سے رسول کی سیڑھیاں اور کندوں کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔

اپنے سارے لشکر کو تفصیل پر چڑھانے کے بعد میں اپنا راستہ بناتا ہوا شہر پناہ شمالی دروازے کی طرف بڑھوں گا۔ اس وقت تک دشمن کو میرے تفصیل پر چڑھنے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اطلاع ہو چکی ہوگی۔ لہذا دشمن اپنی پوری قوت صرف کر کے مجھے شہر پناہ سے اتارنے کی کوشش کرے گا۔ اس دوران اگر آپ لوگ تین اطراف سے اپنے آدمی تفصیل پر چڑھانا شروع کر دیں۔ تو میرا کام قدرے آسان ہو جائے گا اور میں شہر کے اندر آخر تک تفصیل کا شمالی دروازہ کھول دوں گا۔

میرا فی تفصیل پر قبضہ کرنے کے بعد اندرونی تفصیل کو اپنے قبضے میں لینا ہوا ہے کوئی دشوار نہ ہوگا۔ کیوں کہ ہمارے آگے آگے بھاگ کر دشمن جب پہلی تفصیل سے آگے دوسری تفصیل تک جائے گا تو اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہم بھی دوسری تفصیل کا جائزہ لیں گے اور اس پر بھی قبضہ کر کے ہم شہر کے اندر آ کر سکتے ہیں۔ میرے خیال ہیں

ہونے کا حکم دیا تھا۔

رات جب گری ہونے لگی۔ شام کی کچھی کچھی آنکھوں میں جب فردا کے آن چکے
 نول کی خواہش توڑنے لگی۔ ہر شے جب رات کے پُر کیف سکون اور نیند کی مانوس چادر
 کے مہرے سے ہم آغوش پُر سکون دوریوں جیسی صورت اختیار کرنے لگی تو جنید اپنے دامن
 بزدل کی توقع لے کر اپنی گھات سے بھلا۔ اپنے لشکر کو وہ اس کو مہتان پر لایا جس کے
 مذہبی شہر کی فصیل کھڑی کی گئی تھی۔

پھر حنیئہ نے اپنے لشکر سے بیس جوان علیحدہ کیے۔ ان میں سے اس نے ہر ایک کو ایک کمند اور ایک ایک رسول کی سیڑھی مہیا کی۔ پھر حنیئہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میری طرف سے آواز میں کہا۔

”میرے رفیقو! میرے ساتھیو! میرے بھائیو! میں نے تم میں سے ہر ایک کو ایک کنبہ اور ایک ایک رسول کی سیڑھی مہیا کر دی ہے۔ ایسی ہی ایک کنبہ اور رسول کی اسی میرے پاس بھی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم سب پہلے کنبہ پھینک دو پھر پھینک گے اور فیصل کے اوپر جا کر وہاں مناسب جگہ رسول کی سیڑھیوں کا ایک بازو کی سیڑھیوں کو نیچے پھینک دیں گے تاکہ رسول کی ان سیڑھیوں کے ذریعے ہمارا پورا لشکر اڑھائے اور شہر پناہ کے اس حصے پر قبضہ کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔“

اور سنو! تم دیکھتے ہو فنیسیل کے اوپر کوئی زیادہ لشکر نہیں ہے۔ صرف محافظ پہرہ مار رہے ہیں۔ جس جگہ اس وقت ہم کھڑے ہیں اس کی سیدھ میں آکر دو پہر یار جمع ہوتے ہیں۔ اپنا اطمینان کر لینے کے بعد وہ دوبارہ مختلف سمتوں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ جب اٹل پہر یار یہاں ملنے کے بعد مخالف سمتوں کو روانہ ہوں اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ بنائے تو اس وقت ہم سب کو فنیسیل پر اپنی کمندیں پھینک کر اوپر چڑھنا شروع کر دینا پڑے گا۔ کمند پھینکتے وقت اور فنیسیل پر چڑھتے وقت کم سے کم آواز پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ تاکہ فنیسیل کے اوپر پہرہ دینے والے چوکس ہو کہ ہمارے کام کو دشوار نہ بنادیں۔ اب تم تیار رہو، جب دونوں پہر یار یہاں آکر ملیں پھر مخالف سمتوں کو روانہ ہو کہ کچھ دُور پہنچو، تم اپنے کام کی ابتدا کر دیں گے۔“

بارنے اپنے جنگی چھکڑوں پر لوہے کی ڈھالیں ڈھال کر انہیں آگے لے کر رکھا اور ان کی اوٹ میں اس نے اپنے لشکر کو رکھ کر جھلے کی ابتدا کی تھی۔ ساتھ ساتھ اس نے اپنی غوثیہ کو بھی آگے بڑھایا تھا۔

دشمن نے بھی شہرِ پناہ کے اوپر سے جوابی حملے کی ابتدا کرتے ہوئے بابر کے لشکر پر بارگاہِ کھولتے پانی، تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی تھی لیکن اپنے چھکڑوں کی اوٹ میں آگے بڑھتے ہوئے بابر کے لشکر ہی محفوظ تھے۔

مناسب فاصلے پر جا کر بابائے شہریناہ پر پتھر اور تیر بوسلے کا حکم دے دیا تو پھر بابر کے تیر انداز اور مخنجنیق کار حرکت میں آئے اور انہوں نے تفصیل پر دشمن سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سنگ و آہن کی بارش شروع کر دی تھی۔ ہر طرف ایک شور، ایک طغیان کا کھڑا ہوا تھا۔

ماحول سیاحہ کارگوبلوں کا شکار ہو گیا۔ رشتوں کی کوتھیاں ٹوٹنے لگیں۔ اُبلے پیراؤں
 و انظار ہونے لگے۔ ہوا کی حسین سننا ہٹ بھری آوازوں کے اندر ڈوبنے لگی۔ بابر کے فکر
 نے اس تیزی سے تیر اندازی اور سنگ باری کی تھی کہ تفصیل کے اُپر آگ، کھوتا پانی اور پتھر
 برس نے والے دشمن کے لشکریوں کا کام دشوار ہو گیا۔ ان کی رفتار سست پڑنے لگی اور تیر پتھرو
 کی مار سے ان کے ساتھی شام کو ٹوٹنے والے تاروں کی طرح زخمی ہو کر گرنے لگے تھے۔

چند یرمی شہر کی تفصیل پر جنگ میں مصروف مدینی راؤ کے لشکر کو پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ بابر نے شہر کے صرف تین اطراف سے ہی حملہ کیا ہے اور دریا کی سمت والی مشکل ترین جانب سے اس نے حملہ آور ہونے کی جرات نہیں کی لیکن ان کو خبر نہ تھی کہ خلید کی انتہائی زہریلے ناگ کی طرح مناسب وقت پر باہر نکلنے کے لیے گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ دریا کی سمت والی تفصیل پر کوئی لشکر متعین نہ کیا گیا تھا بلکہ وہاں پر کچھ محافظوں کا پہرہ لگا دیا گیا تھا تاکہ وہ دریا کے ساتھ پڑنے والی شہر پناہ کی حفاظت کریں اور ارد گرد نگاہ رکھ کر حفاظت کا سامان کریں۔

جنید خاموش ہو گیا کیوں کہ ہریار مخالف سمتوں کی طرف سے آ رہے تھے جبکہ وہ وہاں آ کر بلے پھر مخالف سمتوں کو روانہ ہونے کے بعد اپنے درمیان انہوں نے کچھ فیصلہ کیا تو جنید اور اس کے ساتھیوں نے فحیل پر اپنی کمندیں پھینک کر بڑی تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر پناہ کے اوپر جا کر بڑی تیزی اور سرعت سے جنید نے رسول کی سیڑھیاں وہاں بندھا کر ان کے دوسرے سرے فحیل سے نیچے پھینک دیے تھے۔ اس طرح جنید کا لشکر بڑی تیزی سے اوپر چڑھنے لگا تھا۔ جنید اور اس کے میں باقی فحیل کے اوپر لیٹ گئے تھے۔

دونوں ہریار جب اپنی مقررہ جگہ سے مڑھ کر واپس آئے تو جنید کے آدمیوں نے ان پر حملہ آور ہو کر دونوں کو قتل کر دیا اور ان کی لاشیں شہر پناہ سے باہر نیچے پھینک دی گئیں۔ پھر جوں جوں شہر پناہ کے اوپر جنید کے ساتھیوں میں اضافہ ہو رہا تھا اسی رفتار سے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر پناہ کے شمالی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ نئے چڑھنے والوں کے لیے فحیل کے اوپر جگہ بن سکے۔

ابھی جنید کا لشکر رسول کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے کا عمل جاری رکھے ہوئے تھا کہ شمالی حصے کے قریبی ہریاروں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ شور کرنے لگے۔ دشمن حملہ آور ہو گیا ہے۔ دریا کی طرف سے وہ شہر پناہ کے اوپر چڑھ آیا ہے۔

ان ہریاروں کے شور کرنے اور جنید کے فحیل پر چڑھنے کے اطلاع پر شہر پناہ پر پھیلے مدینی راؤ کے لشکر کے ایک ہرے سے دوسرے ہرے تک روگٹے کھڑے کر دینے والی خوف و دہشت کی ایک لہری دوڑ گئی تھی۔ لہذا شمال کی طرف سے مدینی راؤ کے کئی دستے فحیل خالی کرانے کے لیے جنید کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

نیچے دشمن سے برسرِ بیکار بابر، قوچ، بیگ اور عبدالملک تو رچی کو بھی ہریاروں کے شور کرنے کے باعث خبر ہو گئی تھی کہ جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لہذا انہوں نے بھی اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے ہوئے فحیل کی طرف

نئی شروع کر دی تھی۔ ان کے سامنے اب دشمن کی مدافعت پہلے کی نسبت گھٹ کر کم ہو گئی تھی کیوں کہ مدینی راؤ کے لشکر کا ایک حصہ شہر پناہ کو خالی کرانے کے لیے جنید کی سمت گیا تھا۔

جنید کی طرف بڑھنے والے مدینی راؤ کے لشکریوں کا خیال تھا کہ فحیل پر چڑھنے والے دشمنوں کو جنید ہی لمحوں میں نیچے آار دیں گے لیکن جب وہ نزدیک گئے اور جنید اپنے لشکر کو منظم کرنے کے بعد جب ان پر حملہ کیا تو انہیں یوں لگا جیسے ان کے اعضاء جھاڑے ہوئے ہوں اور کسی نے انہیں ازل وابد کے درمیان رکھ کر چپکے کے پاؤں کی طرح رگڑا اور شروع کر دیا ہو۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے گویا وہ نہیں بلکہ دشمن انہیں فحیل سے نیچے لے کر عزیمت لے کر آگے بڑھا ہو۔

جنید اپنے لشکر کے ساتھ مدینی راؤ کے لشکریوں پر ایسے انداز میں حملہ آور ہوا جیسے لیڑا دیا اور دھڑا دھڑا سے آنے والی ندیوں پر محیط ہو گیا ہو۔ یا کوئی گہرا بے کنارہ مند اپنی طرف والے ندی نالوں اور دریاؤں کو اپنا دھان کھول کر اپنے اندر جذب کرنے لگا ہو اپنے تیز لہلہ سے جنید نے مدینی راؤ کے لشکریوں کے ارادوں اور عزائم کے سارے سلسلوں کی بیڑوں کو کاٹنا اور ان کے لیے لہر کے کتبے مرقب کرنا شروع کر دیئے تھے۔

وہ اپنی طرف بڑھنے والے ہر دشمن پر بے حسی کا غلبہ طاری کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ وہ ان پر اپنا دباؤ بڑھاتا ہوا اور انہیں پیچھے دھکیلتا ہوا شہر پناہ کے اس شمالی دروازے سے قریب ہوتا جا رہا ہے جسے کھولنے کا اس نے عزم کر رکھا تھا۔

گو مدینی راؤ نے جنید کو آگے بڑھنے سے روکنے کی خاطر اس سے وگنا لشکر اس بارہ میں حائل کر دیا تھا۔ وہ ہر طرح سے چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ایک بار جنید کو اس کے لشکر سمیت فحیل سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن اب ایسا ہونا مشکل اور ناممکن نظر آ رہا تھا اس لیے کہ جنید کا سارا لشکر رسول کی سیڑھیوں کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھ چکا

تھا اور پھر اہل شہر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ بابر کے لشکر کا ایک حصہ فحیل پر چڑھ آیا ہے۔ ان خبر سے شہر میں ایک کراہ، ماتم اور شور و شر کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی جس کے باعث

دشمن کو بھیجے دھکیلتا ہوا جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے شمالی دروازے کے پاس جا پہنچا تو جس طرف قوچ بیگ دشمن کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ وہاں سے راؤ نے اپنے لشکر کے کچھ دستے ہٹا کر جنید کی طرف منتقل کر دیئے تھے۔ بابر نے یقینیت دیکھی تو اس نے قوچ بیگ کو رسول کی سیڑھیاں ڈال کر فصیل پر چڑھنے کا حکم دیا۔

مدینی راؤ کے نئے دستے آنے کی وجہ سے جنید کے آگے بڑھنے کی رفتار کچھ کم ہو گئی اس لیے کہ اس پر پہلے کی نسبت دباؤ و گنا ہو گیا تھا۔ یہاں اس کے لشکری ایک دو کی بات سے جنگ کر رہے تھے وہاں اب ایک چار کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مدینی راؤ کی خواہش یہ تھی کہ بس ایک بار بابر کے اس لشکر کو ہٹا دے تو پورا شہر جس نے شہر پر چڑھ کر اس کے لشکر اور شہریوں پر ایک خوف دہراں طاری کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر نیچے لڑتے بابر نے جنگل میں دھاڑتے شیر کے سے انداز میں اللہ اکبر کہہ بلند کیا۔ اس کے جواب میں جنید قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی بھی اس طرح اللہ اکبر کہنے لگے تھے جیسے ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو کسی انجانی اور مادیاتی زبان میں اپنے اد اپنے بھروسے اور عزم کا پورا پورا یقین دلارہا ہو۔ اللہ اکبر کے ان نعروں کے مجاہدین ایک بار پھر تازگی، ولولہ اور اٹھتی قوت بھروی تھی۔

جنید نے ایک بار پھر جان لیوا حملے کرتے ہوئے بیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اگلے حملوں میں پھر آدھی رات کے چمکنے والے جنگوں کی چمک، وقت کی گردش کو دینے کا عزم اور دشمن کی ساری قوت کو ایک نقطے پر سمیٹ دینے کی جرات خود کو تھی۔ دوسری طرف قوچ بیگ بھی اپنے حصے کی شہر پناہ پر رسیدوں کی سیڑھیاں ڈالنے کا کامیاب ہو گیا تھا۔

مدینی راؤ نے جب دیکھا کہ بابر کا ایک اور لشکر بھی فصیل پر چڑھ آنے کے قریب تو اس نے شہر کے اندر اپنے محفوظ دستوں کو بھی قوچ بیگ کے مقابلے میں جنگ بھونک دیا اس طرح مدینی راؤ نے قوچ بیگ کو تو تھوڑی دیر کے لیے فصیل پر چڑھ

مدینی راؤ کے لشکریوں کے حوصلے اور زیادہ بے ثبات اور شکستہ ہوتے جا رہے تھے۔ چندیری شہر کی فصیل کے اوپر اپنے لشکر کی راہنمائی کرتے ہوئے اچانک جنید نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ پھر اس کے لشکری بھی اللہ اکبر پکارنے لگے تھے اور ان کے ہوابہ میں نیچے دشمن سے برسرِ پیکار بابر، قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے اور ان کے لشکری بھی ایسا کر رہے تھے۔ اب چاروں طرف اللہ اکبر کی صدائوں کا نہ ختم ہونے والا ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ان صدائوں نے دشمن کے سارے ثبات اور سارے حوصلوں کو لرزاکر رکھ دیا تھا۔

جنید جو اپنے لشکر کے آگے تھا اب اک عالم سکرات میں تیزی سے آگے بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے رات کے سہے سہے لمحات کے اندر دشمن پر حیرت کسے کا لڑاکا عالم، جان کنی کی کیفیت، محشر طلسمات کی حالت اور نزع کی بے صوت حکایات طاری کر دی تھیں۔ وہ اب اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتا اپنے سامنے آنے والے مشرومن کو ہڈ کے مرتبان کی طرح توڑتا خیالات کے سمندر اور درد کے اڑتے ذرات کی طرح آگے بڑھتا رہا تھا۔

چندیری شہر کی فصیل پر آہوں کا ایک طوفان اور آسیدب زدہ بحر کی فضا جیسی آندھیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شور و جہالت میں جنید مدینی راؤ کے لشکر کو ایسے انداز میں کاٹ رہا تھا جس طرح درختی کے تیز اور نئے دندلے چار کی کچی فصل کو کاٹتے ہیں۔

جنید کے حملوں سے ایسے لگنے لگا تھا جیسے قدرت کے فرماں بردار گماشتے فطرت کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے والے عناصر کے لیے چندیری شہر میں ہتی اور عدم کو ایک کر دینے کا ارادہ کر چکے ہوں۔ جنید آگے بڑھتا رہا۔ اپنے جیز حملوں سے دشمن کی ہر سانس کو شعلوں میں بدل کر اس کے لیے صعوبتوں کا ایک نیا سلسلہ کھڑا کرنا آسمان پر قصاں بہتاب و انجم چندیری شہر پر طاری خون میں نہائی اس رات کو جیتا و تعجب سے دیکھ رہے تھے۔

بھول کر پاپا ہونے پر مجبور ہو گئے تھے پھر بابر اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر صوبہ دست سحاب چلنے لگا تھا۔

ایک عجیب سی طرفہ ذہانت اور برق باری کے انداز میں مسلمان حملہ آور ہوئے تھے اور اپنے سامنے آنے والے ہر دشمن پر انہوں نے مرگ کا سکوت اور ابدی سکون طاری کرنا شروع کر دیا تھا۔ بابر کے لشکری یوں جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے جیسے وہ خورشید نیم روزِ مدہیم شب اور گردنِ خورشید پر کمندیں ڈالنے کا عزم لے کر آئے ہوں۔

مدینی راؤ کی ہر سعی ناکام گئی۔ اس کا ہر حربہ دنیاوی اکام کی بھینٹ چرھ گیا۔ بابر کے لشکری رجال غیب اور خوف انگیز سواروں کی صوبہ دست میں دشمن کے قلب نظر کے اندھیرے پر غالب آنے لگے تھے۔ مدینی راؤ کے لشکر کی حالت ایسے طیور جیسی تھی جنہیں اپنے اشجار پر کوئی گھونسلا بنانے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ اس مسافر جیسے ہو رہے تھے جن کی قسمت میں فکر کی راہ، بیداریوں کی تمنی، نگر نگر کی تاریکی، رگوں میں اُترتی بکھرتی دہشت اور بے قرار آنکھوں میں انتظار کی کیفیت لکھ دی گئی ہو۔

تھوڑی دیر تک بابر نے مدینی راؤ کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ خاک و خون کا یہ کھیل صبح تک جاری رہا۔ چندیری شہر پر بابر کا مکمل قبضہ ہو گیا اور بابر کی خواہش کے مطابق اگلے روز کا سورج چندیری شہر کے اندر بابر اور اس کے لشکریوں کو ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا۔



ہنڈت دیالال ایشور مندر کے بڑے پجاری آتمارام کے پاس آیا اور کہا: ہمارا راج کمار کیپل کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانے کے لیے کسی اور کا انتخاب کیجئے۔ اس وقت کیدار بھی آتمارام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے فکر مندی سے دیالال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیوں کیا ہوا؟"

دیالال نے کہا: اول تو وہ ہم سے ایسے ایسے سوال پوچھتی ہے جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ دوم وہ ہم پر الٹی اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دیتی ہے اور

آنے سے روک دیا لیکن دوسری طرف جنید نے اپنے زوردار حملوں سے اپنی ترکنا زمیں اُترا اور اپنی پیش قدمی میں تیزی پیدا کر لی تھی۔ دشمن کو بُری طرح پسا کرنے کے بعد جنید مار دھاڑ کرتا ہوا نیچے اُترا اور محافظوں کو قتل کر کے اس نے شہر پناہ کا شمالی دروازہ کھول دیا تھا۔ شمالی دروازے کا کھلنا تھا کہ بابر اپنے قلب کے ساتھ ایک طوفانِ بے روک آندھی اور پُر قوت سیلاب کی صورت اندر داخل ہوا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے تو جی بگ اور عبد الملک تو رچی کے لشکر نے بھی اندر آنا شروع کر دیا تھا۔

دشمن کو اس طرح سیلابی حالت میں اندر آتے دیکھ کر مدینی راؤ نے اپنے لشکر کو پہلی فسیل سے اُتر کر دوسری فسیل کے حصار میں داخل ہو کر محفوظ ہو جانے کا حکم دے دیا تھا لیکن جب مدینی راؤ کا لشکر پہلی فسیل سے اُترا اور ان کے لیے دوسری فسیل کے دروازے کھولے گئے تو جنید اور بابر نے دروازوں کے محافظوں کو دروازے دوبارہ بند کرنے کا موقع نہ دیا اور دشمن کو اپنے آگے آگے مارتے کاٹتے وہ بھی شہر میں داخل ہو گئے تو جی بگ اور عبد الملک تو رچی بھی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

مدینی راؤ نے شہر کے اندر ایک کھلے میدان میں ایک بار پھر اپنے لشکر کو روک کر اور کئی قدما اس کی تنظیم درست کرتے ہوئے بابر کے لشکر کو جم کر لڑنے کے لیے مجبور کر دیا۔ اس دوران شہر کے ان گنت لوگوں نے جن میں مدینی راؤ بھی شامل تھا اپنی قدیم روایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور پھر وہ لوگ بالکل برباد ہو کر اور اپنی تلواریں ڈھالیں سونٹ کر بابر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

مدینی راؤ کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ مدینی راؤ اور ان کے ان گنت ساتھی اپنا ہاتھوں سے اپنے اہل و عیال کو قتل کرنے کے بعد جنگ کا آخری داؤ لگا چکے ہیں تو انہوں نے ایک بار ایسی آندھی جھپٹ کی کہ وہ مسلمان مجاہدین کو پیچھے دھکیل کر لے گئے تھے۔ اچانک پسا ہونے کے بعد بابر نے ایک تنظیم کے ساتھ اپنے لشکر کو جوابی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بابر کے ساتھ مل کر جنید، تو جی بگ اور عبد الملک تو جی نے جب مدینی راؤ کے لشکر پر جوابی حملہ کیا تو مدینی راؤ اور اس کے لشکر اپنی ساری رموزات اور جذبول

اس انداز اور ایسے پیرائے میں کرتی ہے کہ آدمی اپنے دھرم پر مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہنے کے بجائے ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے۔ اگر میں اسی طرح راجکماری کنپل کے پاس جاتا رہا تو میری حالت دسراہم سے بھی بدترین ہوگی۔ ایک روز راجکماری میرا بھی دھرم اُدھیڑ کر رکھ دے گی اور میں بھی دسراہم کی طرح اس کے پاس جانے سے مکمل طور پر انکار کر دوں گا۔

پنڈت آتمارام کا چہرہ غصے میں آگ کی طرح تپ گیا اور اس نے دیالال سے کہا "تم کوئی چننا نہ کرو۔ میں اب اس گھوٹی کا آخری بند و بست کروں گا۔ تم جاؤ۔ اب تمہیں راجکماری کنپل کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دیالال جب چلا گیا تو آتمارام نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی سخت آواز اور کھولتے ہچے میں کہا۔

"راجکماری کیدار! اب حالات ہماری گرفت سے باہر ہونے لگے ہیں۔ پانی بہا کر نہروں کے اُدبڑ تک سے گزرنے لگا۔ میرے خیال میں فوراً سوئمہر رچایا جائے اور کسی ایسے سورما کے ساتھ راجکماری کا بیاہ کر دیا جائے جو اسے یوں سیدھا کر دے جس طرح کوئی ماہر سوار اس گھوٹی کو سیدھا کرتا ہے جو اپنے اوپر کسی کو چڑھنے ہی نہ دے۔"

کیدار نے کہا۔ "سوئمہر تو اس لیے رچایا جاتا ہے کہ ہندو لڑکی خود اپنی پسند کا بُر تلاش کرے لیکن یہاں تو کنپل کسی ہندو جوان کے ساتھ ہرے سے شادی کرنے پر رضامند ہی نہیں۔"

پنڈت آتمارام نے کہا۔ "ہم بس سوئمہر میں مقابلہ رچائیں گے اور جو مقابلہ جیت جائے گا کنپل کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ آگے وہ جانے اور کنپل۔ آج ہی یہاں مختلف شہروں اور قصبوں کو ڈھنڈورچی روانہ کر دیے جائیں گے جو راجکماری کنپل کے لیے سوئمہر کا اعلان کرتے پھریں گے اور سونو کیدار! آج سے ٹھیک ایک ماہ کے بعد اسی مندر کی حدود میں یہ سوئمہر رچایا جائے گا۔"

کیدار نے کہا۔ "آپ جیسے مرضی کریں مہاراج! میں اعتراض کیوں کروں گا۔ میں جانوں، آپ ہماری بہتری کا ہی کام کریں گے۔"

آتمارام نے کیدار کا ہاتھ پکڑ کر مخاطب ہوئے کہا۔ "اُو پھر ڈھنڈورچی روانہ کرنے کا انتظام کریں۔ دونوں اٹھیں اور کمرے سے باہر نکل گئے۔"

ایشور مندر کی دیو داسی لاکھی بھاگتی ہوئی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور بکھلا، دپریشانی میں اس نے کہا۔ "راجکماری کنپل! تم نے کچھ سنا؟"

اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھی کنپل نے پوچھا۔ "کیا سنا؟" لاکھی نے کہا۔ "بڑا پنڈت آتمارام اور تمہارا بھائی کیدار ٹھیک ایک ماہ بعد تمہاری شادی کے لیے سوئمہر رچا رہے ہیں اور اس کیلئے وہ ڈھنڈورچی پٹینے کی خاطر مختلف شہروں کو ڈھنڈورچی بھی روانہ کر رہے ہیں۔"

کنپل نے لاپرواہی سے کہا۔ "کرنے دو رواں میں کیا کروں؟" لاکھی نے کہا۔ "راجکماری! حیرت ہے۔ تمہاری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہو رہا ہے اور تم پر کوئی اثر ہی نہیں ہے۔"

کنپل نے کہا۔ "میری زندگی کا کیوں اپنی زندگی کا فیصلہ کرتے پھریں سونو لاکھی! میں اس مسلمان ہوں۔ میرا سوئمہر سے کیا تعلق اور پھر میں اپنا آپ جنید کے حوالے کر چکی ہوں، وہی میری بزم وصال، میرا فکر و احساس ہیں اور میں ان کے لیے ان کی بزمِ فسوں و عروں ارتقا دہوں۔"

لاکھی! مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میرا عنبر، عود، عطر گلاب، قاقم و سنجاہ و ریشم، سب جنید ہیں۔ میری دہتی سانسوں میں ان کی مہک ہے۔ ان کا پسینہ بھی میرے لیے مشک و عنبر کی مہک سے بہتر ہے۔"

سونو لاکھی! جنید اگر اوروں کے لیے دستِ مجاہد کا عذاب ہیں تو میرے لیے وہ برہم کے شاعرِ نغمہ نصاب ہیں۔ اوروں کے لیے اگر وہ سیلِ نون اور برقِ دبار ہیں تو میرے لیے وہ چراغِ خوش رنگ اور پریم و زمزموں کے مینار ہیں۔

لاکھی! میں ہر شے کو ہر جذبے کو طاقِ نسیاں میں سجا سکتی ہوں۔ ہر رشتہ ہر

تعلق بھول سکتی ہوں لیکن جنید کی یاد نہ ہوں وہ میرے ذہن میں میرے دل میں میرے ضمیر کے تہاں غافل میں گلاب کی پتیوں کی طرح تازہ اور خوش رنگ رہیں گے۔ وہ میرے لیے مہتاب و شفق اور ستاروں کا عکس ہیں۔ میرے زندہ خیالوں کی خوشبو، میرے جسم کی زیبائی سب کچھ ان کے لیے ہے اس لیے کہ وہ ہی میرے جسم و جان کے امین ہیں۔

لاکھی! لاکھی! یہ سوئمبر رچانے والے اپنے آثار عظمت کی خاطر اوروں کے زرا اصول پا مال کرنا چاہتے ہیں۔ سچائی کا خون چاہتے ہیں۔ وقت کے گنگا منصف بن کر اور ان کی رگوں میں زہر بھرنا چاہتے ہیں۔ یہ انسان گزیدہ اور بے رحم صلاحیتوں کے گنگا لوگ ہیں یہ اوروں کے لیے قدم قدم پر جہنم سجانے والے ہیں۔

یہ مجھے آبی حلقوں کی کشش میں الجھا کر میری زندگی کا رُخ بد بنا چاہتے ہیں لیکن میں ایسا کیوں کر ہونے دوں گی۔ یہ نیند کے غلبے میں فیصلے کرنے والے لوگ ہیں۔ لاکھی! تم نے دیکھا نہیں جہاں سے شاخ ٹوٹتی ہے وہیں سے پھوٹتی بھی ہے۔ میرا ایمان ہے۔ جہاں یہ میرے لیے بدترین حالات پیدا کر رہے ہیں وہاں میرا اللہ میرے لیے ان سے نجات کا راستہ بھی پیدا کرے گا۔ بڑا رحیم و غفور ہے۔ وہ مجھے مایوس نہ ہونے دے گا۔ میرا اسی پر توکل ہے اور بہتری کی سارا امیدیں اسی سے وابستہ ہیں۔

کچھ سوچ کر کنپیں پھر کہہ رہی تھی۔ لاکھی! لاکھی! اس مندر کے پنڈت اور میرا بھائی دھوپ چھاؤں پر بھاگ رہے ہیں۔ یہ سب آگ کو چوم لینے کی بے نام خواہش کر رہے ہیں۔ میں نے جسے اپنا حزر دل و جان بنانا تھا بنا چکی۔ ایک روز یہ سب خود ہی تیرگی کی تاریکی گھپٹاؤں اور بے حسی کے رویوں سے باہر نکل آئیں گے۔ اس روز یہ پنڈت اپنی غلطی پر پچھتاؤں گے اور سزا پائیں گے۔ ڈرتی ہوں کہ ان کے ساتھ بدی کا شکار میرا بھائی بھی مارا جائے۔

لاکھی نے کہا: ”تم بیٹھو، میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔“ پھر وہ اٹھی اور بھاگ ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

چندیری کو فتح کرنے کے بعد بابر نے چند یم تک وہاں قیام کیے رکھا کیونکہ چندیری نہایت خوب صورت علاقہ تھا۔ اس کے نواح میں کئی آبشار گرتے تھے جن کے قریب ہی ایک کوہستانی ندی بہتی تھی۔ چار بڑے بڑے شفاف پانی کے تالاب تھے۔ اس کے علاوہ یہاں کے مکانوں کی اکثریت کوہستانوں کے تراشیدہ پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔

چندیری میں قیام کے دوران بابر کے جاسوس خبر لائے کہ رانا سا نگا نے بین راؤ کو اٹکا کر اور اسے ایک جوار لشکر متیا کرنے کے بعد بابر سے ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے اور دریائے گنگا کے اس پار اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہے۔ بابر نے برق رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ چندیری شہر سے کوچ کیا اور دشمن کی طرف بڑھا۔ قنوج شہر پر قبضہ کرنے کے بعد بابر دریائے گنگا کے کنارے آخیمہ زن ہوا۔ اب دریا کے ایک کنارے پر راجہ بین راؤ اور دوسرے کنارے پر بابر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

دریا پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے بابر نے دریا پر پل بنانا شروع کر دیا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ دشمن کہیں اس نئے بننے والے پل کو نقصان نہ پہنچائے اس نے دریا کے کنارے اپنی غازی نامی توپ نصب کرائی اور امیر علی قلی خاں کو حکم دیا کہ وہ وقفے وقفے کے ساتھ اس غازی نامی توپ سے دشمن کی طرف گولے داغتا رہے تاکہ دشمن پل کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ وہی غازی نامی توپ تھی جسے امیر علی قلی خاں نے خود بنایا تھا اور یہ توپ رانا سا نگا کے خلاف فتح حاصل کرنے کا ایک سبب بھی بنی تھی۔ تبھی سے اس کا نام غازی رکھ دیا گیا تھا۔

بین راؤ نے کئی بار پل پر حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی لیکن غازی توپ کی گولہ باری نے اسے اپنے اردوں میں ناکام رکھا۔ جب پل بنا ہوا دریا کے دوسرے کنارے کے قریب ہوا تو پل بنانے والوں کی دشمن سے حفاظت کرنے کے لیے بابر نے اپنے جرنیل ملک قاسم کو کچھ دتے دے کر مقرر کیا جو اپنی سپاہ کو کشتیوں میں لے کر دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہو گیا۔

پل کی حفاظت کرتے ہوئے ملک قاسم کی دشمن سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ اس لڑائی میں ملک قاسم دوسرے کنارے پر اتر آئے دشمن کو دھکیلتا ہوا ساحل سے دُور لے گیا لیکن دشمن نے

بل کر اپنے کان کا علاج کرتا رہا اور چند دن تک اس کا وہ کان ٹھیک ہو گیا۔

○

دریائے گوتمتی کے کنارے قیام کے دوران جب کہ بابر اپنے کان کا علاج کر رہا تھا ایک روز جنید اپنے خیمے میں لیٹا آرام کر رہا تھا کہ ایک پیر یار اندر آیا اور اس نے کہا: "اے امیر! گوالیار کے حاکم رحیم داد کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے۔ وہ کچھ بتانا نہیں بس یہی کہتا ہے کہ میرے پاس امیر جنید کے لیے ایک نہایت ضروری پیغام ہے۔"

جنید نے فرش پر کچھی چٹائی پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا: "اسے اندر بھیجو۔ رحیم داد نے اسے ضروری کام سے بھیجا ہو گا۔"

پیر یار جب باہر نکل گیا تو رحیم داد کا محافظ حسن اندر داخل ہوا۔ اس نے سلام کہتے ہوئے جنید سے کہا: "یا امیر! میرا نام حسن ہے حاکم گوالیار رحیم داد نے مجھے ایک اہم پیغام دے کر آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔"

جنید نے سنہلے ہوئے کہا: "کیسا پیغام؟"

حسن نے کہا: "پہلے مجھے یہ بتائیے کہ راجکماری کنپل آپ کے پاس پہنچی ہے یا نہیں پھر میں پوری داستان آپ سے بیان کرتا ہوں۔"

جنید نے فکر مند لہجے میں پوچھا: "نہیں کنپل میرے پاس تو نہیں آئی۔ تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو۔ کنپل کو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت پیش آئی جب کہ میں نے اسے بلایا ہی نہیں تھا۔"

حسن نے کہا: "اے امیر! کنپل کے بڑے بھائی کیدار نے رحیم داد سے کہا تھا کہ وہ نقل طود پر چوڑے شہر میں رہنا چاہتا ہے اور وہاں جا کر رہنے سے قبل وہ راجکماری کنپل کو برہنہ کے پاس چھوڑ آنا چاہتا ہے تاکہ اپنی بہن کے فرض سے سبک دوش ہو جائے۔ رحیم داد اسے اس کی اجازت دے دی لیکن اب جب کہ راجکماری کنپل یہاں آپ کے پاس نہیں آئی تو اس کا مطلب ہے کیدار راجکماری کنپل کو لے کر کہیں اور بھاگ گیا ہے تاکہ اس کا باپ ہرے نہ ہو سکے۔ کیدار کا ماموں سیو داس، اس کا بھائی مال دیو، اس کے علاوہ مال دیو کی

نے ایک دم ہلا بول دیا سخت حملہ کر دیا جس کے جواب میں ملک قاسم مارا گیا اور اس کے سپاہی بڑے کرکشیوں میں سوار ہو گئے۔ بین راؤ نے اپنے ہاتھی دریا میں اتار دیے اور ان ہاتھیوں نے بابر کے سپاہیوں کی کشتیاں اُلٹ کر انہیں دریا میں ڈبو دیا۔

تاہم اس وقت تک مکمل ہو چکا تھا۔ پر ملک قاسم کو قتل اور اس کے لشکر کو ہلاک گنگا میں ڈبو کر بین راؤ کے لشکریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے مکمل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تاکہ بابر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو پار ہی نہ کر سکے۔

بابر نے پنجاب سے بھرتی کیے ایک لشکر کو مکمل پار کر کے بین راؤ کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ پنجاب کے اس لشکر کے ساتھ راجہ بین راؤ کی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جس میں پنجاب کے لشکر نے راجہ بین راؤ کے سارے حملوں کو ناکام کرتے ہوئے اس کے لشکر کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

بابر نے جب دیکھا کہ اس کے پنجاب کے لشکر نے راجہ بین راؤ کے لشکر کو پیچھے دھکیل کر دریائے اس پار اپنے پاؤں جمانے کے لیے جگہ بنالی ہے تو بابر اپنے پورے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو پار کر کے دوسرے کنارے اُتر گیا۔ یہاں دریائے گنگا کے کنارے راجہ بین راؤ کے ساتھ گھمسان کارن پڑا لیکن جلد ہی بابر کا لشکر غالب آتا دکھائی دیا کیوں کہ راجہ بین راؤ اپنے لشکر کے ساتھ اب آہستہ آہستہ پاپا ہونے لگا تھا۔

بابر نے اس پاپائی سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ قلب اور ہراول کو مہتممہ اور میرہ کے درمیان میں رکھ کر اپنی گتھی ہوئی صفوں کے ساتھ بابر نے انتہائی خوفناک انداز میں حملہ کیا۔ اس حملے میں راجہ بین راؤ مارا گیا۔ راجہ کا شکست خوردہ لشکر بڑے پاؤں دکھ کر بھاگ نکلا لیکن بابر نے ان کا دُور تک تعاقب کیا اور ان میں سے زیادہ کو تیر تیغ کر کے رانا سنگا کا اچھے مستقبل سے وابستہ ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

راجہ بین راؤ سے نمٹنے کے بعد بابر اپنے لشکر کے ساتھ لکھنؤ آیا اور یہاں وہ دریائے گوتمتی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ ایک روز دریائے گوتمتی میں تیرتے اور نہلتے ہوئے بابر کے ایک کالی میں پانی چلا گیا جس کے باعث اسے اس کان سے کچھ سٹانی نہ دینے لگا۔ لہذا بابر یہاں

گوالیار کے راج مندر کا بڑا پروہت پنڈت گووند اپنے مندر کے کمرے میں آتش دان پاس بیٹھا گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے کمرے کے گرد رحیم داد کے لشکری پہرہ دے رہے تھے۔ رات گہری گھٹی پلکوں پر آنسوؤں کی طرح بھیگ رہی تھی۔ شفق کے قوس قزح کے رنگ نازل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

رات اپنی پوری وحشت و بربریت کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور اُجالوں کی لہر کو اس نے ڈھاپ کر رکھ دیا تھا۔ خزاں زدہ اداوتوں سے بے نیاز پودوں کی پُرتی ہم ہلکے شیریں گفتگو کی حلاوت کی طرح ہواؤں میں رچ بس گئی تھی۔

آتش دان کے پاس بیٹھا پنڈت گووند اسی طرح سوچوں میں الجھا ہوا آتش دان میں نئے آگ کے شعلوں کو دیکھ جا رہا تھا کہ گوالیار کا حاکم رحیم داد کھٹکارتا ہوا اس کے کمرے میں مل ہوا۔ اس کے آنے پر پنڈت گووند بدک سا گیا اور فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا۔ پنڈت گووند نے چہرے پر فوراً رونق اور لباشا شرت بکھیرتے ہوئے کہا: ”ایسے لڑا ہوا رہا ہے!“

رحیم داد کمرے کے ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور انتہائی تشکیک و گمان و دوسواس کی حالت میں اس نے پنڈت گووند کی طرف دیکھتے ہوئے کرودھ و کاکہلیج و تاب اور طیش و قہر بھری آواز میں اس سے کہا: ”پنڈت گووند! جانتے رات کے اس وقت میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں“

پنڈت گووند نے اپنی عیاری کو پوری طرح چھپاتے ہوئے کہا: ”مہاراج! آپ یہاں جب چاہیں یہاں آ سکتے ہیں۔“

رحیم داد نے پھر عتاب اور غضب برساتی آواز میں کہا: ”پنڈت گووند! گلتا گیار کے یہاں سے چلے جانے کا حادثہ تیری موت کا سبب بنتا جا رہا ہے۔“

پنڈت گووند نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: ”اتنا بڑا بول نہ منہ سے لے مہاراج! میں تو آپ کا داس ہوں۔ میں آپ کی پریشانی اور نفرت کا باعث نہیں

ہوں کر اور احمد یوسف اپنے اہل خانہ کے ساتھ محل سے غائب ہیں محل کے محافظ بھی۔ جانے کہاں چلے گئے ہیں یا انہیں کسی نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔ گوالیار کا وہ محل ان دنوں بالعموم خالی اور سوتا پڑا ہوا ہے۔“

حسن دم لے کر پھر کہہ رہا تھا: ”رحیم داد گوالیار کے راج مندر کے بیٹے پنڈت گووند کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کیوں کہ کیدار اور کنپل کے ساتھ راج مندر کے دو پنڈت ڈال اور دسرام بھی ان دونوں کی گنجی میں شہر سے باہر نکلے تھے۔“

جنید اٹھ کھڑا ہوا اور غصے میں اس نے کہا: ”گوالیار کے راج مندر کا بڑا پنڈت گووند تو میرا بھی مقروض ہے۔ میرا خیال ہے اب جب کہ وقتی طور پر میں جنگلوں سے فارغ ہو گیا ہوں یہ قرض وصول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔“

حسن نے کہا: ”رحیم داد پنڈت گووند پر یہ بھی شک کر رہے ہیں کہ کیدار کو گوالیار سے کنپل کو لے جھگٹے کا مشورہ اس نے دیا اور مالدیو اس کی بیوی کرن، ماموں سیو داس، احمد یوسف اور اس کے اہل خانہ کے علاوہ محل کے محافظوں کو ختم کرنے یا کہیں غائب کرنے میں بھی پنڈت گووند ہی کا ہاتھ ہے۔“

جنید کا رنگ غصے اور غضب کی حالت میں گرم سرخ ہو رہا تھا۔ پھر اس نے جلدی جلدی اپنا جنگی لباس پہنا اور حسن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا: ”حسن! حسن! اتم یہیں رکو، میں گوالیار جانے کے لیے یا پھر سے اجازت لے کر آتا ہوں پھر میں تمہارے ساتھ اچھی اور اسی وقت گوالیار کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ پنڈت گووند کو آپ سے سارے گناہ اپنے سارے مجرموں کا حساب دینا ہو گا۔ اس نے ابھی صرف مندر کا ماحول دیکھا ہے۔ سڑوں پر چمکتی تلواریں اور ان سے چمکتے خون کا کھیل نہیں دیکھا۔ میری تلوار جب اس کے سر پر لہرائے گی تو وہ ہر یوشیدہ راز کو افشاء کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔“

جنید تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ حسن اس کے خیمے میں ہی بیٹھ کر اس کا نظارہ کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جنید باہر سے اجازت لے کر لوٹا پھر وہ حسن کے ساتھ گوالیار کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

وقت ہی منہ میں داخل ہوا ہوں۔ میں تمہارے اور اس عیار و عیب دار گوند کے درمیان پوی گفتگو سنی چکا ہوں۔ رحیم داد تمہارا کام ختم ہوا۔ اب میرا کام شروع ہوتا ہے اور پھر دیکھو یہ پنڈت کیسے کیسے پوشیدہ راز اگلتا ہے۔

جنید نے اپنی تلوار بے نیام کر لی اور اسے لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ پنڈت خوف و گھبراہٹ میں اٹھ کر دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ مجھے ختم کرنے کے لیے ایک بار تم نے میرے پیچھے جھڑامی لگائے جنہیں میں نے ٹھکانے لگا دیا پھر تم نے ایک بھاری رقم کے عوض مجھے قتل کرنے کے لیے دوشکاری بھائیوں کی خدمات حاصل کیں لیکن وہ بھی میرے ہاتھوں مارے گئے۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کرتے ہو؟“

قبل اس کے کہ پنڈت گوند حجاب میں کچھ کہتا، رحیم داد نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے اپنی عتاب و طیش برساتی آواز میں کہا۔ ”اس نے آپ کے پیچھے بھی اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔ اس اہلس کے گماشتے کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں گا۔“

جنید نے کہا۔ ”رحیم داد ذرا رکو۔ جذبات میں نہ آؤ۔ مجھے اس سے کچھ پوچھنے دو۔“ جنید نے پھر کہا۔ ”پنڈت گوند! جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں؟“ پنڈت گوند دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا اور منہ سے کچھ نہ کہا۔ جنید نے گوند کے بازو پر تلوار کا ہلکا سا ایک وار کیا اور پنڈت گوند چلنے لگا۔ ”مہاراج! مجھے کچھ نہ کہیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتا ہوں۔ آپ کے پیچھے وہ بندے مین نے ہی لگائے تھے۔“

جنید نے اس بار اس کے شانے پر تلوار لہراتے ہوئے پوچھا۔ ”کیدار اور کنپل کہاں ہیں؟“ گوند نے کہا۔ ”ان دونوں کیدار اور کنپل چتوڑ شہر سے باہر ایشور نام کے مندر میں ہیں۔ کیدار راجکماری کنپل کو زبردستی وہاں لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا کہ کنپل کی شادی آپ سے ہو۔“

جنید نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”کیدار کم اور تم زیادہ چاہتے تھے کہ یہ شادی

ہیں سکتا۔ کیدار کے حادثے کے سلسلے میں پوری طرح میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔“

رحیم داد نے کہا۔ ”اگر تم نیک نیتی کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو تو پھر کھو کیدا کا ماموں، بھائی، اس کی بیوی، احمد یوسف اس کے اہل خانہ اور محل کے محافظ کہاں ہیں؟ پنڈت گوند نے کہا۔ ”مہاراج! آپ مجھ پر بے بنیاد شک کر رہے ہیں۔ میں کیا جانوں وہ کہاں ہیں۔ میرا براہ راست ان سے کوئی علاقہ لگاؤ، تعلق واسطہ، ربط میاں و نسبت قربت نہ تھی اور نہ ہی میں ان کے کسی طریق اطوار اور ڈھنگ سوش کا ذمہ دار تھا۔“ رحیم داد نے کہا۔ ”پنڈت گوند! اگر تم نہیں جانتے تو مجھ سے سنو! میں نے گویا اس محل کی آج پوری تلاشی لی۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ پر تھی لیکن حویلی کی پشت کے باغ میں کچھ تازہ جگہ کھود کر بھردی گئی تھی۔ مجھے اس پر شک ہوا تو میں نے اس جگہ کو کھدوانے کا حکم دیا۔ جلتے ہوں وہاں سے کیا نکلا۔ سیوڈاس، مالدیو، کرن، احمد یوسف اور اس کے اہل خانہ کی لاشیں وہاں سے برآمد ہوئیں۔“

وہ لینے کے بعد رحیم داد پھر کہہ رہا تھا۔ ”میں نے وہ ساری لاشیں تو دوبارہ وہیں دفنا دیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ مندر کے محافظ کہاں ہیں۔“

پنڈت گوند نے بڑی عاجزی اور غساری میں کہا۔ ”مہاراج! میں کیا جانوں؟“ کہاں ہیں۔ میں مندر کا واس ہوں مجھے آپ خواہ مخواہ دنیا داری میں کیوں گھسیٹتے ہیں۔“

رحیم داد کچھ کہنے والا تھا کہ اس کمرے کے دروازے کی طرف سے کھلتی ہوئی ہولنا آواز سنائی دی۔ ”رحیم داد! یہ یوں نہیں ملنے گا۔ میں خود اس سے پوچھتا ہوں پھر دیکھنا کیسے بولتا ہے۔“

رحیم داد نے جب مڑ کر دیکھا تو جنید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ رحیم داد نے جاگ پڑنے اور چونک جانے کے انداز میں کہا۔ ”امیر جنید! آپ! آپ کب آئے؟ پھر رحیم داد نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی کے ساتھ جنید سے مصافحہ کیا۔

جنید نے کہا۔ ”جس وقت تم اس پنڈت کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے میں اس

پر سار مہا اور رات کی تاریکی میں وہ گوالیار شہر سے کوچ کر گیا تھا۔

○

ایشور مندر کی دیوداسی لاکھی بھاگتی ہوئی کنپل کے کبے میں داخل ہوئی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اس نے آتش دان کے پاس بیٹھی ہوئی کنپل سے کہا۔ "کنپل! کنپل! میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لائی ہوں۔"

کنپل نے چونک کر پوچھا۔ "کیسی خوشخبری؟"

لاکھی نے کہا۔ "کنپل کل تمہارے لیے سوئمیر رچایا جا رہا ہے نا۔ پنڈت اتمارام اور تمہارا بھائی کیدار سوئمیر کے انتظامات میں مصروف تھے کہ گوالیار کے راج مندر کا ایک بھاری ان کے پاس آیا۔ اس وقت میں بھی ان کے پاس تھی۔ اس بھاری نے خوف و وحشت کی حالت میں پنڈت گوند اور کیدار کو بتایا کہ تمہارے جنید نے گوالیار کے راج مندر میں داخل ہو کر وہاں کے بڑے بھاری گوند کو قتل کر دیا ہے۔ تمہیں گوالیار سے ادھر نکال لانے کو مشورہ تمہارے بھائی کیدار کو اسی نے دیا تھا۔ لہذا جنید نے اس سے تمہارا پتہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ وہ بھاری کہہ رہا تھا کہ اب جنید کسی بھی وقت کنپل کو لینے ایشور مندر میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ خبر سن کر ایک بار پنڈت اتمارام اور تمہارے بھائی کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ لیکن اب وہ کسی قدر سنبھل گئے ہیں اور مندر کے محافظوں کو انہوں نے مندر کی مختلف جگہوں پر تعین کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ جنید جب ایشور مندر میں داخل ہو تو اس سے نمٹا جاسکے۔"

کنپل نے فوراً سجدے میں گرتے ہوئے کہا۔ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" پھر وہ اٹھ بیٹھی اور منسی کی مدھرتانوں جیسی خوش کن آواز میں اس نے کہا۔ "میرا رب بڑا رحیم و کریم ہے وہ میرے جنید کی ان ظالموں کے مقابلے میں ضرور مدد کرے گا۔ لاکھی! لاکھی! مجھے یقین ہے کہ میرا رب جو واحد اللہ ہے ایشور مندر میں مجھے گھٹ گھٹ کر مرنے نہ دے گا۔ لاکھی! لاکھی! میرے جنید ان جوانوں میں سے ہیں جو صحرا کے سینے کو جنت بنانے، آفاق و عوالم میں روشنی کی شمع جلانے اور اپنے دشمنوں کو بے چہرہ کرنے کا فن خوب جانتے ہیں۔"

نہ ہو۔ اب بولو۔ احمد یوسف اس کے اہل خانہ، مالدیو، کرن اور سیو داس کو کس نے قتل کر کے محل کے باغ میں دفن کر دیا؟

گوند نے کہا۔ "پنڈت دیالال اور وسرام نے"

جنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا اور وہ دونوں کہاں ہیں۔"

کیکپاتی آواز میں گوند نے کہا۔ "وہ بھی کیدار و کنپل کے ساتھ ہیں۔ وہ کنپل کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانا چاہتے ہیں۔"

جنید نے پھر پوچھا۔ "اور محل کے محافظ کدھر گئے؟"

دیالال اور وسرام کے آدمیوں نے بعد میں انہیں بھی قتل کر دیا کیوں کہ ان کے زندہ رہنے سے ان کے سارے راز افشا ہونے کا خطرہ تھا۔"

جنید نے کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔ "پنڈت گوند! میں جانتا ہوں تیرے جیسا کہ وہی، متعصب اور حساسی انسان کوئی کم ہی ہوگا۔ یہ سارے کام تمہارے ایماء اور حکم پر ہوتے رہے ہیں اور اس میں تمہارا پورا پورا عمل و دخل رہا ہے۔ لہذا میں تمہیں اس کی سزا دیتا ہوں۔" جنید نے تلوار لہرائی گوند پر گرائی اور اسے کاٹ دیا۔

پنڈت گوند کے لباس ہی سے جنید نے اپنی تلوار صاف کی پھر اسے نیام میں ڈالتے ہوئے اس نے مرط کر رحیم داد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رحیم داد! میں جا رہا ہوں اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دینا۔"

رحیم داد نے کہا۔ "آپ کہاں جائیں گے؟"

جنید نے کہا۔ "میری منزل جتوڑ ہے۔ دیالال اور وسرام اب مجھ سے بچ نہیں

سکتے۔"

رحیم داد نے کہا۔ "اے امیر! جتوڑ راجہ رانا ساگا کا علاقہ ہے، وہاں آپ کا جانا

خطرناک ہے۔"

جنید نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "میرا ابھی اور اسی وقت جانا ضروری ہے۔ رحیم داد

مجھے روکنے کی تمہاری ہر کوشش بے سود اور ناکام ثابت ہوگی۔" باہر آ کر جنید اپنے گھوڑے

کپور سنگھ نے لقمہ نکل کر جنید کی طرف نفرت اور کدودھ سے تھوکتے ہوئے کہا۔ تم بے مروت تمہاری اتنی دہشت تو نہیں کہ ہم کھانا کھانا بھجول جائیں گے۔ تم پناہ کی تلاش میں بکے کھاتے کسی شکر کے بھگوڑے سپاہی لگتے ہو۔

غصے میں جنید کی حالت اس صنّاع جیسی ہو گئی تھی جو کسی قصاص کسی جبر پورا مقام یا جراثیم کے حروف کندہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس کے چہرے پر بے نام اور اجنبی قنارائیت کی لہریں قفس کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں جنگ کا نشہ اور چہرے پر ذرے بڑے کا سینہ چاک کر دینے والی خواہشیں ابھرا آئی تھیں۔

پھر وہ برق کے کسی کوندے کی طرح لپک کر اس کمرے کے دروازے کی رن گیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے اندر سے زنجیر لگا دی اور ان دونوں کی رن دیکھتے ہوئے، اپنی تلوار بے نیام کرنے کے بعد اس نے غراتی آواز میں کہا۔ "انسان کے بھیس میں شیطانو! مجھے غور سے دیکھو، میں عظیم بابر کے ہراول لڑکا جنرل جنید ہوں۔ تم دونوں نے کچھ آدمیوں کو بھیج کر مسلمان پہلوان اللہ بخش کریم خان کو اس بنا پر قتل کرادیا تھا کہ چٹوڑ کے بھرے میدان میں اللہ بخش نے تم دونوں پر دھکا دیا تھا۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ ان دونوں کو قتل کرانے کے بعد تم دونوں محفوظ رہ سکو گے ہرگز نہیں۔ میں اسی کمرے میں تمہارے دل کی فضاؤں کو گنگ کر دوں گا۔ تمہارے رے عملی و جہلان تمہارے سارے فعلی رشتوں کی انتہا کر دوں گا۔ کسی کو تم نے مدد کے ہلکا کرنا ہو تو پکارو دیکھو۔"

جنید کی گفتگو سننے کے بعد جبر سنگھ اور کپور سنگھ کے ہاتھوں سے ان کے لقمے لگے۔ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں جنید نے کہا۔ "میں نے تم دونوں سے پہلے ہی نہ کہا تھا نبی میں نے تم سے اپنا مدعا کیا تو تم کھانا کھانا بھجول جاؤ گے لیکن تم میں سے اس بودائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ ایک کدودھ ایک غصے میں میری طرف تھوکتے ہوئے خاک میں بکتا ہوں۔ تم دونوں سن رکھو کہ پہلوانی کرنا آسان ہے رزم گاہ کا سپاہی بننا لاہور دشوار ہے۔"

لاکھی! تم جاؤ پڈت آتما رام اور میرے بھائی کیدار کے ارد گرد منڈلاتی رہو اور اگر کوئی نئی بات ہو تو مجھے فوراً اس کی خبر کرو اور مندر کے باہر ادھر ادھر بھی دھیان رکھنا ہو سکتا ہے جنید ادھر آئیں۔ اگر ایسا کوئی جوان جو خوب صورت، بھرے اور کڑیل جسم والا اپنے گھوڑے پر سوار تمہیں دکھائی دے تو اس کی اطلاع بھی مجھے فوراً کرنا۔ لاکھی! کپور سنگھ باہر نکل گئی، کپنل کمرے میں بے یقینی کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

○

شام ہو گئی تھی۔ تاریکیاں اپنے سیاہ نوکیلے نیچے زمین کی کوکھ میں گاڑنے لگی تھیں۔ مکانوں اور حویلیوں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ اندھیرا ہر شے کو اپنی زلفت زنجیر میں جکڑ رہا تھا۔

جنید چٹوڑ شہر میں داخل ہوا اور کشتیوں کے میدان میں اتر کر ایک شخص سے پوچھ کر وہ اس عمارت میں داخل ہوا جس میں رانا سانگک کے رستم پہلوان جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں رہتے تھے۔

جنید نے اپنے گھوڑے کو باہر باندھ دیا اور اس کمرے میں داخل ہوا۔ جس کے اندر جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اندر داخل ہو کر جنید ایک طرف بیٹھ گیا۔

جبر سنگھ نے پوچھا۔ "ہم نے تمہیں پہچانا نہیں تم کون ہو۔ کیا تمہیں ہم سے کوئی کام ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میں تم دونوں کے لیے اجنبی اور نووارد ہوں، میں گوالیار شہر سے آیا ہوں۔ تم دونوں آرام سے کھانا کھا لو پھر میں تم سے اپنے آنے کا مدعا کرتا ہوں۔ جبر سنگھ نے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہنا ہے کہو۔ تم فکر نہ کرو ہم دونوں تمہیں غور سے سن رہے ہیں۔"

جنید نے ایک طنز ایک تمسخر میں کہا۔ "جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں حجب میں نے وہ کہنا شروع کیا تو تم دونوں کھانا کھانا بھجول جاؤ گے۔"

کنپل نے بیاہ کے لیے ایشود مندر سے باہر سوئمبر رچایا گیا۔ جس کے لیے بہترین اور عمدہ
 زین انتظامات کیے گئے تھے۔ کنپل راجکمار اور آئی گنت کھتری سورما اس میں حصہ لینے کو
 لئے تھے۔ کنپل انتہائی تحمل اور بہترین صبر کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس نے بڑی سرگرمی سے
 سوئمبر کی ساری رسومات میں حصہ لیا اور وہ سوئمبر میں حصہ لینے والوں کے سامنے آکر
 بیٹھی بھی۔

پنڈت آتمارام اور کیدارنوش تھے کہ شاید راجکمار کی کنپل نے دل سے اس سوئمبر
 قبول کر لیا ہے اور جو سورما سوئمبر جیتے گا وہ اسے اپنا پتی اور شوہر تسلیم کر لے گی۔ ان قسم
 کے ٹخن دگمان سے انہیں اب یہ بھی اُمید ہو چلی تھی کہ شاید جنید سے مایوس ہو کر کنپل دوبارہ
 پنہ دھرم کی طرف لوٹ آئے اس لیے دونوں مندر کے محافظوں اور بجا ریوں کے
 ماتھ بڑی بھاگ دوڑ کے ساتھ سوئمبر کی تکمیل کے لیے کام کر رہے تھے۔

کنپل خاموش اور پرسکون تھی۔ لاکھی اس کی حالت پر حیرت اور پریشانی کا شکار
 تھی۔ دوسری طرف پنڈت دیالال اور پنڈت دسرام دونوں خوش تھے۔ کہ یہ ان کے
 مرم دھیان کا باعث اور ثمر ہے کہ راجکمار کی کنپل اس طرح سوئمبر کی رسومات میں
 شامل رہی ہے۔

آخر رانا سانگا کا بیٹا بکرماجیت جو اس کی بیوی پر ماموقی کے بطن سے تھا اور راجکمار
 نایر سوئمبر جیت گیا۔ جب سوئمبر کا یہ سال اکھیل ختم ہوا تو کنپل اپنی جگہ سے اٹھی اور بلند
 داز میں ایک عزم کے ساتھ اس نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اس سوئمبر میں حصہ لینے والو سنو! میں گوالیار کی سابقہ راجکمار کی کنپل ہوں اور
 گوئمبر میرے ہی لیے رچایا گیا ہے۔ سنو! میں نہ کسی ہارنے والے کو جانتی ہوں اور نہ
 نایر سوئمبر جیتنے والے سے میرا کوئی تعلق ہے۔ میں اب راجکمار کی نہیں ایک عام لڑکی ہوں
 نابہ ہندو نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام کنپل نہیں کلشوم ہے۔

سنو! میں جنید نام کے ایک مسلمان سے پہلے ہی منسوب ہوں اور یہ نسبت میری
 اور میرے باپ گوالیار کے راجہ بکرماجیت نے طے کی تھی جس میں کوئی بھی تبدیلی کرنے

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر جبر سنگھ نے ماتھ بڑے
 ہوئے کہا۔ ”ہم دونوں ماموں بھانجیا ہیں۔ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ تم ہم دونوں کو
 معاف کر دو۔“

جنید نے اپنی تلوار ہرا کر اگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”توبہ اور معافی کا یہی ایک وقت
 ہے اور وہ وقت تم دونوں کے لیے گزر چکا، اب تو تم دونوں کے سب اور مہیا کا
 وقت ہے۔“ اچانک جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں نے قریب پڑی لاکھیاں اٹھا لیں،
 اور جنید پر ٹوٹ پڑے۔ ان دونوں نے جنید پر لگاتار لاکھیاں برسائی شروع کر دی
 تھیں۔

ان دونوں کی لاکھیاں کو جنید اپنی ڈھال اور تلوار پر روک رہا تھا۔ اچانک ایک
 کی لاکھی کو اپنی ڈھال پر روکنے کے بعد جنید نے دوسرے کی لاکھی پر اپنی تلوار سے مارا
 اس کی لاکھی کٹ کر رہ گئی۔ جنید نے دوبارہ اپنی تلوار اس پر برسائی۔ وہ کپور سنگھ تھا۔
 جنید کی تلوار سے وہ اپنا دفاع نہ کر سکا اور جنید نے اسے دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔
 کمرے کا فرش کپور سنگھ کے خون سے رنگین ہونے لگا تھا۔

کپور سنگھ کے قتل ہونے پر جبر سنگھ اپنی لاکھی پھینک کر دروازے کی طرف
 بھاگ کھڑا ہوا۔ جنید نے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے کہا۔ ”تم تو رانا سانگا کے رستم
 پہلوان ہو تمہارا اس طرح پیٹھ دکھا کر اور دم دبا کر بھاگنا تمہارے لیے باعث عار ہے
 اس کے ساتھ ہی جنید نے پشت کی طرف سے جبر سنگھ کو اپنی ڈھال ماری۔ جبر سنگھ بے
 بسی کے عالم میں فرش پر گر گیا۔ جنید نے جبر سنگھ کے لیٹے ہی لیٹے اس کی گردن کاٹ دی۔
 اپنی تلوار پونچھ کر اور نیام میں ڈالتے ہوئے جنید اس عمارت سے نکل کر اپنے
 گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر ہانک دیا۔ جب وہ شہر پناہ کے پاس آیا تو اس
 نے دیکھا شہر پناہ کے دروازے ابھی کھلے تھے۔ لہذا وہ بلا جھجک اور بے مہابا تو
 شہر سے باہر نکل گیا تھا۔

بڑھ ہی گیا ہے تو سن رکھو! چاہے میری گردن کٹ جائے، چاہے میرے جسم کو ٹکڑے
 بھوکے آوارہ کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔ اب میں تمہاری کوئی بات برداشت نہ
 کر سکتی۔ تمہارے کسی ارادے، کسی فیصلے کی میں پابند نہیں۔ میں مسلمان ہوں مسلمان رہوں
 میں جنید کی منگیتر ہوں اور جیون کی آخری سانسوں تک اور اپنے شریر میں خون کا آخری
 پہنچنے تک جنید کا انتظار کروں گی۔“

کیدار غصے میں دیواڑ ہو گیا اور اس نے لگاتار کنپیل کے منہ اور پیٹھ پر طمانچے
 بولنے مارنے شروع کر دیے۔ کنپیل بڑے استقلال کے ساتھ کھڑی ہو کر مار کھاتی رہی
 باب میں اس نے اپنے بھائی پر ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔

راتنے میں رانا ساٹنگا کا بیٹا اور سوئمیر جیتنے والا لاجپار بکرا جیت بھاگتا ہوا وہاں
 اور اس نے کیدار کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے کہا۔ ”کیوں اس کو مل اور حسین لڑکی کو
 نہ ہو۔ اب یہ میری پتی ہے۔ میں اس پر اور اس کے جیون پر حق رکھتا ہوں۔“

ایک دم کنپیل پھر کئی اپنے لباس کے اندر سے اس نے خنجر نکال لیا اور کھولتی
 آواز میں اس نے کہا۔ ”خبردار میرے متعلق جو تم نے ایسے الفاظ منہ سے نکالے۔ میں
 لی بیوی، جو رو پتی نہیں۔ وہ بڑا بھائی تھا باپ کی جگہ تھا تو اس کے سامنے چپ
 رہتی رہی۔ تم بولے تو میرے پیٹ میں خنجر گھونپ دوں گی۔“

کنپیل کے خنجر نکال لینے پر بکرا جیت بدک کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا پھر سنبھلتے
 اس نے ایک عیارانہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”راجپار! اپنا خنجر نیام میں کر
 لی خنجر سے تم ان لوگوں کو نہیں ڈرا سکتی ہو جو تمہارے سوئمیر ہیں حصہ لینے آئے ہوں
 اب میں تمہارا پتی ہوں اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکتی۔“

کنپیل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”میرے باپ کی طرح تیرا نام بھی بکرا جیت
 نہیں سمجھے آج سے اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں۔“

کیدار نے پھر کنپیل کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔ ”پٹھ پیری! ہم تمہیں
 ان برائے کو کہتے ہیں اور تم گند دھول میں گرتی ہو۔“

کا حق نہیں رکھتا۔ خواہ وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا اس سوئمیر سے میرا کوئی تعلق کوئی رشتہ
 نہیں ہے۔

یاد رکھو میں کسی پنڈت، کسی پروہت کسی بھائی کو نہیں جانتی۔ اب تک میں نے
 بڑے صبر اور تحمل سے کام لیا ہے۔ پر اب میں اصلیت تم سب پر واضح گات کرنے پر آمادہ
 ہوئی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان لڑکی کا سوئمیر نہیں رہ پایا جا سکتا۔“

اچانک کیدار کنپیل کے پاس آیا اور اس کے منہ پر تین چار طمانچے مارتے ہوئے اس
 نے کہا۔ ”ذلیل لڑکی! میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے تجھے ایسی شفقت دی جو
 کسی بھائی نے بہن کو نہ دی ہو۔ پر تو زندگی اور بٹیلی نکلی۔ میں چاہتا تو زبردستی اور زبردستی
 بے کام لے کر تجھے واپس اپنے دھرم پر لا سکتا تھا۔ پر میں اپنی عزیز بہن پر جبر اور سختی نہ
 چاہتا تھا۔ پر تیرے ارادے حد سے بڑھ گئے ہیں۔ تیری زبان زیادہ دراز ہو گئی ہے۔ یہ
 سوئمیر تمہارے لیے رچا یا گیا ہے جسے ہندوستان کے مہاراجا رانا ساٹنگا کا بیٹا بکرا جیت جیت
 چکا ہے۔ دھرم کی رو سے اب تم بکرا جیت کی پتی اور وہ تمہارا بے ہے تمہیں اس کے
 ساتھ جانا ہوگا۔ اپنا جیون اس کے ساتھ اور اس کی خدمت میں بسر کرنا ہوگا۔ کیا تمہارا
 ذات کے لیے اچھا لشگون نہیں ہے کہ ایک راجپار نے تمہارا سوئمیر جیتا ہے۔“

سنو کنپیل! اب تم نے اگر کوئی ایسی بات منہ سے نکالی جو میرے یا پنڈت آتما
 یا اس سوئمیر کے فیصلے کے خلاف ہوئی تو میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تو اپنا جیون اور اپنی
 ہر خواہش مانگ بھول جائے گی۔“

کنپیل نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔ ”میں نے آج تک تمہیں بڑا بھائی جان کر نہیں
 عزت دی ہے۔ تم نے پنڈت گوند کے ساتھ مل کر جنید کو قتل کرانے کی کوشش کی
 میں چپ رہی۔ تم نے میری ان سے شادی کی مخالفت کی میں نے کوئی آواز بلند نہ کی تم
 نے مجھے جنید کے پاس لے جانے کے بہانے گوالیار سے نکالا اور دھوکہ دے کر مجھے ایشور
 میں لے آئے۔ تم بھائی نہیں ہو پاری ہو۔ تم رشتوں کی الجھن میں میرے جیون، میری خوشیوں
 کا سودا کر رہے ہو۔ میں نے ہر موقع پر کوئی احتجاج نہیں کیا لیکن اب جب کہ تمہارا ہاتھ

کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کنپیل نے بے بسی سے کہا۔ "کاش میرے ساتھ تمہارا کاشتہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بتاتی کہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے والے کی درگت کیسی لمبی ہے۔ میں اس سے جو چاہے سلوک کروں، تم نہیں بولو گے اور اگر تم نے کوئی اعتراض ہندو را حکما نہیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ مقتل میں کھڑے ہو کر اور صلیب پر چڑھ کر بھی یہ فیصلہ اٹل اور پکا رہے گا۔ کسی کی ہمت نہیں کہ مجھے اس سے ہٹا دے۔ اچل اگر سانسوں کی ڈوری کاٹ دے تو اور بات ہے۔"

کیدار نے کہا۔ "باپ کہہ دینے سے بکرماجیت تمہارا باپ تھوڑا ہی بڑا تھا۔ تمہارا پتی ہی ہے۔"

بکرماجیت نے کہا۔ "تم چھوڑ دو اسے، اب یہ میری بیٹی ہے میں خود اسے درست کر لوں گا۔ عورت کا کیا ہے، پاؤں کی جوتی اور گھوڑی کی طرح ہے، تنگ ہوئی تو کلہوت دے کر درست کر لی۔ پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو نگام فراسخت کے ڈالو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔"

کنپیل نے سخت غصے میں کہا۔ "عورت کو جوتی اور گھوڑی سمجھنے والے بڑے بھول کر عورت تیری ماں بھی ہے، عورت تیری بہن بھی ہے۔"

بکرماجیت نے آگے بڑھ کر ایک زوردار طمانچہ کنپیل کے منہ پر دے مارا۔ لیکن بکرماجیت اس وقت طور بے طور ہو گیا جب کنپیل نے اس سے بھی ایک سخت اور زوردار طمانچہ بکرماجیت کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

"وہ بھائی ہے جس کی مار برداشت کرتی رہی ہوں۔ تو میرا کچھ نہیں تیرا۔ برداشت کیوں کروں، تیری وہیل کیوں بنوں۔ سن رکھ اگر تو نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا خنجر تو گا اور تیرا پیٹ، تیری ساری انتر دیاں نکال کر ہاتھ میں تھما دوں گی۔ میرا یہ فیصلہ اپنے دل کے ورق پر لکھ رکھو کہ میرا باپ راجہ بکرماجیت مجھے جس سے نفرت کر چکا ہے وہی میرے حسن کا نروان اور وہی میری محبت کا پرچار ہے۔ اس کے بغیر میں نامکمل اور ادھوری ہوں۔"

کر باندھ دو۔ مرنے لاکھی اس کے پاس آئے گی اور اسے کھلاتی پلاتی رہے گی۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں یہ اس وقت تک رسیوں میں بندھی رہے گی جب تک یہ درست نہیں ہوتی اور اپنے دھڑکنے پر آنے کا اعلان نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں یہ کب تک اپنی ضد پر قائم رہتی ہے۔ بکرماجیت اپنے باقی محافظوں کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے جا رہا ہے۔

○

جبر سنگھ اور کپور سنگھ کو قتل کرنے کے بعد جنید نے جتوڑ شہر سے تین میل کی طرف ایک سرائے کے اندر قیام کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ رات اور اگلا پورا دن وہاں ہی میں بسر کرے گا اور اگلی رات وہ ایشور مندر کی طرف جائے گا اور کنپل کو وہاں سے لے کر کی کوشش کرے گا۔

سوائے کے صطبل میں اپنے گھوڑے کے دانے چارے کا انتظام کرنے اور آرام کی خاطر خشک جگہ باندھنے کے بعد جنید نے رات کا کھانا کھا یا پھر وہ رات بھر کی خاطر سوائے کے بستر میں گھس گیا تھا۔

دوسرے روز سہ پہر کے قریب جنید نے اپنا جنگی لباس پہنا۔ گھوڑے کے دانہ چارہ ڈال کر اس پر زین بھی اس نے کس دی تاکہ گھوڑا اچھی طرح چارہ کھالے۔ اپنے گھوڑے کو کھیرا کرنے لگا تھا۔

کھیرا کرتے کرتے جنید کے ہاتھ اچانک ٹک گئے۔ اس نے دیکھا کہ میں چھ سوار داخل ہوئے اور ان میں سے ایک وہ بھی تھا جس سے رات جنید نے اور کپور سنگھ کی رہائش متعلق دریافت کیا تھا۔

اصطبل میں جنید کو دیکھتے ہی دشمن زور زور سے پکارتے ہوئے شروع لگا تھا۔ اصطبل میں اپنے گھوڑے کو کھیرا کرنے والا جوان وہی ہے جس نے گزشتہ جبر سنگھ اور کپور سنگھ سے متعلق مجھ سے پوچھا تھا۔ یقیناً وہ وہی جوان ہے جو جبر سنگھ اور کپور سنگھ کو قتل کیا ہے۔

جنید سب کچھ بجانب چکا تھا۔ وہ اس سلسلہ کو سرائے کے اندر ابھانا نہ چاہتا تھا لہذا فوراً حرکت میں آیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کو صطبل سے باہر لایا اور اس پر سوار ہو کر اس نے اصطبل کی قدرے نیچی دیوار کی طرف ایڑ لگا کر بھگا دیا۔ گھوڑا انہننا تا ہوا دیوار پہلانگ گیا۔

جنید کی نشان دہی کرنے والا جوان سرائے میں مڑا رہ گیا جب کہ باقی کے پانچوں سوار اپنے گھوڑوں کو سرائے سے بچانے کے بعد اس کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

ایشور مندر کی طرف جانے کے بجائے جنید ان پانچوں سواروں کو اپنے تعاقب میں لگا کر شمال کے کوہتا فی سلسلے کی طرف لے گیا تھا۔

تعاقب کرنے والوں نے اپنے گھوڑوں کو مہیز پر مہیز لگائی پر جنید کو نہ پکڑ سکے جس قدر فاصلہ سرائے سے روانہ ہوتے وقت تھا ویسے کا ویسا ہی رہا۔ یہاں تک کہ جنید فاصلے کی اس نسبت کو قائم رکھتے ہوئے شمال کے کوہتا فلوں کے اندر جا گھسنا تھا۔

کوہتا فی سلسلے کے اندر ایک موڑ مڑنے کے بعد جنید نے اپنے گھوڑے کو ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑا کر لیا تھا۔ گھوڑے کی زین سے لٹکتی کمان اس نے سنبھالی۔ ترکش سے تیر نکال کر اس نے چلہ پر چڑھائے اور مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب تعاقب کرنے والے پانچوں سوار تیر کی زد میں آئے تو جنید نے ان پر لگا تار کسی تیر برسا دیئے تھے ان پانچ میں سے تین تعاقب کرنے والے جنید کی تیر اندازی سے مجھد کر اپنے گھوڑوں سے پھری زین پر گر کر لوٹنے لگے تھے۔

جنید نے فوراً کمان زین سے لٹکا دی اپنی تلوار اور ڈھال اس نے سنبھالی اور باقی پچھنے والے دونوں کے سامنے اس نے اپنا گھوڑا آکھڑا کیا تھا اور بال کھاتی آواز میں اس نے ان سے پوچھا۔ تم پانچوں نے کیا سمجھ کر میرا تعاقب کیا کہ تم مجھے اپنی گرفت میں کر لو گے۔ ہرگز نہیں، میں تمہارے قریب میں آنے والا نہیں ہوں۔ اب ان کوہتا فلوں کے اندر جب کہ میں تمہارے مینوں ساتھیوں کو زمین کا پیوند بنا دیا ہے میں تم دونوں کو ایک ساتھ دعوتِ مبارزت دیتا ہوں۔ ان دونوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنی تلواریں سونٹ کر آؤ

آگے بڑھ کر انہوں نے جنید پر حملہ کر دیا تھا۔

معاف کر دو۔“

جنید نے پوچھا۔ ”تم نے انہیں میری نشاندہی کیوں کی۔ میں سبیر سنگھ اور کپور سنگھ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ انہوں نے میرے دو عزیزوں کو مار دیا تھا۔ اس نے اسی طرح ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”مجھ سے غلطی ہوئی مجھے معاف کر دو مجھے خبر نہ تھی کہ وہ دونوں ماموں بھانجا حرامی قاتل ہیں۔ بھگوان کی سولگن میں وعدہ کرتا ہوں۔ اب کسی سے تمہاری نشاندہی نہ کروں گا۔ بس تم ایک بار معاف کر دو۔ تمہاری نینس کی اور مروت زندگی بھر یاد رکھوں گا۔“

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اچھا جاؤ چلے جاؤ۔ دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو ان سپاہیوں کی طرح تم بھی مارے جاؤ گے۔“

وہ سہا سہا سا اپنے گھوڑے کو بانک کر چلا گیا۔ جنید اب آہستہ آہستہ مشرق کی طرف جا رہا تھا کیوں کہ سورج مغرب کی طرف جھکتے ہوئے غروب ہو رہا تھا۔



کسی سست رُودریا کی طرح جنید شروع میں ان کے حملے صرف روکنے پر اکتفا کرتا رہا جس سے ان دونوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایک موہوم سی شادمانی ان دونوں کے چہروں پر بکھرنے لگی تھی لیکن جلد ہی جنید کے انداز جارحیت اختیار کر گئے۔ اس کے حملوں میں کھیتوں کی ہریالی جیسی تازگی اُترنے لگی تھی۔ جب کہ ان دونوں کی حالیہ ادھکلی نیم مڑہ سہکھوں جیسی ہونے لگی تھی جس کے سامنے موت قص کہتے ہوئے دلوں کے حصار اور اس کی وسعت میں خوف خطرے بھرنے لگی ہو۔

جنید کے حملے لمحہ بہ لمحہ شفاف اور بھرپور ہوتے جا رہے تھے۔ اب وہ خلیکے کراں سلسلے اور زحر میں اُٹھتی طوفانی لہروں کی شکل میں ان پر وارد ہونے لگا تھا۔ اہلک ان میں سے ایک جنید کا حملہ روکتے ہوئے چوہکا اور جنید کی تلوار نے اسے کاٹ کر رکھا۔ فضاؤں کے اندر ایک کرناک چیخ بلند ہوئی اور چوڑے کا وہ سپاہی اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔ دوسرا سپاہی اپنے ساتھی کی ہلاکت پر خزاں کے چنیل کی مانند کانپنے لگا تھا۔ اسی دھڑکے اور جھپٹا میں وہ اپنا دفاع تک کرنے میں ناکام رہا اور جنید کا کوندتی برستی تلوار اسے موت سے ہم کنار کر گئی تھی۔

آخری سپاہی کو ختم کرنے کے بعد جنید اپنے گھوڑے کو بانک کر ایک نم آواز میں لے گیا کیوں کہ جنوب کی طرف سے گھوڑا بھگتا ہوا وہ جوان بھی آ رہا تھا جس نے جڑ کے سپاہیوں کی جنید کی طرف راہنمائی کی تھی۔

جنید نے دیکھا وہ بالکل نہتا تھا اور اپنے دفاع تک کے لیے اس کے پاس نہ تھا۔ مرنے والے سپاہیوں کی لاشوں کے پاس آکر وہ رک گیا اور اس کی حالت ایسی تھی جیسے کسی نے کھلی قبر سے کسی بھیانک مُردے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ وہاں سے بھاگ ہی لگا تھا کہ جنید اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر باہر آیا اور اس کا راستہ روکتے ہوئے کہ ”اب تم بھاگنا بھی چاہو تو نہ بھاگ سکو گے۔“

اس نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”مجھے کچھ مت کہنا۔“

عورت ذات ہے اس پر ایسا ظلم نہ کرو۔ آخر اس کی اور ضروریات بھی ہیں بندھے بندھے وہ کیوں کر اپنی جسمانی ضروریات پوری کر سکے گی۔ آخر کو وہ راجکماری ہے اس کا بہر حال کچھ تو احترام ہونا چاہئیے۔ وہ بے چاری بھاگ کر کہاں جائے گی۔ وہ تو اس تاریکی میں ڈر کے مارے باہر ہی نہ نکلے گی اور پھر کمرے کے باہر تم پہرہ دے رہے ہو اور مندر کے ارد گرد بھی تمہارے آدمی پھیل کر پہرہ دے رہے ہیں۔ کیا اس قدر جوان ایک کمزوری ناتواں لڑکی کے سامنے اپنے آپ کو ناکام اور بے بس سمجھتے ہیں کہ وہ ان کو جیل دے کر بھاگ جائے گی۔

ان پر دیاروں میں سے ایک جو عمر میں اوروں سے بڑا اور شاید ان سب کا مائدہ تھا اس نے ایک سپاہی سے کہا۔ "اس دیو داسی کے ساتھ تم اندر جاؤ اور راجکماری کی رتیاں کھول دو۔ وہ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں بنے گی۔ میں کمرے کا اچھی طرح جائزہ لے چکا ہوں۔ اس دروازے کے علاوہ اس کمرے سے بھاگ نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم جاؤ، راجکماری کی رتیاں کھول دو، وہ آرام سے کھانا کھائے اور پین سے رات بسر کرے۔ صبح جب وہ ضروریات سے فارغ ہو جائے گی تو ہم اس کو ہرسیوں میں جکڑ دیں گے۔ راجکماری بکراماجیت اگر آیا بھی تو زیادہ سے زیادہ کل دن کے ہی جیتے میں آئے گا اور اس وقت تک راجکماری رسیوں میں جکڑی ہوگی۔ ویسے بھی ان اس راجکماری کی باتوں سے اندازہ لگا چکا ہوں، اس پر جتنی چاہے نعمتی کی جائے، راجکماری بکراماجیت سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں ہے۔ تم لوگوں نے دیکھا نہ تھا اس نے سب لوگوں کے سامنے راجکماری کے منہ پر ٹانچہ دے مارا تھا۔"

وہ کماندار جب خاموش ہوا تو لاکھی نے کہا۔ "تم بلا جھجک اس کی رتیاں کھول دین۔ تم لوگوں کو ضمانت دیتی ہوں کہ وہ یہاں سے بھاگے گی نہیں۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے اس مندر میں مقیم ہے۔ اس پر کوئی پہرہ بھی نہ تھا۔ بھاننا ہوتا تو وہ اس وقت ہی ہال جاتی۔"

لاکھی کے جواب میں کسی نے کچھ نہ کہا۔ پھر ان پر دیاروں میں سے ایک لاکھی

سورج غروب ہوتے ہی رات اپنی آمد کا اعلان کرنے لگی تھی۔ جگلی، قازیل اور دیگر کوہستانی و میدانی طیور دن بھر کی مشقت اور اڑان کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ تاریکیاں اپنے خرام کے پورے لہراؤ کے ساتھ نازل ہونے لگی تھیں۔ کنپل بے چاری اپنے کمرے میں مسہری پر پڑی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بند ہوئے تھے۔ کنپل کے کمرے سے باہر اور ایشور مندر کے ارد گرد بھی راجکماری بکراماجیت کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ شاید اس خیال سے کہ کنپل بھاگ نہ جائے یا جلید آٹھالے جانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

لاکھی کنپل کا کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ کھانا اس نے مسہری پر کنپل کے سامنے رکھا اور باہر آکر پہرہ دینے والے سپاہیوں میں سے ایک سے اس نے کہا۔ "راجکماری کے ہاتھ پاؤں تو کھول دو کہ وہ کھانا کھا سکے۔"

اس سپاہی نے کہا۔ "اس کے ہاتھ پاؤں نہ کھلیں گے تم ہی اسے کھانا کھلاؤ۔ لاکھی نے کہا۔ "اس نے ایسا کون سا جرم کیا ہے جو اسے اتنی بڑی سزا مل رہی ہے چلو کھانا تو میں اسے کھلا دوں گی پر وہ اس طرح بندھے بندھے رات کو آرام کیسے کرے گی

کے ساتھ کمرے میں آیا اور وہ رسیاں کھول کر کنپیل کو آزاد کر کے باہر چلا گیا تھا۔ جہاں رسیاں بندھی تھیں وہاں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو سمیلاتے ہوئے کنپیل نے کہا۔

”لاکھی! لاکھی! میں تمہاری احسان مند ہوں، میں جانتی ہوں یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے جا کر منت سماجت کی ہوگی اور وہ مان گئے ہوں گے۔“

لاکھی نے مسہری پر رکھے کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم کھاؤ کھاؤ“ کنپیل چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔ جب وہ کھانا کھا چکی تو اس نے پھر لاکھی سے کہا ”لاکھی! تم میرا ایک کام کرو گی؟“

لاکھی نے کہا۔ ”تم کہو تو میں منور کروں گی۔“

کنپیل نے کہا۔ ”لاکھی! میرا دل کتنا ہے جنید! ادھر آنے والے ہیں۔ وہ اگر اُٹے بھی تو رات کے وقت آئیں گے تم دھیان رکھنا لاکھی! اور ان کی راہنمائی کرنا کہیں ان پر پہریلوں کی نظر نہ پڑ جائے اور وہ انہیں پکڑ نہ لیں اگر ایسا ہو گیا تو میں مرجاؤں گی۔“ لاکھی نے کہا۔ ”تم فکر مند نہ ہو کنپیل میں ابھی کھانے کے یہ خالی برتن لے کر جاتی ہوں اور باہر کھڑے پہریلوں سے کہتی جاؤں گی کہ میں برتن چھوڑ کر آرہی ہوں میں مندر کی کسی ایسی محفوظ جگہ پر کہ پہرہ دوں گی جہاں میری نظر باہر کے سارے منظر کو دیکھ سکے لیکن میں کسی کی نگاہوں میں نہ آؤں۔“

راجکمار! تم فکر نہ کرو۔ جنید اگر تمہارا منگیتر ہے تو میں اسے بھائی کہہ کر پکارتی رہی ہوں۔ لہذا میں اس بھائی کی حفاظت اور راہنمائی کی پوری کوشش کروں گی۔“ لاکھی کو اپنے ساتھ لپٹا کر کنپیل نے اس کی پیشانی چوم لی اور کہا۔ ”اپنے کمرے کی اس سامنے والی کھڑکی میں بیٹھ کر میں بھی باہر نظر رکھوں گی۔ اب تم جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ۔“

لاکھی نے برتن اٹھائے اور باہر نکل گئی۔ کنپیل نے آتش دان میں اور لکڑیاں ڈال کر آگ کو خوب بھڑکا دیا اور پھر وہ لحاف اوڑھ کر کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اچانک اسے کوئی خیال گزرا اپنی جگہ سے وہ اٹھی پہلے دروازے کو اندر سے

زنجیر لگائی اور دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔

○

رات اپنے آپ کو جاوہاں کرنے کی خاطر سر بہ سر قیص ناز کرتی بھاگ رہی تھی۔ ہر شے بہ چشمہ نجوم اور گم آسمان کی طرح پُر ناز اور سرار ہو گئی تھی۔ ہر چیز کو لفظوں کے داؤ پر اٹکا کر رات نے نیند کے تشدد میں اضافہ کر دیا تھا۔ آسمان پر کبھرے ستارے سری منسوم ہنپی کے مچھلے تبسم کی طرح برف سے آراستہ پریتوں اور صدیوں سے سعی کرتے انسان کو تک سرجے تھے۔ اوس کے موتی زندگی کا روپ دھار کر سورج کی پہلی اور موت کا پیغام دینے والی کرن کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جنید! ادھر! ادھر! بھٹکتا رہا۔ جب رات گہری ہونے لگی تو اس نے ایشور مندر کا رخ کیا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے مندر سے ایک فرلانگ دور ایک نشیب میں کھیر کے ایک چھوٹے سے درخت کے ساتھ باندھ کر اس کے منہ پر نوزل کا توبرہ چڑھا دیا تاکہ وہ ہنہائے نہیں اور اگر نکتھنے پھر پھر پڑائے تو توبرہ چڑھا ہونے کی وجہ سے آواز دُور نہ جائے پھر وہ دے دے قدموں سے مندر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھا۔ اس کے پاس اپنی تلوار ڈھال کے علاوہ کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش بھی تھا اور بیٹھ پر لہجہ بھی بندھی ہوئی تھی۔

مندر کے قریب آکر جنید زمین پر لیٹ گیا اور چھپکلی کی طرح وہ رنگیتا ہوا آگے لپٹے لگا تھا۔ قریب جا کر اس نے دیکھا ایشور مندر کے ارد گرد دھڑت پہرہ تھا۔

جنید ایشور مندر کے شمال میں اس پہریلوں کی طرف آیا جو اوڑوں سے الگ تھلگ فادوراس کے اور وہ سرے پہریلوں کے درمیان فاصلہ بھی زیادہ تھا اور وہ اس لیے کہ نال کی طرف مندر کی تین منزلہ بلند عمارتیں تھیں لہذا اس طرف سے مندر میں جانا مشکل نال لیے اس سمت میں پہریلوں و دوسروں کی نسبت زیادہ فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔

اندھیرے میں کھڑے ایک پہریلوں کی سیدھ میں آکر جنید زمین پر لیٹے ہی لیٹے کچھ ہنسنے لگا۔ وہ رنگ کر ذرا اور قریب ہوا۔ ایک پتھر کی اوٹ میں وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بیٹھ پر بندھی کمان اتار کر ترکش سے تیر نکال کر چلتے پر چڑھایا اور تاک کس اس پہریدار کو مارا
پہلے ایک چیخ ابھری پھر ہلکی سی غر خرابٹ اس کے منہ سے نکلی اور وہ زمین پر گر کر دمیر
ہو گیا۔

اس کے دائیں بائیں ڈرافٹ صے پر کھڑے دونوں پہریداروں نے اس کی چیخ سنی
لی تھی لہذا وہ دونوں اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ جنید نے دیکھا مرنے والے پاسی
کی لاش کے پاس ہی ایک بڑا چٹان نما پتھر تھا۔ جنید بھاگ کس اس کی اوٹ میں جو باغ
پہلے دائیں طرف والا پہریدار وہاں پہنچا۔ اس نے لاش کو اوٹ پر ڈال دیکھا پھر وہ اس کے
حلق میں پیوست تیر کو حیرت و کسب سے دیکھ رہا تھا۔

جب اس نے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا اور اندازہ لگایا کہ دوسری طرف کا پہریدار
بھی بھاگتا ہوا آ رہا ہے تو وہاں رک کر انتظار کرنے لگا تھا۔ دوسرا پہریدار بھاگتا ہوا وہاں
آیا اور پہلے پہریدار سے پوچھا۔

”کیا ہوا۔ یہ دبی دبی سچی چیخ کیسی تھی اور یہ اسے کس نے مار دیا ہے۔“

پہلے پہریدار نے کہا۔ ”اُدھر دیکھو اسے کسی نے تیر مارا ہے اور یہ ابھی تک
اس کے حلق میں پیوست ہے۔ مندر سے باہر تو کچھ نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے یہ تیر کسی نے
عمارت کے اندر سے مارا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مندر کے اندر
رہنے والے بجا ریوں اور دیوداسیوں میں یا ہمارے ساتھی جو اندر پہرہ دے رہے ہیں
ان میں سے کچھ لوگ راجکماری کنپیل کے حق میں ہیں۔“

دوسرے پہریدار نے کہا۔ ”ایسا لگتا ہے اس مندر کے اندر ہمارے لیے خطرات منڈلا
لگے ہوں۔ اب یہ ہمارا ساتھی خواہ مخواہ میں مارا گیا ہے۔ اس راجکماری نے سوئمبر میں اپنی
نوا ہشوں کی تکمیل کے لیے حیلہ لیا اور مصیبت ہم پر پڑی ہوئی ہے۔ اگر راجکماری کنپیل راجکا
بکرماجیت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، اس کی یمنی نہیں بننا چاہتی، اس سے کوئی رشتہ
کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی تو پھر اسے یہاں ایک کمرے میں بند کر کے اس پر پہرہ لگا
دینے کا نظم کیوں۔“

پہلے پہریدار نے کہا۔ ”ایشور مندر کے پنڈت آتما رام اور راجکماری کنپیل کے بھائی
کیدار نے یہ سوئمبر اپنی مرضی سے رچایا ہے اس میں راجکماری کی خواہش اور مانگ شامل نہ تھی
منا ہے راجکماری مسلمان ہو چکی ہے۔ اس کی منگنی جنید نام کے ایک مسلمان سے ہو چکی ہے
جو اس کے مرنے والے باپ راجبکرماجیت نے کی تھی۔“

دوسرے پہریدار نے کہا۔ ”بجاری راجکماری پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا
تو میں فوراً اسے رہا کر دیتا اور کہتا جاؤ اپنے ملکیت کے پاس چلی جاؤ۔“
جنید ان دونوں پہریداروں کی گفتگو بڑے ذوق و شوق اور انہماک و توجہ سے
سن رہا تھا۔

جنید کو ان دونوں پہریداروں پر ترس آ رہا تھا۔ وہ ان دونوں کو جان سے نہ مارنا
چاہتا تھا۔ پر وہ اس کے کام میں رکاوٹ بھی تھے اور وہ انہیں اپنے راستے سے ہٹانا بھی
چاہتا تھا۔ پھر جنید نے ان دونوں کو جان سے نہ مارنے کی خاطر ایک بڑا خطرہ مول لیتے
ہوئے ایک اور تیر چلتے پر چڑھا کر مرنے والے کو مارا اور پھر غراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا
”تم دونوں میرے زہریلے تیروں کی زد میں ہو۔ اگر تم دونوں نے شور کرنے یا بھاگنے
کی کوشش کی تو میں رکھو میں اپنے تیروں سے تم دونوں کو چھلنی کر دوں گا۔ میں تمہاری پوری
گفتگو سن چکا ہوں، میں تم دونوں کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارا ہی خواہ ہوں۔ اپنی تلواریں
زمین پر پھینک دے اور ایک دوسرے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اگر تم نے ایسا کرنے
سے پس و پیش کیا تو تم دونوں کی حالت بھی تمہارے مرنے والے ساتھی سے مختلف نہ ہوگی۔“
ان دونوں نے فوراً اپنی تلواریں پھینک دیں اور سرور پر بندھی پٹیاں انہوں نے
کھول کر ایک دوسرے کی آنکھیں باندھ دیں۔

جنید پتھر کی اوٹ سے نکلا۔ پہلے ان دونوں کی تلواریں اٹھا کر اس نے دور پھینک
دیں۔ پھر ان دونوں کو اس نے زمین پر گرالیا اور مرنے والے کے کپڑے بھی اتار کر اس نے
دونوں کے پاؤں اور ہاتھ بشت پر کس کر باندھنے کے بعد ان کے منہ اور آنکھیں دوبارہ
خوب کس کر باندھ دیں۔ پھر وہ دونوں کو گھسیٹتا ہوا ڈرافٹ صے پر ایک پتھر کی اوٹ میں چھوڑ
دیا۔

آیا۔ اس کے بعد اس نے مرنے والے پریدار کی لاش بھی وہاں سے ہٹا کر ایک دوسرے پتھر کی اوٹ میں کر دی۔

پتہ نشانیں تک وہاں کھڑا ہو کر ایشور مندر کی اس عمارت کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اپنی پشت پر بندھن ہونی کند کھولی اور اسے اس کھڑکی پر پھینکا جو مندر کی اوپر جاتی ہوئی سیڑھیوں میں تھی۔ ایک بار اپنے دائیں بائیں بیچھے اور اوپر دیکھ کر جنید نے حالات کا جائزہ کیا پھر وہ بڑی تیزی سے اپنی کند پر چڑھ رہا تھا۔

کمند کے ذریعے جنید ایشور مندر کی دوسری منزل کی سیڑھیوں پر آیا۔ کند اس نے دوبارہ لپیٹ کر اپنی پشت پر باندھ لی۔ تلوار بے نیام کی اور ڈھال سنبھال کر وہ نیچے اترنے لگا۔ ابھی وہ تین ہی سیڑھیاں اتر تھا کہ ایک تاریک کونے سے اسے ایک مٹیھی اور شہد بھری نسوانی آواز سنائی دی۔ ”رکو! رک جاؤ جنید بھائی! نیچے نہ جاؤ۔ ادھر خطرہ ہے۔“

جنید ایک بار ہلک گیا پھر اس نے اپنی تلوار اور ڈھال اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھا ”تم کون ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو؟“

وہ لاکھی تھی جو اب تاریک کونے سے نکل کر جنید کے سامنے آئی اور کہا۔ ”جنید بھائی! میں اس مندر کی دیو داسی ہوں، میرا نام لاکھی ہے اور میں راجکماری کنپیل کی خدمت پر مامور ہوں۔ مجھے اور راجکماری کنپیل کو پہلے ہی امید تھی کہ آج رات آپ ضرور آئیں گے کیونکہ گویا راج مندر کا ایک پجاری یہاں کے بڑے پنڈت کے پاس یہ خبر لایا تھا کہ آپ نے راج مندر کے بڑے پنڈت کووند کو قتل کر دیا ہے اور اب آپ کسی وقت بھی چوڑ کا رنج کر سکتے ہیں۔ لہذا راجکماری نے مجھے محتاط کر دیا تھا۔ میں آپ کی راہنمائی کے لیے یہاں کھڑی ہوں۔“

جنید نے کہا۔ ”کنپیل اور کیدار کہاں ہیں؟“

لاکھی نے کہا۔ ”ان دونوں بہن بھائی کے کمرے تیسری منزل پر ہیں۔ پر کنپیل کے کمرے پر تو سخت پہرہ ہے۔ آپ کیسے اس سے ملیں گے اور کس طرح اسے یہاں سے نکال کر لے جائیں گے۔ کنپیل کے کمرے پر چھ سپاہی اور ایک ان کے کماندار کا پہرہ ہے۔ باری باری

دو دو سپاہی جاگ کر پہرہ دیتے ہیں اور باقی کے چار سپاہی اور ان کا کماندار کنپیل سے ملنے ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں۔“

جنید نے کہا۔ ”لاکھی! تم فکر نہ کرو۔ میں ان سب سپہ سالاروں سے نمٹ لوں گا۔ اور کنپیل کو یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ پنڈت دیالال اور پنڈت مسرام کہاں ہیں۔“

لاکھی نے کہا۔ ”ان دونوں کے کمرے بھی تیسری منزل پر کیدار کے ساتھ ہیں۔“ جنید نے کہا۔ ”تم سب سے پہلے مجھے کیدار کے کمرے کی طرف لے چلو۔“ لاکھی نے چونک کر کہا۔ ”وہ تو آپ کا بدترین دشمن ہے۔ آپ اس سے مل کر کیا کریں گے۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ شور مچانا شروع کر دے گا اور اس طرح آپ پکڑے جائیں گے اگر ایسا ہو گیا تو کنپیل زخمی سکے گی۔ آپ اس وقت کسی سے نہ بیٹھیں اور جس طرح ممکن ہو کنپیل کو یہاں سے نکال کر بھاگ جائیے۔“

جنید نے کہا۔ ”تم فکر نہ کرو لاکھی! سب ٹھیک ہو گا تم مجھے کیدار کے کمرے تک لے چلو۔“

لاکھی نے پریشانی میں کہا۔ ”لیکن کیدار تو اپنے کمرے کو اندر سے زنجیر لگا کر سوچا ہو گا۔“ جنید نے کہا۔ ”تم چلو تو، اس کے دروازے پر دستک دینا اور کہنا کہ کنپیل کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اور اس نے آپ کو بلا لیا ہے۔ کیدار جب دروازہ کھولے گا تو میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔“

لاکھی نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر میرے پیچھے پیچھے آئیے۔“ جنید لاکھی کے ساتھ چلایا۔ دونوں تیسری منزل پر گئے پھر لاکھی نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کیدار کی آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

لاکھی نے کہا۔ ”کنپیل کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اس نے آپ کو بلا لیا ہے۔“ کیدار نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور بدحواسی میں اس نے پوچھا۔ ”کیا ہو کنپیل!۔“ چلو تم بھی میرے ساتھ اس کے پاس چلو میں اپنی بہن — —

کیدار کہتے کہتے رک گیا۔ کیوں کہ جنید دیوار کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ ایک ہاتھ سے اس نے کیدار کا منہ بند کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے کیدار کو اٹھا کر وہ کمرے کے اندر لے گیا اور لاکھی سے اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر آنے کو کہا۔

لاکھی فوراً حرکت میں آئی اور فوراً دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دی۔

جنید نے کیدار کو اس کی مسہری پر لا ڈالا۔ کیدار نے اپنی پوری خوشخواری میں جنید سے کہا۔ ”اچھا ہوا تم خود ہی یہاں آ گئے۔ اب تم بچ کر یہاں سے بھاگ نہ سکو گے۔ میں ابھی پہر دیاروں کو خبر کرتا ہوں وہ فوراً تمہیں پکڑ لیں گے۔“

جنید نے کہا۔ ”تم کیسے بے حس انسان ہو جن لوگوں نے تمہارے بھائی مال دیو، اس کی بیوی کرن، ماموں سیو داس اور اہل گھر کے داروغہ احمد یوسف کو اس کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا تم یہاں ایشور مندر میں ان کے ساتھ ہی رہتے ہو۔ کاش ایسے لوگوں کے ساتھ تو لا کرنے کے بجائے تم نے ان سے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لیا ہوتا۔“

بدحواسی اور پریشانی میں کیدار نے پوچھا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرا بھائی اپنی بیوی اور ماموں کے ساتھ ٹھیک ہے اسے کوئی کیوں اور کیسے قتل کرے گا۔“

جنید نے کہا۔ ”سندبے ہوش انسان! جس رات پنڈت دیالال اور دوسرا نے تم دونوں کو گوالیار شہر سے نکالا تھا، اسی رات پنڈت دیالال، دوسرا اور ان کے آدمیوں نے محل میں سوتے ہوئے مال دیو، کرن، سیو داس کا احمد یوسف کو اس کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا اور ان کی لاشیں محل کے باغ کے اندر گڑھا کھود کر دبا دی گئی تھیں۔ گوالیار کے مام جیم وادنے وہ گڑھا کھد کر خود ان کی لاشیں دیکھی تھیں۔ یہ سارے قتل پنڈت گودہ کے ایما پر ہوئے تھے۔ کیدار! جب تم اپنے بھائی اور بہن کے وفادار نہ ہوئے تو پھر کسی اور کو تم سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جنید نے اپنی تلوار کھینچ لی اور غضبناک ہو کر اس نے کہا۔

”تیرے جیسا بھائی جو اپنے سگے بھائی کا قاتل ہوا اسے زندہ رہنے کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ کاش تم نے اپنے بھائی کو قتل نہ کرایا ہوتا۔ کاش تم دھوکہ دہی سے کام لے

کر کنبیل کو اس طرف نہ لے آئے ہوتے۔ کیدار! کیدار! میں تجھے معاف نہ کروں گا! اس کمرے میں قتل کر دوں گا۔“

کیدار نے فوراً نیچے گر کر جنید کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور گڑا کر کہا۔ ”میں آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اتنی مہلت دیں تاکہ میں یہ جان سکوں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے یا اسے آپ میرے قتل کا ایک بہانہ بنا رہے ہیں۔ اگر ان پنڈتوں نے میرے بھائی، ماموں، کرن اور احمد یوسف کو اس کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا ہے تو یہ میرے انتقام سے بچ نہ سکیں گے۔“

سن رکھیے! احمد یوسف بے شک مسلمان تھا لیکن وہ مجھے عزیز تھا۔ وہ میرا بزرگ تھا مجھے بچپن میں کھلا چکا تھا۔ ان سب کے قاتلوں کو میں کیوں کر معاف کر دوں گا۔ مجھے ان لوگوں کو ترک نہ کرنا کی مہلت دے دیں پھر آپ جب چاہیں میری گردن کاٹ دیں۔“

جنید نے کہا۔ ”میں تم سے غلط بیانی نہیں کر رہا۔ اس کے باوجود اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو مجھے پنڈت دیالال اور دوسرا کے پاس لے کر چلو۔“

کیدار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“

پھر کیدار نے دیوار سے لٹکتی اپنی تلوار کی چرمی پٹی کمر سے باندھی اور جنید سے کہا۔ ”آپ میرے ساتھ آئیے۔“

دونوں کمرے سے باہر نکلے اور دو کمرے چھوڑ کر بائیں طرف ایک دروازے پر کیدار نے دستک دی۔ لاکھی بھی ان کے ساتھ آگئی تھی۔ اندر سے آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

کیدار نے کہا۔ ”دروازہ کھولیں، میں کیدار ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔“

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور پنڈت دیالال سامنے کھڑا تھا۔ جنید کو کیدار کے ساتھ دیکھ کر پنڈت دیالال کے ہوش اُڑ گئے اور رنگ پیلا ہو گیا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ پوچھتا۔ جنید کیدار اور لاکھی اس کمرے میں داخل ہو گئے اور کیدار نے کمرے کو اندر سے زنجیر لگا دی۔

جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پٹنگ پر لیٹا ہوا پنڈت و سرام بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور
دوسرا کاشکار تھا۔ کیدار نے کہا: ”تم دونوں بیٹھو، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“
دیا لال اور ویرام دونوں ایک ہی پٹنگ پر بیٹھ گئے پھر کیدار نے بھاری اور غصیلی آواز
میں پوچھا: ”کیا تم دونوں نے میرے بھائی مالدیو، کرنا، میرے ماموں اور احمد یوسف کو ان
کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا ہے۔“

اس انکشاف پر دیا لال اور ویرام دونوں کی یادداشت اور شعور میں ایک طوفان
سا برپا ہو گیا۔ یوں لگتا تھا دونوں کے اوسان کھو گئے ہوں اور وہ حیرت و تعجب سے ایک دوسرے
کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر دیا لال نے کہا: ”یہ ہم پر سراسر الزام ہے۔ ہم انہیں کیوں قتل
کرنے لگے۔ ہمارا ان سے کیا تعلق واسطہ۔“

جنید نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی اور ان دونوں کے قریب ہوتے ہوئے اس نے پوچھا
”کیا تم دونوں نے احمد یوسف، اس کے گھر والوں، مالدیو، سیو داس اور کرنا کو قتل کر کے
محل کے باغ میں گڑھا کھود کر انہیں وہاں دبانا دیا تھا۔ حاکم گوالیار رحیم وادنے یہ لاشیں
خود نکال کر دکھی ہیں۔ گوالیار کے پنڈت گوند نے خود کہا ہے کہ یہ فعل تم نے کیے ہیں۔ یہی
نہیں بلکہ تم دونوں محل کے محافظوں کے بھی قاتل ہو۔“

اگر تم اپنے ان جرائم کا اقرار کرتے ہو تو درست اور اگر تم انکار پراڑے رہتے ہو تو
میں ابھی اور اسی وقت تم دونوں کو نکال کر گوالیار لے چلوں گا اور وہاں تمہارے سامنے ثابت
کروں گا کہ تم دونوں ہی قاتل ہو اور سن رکھو وہاں جا کر میں تم دونوں کو جو سزا دوں گا، وہ
عبرت ناک ہوگی۔ تم دونوں کو زندہ دہشت سے اٹا لٹکا کر میں تم دونوں کی بکری کی طرح انٹی
کھال اٹھا دوں گا۔“

وسرام نے چیخنے چلانے کے انداز میں کہا: ”آپ چاہے ہمیں قتل کر دیں، لیکن ہم
گوالیار نہ جائیں گے۔“

جنید نے کہا: ”میں تم دونوں کو زبردستی اٹھا کر وہاں لے چلوں گا۔“
وسرام نے مردہ سی آواز میں کہا: ”بھگوان کے لیے ایسا نہ کریں۔ قتل ہم نے

اپنی نشا اور مرضی سے تو نہ کیسے تھے بلکہ راج مندر کے پنڈت گوند نے ہمیں ایسا کرنے کو کہا
اور ہم نے اس کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا تھا۔“

کیدار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اس نے اپنی تلوار لہرتے ہوئے کہا: ”تو گویا
تم میرے خاندان کے اس قتل عام کا اقرار کر چکے ہو۔ ظالمو! تم نے مجھے ایک عزیز بھائی سے
ایک شفیق ماموں سے محروم کر دیا ہے۔ تم نے میرا خاندان اکھاڑ دیا ہے اور وہاں سے نکال
کر مجھے اس نرک میں لا پھنسا ہے۔ میں کیوں کر تم لوگوں کو معاف کروں گا۔“ کیدار آگے
بڑھا اور تلوار مار کر اس نے ان دونوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔

پنڈت دیا لال اور ویرام کے قتل کے بعد جنید نے کیدار سے پوچھا: ”اب تمہارا
کیا ارادہ ہے۔“

کیدار نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے ایک شکستگی اور فروتنی میں کہا: ”جنید بھائی!
میں جانتا ہوں آپ راستی اور سچائی پر تھے۔ میں بھی ہٹک گیا تھا، مگر ابی کاشکار ہو گیا تھا۔
آہ! میں نے ان قاتل اور پلید پنڈتوں کے کہنے میں آکر اپنی عزیز بہن کو سورگ سے نکال کر
یہاں نرک میں لا پھنسا یا۔ کاش میں اس کی شادی آپ سے کر دیتا تو میں اپنے اہل خانہ سے
یوں محروم نہ ہوتا۔ میرے بھائی، میرے ماموں کی روحیں اپنے جہنم میں مجھے کستی رہیں گی۔
اور مجھے چین نصیب نہ ہوگا۔“

کاش میں اپنی پھولوں جیسی بہن کو یہاں خوفی بیڑیوں میں نہ لا پھنستا۔ آہ میں نے
زبردستی اس کا سونہر رچایا۔ اسے مارا بھی جب کہ میں نے اس پر کبھی سخت اور کوڑی نگاہ
تک نہ ڈالی تھی۔

جنید بھائی، کنپل آپ کی ہے۔ میرے ماں باپ اسے آپ کے حوالے کر چکے تھے۔
میں نے ماں باپ کے عہد سے بغاوت کی اور اس انجام کو پہنچا۔ جنید بھائی میری بہن کنپل
آپ کی امانت ہے۔ وہ آپ ہی کی پتی اور بیوی بنے گی۔ میں سوئمیر کی ساری رسومات پر
لات مارتا ہوں۔ ایک بار مجھے کنپل کو یہاں سے نکال لینے دیجئے۔ پھر حیب چلے، آپ
بڑے قتل کر دیں۔ میں آپ کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں میں

آپ کا مجرم ہوں۔

جنید نے آگے بڑھ کر کیدار کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اب جب کہ تم مجھے بھائی کہہ کر پکار رہے ہو میں کیوں کر تمہیں قتل کروں گا۔

کیدار نے جنید کی چھاتی پر سر رکھ دیا اور بچوں کی طرح وہ سسک سسک کر رو پڑا تھا۔ شاید والدیو، سیو داس اور کرن کی موت نے اسے پسینہ کر رکھا دیا تھا۔

جنید نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کیدار! کیدار! سنبھلو، ابھی ہم نے کنپیل کو یہاں سے نکالنا ہے۔

کیدار نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور جنید سے علیحدہ ہو کر اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ”جنید بھائی سنو! میں نے کنپیل کا سو ممبر رچایا تھا اور سو ممبر رانا سا نکلا کا بیٹا بکرماجیت جن گیا تھا۔ پر کنپیل نے اسے بچی ماننے اور اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بکرماجیت کنپیل کو یہیں چھوڑ گیا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ کنپیل پر خوب سختی کی جائے اور جب وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کرے تب وہ اسے اپنی بیٹی کی حیثیت سے اپنے باپ رانا سا نکلا کے پاس لے کر جائے گا۔

اب مندر سے باہر اور کنپیل کے کمرے پر اس کے سپاہیوں کا سخت پہرہ ہے کنپیل کو ہم کس طرح اس کے کمرے سے نکالیں گے۔ میں بھی کیسا جاہل ہوں میں نے آپ سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ اس قدر سخت پہرے کے باوجود آپ مندر میں کیسے داخل ہو گئے۔ جنید نے کہا۔ ”ان باتوں کو چھوڑو کیدار! یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم اور لاگھی میرے آگے آگے کنپیل کے کمرے کی طرف جاؤ۔ میں ذرا فاصلے پر کھڑا رہوں گا۔ تم پہرہ داروں سے کہو کہ میں نے اپنی بہن کی عافیت جاننے کے لیے اس سے ملنا ہے۔ اس طرح تم اور لاگھی ان پہرہ داروں کو باتوں میں لگاؤ۔ اس سے آگے بیا کرنا ہے یہ میرا کام ہے۔

کیدار نے کسی قدر مسکرا کر کہا۔ ”تو پھر آئیں اس کی ابتدا کر دیں دیر کا ہے کی۔“
تینوں کمرے سے باہر نکلے۔ آگے آگے کیدار اور لاگھی تھے اور ان کے پیچھے جنید تھا کیدار کے کمرے کے پاس سے گزر کر وہ دوسری سمت عمارت کے اس حصے میں گئے جس طرف

دیو داسیاں رہتی تھیں۔

ایک جگہ جنید دیوار کے ساتھ چپک کر فوراً رُک گیا۔ کیوں کہ اس نے دیکھا سامنے ایک کمرے پر دو پہرے دار اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ دیوار کے ساتھ چپک کر جنید آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

پہرہ دار نے کیدار کو روکا۔ کیدار نے کہا۔ ”میں نے دن کے وقت اپنی بہن کو مارا تھا۔ میں اس وقت سخت پریشانی اور ذہنی الجھن کا شکار ہوں۔ میں اپنی بہن کی عافیت جاننا چاہتا ہوں۔“

پہرہ دار نے کہا۔ ”رات کے اس وقت ہم کسی کو بھی راجکارہ سے ملنے نہ دیں گے“ اندر کنپیل نے بھی جو جاگ رہی تھی شاید یہ گفتگو سن لی تھی۔ لہذا وہ دروازہ کھول کر دروازے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ اپنے بھائی سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ رُک گئی کیوں کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جنید نے کسی تو بخوار و توانا تیندوے کی طرح ایک لمبی حسرت لگا کر ان دونوں پہرہ داروں پر حملہ کر دیا تھا جو کیدار کو کنپیل سے ملنے نہ دے رہے تھے۔

کنپیل جو دروازہ کھولنے کے بعد کیدار اور لاگھی کے سامنے افسردہ شمع، خاموش مغنی الفاظ کی رقت، حنظل کی بیل، چھٹی ہوئی کمان، ویراں بادیر و صحرا و بیابان و جنگل، آنسوؤں کے حصار اور شام کے غم گین اندھیروں کی طرح اُداس، بکھری بکھری اور منتشر کھڑی تھی جب اس نے اپنے سامنے اور اپنے بھائی کیدار کی موجودگی میں جنید کو کسی ہولناک چپتے کی طرح پہرہ داروں پر زقند لگاتے دیکھا۔ تو وہ انسانیت کے نئے جنم کی طرح پُر سکون، خوشیوں کی چاندنی جیسی خروازاں، رنگاگری کے سفید پھولوں کی طرح پرکشش ہو گئی تھی۔

اس کا چہرہ خوشی میں گلابی ہو گیا تھا۔ جھکی دراز پلکوں اور لبوں پر ایک جھلملا ہٹ تھی۔ خوشیوں کا ایک طوفان اس کے جذبات میں گردشیں بدلنے لگا۔ خوشی، انبساط اور لہر صرت میں اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے کسی کے احترام میں وقت رُک گیا ہو کسی کی خدمت کو سلام کرتے ہوئے ستارے آپس میں باوصال ہونے لگے ہوں۔ وہ کیف بھرے

لکھے۔ رسی، رچے، مڑسم، پانڈنی کے نول جیسے ہونٹوں کی طرح شاداں و آب دار ہو گئی تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر اب وہ کیدار اور لاکھی کے ساتھ اکھڑی ہوئی اور بڑے شوق سے منید کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

اپنے پہلے ہی حملے میں جنید نے دونوں پیریداروں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک کیدار نے بھاگ کر اس کمرے کا دروازہ بند کر دیا جس کے اندر دوسرے پیریدار اور ان کا کماندار سونے ہوئے تھے۔

کنپل نے جب دیکھا کہ اس کا جنید اور اس کا بھائی دونوں مل کر ایک تعاون اور اتفاق سے کام کر رہے ہیں تو وہ لمبی خوشیوں اور نوحے جسٹس کا شکار ہو گئی تھی۔ پیریداروں کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کرنے کے بعد کیدار نے جنید سے کہا۔ ”اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کمرے میں بند رہے دار بھاگ اٹھے تھے اور اب وہ موکے لیے پکارتے کے علاوہ بلند آوازوں میں شور بھی کرنے لگے تھے۔

جنید نے لاکھی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا لاکھی! تمہارے تعاون کا شکریہ۔ اللہ حافظ۔ کنپل فوراً لاکھی سے گلے ملنے لگی۔ اس موقع پر لاکھی کی آنکھیں اشک آلود ہو گئی تھیں۔ شاید وہ انسان خاص خلوں کا نتیجہ تھے جو اس کے اور کنپل کے درمیان رہا تھا۔

جنید نے کہا۔ ”جلدی کرو، اب یہاں سے بھاگ چلیں۔ ہمارے لیے اب یہاں ہر لمحہ خطرات برپا رہتے جا رہے ہیں۔ عمارت کی سیڑھیوں کی طرف چلو۔ وہاں سے کندے ذریعے شمال میں اتر کر ہم بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیدار! کیدار! تم دونوں بہن بھائی آگے آگے رہو، میں پیچھے رہ کر تم دونوں کی حفاظت کروں گا۔“

کیدار نے کہا۔ ”نہیں نہیں ایسے نہیں، آپ کنپل کو لے کر آگے رہیں، میں پیچھے رہتا ہوں۔ اگر کسی نے تعاقب کیا تو میں اسے کہوں کہ کنپل بھاگ رہی ہے اور میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ اس طرح میں ان کو روک سکتا ہوں یا غلط راہ پر ڈال کر تم دونوں کو یہاں سے بھاگ جانے کا موقع اہم کر سکتا ہوں۔ مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھ پر کوئی شک کریگا۔“

کمرے میں بند رہے داروں کے شور کرنے کی وجہ سے اب باہر بھی رہے داروں کا شور سنائی دینے لگا تھا۔ جنید نے کہا۔ ”لاکھی! تم بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی جاؤ تاکہ تم پر کوئی شک نہ کرے۔“

لاکھی وہاں سے بھاگ گئی پھر جنید نے کنپل کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ کیدار ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کر لی تھی تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔

تینوں سیڑھیوں پر آئے۔ وہاں جنید نے کند پھنسا کر باہر پھینک دی۔ کیدار سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ کیدار ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کر لی تھی تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔ تینوں سیڑھیوں پر آئے۔ وہاں جنید نے کند پھنسا کر باہر پھینک دی۔ کیدار نے کہا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں آپ، اس طرف تو باہر پہرے دار ہیں، وہ کسی بھی صورت میں بچ کر بھاگنے نہ دیں گے۔“

جنید نے کہا۔ ”اس طرف کے تین پہرے داروں میں سے ایک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور دو کو میں باندھ کر ایک پتھر کی اوٹ میں ڈالنے کے بعد یہاں اوپر آیا تھا۔ تم فکر مند نہ ہو، یہ سمت محفوظ ہے۔“

جنید نے کند پر نکلے ہوئے کہا۔ ”کنپل تم میرے کندھے پر پاؤں رکھ لو اور اسے کو مضبوطی سے پکڑ کر میرے ساتھ ساتھ نیچے اترنے کی کیکرو۔“

جنید کی ہدایات کے مطابق کنپل نے جنید کے کندھوں پر پاؤں رکھ لیے اور کند کا رسہ پکڑ کر وہ جنید کے سارے اور اس کے ساتھ ساتھ نیچے اترنے لگی۔ کنپل کے بعد کیدار بھی کند سے نیچے جا رہا تھا۔

عمارت سے نیچے اترنے کے بعد جنید انہیں لے کر اس طرف بھاگ کھڑا۔ اجدھر وہ گھوڑا باندھ کر آیا تھا۔ اچانک سیڑھیوں کی کھڑکی میں سے باہر آنے لے پہرے داروں نے ان تینوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ اونچی اونچی

آوازوں میں چلانے لگے۔ ”راجکمار کی کنپل بھاگ گئی۔ کوئی اسے یہاں سے ہٹانے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ پکڑو پکڑو“ وہ شمال کی طرف بھاگ رہے ہیں۔“

عمارت کے مشرقی حصے میں پہرہ دینے والے سپاہی ان کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ میڑھیوں پر کوئی شور کرنے لگا۔ ”انہیں پکڑ لو“ بھاگنے نہ پائیں ورنہ راجکمار بکجا جیت ہم سب کو ادھیڑ کر رکھ دے گا۔“

اچانک تعاقب کرنے والوں نے ایک ساتھ کئی تیر جنید، کیدار اور کنپل پر چلا دیے۔ کنپل جنید سے آگے تھے لہذا وہ محفوظ رہی۔ جنید کی پشت پر چونکہ تیروں سے بھرا ہوا ترکش بندھا تھا لہذا وہ بھی بچ گیا کئی تیر اس کے ترکش میں آ کر کھب گئے۔ جنید نے فوراً اپنے گلے سے لٹکتی ہوئی ڈھال کنپل کی پشت پر لٹا دی تھی تاکہ وہ تعاقب کرنے والوں کے تیروں سے محفوظ رہ سکے۔

جنید نے دیکھا کہ کیدار رک گیا تھا اور اپنی پیٹھ میں پوست تیر نکالنے لگا تھا۔ جنید نے کنپل سے کہا۔ ”کنپل، کنپل کیدار زخمی ہو گیا ہے تم اسے سہارا دے کر سیدھا آگے لے جاؤ۔ چند قدم آگے ایک نشیب میں میرا گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ تم دونوں بسن بھائی اس پر جا کر سوار ہو جاؤ۔ میں ان تعاقب کرنے والوں پر جوابی تیر اندازی کر کے انہیں روکتا ہوں ورنہ یہ ہمیں بھاگنے نہ دیں گے اور تینوں کو جھپٹ کر کے ہمیں ختم کر دیں گے۔“

کنپل نے جنید کی تجویز پر فوراً عمل کیا اور وہ کیدار کو سہارا دے کر بھاگتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ جنید وہیں لیٹ گیا۔ کندھے سے کمان اس نے اندازاً اور ترکش سے تیر نکال کر اپنے پاس اس نے ڈھیر کر لیے تھے۔ تعاقب کرنے والے جب بھاگتے ہوئے قریب آئے تو بہید نے ان پر تیز اور موسلا دھار بارش کی طرح تیر برسانے شروع کر دیے تھے۔ تعاقب کرنے والوں میں سے چھ جنید کے تیروں سے چھد کر وہیں گر گئے اور باقی تین شور اور واویلا کرتے ہوئے واپس بھاگ گئے تھے۔

جنید اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ بچے ہوئے تیر اس نے واپس اپنے ترکش میں ڈال لیے اور اپنی کمان کندھے پر لٹکائی اور اپنے گھوڑے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

جنید جب نشیب میں بندھے ہوئے اپنے گھوڑے کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ کنپل کیدار کے زخموں پر کس کر کپڑا باندھ چکی تھی تاکہ زیادہ خون نہ بہے۔ اس کے علاوہ اس نے گھوڑے کے منہ سے تو برا اتار کر زین سے باندھ دیا تھا اور کیکر سے بندھی گھوڑے کی لگام کھول کر وہ پیار سے گھوڑے کی گردن تھپتہا رہی تھی۔

جنید نے کہا۔ ”کنپل، جلدی کرو، یہاں سے بھاگ چلیں۔ میں نے ایک بار تعاقب کرنے والوں کو واپس بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کے چھ آدمی مارے گئے اور تین واپس بھاگ گئے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ گھوڑوں پر ہمارا تعاقب کریں۔ اس طرح وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ کیدار کے زخمی ہونے سے ہمارے مسائل میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔“

جنید نے کیدار کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا پھر اس کے پیچھے بیٹھ کر جنید نے اسے ایک ہاتھ سے سنبھالا اور دوسرا ہاتھ اس نے کنپل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”کنپل، جلدی کرو، میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔“

کنپل جنید کا ہاتھ پکڑ کر اور رکاب میں پاؤں جما کر جنید کے پیچھے بیٹھ گئی اور جنید نے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر سریت دوڑا دیا۔

رات پہلے ہی کافی جا چکی تھی۔ تقریباً ”آدھی رات تک وہ گھوڑے کو بھاگتے رہے۔ یہاں تک کہ کیدار نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”جنید، جنید، میرے مائی، گھوڑے کو روک دو۔“

جنید گھوڑے کو جس شاہراہ پر وہ بھاگ رہا تھا، اس سے اتار کر ایک نشیب کی طرف لے گیا۔ کیدار نیم سی بے ہوشی میں کہہ رہا تھا۔ ”جنید جنید، میرے ل جیوں کی کٹھانیوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ کنپل، کنپل، میری بسن، میں کیسا

دیں آگے۔“

جنید نے کہا۔ ”کیسے گزر جانے دوں۔ ہم نے بھی اسی طرف جانا ہے۔ لہذا یہ ہمارے لیے خطرات اور دشواریاں پیدا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ہر طرف ہمارے تعاقب میں سوار دوڑا دیے ہوں گے اور اگر ہم ان کو ختم کر کے آگے نکل گئے تو پھر کوئی اور ہمارا تعاقب کرنے کو نہ آئے گا۔ تم فکر نہ کرو کنہل، میں ان سے خوب نمٹوں گا۔ تم یہیں گھوڑے کے پاس ہی کھڑی رہو۔“

جنید بھاگ کر شاہراہ کے قریب آیا اور لیٹ گیا اور اپنے سامنے اس نے ریت کا ایک ڈھیر بنا کر اپنی کمان اور تیر سنبھال لیے تھے۔

تھوڑی دیر بعد شاہرہ پر کئی گھوڑ سواروں کے ہیولے دکھائی دیے۔ جنید سنبھل گیا۔ وہ تعداد میں چھ سات تھے۔ جب وہ جنید کے پاس سے گزرنے لگے تو جنید نے پہلے سب سے پیچھے والے کو نشانہ بنا کر تیر چلایا پھر ایک دو تین اور کئی تیر اس نے چلا کر پچھلے چاروں کو ہلاک کر دیا۔ اگلے دونوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور نیچے اتر کر جب وہ چیخیں مار کر اپنے ساتھیوں کا جائزہ لینے لگے تو جنید نے پھر تیر برسائے اور ان دونوں کو بھی ختم کر دیا۔ پھر واپس گیا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ کنہل کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ گھوڑے کو شاہراہ پر لا کر اس نے ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

○

اگلے روز جب سورج طلوع ہو کر ذرا بلند ہوا تو جنید نے اسے ایک ایسے چوراہے پر اپنے گھوڑے کو لا روکا جہاں سے ایک راستہ آگرہ کی طرف دوسرا سیدھا بنارس شہر وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے کنارے آگے بڑھتے ہوئے قنوج اور وہاں سے بائیں ہاتھ گھوم کر دریائے جتنا کو پار کر کے آگرہ کی طرف جاتا تھا۔ جب کہ دائیں طرف صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیرتن نام کی وہ بستی دکھائی دے رہی تھی جس میں کشتا رہتی تھی۔

بدبخت بھائی ہوں جو میرا تم پر ہاتھ اٹھ گیا، مجھے معاف کر دینا میری بہن۔“
کنہل بے چاری جواب میں کچھ کہنے کی بجائے سسکیاں لے کر رونے لگی تھی پھر کیدار نے بڑی مشکل سے کہا۔ ”جنید، میرے بھائی، کنہل کا خیال رکھا، میرے ماں باپ کی نسل سے یہ واحد نشانی ہے جو باقی بچی ہے۔ یہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور...“

اس سے آگے کیدار کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا۔ جنید نے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا، کیدار ختم ہو چکا تھا۔

جنید نے دکھی لہجے میں کہا۔ ”کنہل، کنہل، مجھے بے حد افسوس ہے کہ کیدار ختم ہو چکا ہے۔“ کنہل بے چاری دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔
جنید نے گھوڑے کو ایک نشیب کے اندر اتار دیا۔ یہ ریتلا علاقہ تھا۔ جنید نے کیدار کی لاش کو اتار کر ریت پر رکھ دیا اور کنہل بے چاری بھائی کی لاش سے لپٹ کر رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔

اپنی ڈھال کی مدد سے جنید نے وہاں ریت میں ایک گڑھا کھودا اور کنہل سے کہا۔

”کنہل، آؤ کیدار کو یہاں دفن کر دیں اور اپنا سفر جاری رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور ہمارا تعاقب کرتا ہوا پہنچ جائے۔“

کنہل بے چاری نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور دونوں نے مل کر کیدار کی لاش اس گڑھے میں اتار دی پھر ریت ڈال کر گڑھے کو بھر دیا۔

جب وہ دونوں اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو جنید فوراً ”چوک پڑا اور کندھے سے کمان اتارتے ہوئے اس نے کہا۔ ”کنہل، کنہل، غور سے سنو“
سوار ہمارا تعاقب کرتے ہوئے آگئے ہیں۔ کیا رات کی خاموشی میں تم گھوڑوں کے بھاگنے اور لمحہ بہ لمحہ نزدیک آنے کی آوازیں نہیں سن رہی ہو۔“
کنہل نے کہا۔ ”ہمیں ان سے الجھنے کی ضرورت ہی نہیں، انہیں گزر جانے

کنہل نے پریشان ہو کر اپنے دونوں ہاتھ جنید کے کندھوں پر رکھتے ہوئے بکھری بکھری آواز میں پوچھا۔ ”آپ نے گھوڑا کیوں روک لیا ہے اور مغموم ہو کر آپ کن سوچوں میں کھو گئے ہیں۔“

جنید نے کہا۔ ”کنہل، اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔“
کنہل نے کہا۔ ”آپ بلا جھجک کہیں، میں آپ کی کسی بات کا بھی برا نہیں مان سکتی۔“

جنید ذرا رکا پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک کشا کے سارے واقعات تفصیل سے سنا ڈالے

جنید جب خاموش ہوا تو کنہل نے ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کی باگ دائیں طرف نظر آتی کشا کی بستی کیرتن کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ ”اس بستی کی طرف چلے، خدا کی قسم آپ کے سچ بولنے پر مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ کشا کے پاس چلے، میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ جہاں میں آپ کے ساتھ رہوں گی وہاں کشا بھی آپ کی بیوی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہے گی۔ خدا کی قسم کشا غریب اور دکھی ہونے کے ناطے سے میری نسبت آپ کی زیادہ حق دار ہے۔ میں اس کی عزت، اس کی قدر کروں گی۔ ہم دونوں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ بخدا میں اس کی رفاقت کو ایک سعادت جانوں گی۔“

جنید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے گھوڑے کو موڑ کر بستی کی طرف بڑھا دیا۔



جنید اور کنہل مندر کے احاطے میں داخل ہوئے۔ پھر وہ نیچے اترے اور اپنے گھوڑے کو باہر ہی چھوڑ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں کشا رہتی تھی۔ اس کمرے میں راجی اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ جنید کو دیکھتے ہی وہ بے چاری کھڑی ہو گئی اور خوش طبعی سے اس نے کہا۔

”آئیے جنید بھائی۔“

جنید نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔ ”کشا کہاں ہے؟“

راجی نے کہا۔ ”آپ دیر اور تاخیر سے آئے ہیں جنید بھائی۔ کشا اپنا جیون بنا کر ہم سے رخصت ہو کر دور جا چکی ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں اگر سین کی بہن کیسو آئی اور اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کی خاطر اس نے تلوار مار کر کشا کو قتل کر دیا۔“

جنید کی پلکیں بھیگ گئیں اور اس نے دکھ اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کشا مر گئی۔“

راجی نے روتے ہوئے کہا۔ ”آہ، جب کشا کو چتا میں جلایا جا رہا تھا تو مجھے یوں لگا تھا جیسے میری اپنی اور سگی بہن مجھ سے پھڑ گئی ہو۔ میں نے چتا سے کشا کی ہڈیاں سنبھال کر رکھ لی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ جب کوئی گنگا کی طرف چائے گا تو اسے دے دوں گی کہ وہ انہیں گنگا میں بہا دے۔“
کنہل نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا۔ ”وہ ہڈیاں مجھے دو، میں خود انہیں گنگا نذر کروں گی۔“

لکڑی کے ایک صندوق سے راجی نے سیاہ رنگ کے کپڑے میں بندھی کشا کی جلی ہوئی ہڈیاں کنہل کو تھما دیں۔

جنید نے ان ہڈیوں کو چھوا پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ”آنسو، جس میں سلگتے انگاروں جیسا سوز، حدت اور بھڑکاؤ تھا۔ جنید کی حالت دیکھ کر کنہل بے چاری بھی سسک کر رو پڑی تھی۔“

جلدی ہی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جنید نے کہا۔ ”راجی، راجی، ہم اب چلتے ہیں۔“

راجی نے کہا۔ ”جنید بھائی آپ بیٹھیں نا۔“

جنید نے کہا۔ ”نہیں ہم چلتے ہیں، ہماری منزل ابھی بہت دور ہے۔“

راجی بے چاری چپ ہی رہی۔ جنید اور کنپل باہر آئے۔ دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے۔ کنپل نے کشتا کی ہڈیاں اس طرح سنبھال کر گھوڑے کی خرچین میں ڈال دی تھیں جیسے وہ اس کی زندگی بھر کی پونجی اور اس کی قیمتی متاع ہوں۔

مندر سے نکل کر وہ اسی دوراہے پر آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے جو بنارس کی طرف جاتی تھی اور وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے کنارے قنوج تک آگے بڑھی ہوئی بائیں طرف مڑ کر دریائے جمنا کو پار کر کے آگرہ کی طرف چلی گئی تھی۔

صرف دو سال بعد ہمایوں کے دور میں جب جنید نے جونپور اور کالنجر میں کارہائے نمایاں کا مظاہرہ کیا تو ہمایوں نے اسے جونپور کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

تمت بالخیر